

سلسلہ تصوف نمبر ۱۴
اردو ترجمہ کتاب

عقائد مجددیہ

المستفیہ
الضراط السوی ترجمہ عقائد توریشتی

مُصنّفہ

جناب علامہ شہاب الدین توریشتی رحمۃ اللہ علیہ
مترجمہ مرتبہ

علامہ مان فال وراں مقبول ایزد سبحان مولانا مولوی اختر محمد خاں صاحب ام پوری حنفی
قادری نقشبندی مجددی خلیفہ مجاز قدوۃ السالکین بدۃ العارفين مقبول الثقلین
مولانا مولوی احمد حسین خاں صاحب مروی حید آبادی نقشبندی مجددی ام الفضل خفوی اہلی

اللہم ابیکم فی کلّ کان

ملکین الخلف شہید فضل الدین گنئی نقشبندی مجددی تاجر کربلا نقشبندی

کوچے گنیاں - بازار شہیری لاہور

نے بصرف نیکو بامجاوردہ اردو ترجمہ کر اگر نہایت صحت کے ساتھ چھپوائی

THE
LIBRARY
OF THE
MUSEUM
OF
COMPARATIVE ZOOLOGY
AND
ANATOMY
OF THE
MUSEUM OF
COMPARATIVE ZOOLOGY
AND
ANATOMY
OF THE
MUSEUM OF
COMPARATIVE ZOOLOGY
AND
ANATOMY



اس کتاب کے تمام حق حقوق بموجب ایکٹ نمبر ۱۷۴ بنام ملک چمن لدین لکھے گئے نہی محفوظ ہیں

سلسلہ تصوف نمبر ۱۷۱

اردو ترجمہ کتاب

المعتدنی المعتمد

المستنبط

الضراط السوی ترجمہ عقائد لوری

جناب علامہ شہاب الدین توریشتی رحمۃ اللہ علیہ ۶۳۰ ہجری

مترجمہ و مرتبہ

علامہ ہاشم خان دران مقبول از سبھاں مولانا مولوی اختر محمد خان صاحب رام پوری حنفی
قاوری نقشبندی مجددی خلیفہ مجاز قدوة السالکین بدۃ العارفين مقبول الثقلین
مولانا مولوی احمد حسین خان صاحب مروہی حیدر آبادی قاوری نقشبندی مجددی
وام الفضل الحنفی و الحبلی

جسے بعد حصول حق حقوق ترجمہ از مسترحم

اللہ والے کی قومی کان ملک حسن الدخلت و فضل الدکے زنی نقشبندی
تاجر کتب می، منزل نقشبندیہ کوچ گئے نمایاں بازار کشمیری لاکھو

لکڑی پریس لاکھو میں کا تمام بارقہ اللہ جی

وعظ و عقائد کی قابل دید کتابیں

اردو ترجمہ کتاب تہ کثرۃ العظمین 135438

یہ کتاب سراپا برکت اور رحمت مولانا مولوی محمد جعفر القریشی حنفی المذہب کی تصنیف سے عربی زبان میں تھی۔ اس کا اردو ترجمہ بہر فز کثیر نہایت محنت سے عام شائقین کے لئے عموماً اور واعظین کے لئے خصوصاً کرایا گیا ہے جو ہر ایک مسلمان کے لئے نہایت کارآمد ہے مصنف علیہ الرحمۃ نے تمام مسائل شرعیہ کو شرح و بسط کے ساتھ اس کتاب میں بیان فرمایا ہے۔ قیمت ۱۲

مجموعہ خطب خلیق

یہ مجموعہ خطیبوں اور واعظوں کے لئے تو از بس مفید ثابت ہو چکا ہے۔ اس میں سال تمام کے خطبے جمعہ، عیدین وغیرہ کے خطبے درج ہیں۔ اس مجموعہ کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے مجموعہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ ناظرین ضرور منگو کر ملاحظہ فرمائیں۔ قابل دید ہے۔ قیمت ۱۵

توضیح العقائد

عقائد اسلام میں ایک بردست جامع اور دلکش کتاب ہے۔ یہ کتاب بطور سوال و جواب تصنیف ہوئی ہے۔ مصنف حضرت مولانا حاجی شاہ محمد رکن الدین صاحب الوری مصنف کا نام نامی و اسم گرامی ہی اس کتاب کی سراپا تعریف ہے۔ نہایت اعلیٰ چکنے کاغذ پر بڑی صحت اور صفائی سے خوشخط نہایت اعلیٰ طبع کرائی گئی ہے۔ جو شخص اس کتاب کے مسائل اور رکن الدین کے مسائل ذہن نشین کر لے گا۔ گویا وہ ایک پورا پورا عالم بن جائے گا۔ نہایت قابل دید کتاب ہے۔ قیمت صرف ۱۲

امرو ایکی قومی دکان کشمیری بازار لاہور

صحیح نامہ

سیرۃ کمالیہ اور شیخ محمد مقدس رحمہ اللہ کی حواشی منبذ

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
خدا یا تیرے	خدا یا ہم تیرے	۱	۴	عقائد	عقائد	۱۹	۴
تفرقت	متفرق	۱	۱۳	حو	حو	۲۰	۵
میں کسی کی	کسی کو شک نہیں	۳	۲۰۹	صورت	صورت	"	"
	کہہ دے			دار کا	دار کا	۲۷	۵
جانب سے	انسان اس کے	"	"	الاصول	الاصول	"	"
	سیرۃ کی طرف سے	"	"	من اعتقاد	من اعتقاد	"	"
لیطوفوا	لیطفتوا	۳	۲۵	ماتریدی کے	ماتریدی کے	"	۱۶
واستفرق	ستفرق	۵	۱۰	باب	باب	"	۲۲
ویدنات	ویدنات	"	۵۰	حرف	حرف	۲۳	۱۱
وہ حال سے	وہ حال سے غالی	"	"	ہوتی ہے	ہوتی ہے	"	۱۸
ایک	نہیں ایک ایک	۶	۱۰	اُس کی	اُس کی	"	"
الاحتمہ	الاحتمہ	۸	۸	وعدم	وعدم	۲۴	۱۷
عنقر	صفحہ ۱۸	"	۱۴	شرع	شرع	۲۵	۳
دون	دونوں	۱۲	۱	علیہ	البسمہ	۲۷	۷
اسی	ان	۱۲	۲۰	ان محمد	ان محمد	"	"
ساتھ	ساتھ	۱۲	۲۰	بسم	بسم	"	"
غلاط	غلاط	۱۵	۳۰	من الضروریات	من الضروریات	"	"
انراقعہ	ازارتہ	۱۴	۱۲	دو عالم	عالم	۲۸	۶
گروہ	سرگروہ	"	۱۵	شرک	شرکت	"	۸
مباہ	مباح	۱۷	۵	کی جاتی	کیا جاتا	"	"

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۵	۱۲	ان میں	ان میں	۲۸	۹	عالم	عالم
۲۶	۱۲	صفحہ ۳۵۰	صفحہ ۲۲۶	۲۹	۲	صفحہ ۲۰۲	صفحہ ۲۰۲
۲۷	۱۲	کا	کے	۳۰	۲	مرتے	مرتے
۲۸	۱۲	اس کو	ان کو	۳۱	۱۴	مرزائی	مرزائی
۲۹	۱۱	مایہ	مایا	۳۲	۱۸	جزوی	جزوی
۳۰	۱۱	"	"	۳۳	۱۸	ہونا ان کا	ہونا ان کا
۳۱	۱۵	پرستی	پرستی	۳۴	۱۸	نصاب العین	نصاب العین
۳۲	۱۵	ظہور	ظہور	۳۵	۱۸	صفحہ ۲۰۵	صفحہ ۲۰۵
۳۳	۲۰	قطع	قطع	۳۶	۱۸	من تمسک	من تمسک
۳۴	۲۰	ایات	ایات	۳۷	۲۰	کیا کچھ	کیا کچھ
۳۵	۱	تدبیر اس کی	تدبیر	۳۸	۲۲	افساد	افساد
۳۶	۱۴	رکھتی	رکھتی ہو	۳۹	۱۶	کے تراجم ایسے	کے ایسے
۳۷	۱	پہلے	مانا پہلے	۴۰	۱۵	کے	کے
۳۸	۲	ہیں	نہیں	۴۱	۱۲	المُعْتَمِدُ	المُعْتَمِدُ
۳۹	۵	کر سکتا	سکتا	۴۲	۱۳	فِي الْمُعْتَمِدِ	فِي الْمُعْتَمِدِ
۴۰	۶	عزیز	عزت	۴۳	۸	بیش	بیش
۴۱	۶	ذیل	ذیل	۴۴	۱۲	دوامی	دوامی
۴۲	۱۸	شہادت	شہاد	۴۵	۱۸	لاق	لاق
۴۳	۱۵	کسی	سی	۴۶	"	فاضل	فاضل
۴۴	۱۲	بندہ گناہ کرے	بندہ کہے	۴۷	۱۲	مل سکتا ہے	مل سکتا
۴۵	۳	سات و حدوث	سات و حدوث	۴۸	۱	مُحَمَّدٌ لَكَ	مُحَمَّدٌ لَكَ
۴۶	۱۳	پتہ نہ تھا	پتہ تھا	۴۹	۶	یاد میں	یاد
۴۷	۱۸	خلاف	خدا	۵۰	۴	نبی کریم	نبی کریم
۴۸	۲۰	کرتی	کرتی	۵۱	۱	اسی	کی
۴۹	۲۰	احصا	احصا	۵۲	۲	زندہ	زناہ
۵۰	۱۲	تاریخ	تاریخ	۵۳	"	صفحہ ۳۲۸	صفحہ ۲۲۲

صفحہ	صفحہ	صحیح	غلط	صفحہ	صفحہ	صحیح	غلط
۵	۱۰۸	چیزوں کی	چیزوں کی	۸۱	۲۰	ماتنہایتہ	ماتنہایتہ
۶	۰	اثبات	اثبات	۸۲	۱۵	ابطال کیلئے	ابطال کے
۲۵	۰	چلوں	چلوں	۸۳	۳	لیکھئے	لیکھئے
۵	۱۱۱	نئی دہ سہ	نئی دہ سہ	۸۶	۱۲	کریں	کریں
۲۲	۰	عقل میں	عقل پر	۸۲	۲۰	ناظرہ	ناظرہ
۴۵	۰	صفحہ ۳۷۰	صفحہ	۰	۲۳	اعتبار	اعتبار
"	۱۱۳	تکلیف ص ۳۷۰	تکلیف ص ۳۷۰	۹۳	۹	ہو	ہو
۲۳	۱۱۲	احیا	احیا	۹۴	۷	شریک ہونے	شریک
۱۰	۱۰۶	مترود	مترود	۹۸	۲۳	مناسبت	مناسبت
۱۹	۱۱۸	اگر غیری	اگر غیری	۹۹	۳	خیر	خیر
۲۱	"	الہام ملک	الہام ملک	"	۲۵	وہ یہ کہ	وہ کہ
۱۶	۱۱۹	زلزلت	زلزلت	۱۰۰	۷	کی	کی
۲۰	"	بہ نفس	بہ نفس	۱۰۳	۸	سب کچھ	سب
۹	۱۲۱	زلزلت	زلزلت	۱۰۴	۱۳	باتیں	باتیں
۱۰	"	"	زلزلت	"	۱۴	احل	احل
۱۲	۱۲۲	ماخوذ	ماخوذ	"	"	دھولاء	دھولاء
۱۵	"	زلزلت	زلزلت	۱۰۵	۶	شعبہ	شعبہ
۱۵	۱۲۳	زلزلت	زلزلت	"	۱۸	خدا	خدا
۲۱	"	توبہ	توبہ	"	۱۹	وامتاز الیوم	وامتاز الیوم
۱۲	۱۲۴	راکٹھالی قوم	راکٹھالی قوم	"	"	ایہا	ایہا
۷	۱۲۵	اقدام	اقدام	"	۲۰	شکم	شکم
۱۸	"	لہجہ	لہجہ	۱۰۶	۲۳	اطلاق	اطلاق
۱۹	"	مبینہ	مبینہ	۱۰۷	۶۵	کہ شرک کی	کہ کی
۱۲	۱۲۷	العافیہ	العافیہ	"	۶	تعطیل	تعطیل
۱۶	"	زلزلت	زلزلت	"	۲۱	فی التدبیر	فی التدبیر
۶۴	"	انخی	انخی	۱۰۸	۴	شبہ و تطہیر	شبہ و نظر

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
الفلیہا	اکفلنیہا	۱۲۸	۱	بیں	تیں	۱۵۵	۱۴
مصیب	مُصیب	"	۵	ایشہ	الآآنہ	"	۲۲
لوگوں سے	لوگوں کے	۱۳۲	۵	میرا قائم	میرا حکم قائم	۱۵۶	۱۹-۲۰
زید کی	زید سے	"	۶	صغیر	صغیرہ	۱۵۷	۲۲
شناسا	شناسا	۱۳۵	۱	ذلت	زلت	۱۵۸	۳۱
پڑھ گئی	پڑ گئی	"	۴	ڈال	ڈال لو	"	۱۵
ابی سرخ	ابی سرخ	"	۱۳	نہ پڑی	پڑی	"	۱۷
رضائی	رضاعی	"	۵	مخالفت	مخالفت	۱۵۹	۲۵
الحاح	الحاح	"	۱۸	وَجَدْتَهُ	وَجَدْتَهُ	۱۶۱	۸
تلك فرانق	تلك الفرائق	۱۳۷	۵	دونوں	دونوں	"	۱۳
پڑ رہے	پڑ رہے	"	۷	پیغمبر	پیغمبر	۱۶۱	۲۲
خرج	ماخرج	۱۳۹	۷	وَمِنْ دُونِهِ	وَمِنْ دُونِهِ	۱۶۲	۱
کوئی نہیں	کوئی نبی نہیں	"	۱۷	تفضیل	تفضیل	"	۱۹
تویلات	تسویلات	"	۲۱	تھی	تھی	۱۶۳	۱۳
دونوں ہاتھ	دونوں ہاتھ کے	"	۴	رَه تَفْضَلُونِي	رَه تَفْضَلُونِي	"	۱۵
خدا	کنگن خدا	۱۴۳	۳	رسالت	رسالت کا	۱۶۷	۷
سہزم	سہیزم	"	"	تفصیل	تفصیل	۱۶۷	۱۶
دولوالدہر	دیولون الدہر	"	"	قیام	مقام	۱۶۸	۱
اخذی	اخذی	۱۴۶	۳	جادہ	جاہ	"	۵
مصدق	مصدق	"	۱۵	اوحی	اوحی	"	۱۳
ہوتے ہیں	ہوتے تھے	۱۴۷	۱۴	اللہ تعالیٰ	اللہ تعالیٰ	"	۱۶
اسم	اسم	۱۴۹	۱۶	تحقیق	تحقیق	۱۶۹	۱۵
کے معنی	کے یہ معنی	۱۵۰	۱۱	مختلف	متفق	"	۱۸
یہ	یہ	۱۵۱	۱۶	غرض مسئلہ	غرض اس مسئلہ	"	۲۱
یہ حقیقت	یہ حقیقت	"	۱۹	اجمعین	اجمعون	۱۷۰	۵
صفت	صنف	۱۵۳	۳	اسے	انہیں	۱۷۱	۲

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
فصحت	فصیحت	۱۷۴	۹	طالح	طالح	۲۰۵	۲
منزل ہیں برحق ہیں	منزل برحق ہیں	۱۷۵	۱	بعید	بعید	۲۰۶	۲۲
فی الدالۃ	فی الضلالۃ	۱۷۹	۱۴	اِنَّ مِنْكُمْ	وَ اِنَّ مِنْكُمْ	۲۰۷	۶۵۵
پس	پس	۱۸۰	۵	بعض	بعض	۲۰۸	۱۸
میرے	میرے	"	۱۳	تکملہ ص	تکملہ ص	۲۱۱	سطر آخر
اور ایام	اور اس کے ایام	۱۸۱	۶	بیان	بیان میں	"	"
کروے	کروے گا	۱۸۳	۱۳	حاشیہ (۱)	حاشیہ ۴۱۰	۲۱۲	۹
ابتدائی	ابتداء	۱۸۵	۱۵	تکملہ ص	تکملہ ص	"	آخر
جب امر	جب یہ امر	"	۱۷	خوارق و عادات	خوارق عادات	۲۱۴	۱۰
و غیر مخلقہ	مخلقہ و غیر	"	"	اہل تشیع	اہل تشیع	"	۱۹
مخلقہ	مخلقتہ	۱۸۶	۱۰	التفات	التفات	۲۱۵	۳
لتبتغوا	لتبلغوا	"	۱۲	خرافات	خرافات	"	۴
علیہا	علیہا	"	۱۴	خوارق و عادات	خوارق عادات	"	۱۵
عزیز	غریب	۱۸۷	۹	تناقض	تناقض	۲۱۹	۱۷
اَنِّ	اَنِّ	۱۸۷	۱۲	مرتبہ	مرتبہ	۲۲۱	۱۸
ظاہر ہے	ظاہر ہیں	"	۱۸	وعلیہ	وعلیہ	۲۲۲	۱۴
قائل	قائل ہیں	"	۲۴	عزیز	عزیز	۲۲۳	۸
بحث	بحث	۱۸۹	۲	مستخص	مستخص	۲۲۵	۱۱
میں	میں ہے	۱۹۴	۷	معبود	معبود	۲۲۶	۷
ثمر مَرَّ	ثمر مَرَّ	۱۹۷	۱۴	وَ اَهْوَنُ	وَ اَهْوَنُ	"	۲۲۷
مصابیح بحث	مصابیح کا کیا	"	"	ساعت	ساعت	۲۲۷	۲
	باعث -	۱۹۹	۶	کا	کو	۲۲۹	۲۵
اُن میں	نہیں	۲۰۱	۸	کے لئے	کو	۲۳۰	۹
مشلوں	مشو لوں	۲۰۱	۲۳	تناقض	تناقض	۲۳۱	۸
گردانی	گرانی	۲۰۲	۱۵	تصیح	تصیح	۲۳۳	۱۳
دہی	دہی	۲۰۴	۲۵	اصحیوا	اصحیوا	"	"

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
خروج	فروج	۲۳۵	۵	مشارقت	مشارکت	۲۶۵	۵
نسب	نصب	"	۱۰	راج	راج	۲۶۸	۱۶
متعبد	متعدد	"	۱۳	تاکہ یہ حضرت	کہ یہ حضرت	۲۶۹	۲
منسوب	منصوب	"	۱۴	دور کار	دوراز کار	"	۱۱
اقدام	واقdam	"	۱۶	عرضاً	عرضاً	"	۲۲
کے	ہے کے	۲۳۶	۲۵	ان	ان	"	۲۳
امیر متکرم	ومتکرم امیر	۲۳۷	۱	انفقہم	انفقہم	"	۲۴
تکلمہ ص	تکلمہ ص	۲۳۷	۲۸	ذلات	ذلات	۲۷۰	۱۷
بجائے کہ	بجائے کہ	۲۳۸	۱۰	کہ میں طلحہ	کہ طلحہ	۲۷۱	۱۵
بجوبی	بخوبی	۲۴۰	۲۰	من غل علی	من غل اخوانا علی	"	۱۷
استعیاب	استیعاب	۲۴۲	۴	لے	کے	۲۷۲	۲
ہوتا	نہ ہوتا	"	۶	کیا	کہا	"	۵
اصلہ	اصح	۲۴۳	۹	ان کے	اور ان کے	۲۷۳	۱۵
ہلال	طلال	"	۲۱	زبان	زبان	۲۷۴	۱۲
تفضل	تفضیل	۲۴۷	۱۹	معین	سبعین	۲۷۵	۸
شاہد	مشاہد	۲۴۸	۱۶	فرقہ	مقدمہ	۲۷۶	۲۲
علمی	علمی	۲۵۰	۲	بات	بات پر	۲۷۷	۱۱
امانت	امامت	۲۵۱	۱۱	نصیریہ	نصیریہ	۲۷۹	۱۰
احصار	احصاء	۲۵۲	۱	غلاط	غلاۃ	"	۱۳
طیب	طیب	۲۵۷	۲۴	سعی و بیغ	سعی بیغ	۲۸۰	۱۶
شخص کی	شخص پر	۲۵۸	۴	یہ نہیں	یہ ہیں	"	۱۹
مولاد	موالات	"	۱۱	کہ کلام	کلام	"	۲۰
اس کے	اس کے کہ	۲۶۲	۱۲	مستجابتہ	مستجابتہ	۲۸۳	۱۹
کہ لوگوں نے	کہ ان لوگوں نے	"	۲۲	دعوۃ	دعوۃ	"	"
چاہتے	چاہتے ہیں	"	۲۵	وانی اختبات	وانی اختبات	"	"
اور کرنا	اوز تکبر کرنا	۲۶۴	سطر آخر	تناقص	تناقص	۲۸۴	۴

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
بِنَفْسَيْنِ نَفْسًا	بِنَفْسَيْنِ نَفْسًا	۲۹۱	۱۷	اُن میں سے	اُن سے	۳۰۷	۱
نَفْسًا	نَفْسًا	"	۱۸	اصراط	اصرار	۳۱۰	۱۱
جائز ہے	جائز ہیں	۲۹۲	۶	اُن کا	اُس کا	۳۱۱	۵
دیکھو ص ۱۲	دیکھو ص ۲۲۶	۲۹۳	آخر	اوحینا	اوحینا الیک	"	۹
حضرمی	حضرمی	۲۹۵	۱۰	جلیلیوں	طلویوں	۳۱۳	۱۸
مکملہ ص ۲۳۳	"	"	آخر	معرفت ہوتی	معرفت مال ہوتی	"	۲۴
الحضرمی	الحضرمی	۲۹۷	۸	کو غلبہ	کو جو غلبہ	۳۱۴	۱۲
احصار	احصار	"	۱۶	احتمال یہ کہتا	احتمال رکھتا ہو	"	۱۵
بعد	بعض	"	"	یسعم	یسعم بہ	"	۲۰
شَیْنًا	شَیْنًا مَذْکُورًا	۲۹۷	۱۱	ورجلہ الذی	ورجلۃ التی	"	۲۱
صحبت	صحبت	۳۰۰	۳	نقص	نقص	۳۱۵	۱۶
مشک سے	مشک کا	"	۲۳	اس حال	اس حال پر	"	۱۸
پیغامبر کا۔	پیغامبر سے	"	"	حقیقت کا	حقیقتِ وح کا	۳۱۶	۶
بے سامان سے	بے سامان کے	۳۰۱	۵	کالیوں	قالبیوں	۳۱۸	۱۲
دوسرے	دوسرے پر	۳۰۲	۸	استدلات	استدلالات	۳۱۹	۱
اُس نے	جس نے	"	۱۴	بحث	بعث	"	۹
بلکہ دوسرے	بلکہ وہ دوسرے	"	۲۱	اشد ایک	اشد نے ایک	"	۲۳
مراد بقا سے	مراد بقایا سے	۳۰۳	۴	وہ استانہ	وہ اُس	"	۲۴
وہ لوگ تھیں	نصاری ہیں	"	"	تکملہ ص	تکملہ ص ۲۲۱	۳۲۱	آخر
نصاری سے	"	"	"	دو یومن	د یومن	۳۲۲	۵
بقی	لفی ضلل مبین	"	۹	دوسری دلیل	اُن کی پہلی دلیل	"	۱۲
فَبَشِّرْهُ	فَبَشِّرْهُ	"	۱۶	تماز کو	تماز کو اور دیں	"	۱۷
وایلی	وایکی	"	۲۱	ترکوة کو	"	"	۱۷
تنوَض	تفویض	۳۰۵	۱۰	طرف سے	طرف ہے	۳۲۳	۲۲
تکملہ ص	تکملہ ص ۳۳۹	"	آخر	مالایمان	مالایمان	۳۲۴	۹
دیکھو ص ۲۳۹	"	۳۰۶	آخر	مصدق	مصدق	"	۱۳

صفحہ	صفحہ	غلط	صحیح	صفحہ	صفحہ	غلط	صحیح
۳۲۴	۳۲۴	المامل	الخامول	۳۲۵	۳۲۵	تفریق	تفریح
۳۲۵	۳۲۵	امرطہ شدہ	امر شدہ	۳۲۶	۳۲۶	محبول	محمول
۳۲۸	۳۲۸	صفحہ ۲۲	صفحہ ۲۸	۳۲۹	۳۲۹	تصدیق و اقرار	تصدیق اقرار
۳۵۰	۳۵۰	صفحہ ۲۶	صفحہ	۳۳۰	۳۳۰	بعض میں کم	بعض میں
۳۵۶	۳۵۶	انسانی پیدائش	انسان	۳۳۱	۳۳۱	اصوب	اصلوب
۳۵۷	۳۵۷	روح	أوج	۳۳۲	۳۳۲	استثنا کرے	استثنا
۳۵۷	۳۵۷	وَلَقَدْ	إِنَّ	۳۳۳	۳۳۳	داخل کرنا	داخل کرتا
۳۵۷	۳۵۷	جَعَلْنَا نُطْفَةً	جَعَلْنَا	۳۳۴	۳۳۴	وسلم کی	وسلم کے
۳۵۷	۳۵۷	وَالْعَلَقَةِ فَخَلَقْنَا	وَالْعَلَقَةِ	۳۳۵	۳۳۵	خاتمہ کفر	خاتمہ ایمان
۳۵۷	۳۵۷	فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ	فَخَلَقْنَا	۳۳۶	۳۳۶	افضل ہیں یا لا نکہ	افضل ہیں
۳۵۷	۳۵۷	الْمُضْغَةِ الْمُضْغَتِ	الْمُضْغَةِ	۳۳۷	۳۳۷	بنی آدم سے	بنی آدم سے
۳۵۷	۳۵۷	فَخَلَقْنَا	فَخَلَقْنَا	۳۳۸	۳۳۸	افضل ہیں یا لا نکہ	افضل ہیں
۳۵۷	۳۵۷	الْمُضْغَةِ عِظًا	الْمُضْغَةِ	۳۳۹	۳۳۹	مصبوب	مصبوب
۳۵۸	۳۵۸	فَكُسَوْنَا	فَكُسَوْنَا	۳۴۰	۳۴۰	تو تین بھی دی	تو تین بھی دی
۳۵۸	۳۵۸	ہڈیوں	ہڈیاں	۳۴۱	۳۴۱	گئیں	گئیں
۳۵۹	۳۵۹	ریش و خش	ریش و خش	۳۴۲	۳۴۲	اور اُس	اور اُس
۳۶۰	۳۶۰	وَدَعَا	وَدَعَا	۳۴۳	۳۴۳	ترویح	ترویح
۳۶۱	۳۶۱	جب	تب	۳۴۴	۳۴۴	اصطفیات	اصطفیات
۳۶۲	۳۶۲	کام	کام	۳۴۵	۳۴۵	لا اجل	لا اجل
۳۶۳	۳۶۳	جو ہو	جو ہو	۳۴۶	۳۴۶	قبول کرے	قبول کرے
۳۶۴	۳۶۴	ص ۲۷	ص ۲۷	۳۴۷	۳۴۷	اُس سے مزاج	اُس سے مزاج
۳۶۵	۳۶۵	مبتلا	مبتلا	۳۴۸	۳۴۸	مبتلا	مبتلا
۳۶۶	۳۶۶	موضوع ہے	موضوع	۳۴۹	۳۴۹	تو	تو
۳۶۷	۳۶۷	ہر نفس پر موت	ہر نفس پر حکم	۳۵۰	۳۵۰	اُن کے	اُن کے
۳۶۸	۳۶۸	کا حکم	کا حکم	۳۵۱	۳۵۱	اندوہ	اندوہ

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
شاعر	شاعر	۳۶۴	۱	رسول اللہ علیہ	رسول اللہ صلی	۲۰۴	۱
لیبہ	لبید	"	۲	اللہ علیہ			
سہرہما	شعرہما	"	۳	صفحہ	صفحہ ۲۱۳	۲۱۰	۱۷
عرب	حرب	۳۶۷	۱۲	یل	میں	۲۱۲	۲
قُتْرَہ	قُتْرَہ	۳۶۸	۱۸	فہم میں	فہمیں	۲۱۵	۱۷
صفحہ ۲۸	صفحہ ۱۱۱	۳۷۰	۷	زمانہ میں	زمانہ	"	۲۲
از کس امت	از کس است	۳۷۱	۵	صفحہ	صفحہ ۲۳۴	۲۱۸	۱۹
متغائر	تغائر	"	۱۷	اتامہ	اتامہ		
اور وہ	وہ	۳۷۲	۱۶	الذین	الذین	۲۱۹	۱۷
محبوبی	محبوبی	"	۲۱	حوزۃ الحلہ	حوزۃ الملتہ	"	"
بَعَثَ اللہ	أَبْعَثَ اللہ	۳۷۴	۸	وہم تصیفہ	وہم تصیفہ	۲۲۲	۱
مخرقات	مخرقات	"	۱۲	متوارع	متوارع	"	۱۳
قید لگائیں	قید نہ لگائیں	"	۲۲	لا تشغس	لا تشغس	۲۳۳	۲
آیہ	آیہ	۳۷۵	۶	باب حکم	باب حکم	۲۳۵	۴
منطق	منطبع	"	۱۲	عودتوں کے	عودتوں سے	۲۳۶	۱۵
کرتے ہیں	کریں	۳۷۶	۴	بات	باب	۲۳۳	۱۴
الغائب	الغائب	"	۲۲	رخی	رضی	۲۳۴	۴
من الخیر	تم کثرت	"	۱۵	فرقہ سلیل	فرقہ ساعلی	۲۳۵	۲۴
	من الخیر	"	۱۷	کر دیتا ہے	کر دیتا	۲۳۹	۱۷
محض	بعض	"	۱۶	تو ان کو تو	اُن کو تو	۲۵۲	۹
یا	لا	۳۷۸	۲۳	بھی	ہی	"	"
بین القرآن	بین الاقران	۳۷۹	۲۵	حجاج	حجاج	۲۶۲	۳
جسدا	جسدا	۳۸۲	۱۸	متسیر	متسیر	"	۱۸
صفحہ	صفحہ ۲۱۱	۳۸۹	۱۱	سفر میں	سفر اور حضر میں	۲۶۳	۲۰
صفحہ	صفحہ ۲۹	۴۰۲	۲	کرامہ	کرامیہ	۲۶۴	۲۰
انہیں	ان میں	۴۰۳	۱۳	بنی کو	بنی کے	"	۲۲

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
عبدہ	عبداً	۴۶۵	۱	کسی ایسی چیز	کسی چیز	۴۶۷	۱۱
محمول ہیں	محمول ہیں	"	۱۴	کافر نہ چاہتے	کافر کننا نہ	"	۲
محمول پر	محمول پر	"	۱۸	چاہتے		۴۶۸	۳
لواڈہ	نواڈر	۴۶۶	۷				

نوٹ

واضح ہو کہ یہ موٹی موٹی غلطیوں کی صحت ہے۔ ورنہ گہری نظر سے دیکھا جائے تو بعض غلطیاں اور بھی نکلیں گی۔ افسوس کہ مصحح کی غفلت یا کاتب کی سستی سے ایسا ہوا۔ قارئین سے استدعا ہے کہ کتاب کو بغور ملاحظہ فرما کر اصلاح اغلاط میں کوشش کریں۔ ہم بھی طبع ثانی میں اس کا پورا اہتمام کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ضمیمہ

الضراط السوی ترجمہ عقائد تورپشتی

از مترجم عفی عنہ

رسالہ المعتمد فی المعتقد جس کا ہم نے اردو ترجمہ کیا ہے۔ اُن کتب عقاید میں سے ہے۔ جو آج تک مدار علیہ علماء احناف رہیں۔ علم کلام کی کتابوں میں اکثر وہی مسائل ہوتے ہیں۔ جو ذات و صفات باری تعالیٰ اور رسالت و نبوت نیز معاملات آخرت سے متعلق ہیں۔ ان کتابوں میں زیادہ تر آیات و احادیث اور اقوال و دلائل معتدہ اصحاب ظواہر سے استناد کیا جاتا ہے۔ اور حقیقت میں انہیں مسائل و عقائد کا دست برد آور دھل و فریب اغیار سے محفوظ رکھنا مد نظر ہوتا ہے۔ عقائد اہل السنّت والجماعت ان عقیدوں کا نام ہے۔ جو ائمہ اربعہ اور اُن کے تابعین کے معمول و مامول رہے ہیں۔ پس انہیں عقیدوں کی تصویب اور ان کے مخالفین کے معتقدات کی تردید غایت مامول ہوتی ہے اسی لحاظ سے فرقہ ہائے ضالہ کا تذکرہ اُن کے عقائد پر تبصرہ اور بقدر ضرورت اُن کا بطلان پر لائل و اضمحلال ضروری ہوتا ہے۔

چنانچہ عقائد تورپشتی میں ان تمام امورات کا بقدر مناسبت ذکر و تبصرہ طریقہ پر یہاں آگیا ہے۔ اور جدید ضرورتوں کے لحاظ سے ضروری باتوں کو ہم نے اس کتاب کے مقدمہ و مکملہ میں اس وسعت کے ساتھ لکھ دیا ہے۔ کہ ایک سچا متلاشی حق انہیں دیکھ کر اطمینان کلی حاصل کر سکتا ہے۔ اور اُن کے دیکھے اور سمجھے بعد ہرگز کسی کے دامن فریب میں نہیں آسکتا۔ والتوفیق

مِنْ اللّٰهِ تَعَالٰی :

مقدمہ و تحکمہ میں ہم نے عقائد کے متعلق بہت سی ضرورتوں کو رفع کر دیا۔ اور تمام فرقہ ٹائے عقائد کا حال لکھ دیا تھا۔ مگر دو فرقوں دِیاطنیہ اور صوفیہ (ملاحظہ) کے حالات سے ہم نے دانستہ اغماض کیا تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان ہر دو فرقوں میں سے پہلے فرقہ کے حالات تو اس درجہ پر وہ خفا میں ہیں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اُن کے عقائد کی کتابیں اب تک غیروں کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔ اور تئیبہ کا اُن میں اس درجہ غلو ہے کہ غیر کے سامنے اپنے مذہب کے کسی امام کا نام لینا بھی گناہ اور خلافتِ تقیہ یقین کرتے ہیں۔ جب یہ حال ہے تو آپ جانتے ہیں۔ اس فرقہ کے عقائد و حالات کی تفتیش و جستجو میں کیا کچھ محنت اُٹھانی نہ پڑتی ہوگی۔ رہا دوسرا فرقہ یعنی صوفیہ ملاحظہ کا فرقہ تو گوہندوستان میں ان محدین کی کچھ کمی نہیں۔ اور ہر شہر و قصبہ بلکہ دیہات تک میں ان بے دین صوفیوں کی ڈالیاں پڑی پھرتی ہیں۔ اور گمراہی غلق اللہ کا باعث ہوتی ہیں۔ تاہم چونکہ یہ بحث موضوع کتاب سے دُور جا پڑتی ہے۔ اس لئے ان سے تعرض کرنا غیر موزوں سا سمجھا گیا :

اب جب کہ یہ کتاب چھپنے کے لئے بھیجی جانے لگی۔ اور حضرت مرشدی و محمدی مولائی و مہجائی قبلہ مولانا خواجہ احمد حسین خاں صاحب قادری نقشبندی مجددی۔ لازوال شمس افاضاتہ طالعہ فی النصف النہار فی تیرکا و تیمنا اس کتاب کے بعض مضامین ملاحظہ فرمائے۔ اور فرست مضامین پر بسیط و عمیق نظر ڈالی تو حضرت موصوف نے باصرار فرمایا کہ ان ہر دو فرقوں کے حالات مختصر ضرور اس کتاب میں ہونے چاہئیں۔ لہذا بمصدق الامر فوق الادب میں نے ان ہر دو فرقہ ٹائے مذکورہ بالا میں سے صوفیہ ملاحظہ کے عقاید و اہمہ اور اعمال رویہ تو ایک علیحدہ رسالہ نادان صوفی نام میں لکھ کر شمس اشاعت اسلام برہان پور کی طرف سے شائع کر دئے۔ جو بے حد تحسین ثابت ہوئے۔ اور باطنیہ فرقہ کے جزئی حالات ضمیمہ کے عنوان سے یہاں پڑھا دئے۔ امید ہے کہ ناظرین ان حالات کے پڑھنے سے نہایت محفوظ ہوں گے۔ کیونکہ اُن کے لئے یہ مضمون بالکل اچھوتا اور

اور نیا مضمون ہوگا جس کا زیادہ تر حصہ اس کتاب اہل فہم کی جواں نگرانی سے بچا ہوا ہے۔

فرقہ باطنیہ

حضرت مصطفیٰ عالم نے اپنی کتاب عقائد توحیدی میں فرقہ باطنیہ کا صرف مختصر تذکرہ کر دیا ہے اور اسی طرح دوسرے مصنفین نے (اور اس کی تفصیلات کے تعرض نہیں کیا۔ مگر اس زمانہ میں کہ تعلیم یافتہ اصحاب ہر بات کی تلاش و تفتیش اور تحقیق و تفصیل کے خواہاں ہیں ظلم ہوگا اگر ہم بھی اس فرقہ کے بقدر ضرورت تعارف سے برادران اسلام کو نااہل رکھیں۔ لہذا اس سلسلہ میں ہم نے ذیل کا بیان ہدیہ ناظرین کرنا مناسب جانا۔

واضح ہو کہ فرقہ باطنیہ جیسا کہ اُس کے نام سے شبہ ہوتا ہے کوئی ایک فرقہ نہیں ہے بلکہ اس کی بہت سی شاخیں ہیں۔ مثلاً قرامطہ، جابریہ، حبابیہ، طاہریہ وغیرہ جو اس ایک فرقہ سے نکل کر مختلف ناموں یا اپنے باتیوں کے اسماء سے موسوم ہو گئے ہیں۔ اور باہم اس قدر مختلف العقائد ہیں کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کی تکفیر کرنے سے بھی نہیں چھوکتا۔ لیکن چونکہ ہمارے اس ملک ہندوستان میں ان مذکورہ فرقوں کے مستعین برائے نام بھی نظر نہیں آتے بلکہ کتابوں میں کہیں کہیں ضمناً اُن کا تذکرہ آجاتا ہے۔ اس لئے ہم اُن کو چھوڑ کر فرقہ باطنیہ کی باقی دو شاخوں نزاریہ اور مستعلویہ کا بیان کرتے ہیں۔ کہ اضلاع بمبئی و مالک دکن اور مالوہ وغیرہ میں ان فرقوں کے لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ عام طور پر ان دونوں فرقوں کا پیشہ تجارت ہے اور اس فن میں دوسرے ہم پیشہ اقوام سے ممتاز ہیں۔ یہ دونوں فرقے مصر کے خلیفہ بنو فاطمہ میں سے خلیفہ المستنصر بادشاہ تک متحد الخیال اور متفق العقائد رہے پھر ان میں ازادی عقائد امامت باہم اختلاف ہو گیا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک وزیر خلیفہ مذکور دہلی عام میں تخت خلافت پر ٹھکن گئے۔ اور ان کا بڑا بیٹا نزار بادشاہ پشت کھڑا۔ اُن پر کسی چیز سے ہوا کرنا تھا۔ درباریوں میں سے کسی مقتدر ندیم نے سوال کیا کہ آپ کے بعد کون امام خلیفہ ہوگا۔ خلیفہ مذکور نے اُس کے جواب میں اپنے پس پشت اشارہ کیا۔ چونکہ پس پشت نزار کھڑا تھا۔ بعض لوگوں نے اس اشارہ کو اس کے حق میں نص امامت و خلافت سے منصوص تعبیر کیا۔ اور بعض متاثر و متردد رہے۔ ان کا خیال یہ ہوا کہ خلیفہ مذکور کا پشت کی جانب اشارہ اس امر پر دال ہے۔

کہ امام منصوبوں کی بھی صلیب پر نہیں سہے۔ چنانچہ حسبِ مستعلیٰ بائند خلیفہ کے صلیبی فرزند متولد ہوئے۔ تو ان کا قیاس صحیح نہ کیا۔ اور انہوں نے مستعلیٰ بائند ہی کو امام مانا۔ اب ان دونوں بھائیوں میں نص کی بابت آپس میں ایک خوں ریز جنگ ہوئی بالآخر مستعلوی نزاریوں پر غالب آکر رہے۔ اور اس طرح دو فرقے ہو گئے۔ نزاریہ کے ماننے والے نزاریہ کہلاتے اور مستعلیٰ کے ماننے والے مستعلویہ پھر ان میں مروریام سے عقائد میں بھی بعض شبہات پیدا ہو گئے۔ ایسا کہ گویا ایک کو دوسرے سے تعلق ہی نہیں تھا۔

نزد ہی نزاریہ کو امام مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت تک انکی نسل سے امام ہوتے رہیں گے۔ ہر بائیس آغا خاں فرقہ نزاریہ کے موجودہ امام ہیں۔ ان کے ماننے والے خوجہ کہلاتے ہیں۔ لاکھوں ہندو مسلمان اس فرقہ کے ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں موجود ہیں۔ اب سے چند سال پہلے ان کے ہندو مریدوں کے ہندووانی نام ہوتے تھے۔ اب ان کے حکم سے ان سب کے نام مسلمان رکھ دیئے گئے یہ لوگ خود کو اسماعیلی بھی کہتے ہیں۔ اور یہ نسبت حضرت اسماعیل ابن جعفر صادق کی طرف ہے۔ اس فرقہ کی تنظیم بڑی زبردست ہے۔ آغا خاں موصوف سے ان کو گہرا اعتقاد ہے۔ وہ انہیں امام معصوم مانتے ہیں۔ ہر بائیس موصوف اپنا نسب حضرت علی ابن ابیطالب سے ملائے ہیں۔ یہ لوگ بھی اپنے عقائد کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اور جانتا ہے کہ اس فرقہ کے لوگ امام معصوم کے موجود ہوتے کسی شرعی عبادت کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتے۔ اضلاع تجارت و دکن کے بعض شیعہ و امامیہ اور اہل تسنن بھی ہندوؤں کو اپنا مرید کرتے ہیں۔ ایسے مرید خود کو دھرمی کہتے ہیں۔ ان کے نام دلیاس و طعام اور طرز معاشرت بالکل ہندووانہ طریق پر ہے۔ لیکن ان کے بعض روشن خیال اصحاب درپردہ نماز روزہ بھی کرتے ہیں۔ اہل اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ایسی پیری مریدی خواہ ہر بائیس کی جانب سے ہو یا باقی شیعہ و سنیوں کی طرف سے آخرت میں تو کیا دنیا میں بھی مسلمانوں کو کوئی فائدہ رساں نہیں۔ پس اس میں سخت اصلاح کی ضرورت ہے۔ ورنہ پیر و مرید دونوں کے لئے باعث خذلان دنیا و آخرت ہے۔ اَعَاذَ اللہُ عَنْ ذَالِکَ۔

مستعلوی فرقہ کے لوگ بھی ڈھائی لاکھ سے کچھ زیادہ ہندوستان وغیرہ میں

پائے جاتے ہیں۔ اُن کا طرز معاشرت آغا خانیوں اور دوسرے مسلمانوں سے بالکل جدا ہے۔ یہ اپنی قوم کے سوا دوسری قوم میں بیاہ شادی نہیں کرتے۔ مسلمانوں سے ایک یا دو روز قبل روزہ ماہ رمضان میں رکھتے اور اسی طرح عید مناتے ہیں۔ بلکہ ان کا ہر ایک مہینہ اسی طرح شروع اور ختم ہوتا ہے۔ تا واقعہ لوگ ان کو اماوس ہی کہتے ہیں۔ کیونکہ اکثر اماوس کے دوسرے دن سے مہینہ شروع ہوتا اور اماوس پر ختم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ اُن کے ہاں حضرت امام جعفر صادقؑ سے ایک حدیث مروی ہے۔ جس کے رُوسے انہوں نے مہینوں کے دنوں کی کتنی ٹہرائی ہے۔ بعض مہینے اُمیتس دن کے ہوتے ہیں۔ اور بعض تیس دن کے۔ چنانچہ رمضان کا مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے اماوس سے ان کے مہینوں کو کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ لوگ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو وحی مانتے ہیں اور وصایت کا درجہ امامت سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ اس لئے بخلاف شیعہ امامیہ اماموں کی تعداد حضرت امام حسن ابن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے شروع کرتے ہیں۔ اور اکیسویں امام یعنی طیبؑ تک ختم کرتے ہیں۔ شیعہ امامیہ کے نزدیک سبب امام ہیں جن کی نسبت سے وہ اثنا عشری کہلاتے ہیں۔ اور ان کے ہاں اکیسویں امام۔ وہ اکیسویں امام کو مستور کہتے ہیں۔ اور امامیہ بارہویں امام یعنی حضرت محمدیؐ کو مستور کہتے ہیں۔ پھر مستعلویہ یہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ اُن کے اکیسویں امام اب تک زندہ ہیں۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ طیبؑ تور کی ذریت سے ہر زمانہ میں امام ہوتے جیتے ہیں۔ لیکن وہ سب کے سب مستور رہیں گے۔ پھر آخر زمانہ میں اُن کی ذریت سے مولا قائم القیامہ ظاہر ہوں گے۔ جن کی نسبت ان کا اعتقاد ہے کہ وہ صاحب نبوت و رسالت اور صاحب وصایت و امامت ہوں گے۔ لیکن جب ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ قائم القیامہ نبی و رسول کیسے ہوں گے۔ حالانکہ آپ کے اعتقاد کے بموجب بھی نبوت و رسالت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو گئی ہے۔ تو اس کا کچھ جواب نہیں دیتے۔ اور صرف یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ کہ ہمارا اعتقاد یہی ہے ہمیں ان کی نسبت اس سے زیادہ کچھ نہیں بتایا گیا ہے۔

مستعلوی فرقہ کی بھی بہت شاخیں ہو گئی ہیں۔ جن میں زیادہ تر مشہور تین ہیں۔ جعفری۔ سلیمانی۔ وادی۔ یہ سب مل کر بوہرہ کہلاتے ہیں۔ لیکن ان میں جعفری بوہرے شیعہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ سبکے سبکی ہیں۔ یہ بھی دوسرے

بہروں کی طرح تجارت پیشہ ہیں۔ اُن کی زیادہ تعداد احمد آباد اور راندھیر میں ہے۔ یہ فرقہ بڑا دیندار اور پابند شریعت اسلامیہ ہے۔ اس فرقہ کے اکثر لوگ بڑے قیاض اور نیکسل ہوتے ہیں۔ ان کی مسجدیں نہایت عالیشان اور آراستہ و پیراستہ ہیں مخصوص راندھیر کی مسجد اپنا جواب نہیں رکھتی۔ حضرت اُستاد ذی مولانا ظہور حسین صاحب رام پوری مدظلہ ایک عرصہ تک راندھیر کے مدرسہ میں مدرس رہ چکے ہیں ۔

اس فرقہ کے سنی ہونے کی وجہ خاص بہروں کی زبانی یہ بیان کی جاتی ہے کہ فرقہ مستعلویہ کے ایک مُلا محمد جعفر نامی بغرض تحصیل علم میں بھیجے گئے۔ حتیٰ کہ اُنہوں نے مین میں رہ کر علم میں نہایت کمال حاصل کیا۔ اس کے بعد ہندوستان کے داعی نے جن کی اجازت سے صاحب موصوف مین گئے تھے ان کو واپس آنے کے لئے لکھا۔ چنانچہ صاحب موصوف واپس آئے۔ اور داعی وقت سے ملاقی ہوئے۔ اثنائے مکالمات میں داعی نے دریافت کیا۔ کہ کیا اثناءِ راہ میں تم نے کسی جگہ نماز کی امامت کی تھی۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ راستہ میں جتنے بلاد و قریات میں میرا قیام ہوا۔ میں نے وہاں امامت کی۔ داعی نے ازراہِ حدیث شرعاً ان کو کہا کہ تم نے جتنی نمازیں ہماری رضا بغیر پڑھائی ہیں۔ وہ سب فاسد ہیں۔ جاؤ اور مین تک جہاں جہاں نماز پڑھائی ہے وہاں کے لوگوں کو نماز کے اعادہ کا کہو۔ اور خود اپنی تمام نمازوں کا بھی اعادہ کرو۔ ملا جعفر صاحب نے جواب دیا کہ شریعت اسلامیہ میں تو کسی ایسی نماز کے اعادہ کا حکم نہیں ہے۔ اور نہ امامت نماز کے لئے رضا (اجازت) کی شرط ہے۔ یہ بات سن کر داعی صاحب غیض و غضب میں آگئے۔ اور ملا صاحب موصوف کو مجلس سے نکال دیا۔ ملا صاحب موصوف کو داعی کی یہ حرکت نہایت ناپسند ہوئی۔ اور ان پر مذہب باطنیہ کی خرابی آشکارا ہو گئی۔ بس اتنی بات پر وہ خود بھی سنی مذہب ہو گئے۔ اور اپنی زیردست تقریر و تبلیغ سے قریباً بارہ لاکھ باطنی بہروں کو سنی مذہب کر لیا۔ چنانچہ یہ بوہرے جعفری مشہور ہوئے۔ اور اُن کا مذہب سنی ہو گیا۔ چنانچہ اب تک یہ سب سنی اور دین کے نہایت پابند ہیں ۔

سیلمانی بوہرے اُن کے داعی سلیمان نامی کی جانب منسوب۔ اُن کا

مرکز دعوت نے الحال حیدر آباد دکن میں ہے۔ اکبر علی حیدری الملقب بفتح اب حیدر نواز ہنگ اسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس فرقہ کے لوگ کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ ان کی وضع قطع اور طرز ماند و پود و اودوی بوہروں کی طرح ہے۔ اور امامت و عقائد میں بھی کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ صرف دعوت میں اختلاف ہے کہ داؤدی بوہرے داؤد ابن قطب شاہ کو داعی مانتے ہیں۔ اور سلیمان بوہرے سلیمان کو نہ۔

داؤدی بوہروں کی معقول تعداد ہے۔ ان میں بہ نسبت دوسری شاخوں کے ظاہر شریعت کی پابندی بھی ہے۔ ان کا مرکز دعوت سورت ہے مگر آج کل اس کے داعی بمبئی میں زیادہ رہتے ہیں۔ یہ بڑے خوش اخلاق اور قیاض و باذل ہیں۔ ہر قوم کے لوگ ان کے چشمہ فیض سے سیراب ہوتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے مذہب کو اور اپنے مذہب کی کتابوں کو نہایت اہتمام سے اختیار سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔ مذہبی معاملہ میں لڑائی جھگڑا اور بحث و مباحثہ نہیں کرتے۔ نہایت امن پسند قوم ہے۔ مگر بعض کم علم ملائوں میں مذہبی تعصب حد سے زیادہ ہے۔ کچھ عرصہ سے داؤدی بوہروں میں بھی باہم اختلاف ہو گیا ہے۔ بوہروں کی ایک معقول تعداد موجودہ ملا صاحب کو داعی مطلق نہیں کہتی۔ ان کا قول ہے کہ دعوت کا سلسلہ ملا بدرالدین پر ختم ہو گیا۔ یعنی انہوں نے اپنے انتقال کے وقت کسی کی دعوت پر کسی قسم نص نہیں کیا۔ ان کے بعد ملا نجم الدین جو داعی ہوئے۔ وہ حقیقت میں داعی منصوص نہیں تھے۔ بلکہ قوم کے سردار یا منتظم داعی کی حیثیت سے قوم کے مذہبی معاملات کی قیادت کرتے تھے۔ اور پھر ان کے بعد کے تین داعی اور موجودہ ملا ظاہر سیف الدین صاحب تک جتنے داعی ہوئے۔ وہ بھی سردار کی حیثیت سے سیدنا پکارے جانے لگے۔ لیکن موجودہ ملا صاحب کے باقی متبعین جن کی تعداد ان سے بہت زیادہ ہے وہ کہتے ہیں کہ موجودہ ملا صاحب داعی مطلق ہیں۔ اور کتابوں کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ دعوت کا سلسلہ قیامت تک کہیں منقطع ہونے والا نہیں۔ ان کے نزدیک یہ اہم ترین داعی مطلق ہیں۔ ان داعی صاحب کی طرف سے تمام قریات و انصار میں عالمین مقرر ہیں۔ جو نیا بنیاد ملا صاحب موصوف کی طرف

سے احکام شریعت جاری کرتے۔ زکوٰۃ وصول فرماتے۔ اور عبادات و معاملات میں اہل قریبہ کی رہبری کرتے ہیں۔ اس قوم کا نظام قابل تعریف ہے۔ جس کا اعتراف رسالوں۔ اخباروں۔ تقریروں۔ تحریروں اور جلسوں وغیرہ میں ہماری قوم کے بڑے بڑے علماء مثلاً مولانا حبیب الرحمن صاحب شروانی صدر الصدور امور مذہبی دستور کی ایجوکیشنل کانفرنس میں اکر چکے ہیں۔ دعوتِ باطنیہ کی تاسیس ایک جماعت سے متعلق ہے۔ جن کا پیشرو امام جعفر الصادق کا ایک شاگرد امیر غلام میمون ابن دیسان تھا۔ جو قدح کے لقب سے مشہور ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس دعوت کے پھیلانے میں سیکے زیادہ عبداللہ ابن میمون قدح فحصد بیا۔ جس نے خود کو اسماعیل کی نسل سے منسوب کیا۔ اور اپنی جماعت لے کر قیرواں پر حملہ کر دیا۔ پھر مصر میں داخل ہوا۔ اور وہاں شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی۔ تمام خلفاء بنو فاطمہ کے زمانہ میں ہی شہر فرقہ باطنیہ کا مرکز دعوت رہا۔ اور وہ اپنے عقائد کی تبلیغ یہیں سے اطراف ممالک میں کرتے رہے۔ یہ شہر ۶۳۳ھ میں تعمیر ہوا ہے۔

علامہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الفرق بین الفرق میں لکھا ہے۔ کہ فرقہ باطنیہ اسلامی فرقوں سے خارج ہے۔ پھر ان کے عقاید بیان کر کے اپنے اس قول کی توثیق کی ہے۔ ممکن ہے کہ فرقہ باطنیہ کی بعض شاخوں مثلاً صابحیہ وغیرہ کے عقائد ایسے ہی ہوں۔ لیکن جن دو فرقوں کا حال اوپر لکھا ہے۔ ان کے ظاہر افعال و اعمال تو ایسے نہیں معلوم ہوتے کہ انہیں فرقہ ٹہرے خارج از اسلام محسوب کیا جائے۔ واللہ اعلم بحقیقت الحال۔

ذیل میں ہم فرقہ باطنیہ کے آئمہ کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔ جس سے قارئین کرام کو بصیرت حاصل ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ فرقہ باطنیہ کہاں سے فرقہ امامیہ سے جدا ہوا۔ اور یہ کہ نزار کہاں سے الگ ہوئے۔

مولانا علی ابن ابی طالب امام و خلیفہ اول بہ اعتقاد شیعہ و امامیہ۔

دوصی محض بہ اعتقاد فرقہ باطنیہ۔

مولانا الحسن ابن علی امام اول فرقہ باطنیہ و امام دوم فرقہ شیعہ۔

امامیہ، (۳) مولانا الحسین ابن علی۔ (۴) مولانا ذین العابدین ابن الحسینؑ۔ (۵) مولانا باقر ابن ذین العابدینؑ۔ (۶) مولانا جعفر الصادق ابن الباقرد، حضرت موسیٰ کاظم ابن جعفر صادق۔ (۷) حضرت علی رضا ابن موسیٰ کاظم (۹) حضرت علی نقی ابن علی رضاؑ (۱۰) حضرت علی نقی ابن علی نقیؑ۔ (۱۱) حضرت حسن عسکری (۱۲) حضرت مهدی المنتظرؑ:

مذکورہ بالا بارہ اسلامی شیعہ بیان امامیہ کے بارہ امام ہیں لیکن فرقہ باطنیہ کے لوگ ان میں سے پچھلے چھ اماموں کو نہیں مانتے۔ بلکہ وہ امام جعفر صادق کے بعد ان کے بڑے صاحبزادہ حضرت اسماعیل کو امام مانتے ہیں۔ ان کا سلسلہ اس طرح ہے:-

(۶) حضرت اسماعیل ابن جعفر صادق (۷) محمد ابن اسماعیل (۸) عبد اللہ ابن محمد۔ (۹) احمد ابن عبد اللہ۔ (۱۰) حسین ابن احمد (۱۱) عبد اللہ امام مهدی (۱۲) محمد بن القاسم (۱۳) اسماعیل منصور (۱۴) المعدن المغربي (۱۵) نزار العزیز (۱۶) الحسین الحاکم (۱۷) علی الطاہر (۱۸) المعتمد المستنصر (۱۹) احمد المستعلی۔ (۲۰) المنصور (۲۱) الطہیب مستور۔ (۲۲) قائم القیامتؑ:

یہ سنیوں کی فرقہ کے ۲۱ امام ہیں۔ قائم القیامتہ کو صرف امام نہیں مانتے بلکہ انہیں صاحب نبوت و رسالت و وصایت بھی کہتے ہیں۔ نزاری فرقہ خلیفہ المستنصر تک ان کے ساتھ چلتا ہے۔ اس کے بعد وہ نزاری پسر المستنصر کو امام مانتا ہے۔

کتاب کے متعلق حضرت امام بانی مجدد الف ثانی کی رائے

از مکتوبات امام بانی مجدد الف ثانی دفتر اول صفحہ ۳۲

ارباب تکلیف پر پہلے نہایت ضروری ہے کہ علمائے اہل سنت و الجماعت
 شکر اللہ تعالیٰ سچہم کی راؤں کے موافق اپنے عقائد کو درست کریں۔ کیونکہ عاقبت کی
 نجات انہی بزرگوں کی بے خطاراؤں کی تابعی اری پر موقوف ہے۔ اور فرقہ ناجیہ بھی
 یہی لوگ اور ان کے تابع دار ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں۔ جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام
 اور ان کے اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریق پر ہیں۔ اور ان علوم
 سے جو کتاب سنت سے حاصل ہوئے ہیں۔ وہی معتبر ہیں۔ جو ان بزرگوں نے کتاب
 سنت سے اخذ کئے ہیں اور سمجھے ہیں۔ کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ بھی اپنے فاسد عقائد کو
 اپنے خیالی فاسد میں کتاب سنت ہی سے اخذ کرتا ہے۔ پس ان کے مفہوم معانی میں سے
 ہر حق پر اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ اور ان عقائد حقہ کی درستی کے لئے امام اہل نور
 و ہدایت کا رسالہ ہست متا سرایہ آسان فہم ہے۔ اپنی مجلس شریف میں اس کا
 ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ رسالہ مذکورہ چونکہ استدلال پر مشتمل ہے۔ اور اس میں طول و
 بے تکلف ہے۔ اس لئے کوئی ایسا رسالہ جو صرف مسائل ہی کو شامل ہو۔ بہتر اور
 مناسب ہے۔ اسی اثنا میں فقیر کے دل میں خیال گذرا کہ اس بارہ میں ایک ایسا
 رسالہ لکھے۔ جو اہل سنت و جماعت کے عقائد پر مشتمل ہو۔ اگر ہو سکا تو جلد ہی
 لکھ کر خدمت میں بھیجا جائے گا۔

(مکتوب ۱۹۳ مکتوبات شریف)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرست مضامین و مطالب کتاب الصراط السوی ترجمہ و عقائد توراتی

مترجمہ
جناب لٹنامولی خست محمد خاں صاحب متوطن برمان پور

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مقدمۃ الکتاب از مترجم	۱	۲۳	حکمہ اولی کا بیان	۱۶
۲	حمد و نعت	۱	۲۴	قدریہ، مرجہ	۱۷
۳	علم کلام کی تعریف	۳	۲۵	بخاریہ، بکریہ	۱۷
۴	علم کلام کی تدوین کا سبب	۴	۲۶	فرقہ اہل اسنت و الجماعت	۱۸
۵	افتراق امت کی حدیث	۵	۲۷	اہل اسنت و الجماعت کی تقسیم	۱۸
۶	فرقائے ضالہ سے مراد کون ہیں	۶	۲۸	ارکان اربعہ اہل اسنت	۱۹
۷	اختلاف امت کی دلچسپ کہانی	۷	۲۹	صفت اسلام کا جاننا ضروری ہے	۱۹
۸	سقیفہ بنی ساعدہ کا واقعہ	۸	۳۰	رکن اول	۱۹
۹	جموئے مدعیان نبوت	۹	۳۱	رکن دوم	۲۰
۱۰	واقعہ ہائے شہادت عثمان	۱۰	۳۲	رکن سوم	۲۰
۱۱	امت میں ایک ناگفتنی اختلاف کی ابتدا	۱۱	۳۳	رکن چہارم	۲۱
۱۲	واقعہ جمل	۱۲	۳۴	اشاعرہ اور ماتریدیہ کی حقیقت	۲۲
۱۳	جنگ جمل کی کیفیت	۱۳	۳۵	بارہ مسئلے جن میں مابین ماتریدی اور	۲۳
۱۴	جنگ صفین	۱۴		اشعری کے اختلاف ہے	
۱۵	گمراہ فرقوں کی ابتدا	۱۵	۳۶	زمانہ موجودہ کی حالت اور جدید	۲۴
۱۶	خوارج کی تقسیم	۱۶		فرقوں کا احداث	
۱۷	مقتزلہ کی دستاں	۱۷	۳۷	فرقائے وہابیہ کے بعض عقائد	۲۵
۱۸	فرقہ سبائیہ	۱۸	۳۸	ختم نبوت سے انکار	۲۵
۱۹	فرقائے ردانفص	۱۹	۳۹	آنحضرت کے وسعت علم سے انکار	۲۵
۲۰	بخاریہ، باطنیہ، زیدیہ	۲۰	۴۰	امکان کذب باری تعالیٰ	۲۸
۲۱	امامیہ اور اُس کے فرقے	۲۱	۴۱	فرقہ مرزائیہ - و - فرقہ عینیہ	۲۹
۲۲	فرقائے خوارج	۲۲	۴۲	عہشی مہدی کا فرقہ	۲۹

صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۸۲	مبتدعین کی تردید میں ایک مثال۔	۶۹	۳۰	فرقہ جہزئہ کے عقائد	۴۳
۸۳	قرآن غیر مخلوق اور کلام خدا ہے۔	۷۰	۳۱	فرقہ نیچریہ کے عقائد و احوال	۴۴
۸۴	آٹھویں فصل رویت الہی کا بیان	۷۱	۳۲	موجودہ تراجم کی حالت	۴۵
۸۶	مرئی کی حقیقت	۷۲	۳۵	ترجمہ کتاب ہذا کی حقیقت	۴۶
۸۷	رویت الہی کے ثبوت میں قرآنی دلیل	۷۳	۳۶	عقائد توحیدی کہاں سے دستیاب ہوئی	۴۷
۸۸	ارنی انظر الیک کی تفسیر	۷۴	۳۹	آغاز ترجمہ کتاب ہذا	۴۸
۸۹	دنیا میں رویت الہی ناممکن ہے	۷۵	۳۹	حمد	۴۹
۸۹	ابصار و ادراک کے معنی	۷۶	۴۰	ادبیت - وسیب تصنیف کتاب	۵۰
۹۱	کیا معراج کی رات آنحضرتؐ نے خدا کو دیکھا	۷۷		پہلا باب خدا پر ایمان لانے میں اُرد	۵۱
۹۲	اس مسئلہ میں مسلمانوں کا غلط فہم نہیں	۷۸	۴۳	اس میں دس فصلیں ہیں۔	۵۲
۹۳	نویں فصل - قضا و قدر پر ایمان	۷۹	۴۳	پہلی فصل - ایمان کے معنی	۵۳
۹۳	لانے اور ارادت و مشیت کا بیان	۸۰	۴۵	دوسری فصل - خالق عالم کی شناخت	۵۴
۹۳	خیر و شر خدا کی تقدیر سے ہے۔	۸۰	"	عوام کا ایمان۔	۵۵
۹۴	ایک لطیف اشارہ	۸۱	"	اصحاب علم کا ایمان۔	۵۶
۹۵	قرآنی دلیل	۸۲	۴۶	کالموں کا ایمان۔	۵۷
۹۷	قدریہ کا خلاف اور جہزئہ کا مذہب	۸۳ و ۸۴	۴۷	طریق معرفت خالق عالم۔	۵۸
۹۸	قدریہ کی نسبت مجوس کے ساتھ	۸۵	"	تیسری فصل - خالق عالم کے قدیم	۵۹
۱۰۰	قدریہ کے ایک شبہ کا جواب	۸۶	۵۱	اور بے ہمتا ہونے کے بیان میں	۶۰
۱۰۱	قضا کے معنی	۸۷	۵۳	چوتھی فصل - اثبات صفات باری تعالیٰ	۶۱
۱۰۲	قدریہ کے ایک اور شبہ کی تردید	۸۸	۵۶	پانچویں فصل - باری تعالیٰ کے ہما	۶۲
۱۰۳	قدریہ کیوں غلطی میں ہیں	۸۹		وصفات کی معرفت میں	۶۳
۱۰۴	قضا و قدر کے باب میں ایک حدیث	۹۰	۵۷	نقشہ نو و نہ نام باری تعالیٰ	۶۴
۱۰۵	دسویں فصل - کلمہ شہادت کی	۹۱	۷۲	اللہ کی صفات نہ اُس کی عین ہیں نہ غیر	۶۵
۱۰۶	شرح اور تنزیہ فی التوحید کا بیان	۹۲	۷۳	صفات الہی میں تضاد و مغایرت نہیں	۶۶
۱۰۷	کلمہ توحید کی وجہ تسمیہ	۹۳	۷۵	اسم کو غیر مسمیٰ کہنے والوں کی تغلیظ	۶۷
۱۰۸	پانچ قسم کا شرک	۹۴		چھٹی فصل مراتب صفات اور	۶۸
۱۰۸	ایمانیات کی تفصیل	۹۵	۷۶	اقسام مشکوکات و متشابہات کا بیان	۶۹
	دوسرا باب فرشتوں - کتابوں		۷۹	چند آیات و احادیث کی تاویلات	۷۰
	اور پیغمبروں پر ایمان لانے اور موت کے	۹۵		ساتویں فصل - کلام خدا مخلوق ہے	۷۱
	بعد احوال آخرت کی تفصیل کا بیان		۸۰	یا غیر مخلوق۔	۷۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	پہلی فصل لفظ نبوت کے معنی اور		۱۲۱	زن ادربا اور داؤد کا واقعہ جھوٹا ہے	۱۲۸
۹۶	اس کے اثبات میں اور رسالت اور	۱۱۰	۱۲۲	زن ادربا کا سچا واقعہ	۱۲۹
	نبوت میں فرق کا بیان -		۱۲۳	نکاح حضرت زینبؓ	۱۳۰
۹۷	لفظ نبوت کی تحقیق -	۱۱۰	۱۲۴	وجہ نکاح حضرت زینبؓ	۱۳۱
۹۸	عبادت کیوں فرض ہے -	۱۱۱	۱۲۵	آنحضرتؐ کا زینبؓ سے نکاح حسب فرمان الہی تھا -	۱۳۲
۹۹	بعثت انبیاء کی ضرورت -	۱۱۲			
۱۰۰	اثبات نبوت	۱۱۳	۱۲۶	متنافقین کی زبان درازی	۱۳۴
۱۰۱	سحر و معجزہ کی تحقیق	۱۱۴	۱۲۷	اس باب میں علما متاخرین کی غلطی	۱۳۴
۱۰۲	ایک اعتراض کا جواب	۱۱۴	۱۲۸	آنحضرتؐ کی نزاہت نظر پر ایک سچی نقل	۱۳۵
۱۰۳	دجال کے کذب دعویٰ کی دلیل	۱۱۵	۱۲۹	ملک الفرائیق العلماء والاقتد	۱۳۷
۱۰۴	دعوت الی الحق میں انبیاء کا اتفاق	۱۱۶	۱۳۰	یہ قصہ اس طرح جھوٹا ہے -	۱۳۸
	دوسری فصل - پیغمبروں پر ایمان لانے اور ان کے ضروری خصائص	۱۱۶	۱۳۱	القائد شیطانی کی بحث	۱۳۹
۱۰۵	وہ مراتب کے بیان میں		۱۳۲	تیسری فصل خاتم الانبیاء اور آپؐ کے معجزات کے بیان میں	۱۴۰
۱۰۶	انبیاء پر ایمان لانے کا طریقہ	۱۱۶	۱۳۳	معجزات کا بیان	۱۴۲
۱۰۷	انبیاء میں دو خصوصیتیں	۱۱۷	۱۳۴	قرآن ربیب بڑا معجزہ ہے -	۱۴۳
۱۰۸	ایک اعتراض کا جواب	۱۱۸	۱۳۵	دعویٰ اعجاز	۱۴۵
۱۰۹	باب تائید انبیاء	۱۱۸	۱۳۶	اعجاز قرآن کی پہلی وجہ	۱۴۵
۱۱۰	انبیاء سے کبھی نافرمانی نہیں ہوتی	۱۱۹	۱۳۷	دوسری وجہ	۱۴۵
۱۱۱	انبیاء سے صدور ذلت	۱۲۰	۱۳۸	قرآنی معجزہ کا مقابلہ عیسیٰؑ کے معجزات	۱۴۶
۱۱۲	عصمت انبیاء کا ذکر	۱۲۰	۱۳۹	قرآن میں دعوت و حجت دونوں ہیں	۱۴۷
۱۱۳	حضرت آدمؑ کی ذلت	۱۲۱	۱۴۰	آپؐ کے حالات خود معجزہ ہیں	۱۴۸
۱۱۴	حضرت ابراہیمؑ کی ذلت	۱۲۲	۱۴۱	چوتھی فصل آنحضرتؐ کے ایمان لانے اور دعوات امور کی شناخت	۱۵۰
۱۱۵	حضرت یوسفؑ کی ذلت	۱۲۳	۱۴۲	آنحضرتؐ قوم جن کی طرف بھی مبعوث تھے	۱۵۱
۱۱۶	حضرت یوسفؑ کے قصہ کی تکذیب	۱۲۴	۱۴۳	اسمناگتا یا ازل من بعد کی تفسیر	۱۵۲
۱۱۷	لولائے رامی برہان ربیہ کی بحث	۱۲۶	۱۴۴	آنحضرتؐ کی رسالت عام تھی	۱۵۳
۱۱۸	برادران یوسفؑ کی نبوت کسی نص صریح سے ثابت نہیں -	۱۲۶	۱۴۵	آنحضرتؐ کا خاتم الانبیاء ہونا -	۱۵۴
۱۱۹	حضرت داؤدؑ کی ذلت	۱۲۷	۱۴۶	ختم نبوت کے دلائل	۱۵۵
۱۲۰	تسع و تسعون نجات کی بحث	۱۲۸	۱۴۷	آنحضرتؐ اپنی قوم کے دین پر ختم	۱۵۷

صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۸۵	دوسری محبت	۱۷۲	۱۶۰	ایک شہر انداس کی تردید	۱۴۸
۱۸۷	منکرین بعثت کا خیال	۱۷۵	۱۶۱	آنحضرت فاضل ترین انبیاء ہیں	۱۴۹
۱۸۸	اہل اسلام کی ایک جماعت جو منکرین	۱۷۶	۱۶۲	ان دلائل کا تتمہ	۱۵۰
۱۸۹	بعثت کی جانب میل رکھتی ہے	۱۷۶	۱۶۳	تمام فاضل بین الانبیاء	۱۵۱
۱۹۰	انسان اسی کا لبد میں اٹھایا جائیگا	۱۷۷	۱۶۴	لا تخیر دینی علی ابراہیم کے معنی	۱۵۲
۱۹۱	نویں فصل آخرت کے احوال میں	۱۷۸	۱۶۵	اول من یکتسی کے معنی	۱۵۳
۱۹۱	الامن شاء اللہ سے مراد کون ہے	۱۷۹	۱۶۶	یونس ابن متی والی حدیث کے معنی	۱۵۴
۱۹۲	سوال منکر نکیر	۱۸۰	۱۶۷	آنحضرت نے کبھی حق کو نہیں چھپایا	۱۵۵
۱۹۵	دونوں تنہوں کی درمیانی مدت میں	۱۸۱	۱۶۸	تمام انبیاء آپ کی منزلت کے عاجز ہیں	۱۵۶
۱۹۶	کیا ہوگا	۱۸۲	۱۶۹	پانچویں فصل فرشتوں پر ایمان	۱۵۷
۱۹۷	ساہرہ کی تفسیر	۱۸۳	۱۷۰	لانے کا بیان	۱۵۸
۱۹۷	انقلاب جہاں کی ترتیب	۱۸۴	۱۷۱	جنات کے دو گروہ	۱۵۹
۱۹۸	شفاعت خاتم النبیین	۱۸۵	۱۷۲	فرشتوں پر ایمان لانا	۱۶۰
۱۹۹	نامہ اعمال پڑھنے کے بعد محاسب ہوگا	۱۸۶	۱۷۳	وجود ملائکہ سے انکار کرنا بے دینی ہے	۱۶۱
۲۰۰	محاسبہ کے معنی و تفصیل	۱۸۷	۱۷۴	اقسام فرشتگان	۱۶۲
۲۰۱	جنت اور دوزخ میں بعض مومنین اور	۱۸۸	۱۷۵	پچھٹی فصل کتب آسمانی پر ایمان	۱۶۳
۲۰۲	بعض کفار کا بے حساب دخل ہوگا	۱۸۹	۱۷۶	لانے کے بیان میں	۱۶۴
۲۰۳	وزن اعمال کا بیان	۱۹۰	۱۷۷	قرآن پر ایمان لانے کا طریق	۱۶۵
۲۰۴	وزن اعمال کس طرح ہوگا	۱۹۱	۱۷۸	بحث ناسخ و منسوخ	۱۶۶
۲۰۵	مراط کا بیان	۱۹۲	۱۷۹	موجودہ توریت و انجیل قابل اعتبار نہیں	۱۶۷
۲۰۶	مراط کے متعلق لطیف بیان	۱۹۳	۱۸۰	ایک اعتراض کا جواب	۱۶۸
۲۰۷	جنت و دوزخ کی تعریف	۱۹۴	۱۸۱	ساتویں فصل یوم آخرت پر ایمان	۱۶۹
۲۰۸	دسویں فصل قیامت کی شرطوں	۱۹۵	۱۸۲	لانے میں	۱۷۰
۲۰۹	کیے بیان میں	۱۹۶	۱۸۳	یوم آخرت سے مراد کیا ہے	۱۷۱
۲۱۰	قیامت کی علامتیں بہت ہیں	۱۹۷	۱۸۴	یوم آخر کی تفسیر	۱۷۲
۲۱۱	ظہور مہدی علیہ السلام	۱۹۸	۱۸۵	ساعت کا استعمال دو معنوں میں	۱۷۳
۲۱۲	لا مہدی الا عیسیٰ ابن مریم کے معنی	۱۹۹	۱۸۶	آٹھویں فصل موت کے بعد کی حالت	۱۷۴
۲۱۳	اس باب میں اخبار منقولہ کا درجہ	۲۰۰	۱۸۷	پرایمان لانے میں	۱۷۵
۲۱۴	مہدی کے باب میں شیعہ کا خیال	۲۰۱	۱۸۸	دلائل بعثت بعد الموت	۱۷۶
۲۱۵	قیامت کی دس بڑی علامتیں	۲۰۲	۱۸۹	پہلی محبت	۱۷۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۰۰	دجال کا بیان	۲۱۶	۲۲۵	مطالعہ اہل تشیع اور ان کے جواب	۲۲۶
۲۰۱	دجال کے متعلق احادیث اور ان کی مرتبہ	۲۱۸	۲۲۶	حضرت ابو عبیدہ کی فدائیت	۲۲۸
۲۰۲	دجال کی صفت میں ایک اشکال	۲۱۹	۲۲۷	اہل تشیع کا اعتراض اور اس کا جواب	۲۵۱
۲۰۳	ایک اور اشکال	۲۲۰	۲۲۸	موجبات تفضل ابو بکرؓ	۲۵۲
۲۰۴	حضرت عیسیٰ کا نزول	۲۲۲	۲۲۹	اہل تشیع کا قول کہ علیؓ ابو بکر کی بدیت	۲۵۶
۲۰۵	خروج یا جوج دما جوج	۲۲۵	۲۳۰	سے کارہ تھے اور اس کا جواب	۲۵۶
۲۰۶	طاغوت کی حقیقت۔	۲۲۵	۲۳۱	وہ احادیث جن سے شیعہ حضرت علیؓ کی	۲۵۸
۲۰۷	مغرب سے طلوع آفتاب	۲۲۵	۲۳۲	خلافت بافضل ثابت کرتے ہیں	۲۵۹
۲۰۸	اس وقت کا ایمان لانا مفید نہ ہوگا	۲۲۷	۲۳۳	حدیث غدیر خم کے معنی	۲۵۹
۲۰۹	ایمان باس مقبول نہیں۔	۲۲۹	۲۳۴	چوتھی فصل مراتب صحابہ اور ان کی	۲۶۲
۲۱۰	دابۃ الارض کا نکلنا	۲۳۰	۲۳۵	توقیر کے بیان میں	۲۶۲
۲۱۱	دخان کا ظاہر ہونا۔	۲۳۰	۲۳۶	ایک عجیب نزبات شیخین کی فضیلت میں	۲۶۵
۲۱۲	آگ نکلنا	۲۳۱	۲۳۷	بعد شیخین کے ختمین کا مرتبہ ہے	۲۶۶
۲۱۳	احادیث خروج نار میں ایک اشکال	۲۳۱	۲۳۸	استحقاق خلافت عثمان	۲۶۷
۲۱۴	تیسرا باب۔ اعتقادی مسائل	۲۳۲	۲۳۹	عشرہ مبشرہ	۲۶۸
۲۱۵	دوسری فصل وجوب امامت کا بیان	۲۳۲	۲۴۰	علیؓ العوم تمام صحابہ کی تعظیم کرنی چاہئے	۲۶۹
۲۱۶	وجوب امامت کی بڑی دلیل اجماع	۲۳۷	۲۴۱	علیؓ کی محبت کا نشانہ درست	۲۷۰
۲۱۷	امامت	۲۳۷	۲۴۲	مخالفین علیؓ پر طعن درست نہیں	۲۷۱
۲۱۸	دوسری فصل امامت کے شرائط	۲۳۸	۲۴۳	باغی بغی کے سبب دائرہ اسلام	۲۷۲
۲۱۹	کتنے لوگوں کے اتفاق سے امامت	۲۳۸	۲۴۴	خارج نہیں ہوتا۔	۲۷۲
۲۲۰	کام ہو سکتی ہے۔	۲۳۹	۲۴۵	حضرت فاطمہؓ خدیجہؓ عائشہؓ کی فضیلت	۲۷۳
۲۲۱	امام کا معصوم ہونا ضروری نہیں	۲۳۹	۲۴۶	پانچویں فصل فرقائے اسلام کے	۲۷۳
۲۲۲	اختلاف مابین علیؓ و ابن عباسؓ	۲۴۰	۲۴۷	اور اس بیان میں کہ بندہ گناہ سے	۲۷۴
۲۲۳	شیعوں کے قول کا فساد دیطلان	۲۴۳	۲۴۸	کافر نہیں ہوتا۔ اور اس بدعت کے	۲۷۵
۲۲۴	فرقہ باطنیہ	۲۴۳	۲۴۹	بیان میں جو کفر ہے۔	۲۷۵
۲۲۵	تیسری فصل اس بیان میں کہ بعد	۲۴۴	۲۵۰	فرقہ خوارج	۲۷۶
۲۲۶	آنحضرتؐ کے ابو بکرؓ خدیجہؓ برحق تھے	۲۴۴	۲۵۱	صاحب کبیرہ کافر نہیں ہوتا	۲۷۷
۲۲۷	مگر امامت ابو بکرؓ کے پیچھے نماز درست نہیں	۲۴۶	۲۵۲	تکفیر کے اسباب و دواعی	۲۷۷
			۲۵۳	نصریہ اور کیسانیہ	۲۷۹
			۲۵۴	فرقہ نظامیہ	۲۷۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۴۸	کلام فی النار کی توضیح	۲۸۰	۲۴۱	تقیہ کے باب میں ایک اعتراض	۳۰۸
۲۴۹	فرقہائے زالہ مغلہ فی النار ہیں	۲۸۱		کی تردید	
۲۵۰	چھٹی فصل گناہگار ان امت کا بیان	۲۸۲	۲۴۲	توین فصل رُوح کا بیان	۳۱۰
۲۵۱	صاحب کبیرہ کی تکفیر مذہب خوارج کا ہے	۲۸۲	۲۴۳	روح حادث ہے	۳۱۰
۲۵۲	صاحب کبیرہ کے اعمال حیطہ نہیں جوتے	۲۸۴	۲۴۴	مطلق رُوح کا لفظ فرمایا	۳۱۱
۲۵۳	مرتد کے باب میں علما کا اختلاف	۲۸۵	۲۴۵	روح کے حدوث پر شرعی دلائل	۳۱۲
۲۵۴	ساتویں فصل چند بدعتیوں کے	۲۸۶	۲۴۶	روح کے متعلق بعض متکلمین	۳۱۴
	بیان میں مع ان کے جواب کے -			کی باتیں	
۲۵۵	اللہ پر کچھ واجب نہیں	۲۸۷	۲۴۷	اقوال بزرگان دین کی تاویل	۳۱۵
۲۵۶	مسئلہ تحمیل و تقیح	۲۸۹	۲۴۸	حقیقت رُوح	۳۱۶
۲۵۷	سوال شکر و نیکر	۲۹۰	۲۴۹	روح کے ادراکات بعد از مرگ	۳۱۷
	جنت اور دوزخ دونوں موجود اور			رقائم رہتے ہیں	
۲۵۸	مخلوق ہیں	۲۹۰	۲۵۰	فتا کا حکم جاری ہے	۳۱۷
۲۵۹	مسئلہ شفاعت	۲۹۲	۲۵۱	تناسخ کی بحث	۳۱۸
۲۶۰	مسئلہ اثبات کرامت	۲۹۳	۲۵۲	اصل تناسخ کی تردید	۳۱۹
۲۶۱	معدوم شے نہیں ہے	۲۹۶	۲۵۳	دسویں فصل - چند ایسے مسائل	
	آٹھویں فصل جواز اور اثبات			کے بیان میں جن میں باہم اہل حق	۳۲۱
۲۶۲	نسخ آیات میں اور بعض مسائل	۲۹۸		کو اختلاف ہے	
	ردائض کی تردید		۲۵۴	پہلا مسئلہ ایمان سے کیا مراد ہے	۳۲۱
۲۶۳	جواز نسخ کی دلیل	۲۹۸	۲۵۵	اعمال جزو ایمان ہیں یا نہیں	۳۲۲
۲۶۴	ہدایہ حقیقت	۲۹۹	۲۵۶	خالفین کے اہرادات کی جانچ	۳۲۳
	روافض کا قول کہ پیغمبر شرک		۲۵۷	مصنف کا اعتقاد	۳۲۳
۲۶۵	سے پیدا نہیں ہوتا	۳۰۰	۲۵۸	جمع و تطبیق	۳۲۴
	اشیاء کے قول کا ایک اور طرح		۲۵۹	دوسرا مسئلہ ایمان کے کم و زیادہ	۳۲۵
۲۶۶	سے ابطال	۳۰۱		رہنے کی بحث میں	
	کیا والدین آنحضرت کی وفات		۲۶۰	تیسرا مسئلہ استثناء	۳۲۶
۲۶۷	کفر پر ہوئی -	۳۰۲		چوتھا مسئلہ فرشتے افضل ہیں	
۲۶۸	ابو طالب کا کفر	۳۰۴	۲۶۱	پانچواں مسئلہ -	۳۲۸
۲۶۹	منقہ کی تردید	۳۰۵		یا نبی آدم -	
۲۷۰	تقیہ کی تردید	۳۰۶	۲۶۲	منکرین نفیلت نبی آدم کے	۳۲۹
				دلائل اور اس کی تردید	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۹۳	موجبات تفصل بنی آدم	۳۳۲	۳۷۰	اس کے ثبوت میں۔	۳۷۰
۲۹۴	شیخین کی فضیلت	۳۳۳	۳۷۱	نبی اور رسول کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق	۳۷۱
۲۹۵	غیر عطا و اعطین	۳۳۴	۳۷۲	نبوت وہی و فضیلت ہے۔	۳۷۲
۲۹۶	پانچواں مسئلہ حکم اطفال شرکین	۳۳۵	۳۷۳	وجوب بعثت کی بحث۔	۳۷۳
۲۹۷	چھٹا مسئلہ تکلیف بالایطاق کے بیان میں	۳۳۸	۳۷۴	نبی اور غیر نبی میں تمیز کا طریقہ۔	۳۷۴
۲۹۸	خاتمہ کتاب	۳۳۹	۳۷۵	فائدہ (۶) معراج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں	۳۷۵
۲۹۹	مناجات از مترجم	۳۴۲	۳۷۶	فائدہ (۷) مزامیر و معارف کی بحث میں۔	۳۷۶
۳۰۰	تکمیلہ کتاب عقائد تورپشتی از مترجم۔	۳۴۳	۳۷۷	مسئلہ سماع	۳۷۷
۳۰۱	دیباچہ	۳۴۴	۳۷۸	غنا لہو الحدیث ہے۔	۳۷۸
۳۰۲	تمہید مطالب و تحصیل مآرب	۳۴۴	۳۷۹	گنا بجانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے	۳۷۹
۳۰۳	فائدہ (۱)	۳۴۸	۳۸۰	سماع کی حقیقت	۳۸۰
۳۰۴	فائدہ (۲) ایمان کی کچھ اوپر سے شاخیں ہیں	۳۵۰	۳۸۱	مرد و سماع حرام مطلق ہے	۳۸۱
۳۰۵	فائدہ (۳) خالق عالم کی شناخت	۳۵۱	۳۸۲	صوفیوں کا طریقہ مذمومہ	۳۸۲
۳۰۶	مصنوعات میں فکر کرنے کی فضیلت	۳۵۲	۳۸۳	مرزائی اعتقادات کی تردید	۳۸۳
۳۰۷	فکر کرنے کی ترکیب	۳۵۳	۳۸۴	لامحدی الا عیسیٰ ابن مریم کے معنی	۳۸۴
۳۰۸	دلائل النفس	۳۵۵	۳۸۵	امام شمس کی توضیح	۳۸۵
۳۰۹	انسانی ہستی کی ابتدا	۳۵۵	۳۸۶	حضرت عیسیٰ کا آسمان سے نازل ہونا	۳۸۶
۳۱۰	روح اور مادہ کی قدامت کا ابطال	۳۵۶	۳۸۷	اور مرزائی عقیدہ کی تردید	۳۸۷
۳۱۱	بعث بعد الموت	۳۵۹	۳۸۸	توفی کے معنی	۳۸۸
۳۱۲	روح کی حقیقت سے لوگ آگاہ نہیں۔	۳۶۰	۳۸۹	امامت کی بحث	۳۸۹
۳۱۳	دلائل النفس میں ایک بکشت نظم	۳۶۳	۳۹۰	نصب امام سے غرض	۳۹۰
۳۱۴	فائدہ (۴) قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ مخلوق نہیں ہے۔	۳۶۵	۳۹۱	کیا امام کا قریشی ہونا ضرور ہے	۳۹۱
۳۱۵	قرآن کا معجز ہونا۔	۳۶۶	۳۹۲	خلافت راشدہ کی مدت	۳۹۲
۳۱۶	دجود اعجاز قرآن۔	۳۶۷	۳۹۳	اہل سنت کا مسلک بارہ اماموں کے باب میں۔	۳۹۳
۳۱۷	فائدہ (۵) نبوت کی حقیقت اور	۳۶۸	۳۹۴	ایک زمانہ میں دو خلیفوں کا ہونا	۳۹۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۴۰	نبیوں کے اماموں کے نام	۴۲۵	۳۶۹	ایمان فرعون غیر مقبول ہے	۴۵۵
۳۴۱	اویار اللہ کی کرامت کے بیان میں	۴۲۶		اُن مسائل کے بیان میں جن سے فرقہ	
۳۴۲	تین مردانِ خدا کی دلچسپ حکایت	۴۲۷	۳۷۰	اہلِ اہلسنت والجماعت کی فرقہ کی	۴۵۷
۳۴۳	شہزادہ کی حکایت	۴۲۹		باطل سے تمیز ہوتی ہے۔	
۳۴۴	کرامت کی پہلی قسم	۴۲۹	۳۷۱	متقی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے	۴۵۷
۳۴۵	واقعات صحابہ سے اثبات کرامت	۴۳۰	۳۷۲	متقی کے پیچھے نماز پڑھنے کی فضیلت	۴۵۸
۳۴۶	دوسری قسم	۴۳۰	۳۷۳	کن لوگوں کی اقتداء جائز ہے۔	۴۵۸
۳۴۷	تیسری قسم	۴۳۱		امام میں دس صفتوں کا ہونا ضروری	۴۵۹
۳۴۸	چوتھی و پانچویں قسم	۴۳۱	۳۷۴	ہے۔	
۳۴۹	حضرت عمرؓ کی کرامت	۴۳۲	۳۷۵	صحابہ کرام کی فضیلت	۴۵۹
۳۵۰	حضرت خالدؓ کی کرامت	۴۳۳	۳۷۶	تمام صحابہ رضی اللہ عنہم	۴۶۰
۳۵۱	معجزہ سحر اور کرامت میں فرق	۴۳۴		یزید اور اہل قبلہ پر لعنت کی	۴۶۲
۳۵۲	سحر و معجزہ کی حکیمانہ بحث	۴۳۵	۳۷۷	تحقیق	
۳۵۳	ایک اور طریقہ سے سحر و معجزہ میں فرق	۴۳۸	۳۷۸	عشرہ مبشرہ	۴۶۳
۳۵۴	عورتوں سے متعلق کرنے کی حرمت	۴۳۹	۳۷۹	مذہبوں پر مسح کرنا	۴۶۳
۳۵۵	تقیہ کی بحث	۴۴۳	۳۸۰	ولی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچتا	۴۶۴
۳۵۶	نیچ البلاغۃ سے تقیہ کی تردید	۴۴۳		خدا کے اوامر و نواہی بندہ عاقل	۴۶۵
۳۵۷	تقیہ کے متعلق ایک اقد	۴۴۵	۳۸۱	بالغ پر سے کہیں ساقط نہیں ہوتے	۴۶۵
۳۵۸	ایمان کی حقیقت اور اُس کے اقسام	۴۴۷	۳۸۲	کلمات کفر	۴۶۵
۳۵۹	ایمان کے وجودات ثلثہ۔ وجود عینی	۴۴۷	۳۸۳	ایک عاجز ہر قسم کے کفر سے	۴۶۷
۳۶۰	ذرائع ایمان سے حقائق اشیا پر آگاہی	۴۴۸		پاک کرتی ہے۔	
۳۶۱	وجود ذہنی اور اس کے مراتب	۴۴۹	۳۸۴	عدم تکفیر اہل قبلہ کے معنی۔	۴۶۸
۳۶۲	وجود لفظی۔	۴۴۹	۳۸۵	کاہن کو سچا جانا کفر ہے۔	۴۶۸
۳۶۳	ایمان میں زیادت و نقصان	۴۵۰	۳۸۶	مردہ کو ثواب پہنچتا ہے۔	۴۶۹
۳۶۴	ایمان کے اقسام متعددہ	۴۵۰			
۳۶۵	ایمان بالغیب	۴۵۱			
۳۶۶	ایمان بالغیب کی فضیلت پر ایک	۴۵۱			
۳۶۷	واقعہ صحیحہ	۴۵۱			
۳۶۸	آنحضرتؐ کا ایک معجزہ	۴۵۲			
۳۶۹	ایمان یا س مقبول نہیں	۴۵۲			

تمام شد

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ لکتاب

اللہ ہم تیری حمد کرتے ہیں۔ اور تیری نعمتوں سے بے منتہا کے شکر میں شرب
روز ترزاں پہنتے ہیں۔ کہ تو نے محض اپنے کرم عظیم اور لطفِ بیکرم میں خلقِ بشر کو
اپنی اطاعت و عبادت پر مامور فرمایا۔ بسبب کہ تیرا متواضع واجب التواضع و متواضع
خَلَقْتُ الْإِنْسَانَ لَا يَعْصِي أَمْرًا وَلَا يَنْصِي لَهُ شَأْنًا اس کا شاہد ہے۔ خدا یا تیرے
اسماں کے نہایت اور جو دے قیاس کے مدت شناس اور سپاس گزار ہیں۔ کہ
تو نے ہمیں میانِ اسلام کی توفیق عطا فرما کر کفر و شرک کی آلودگیوں سے دور
رکھا۔ تو نے اپنے حبیبِ محبوب اور رسولِ مقبول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا وہ دین پاک اور اسودِ حسنہ ہم کو مرحمت فرمایا جو انرا طایہ و اور
تقریب نصاریٰ سے بسر اصل دور صراطِ مستقیم اعتدال کا رہنما ہے۔ اس میں نہ دین
موسویٰ کی طرح برع مال کی زکوٰۃ اور قتل نفسِ توبہ کا کفارہ مقرر ہے۔ اور نہ اس کو
آئینِ ملت عیسویٰ کی طرح تحلیلِ شرب و حرامِ اکل لحمِ خنزیر سے سروکار ہے۔
بلکہ اس فراط و تقریب سے پاک اور ہر ایک نقص و خط سے بے باک ہے۔ الہ العالمین
ہم تیرے ان انعامات بے پایاں اور الطاف نمایاں کی حمد سراہی کئے بغیر
نہیں رہ سکتے کہ تو نے فرقہ ہائے ضالہ مذکور فی الحدیث سید المرسلین تقریب
اُمّی علی شلۃ و سبعین الخ سے ہمیں یمن و خوف طارک کر سوادِ عظیم
السنن و الجماعت میں پیدا اور اسی پر قائم رکھا۔ اس فرقہ حقہ منجیہ میں نہ تو حیرت
کی طرح یہ مرسع ہے کہ بندہ مثل جمابے قدرت اختیار ہے۔ اس میں حقائق و

کسب کی کچھ بھی صلاحیت نہیں۔ اور نہ وہ قدر یہ کی مانند اس بات کا مستند ہے کہ
بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے۔ بلکہ اس کا اعتقاد ہے کہ بندہ میں کسب کی قدرت
ہے۔ اور خالق افعال خدا کے عز و جل ہے۔ وہ مثل خواجہ کے نہ تو جناب علی اور صہب
رسول سے عداوت اور تبرک کرتا ہے۔ اور نہ مانند روافض کے اصحاب رسول اللہ ﷺ
یعنی طعن کی آوازیں کستے ہیں۔ وہ امامت شیخین کا قائل مجتہدین اور مسیح غلے
الغفین کا مستند ہے۔ اور اس کی زبان سب و شتم اصحاب رسول سے وائے خیر کے
مکفوف ہے۔ وہ خدا کے لئے تشبیہ و تعطیل و مجسم کا قائل نہیں۔ اور نہ فلاسفہ کا سفہ
کی طرح عقل جزوی پر سر اور استبداد ہے۔ پروردگار ہم تیری اس بے بہا نعمت کا کیونکر
شکر ادا کریں کہ تو نے رحمت عالم اکرم نبی آدم حضرت محمد رسول اللہ کو ہمارا مادی مودی
و آقا بنایا۔ اور ان کی شان الایم کہیں تو خطاب یا المومنین دووہ الشرحیم
فرمایا اور کہیں و ما ارسلناک الا رحمة للعالمین سے ان کی قدر و منزلت
کو آدم و نوح و آدم سے بڑھایا فصلاک اللہ و سلامہ علیہ علی الہ
و آئینہ و اتباعہ اجماعین

اما بعد اکتا ہے بندہ گنہگار بے بضاعت متراپا نادانی و جہالت حاجی رحمت
رب العزیز اختر محمد الحق قادری نقشبندی مجددی رام پوری متوطن برہان پور ابن علامہ
زمان فاضل دوران حلقہ تعلیم و العلماء قدودہ صفیاء مولوی فیض محمد خاں علیہ علی آباء
رحمۃ اللہ المتان کہ جب میں تحریر و تسوید ترجمہ کتاب مطاب مقبول ہر شیخ و شہاب
اعنی المعتمد فی المتقدّمات ہو بقائد نور پستی مسنفہ حضرت شیخ شہاب
الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بفضل خدا و بطیفیل روح پاک سید الانبیاء علیہ علی الہ التییز
و الشفاء سے فارغ ہوا تو خاطر فائز میں گذرا کہ جس طرح تبصرۃ الناطقین آخر کتاب میں
ایک نکتہ مفیدہ لگا دیا ہے اسی طرح یہ غرض تعجیم فائدہ اول کتاب میں ایک مختصر و غیر
مقدمۃ کتاب بھی بڑا دون تا کہ ترجمہ دیکھنے والوں کو حصول مطلب میں وقت نہ ہو
اور کتاب موصوف طالبان حق کے لئے ہر طرح موجب برکت ہو۔ لہذا اس غرض
محبہ کو پیش نظر رکھ کر اس مقدمہ کو اس فن شریف (علم کلام) کی کتب معتبرہ سے
سے اخذ کر کے بعنوان لطیف معرض تحریر میں لایا۔ و ما لک فی فی الا یا مستر

الْعَلَى الْعَظِيمِ

بانا چاہئے کہ علم کلام وہ علم ہے جس میں ذات و صفات باری تعالیٰ اور عتق و ات اسلام کے متعلق بحث ہوتی ہے۔ اسی کو علم عقائد بھی کہتے ہیں۔ مختصر امام عظیم ابو حنیفہ النعمان ابن الثابت الکوفی التابعی رحمۃ اللہ علیہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس فن کی تدوین و ترتیب کی جانب توجہ مبذول فرمائی۔ بعد اس صنف خاص میں مثل اور فنون علوم شنتی کے اپنے تمام معاصرین سے سبقت لے گئے۔ اس فن کی مدح و ذم میں علمائے سلف سے مختلف اقوال منقول ہیں جن کو ملا علی القاری الہروی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شرح فقہ الاکبر میں نہایت خوبی سے منضبط کیا ہے خلاصہ ان سب اقوال کا یہ ہے کہ ایسا کلام میں اگر اصول دین سے متجاوز اور اس میں محض عقل برائی کی متابعت ہو تو علم کلام کے مذہب ہونے پر کسی کی جانب سے غافل اور الکلام فی کذا و کذا کی طرف مائل رہتا ہے۔ اور اگر مسائل کلامیہ اعتقاد دینی کی سچائی میں کتاب سنت و اجماع امت کے دلائل استنباط کیے کام لیا جائے۔ اور اقوال معتولہ فلاسفہ و حکماء سے قطع نظر کی جائے تو حقیقت یہ ہے کہ علم کلام نہایت مفید و مفیض علم ہے۔ کیونکہ معرفت ان اعتقادات کی جو اس علم میں بیان ہوتے ہیں۔ ہر ایک انسان مکلف پر واجبات شرعی سے ہے اور یہی ایک حد ذریعہ ادیان و ملل باطلہ کی تردید دین حق کی تائید اور فرقائے سائلہ کی فریب ہی اور دھوکہ بازی سے مصئون مامون رہنے کا ہے۔ پس نظریہ ہر دو مقاصد مذکورہ علمائے کرام نے اس علم میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ اور خدا کا شکر ہے کہ وہ اہل سنت و اجماعت کے لئے موجب حصول سعادت و اربین ہوئیں۔ اگر علمائے اعلام اس کی تدوین کی جانب توجہ تمام نہ فرماتے تو اندیشہ تھا کہ قصر اہل سنت کی بنا بہت جلد متزلزل ہو جاتی۔ اس لئے کہ بزرگ خیر القرون کے بے شمار عقائد باطلہ اور فرقائے مختلفہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اور ان کی خاص غرض یہ تھی کہ فرقہ ناجیہ ملت حقہ تنقیہ اہل سنت کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں اور اس طرح اسلام کے عالیشان محل کو بیخ و بنیاہ سے اکھڑا دیں۔ پس اللہ تعالیٰ لِيُطَوِّعُوا نُوْرًا مِّنْ اِنْدِهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ اِنَّهُ مُتَقَرِّرٌ نُّوْرًا وَ لَوْ كَسِرَتْ

علم کلام کی تدوین

المشیر کو دن چاہتے ہیں کہ خدا کے عالم تاب اور لازوال نور کو اپنی چھوٹوں سے بچا دیں۔ اور اللہ تعالیٰ پورا کرنے والا ہے اپنے نور کا۔ اگرچہ شرک کر نیوالے برا سمجھیں۔

اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ علم کلام کی تادیب کا سبب فقہ رائے مثالہ کا خروج اور ظاہر ہونا ہے ورنہ متکلمین اسلام یہ کہ کیا ضرورت تھی کہ مسائل کلامیہ کو موجودہ صورت میں کتابوں میں مرتبہ مدون کرنے چنانچہ صحابہ کرام کے زمانہ مسعود میں کلام و بحث کا مطلق وجود نہ تھا۔ اور اس کا یہی سبب تھا کہ شکوۃ نبوت سے فیض اٹھانے والے موجود تھے۔ ہر شخص اپنے شک و شبہات کو کسی صحابی سے پوچھ کر رفع و رفع کر لیتا۔ اور تحقیق حق کے بعد اس کی پوری تسکین ہو جاتی ایک اور بات یہ تھی کہ اس زمانہ میں کثرت سے باہم اس درجہ کی مخالفت بھی نہ تھی۔ جس سے ایک دوسرے کی تفصیل و تکفیر لازم آتی۔ اور اگر اچانک کسی سے خلاف دیکھا بھی جاتا تو فوراً اس کو تعزیر و تادیب کر دی جاتی۔ یہ در اس کے سوا دوسرے ضروری بواعث ایسے تھے جس سے ان بزرگوں کو نہ تو اس علم کے جمع کرنے کی ضرورت ہوئی اور نہ مجاہدات ظاہری و باطنی سے انہیں اتنی مہلت ملی کہ وہ اس طرف عنان توجہ منعطف فرماتے۔ اگرچہ انہیں معلوم تھا کہ حسبِ زمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنقریب امت مرحومہ نہ تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی۔ ان میں ایک ہی فرقہ ناجیہ ہوگا۔ باقی سب ناری۔ کیونکہ فضتین متقابلین میں حق ہمیشہ ایک ہی میں رہتا رہتا ہے۔ لیکن انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ ناجیہ کی علامت بیان فرمادی ہے کہ وہ حضرت سالت مآپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے رستہ پر چلنے والے اور امور دینیہ میں انہیں کی پیروی کرنے والے ہونگے۔ لہذا ان کو اس جانب سے قبل وقوع وقوعہ اور سنوچ سانحہ کے کچھ اندیشہ و تردد نہ تھا۔ اب جب کہ صادق و صدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے موافق ملت اسلامیہ شیرازہ بکھرنے لگا۔ اور جامعہ اسلام فرقہ فرقہ ہونے لگا۔ تو علماء کو ضرور شک پڑی کہ اہل سنت کے عقائد حقہ کو کتابی صورت میں جمع کر دیا جائے۔ اور عقائد باطلہ سے تعرض نہ کیا جائے۔ پھر اس کے بعد

معلوم ہوا کہ اس کتاب کی تادیب کا سبب فقہ رائے

آئے عالمی علماء کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کے باطل خیالات اور مجنونانہ مزخرفات کی ساتھ کے ساتھ تردید بھی کر دی جائے۔ اور جس پیمانہ سے انہوں نے ناپا ہے۔ اُس پیمانہ سے انہیں بھی ناپ کر دیا جائے۔

گندم از گندم پرودہ جو ز جو
از مکافات عمل عن نسل مشو

افتراق امت کی حدیث مختلف طریقوں پر مروی ہے مگر مطلب سب ایک ہے۔ عن عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما آتھا قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیا تبین صلی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل تفصی بنو اسرائیل علی اثنتین و سبعین ملتاً واستمری امتی علی ثلاثہ و سبعین ملتاً کلھم فی النار الا ملئاً واحداً قالوا یا رسول اللہ من الملتہ الواحداً الی الی متفقہ قال ما انا علیہ و اصحابی و رواہ فی الفرق بین الفرق حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا قریب ہی میری امت پر وہ واقعہ آیا ہے۔ جو بنی اسرائیل پر گذرا۔ بنی اسرائیل کے بہتر فرستے تھے۔ اور میری امت کے تہتر فرستے تھے۔ وہ سب زخمی ہیں۔ مگر ایک فرقہ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کونسا فرقہ ہے۔ جو دوزخ میں نہیں جائیگا۔ آپ نے فرمایا۔ وہ جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔

بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ یہود کے اکثر فرقے ہوتے۔ اور نصاریٰ کے بہتر اور میری امت کے تہتر فرقے ہونگے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ اہل دینا ت چار فرستے ہیں۔ مجوس۔ یہود۔ نصاریٰ اور اہل اسلام پس مجوس کے مشر۔ یہود کے اکثر اور نصاریٰ کے بہتر فرقے تھے اور اہل اسلام کے تہتر فرستے تھے۔ دالہ ہیں۔ ان میں سب غیر منجی ہونے والے ہیں اور فرقہ ناجید صرف ایک ہی ہے۔ بعض جماعت صرف رسول خدا اور صحابہ کرام کے قدم بقدم چلنے والی تھیں۔

نیز خلفائے راشدین مروی ہے کہ انہوں نے افتراق امت کا ذکر کیا کہ

افتراق امت کی حدیث

نہایت سے متاثر ہونے والے ہیں۔

وہ فرقہ فتنہ ہو جائے گی۔ اور پھر کہا کہ ان میں فرقہ ناجیہ ایک ہی ہو گا۔ اور سوال خوا
سے مروی ہے کہ آپ نے قدریہ کی مذمت کی اور فرمایا کہ وہ اس امت کے بچوں ہیں
اور نیز آپ نے فرقہ مرجیہ کی مذمت فرمائی ہے۔ اور نیز مروی ہے کہ آپ نے مارقین
یعنی خوارج کی مذمت فرمائی۔ اور نیز احادیث کثیرہ سے وفظن کی مذمت ثابت ہے
وہ کچھ عوام حق فرقہ تو ان تمام مرویات سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث مذکورہ میں
فرقہ گاہے مذکورہ ہے۔ اس سے مراد فقہائے کرام رضی اللہ عنہم کی فتنے نہیں ہیں
کیونکہ ان کا اعتقاد نہ باطنی صرف غروی مسائل تک محدود ہے۔ اور اصول دین میں
وہ سب سے مستثنیٰ ہیں۔ اس لئے کہ حدیث حرام وغیرہ غروی مسائل کی بابت
جو علماء ہیں گو ایک دوسرے سے اختلاف ہے۔ وہ دو طائفے سے ایک یہ کہ علما
کا ایک گروہ کہتا ہے کہ فرقہ فقہ میں تمام مجتہدین مجتہب ہیں۔ اور سب کی رائے
راہِ یقین ہے۔ دوسرے یہ کہ جماعت علماء کی فرقہ گاہے فقہ میں صرف ایک ہی فرقہ
کو یقین ہے۔ باقی کو شک ہے۔ لیکن یہاں کے مسائل کی تفصیل بعد کی ہے۔ اور
معلوم ہوا کہ مراد فرقہ گاہے علماء ہیں۔ اور یہاں سے مراد ہے کہ فرقہ گاہے
جنہوں سے فرقہ ناجیہ کی اوائلی توجہ یہاں سے ہوئی۔ اور یہاں سے مراد ہے کہ فرقہ ناجیہ
شریعت کے اصول سے یا احادیث سے یا اجتہاد سے یا اجتہاد سے یا اجتہاد سے یا اجتہاد سے
اس لئے انہی یا اجتہاد سے یا اجتہاد سے یا اجتہاد سے یا اجتہاد سے یا اجتہاد سے یا اجتہاد سے
شعور و شعور غیر ہیں۔ یہاں سے اجتہاد کا اہمال ہے۔ مخالفت کی اور اس
مقابل اپنی بدعتوں اور اہوا کو لوگوں میں پھیلا دیا۔ ان مخالفین فرقوں کی بڑی قسمیں ہیں
قدریہ۔ خوارج۔ روافض۔ بخاریہ۔ کرامیہ۔ مرجیہ۔ جمہیہ۔ مجسمہ اور شیعہ وغیرہ پھر
ان میں سے ہر ایک فرقہ کی شاخیں پھیل گئیں۔ جو سب لکھنا بہت ہوتی ہیں۔ بلکہ اس
بھی زیادہ یہ تمام فرقے اولیٰ کے بعد حقیقیہ آخر وقت تک ملتے جلتے فرقے
یا ملے جلتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں سے فرقوں کا انفرادہ فرعی
اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ یہ اختلاف اصول دین کا اختلاف ہے۔
فرعی اختلافات تو ان کے ساتھ ہیں۔ اور یہاں سے مراد ہے کہ امت کے
لیئے جماعت ہے۔ جو انہی میں سے ہے۔ اور انہی کے اختلافات

امت کی کہانی بڑی عجیب ہے۔ جیسا کہ مولانا محمد علی علیہ السلام کے زمانہ میں
 تمام مسلمان ایک ہی طریقہ کے پابند اور منہاج واحد کے پیرو تھے۔ آنحضرت کا
 انتقال فرمانا تھا کہ اختلاف شروع ہوا۔ پہلے آپ کی وفات کے معاملہ میں وگرنہ ہو گئے
 ایک سبب محبت اور دور محبت اور جلالت قدر اور تقرب حق کے جو آپ کو حاصل
 تھا۔ آپ کی عدم ممات کا قائل ہو گیا۔ اور کہا کہ آنحضرت مرے نہیں ہیں بلکہ اللہ
 نے آپ کو مثل عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے آسمان پر اٹھانا چاہا ہے۔ حضرت ابوبکر
 صدیقؓ کو جب خبر پہنچی تو آنحضرتؐ کے سر ملنے لگے اور چہرہ اور سے چادر اٹھا کر
 یہ آیت تلاوت فرمائی۔ **إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّ نَبِيَّكَ مَيِّتٌ** یعنی بے شک اے
 نبی تم وفات پائے گے اور تمہارا پیغمبر بھی مرنے والا ہے۔ اس آیت
 کے سننے سے لوگوں کے ہوشیں بھٹک گئیں۔ پھر حضرتؐ کو بلائے فرمایا۔ **هَلْ لَكَ كَلَامٌ**
يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنْ كُنْتَ كَذَّابًا فَاعْلَمْ أَنَّكَ كَذَّابٌ اور منی گاہی **يَعْبُدُ مُحَمَّدًا**
مُحَمَّدًا فَإِنْ كُنْتَ كَذَّابًا فَاعْلَمْ أَنَّكَ كَذَّابٌ اور منی گاہی **يَعْبُدُ مُحَمَّدًا**
 تو مجھ کو زندہ رکھئے۔ اور جو محمدؐ کے پروردگار کی عبادت کرتا تھا۔ تو بے شک زندہ ہے
 کبھی نہیں مرے گا۔

انکشافِ حقائق کی روشنی میں

غرض یہ اختلاف نے دفع دفع ہوا اور ابو بکرؓ کی بات سب کے دل پر ایسی موثر
 ثابت ہوئی کہ قابضین اپنے خیال سے تائب ہو گئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم کے دفن کرنے کے باب میں اختلاف ہوا۔ بعض کہتے تھے کہ آپ کو کد
 میں قن کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہی آپ کا مولد اور معدنہ اور قبلا اور موضع نسل ہے
 اور وہیں آپ کے دادا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر ہے۔ اور اہل مدینہ چاہتے تھے
 کہ آپ مدینہ میں دفن کئے جائیں کہ یہ آپ کا دارِ ہجرت اور دارِ انصار ہے۔ بعض
 کہتے تھے کہ آنحضرتؐ کو بیت المقدس میں دفن کرنا اچھا ہے۔ کیونکہ وہاں آپ کے
 جد امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کا قبور ہے۔ یہ اختلاف یوں ہی بڑھتا
 جاتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے یہ حدیث فرمائی **إِنِّي سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَبْرِ نَبِيِّهِ**
فَقَالَ لَا تَقْبِرُونِي فِي قَبْرِ نَبِيِّي وَلَا فِي قَبْرِ نَبِيِّي وَلَا فِي قَبْرِ نَبِيِّي وَلَا فِي قَبْرِ نَبِيِّي
 روح قبر میں ہونی چاہئے۔ چنانچہ اس حدیث پر عمل کیا گیا۔ اور آنحضرتؐ کو مدینہ میں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجر میں دفن کیا گیا کہ یہیں آپ نے وفات پائی تھی۔
 اس کے بعد امامت کے متعلق اختلاف ہوا۔ انصار کہتے تھے کہ حضرت
 رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہم میں سے ہونا چاہئے۔ اور وہ مسلمانوں
 کی بیعت کے لئے سعد بن عبادہ خنجر بنی کو تجویز کرتے تھے۔ اور قریش کہتے تھے کہ
 امامت کا مستحق قریش کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ انصار یہ بھی کہتے تھے کہ ایک امیر
 ہم میں ہو۔ اور ایک قریش میں ہے۔ اس وقت بھی حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہؐ سے
 ایک ایسی حدیث روایت کی جس کو آپ کے سوا چند جلیل القدر صحابہؓ بھی حضرت
 سنا تھا۔ اَلَا بُحَیْرَةُ مِنْ قُرَیْشٍ (رواہ البخاری) اپنی امامت قریش سے ہو گی۔
 سب نے اس حدیث پر تسلیم خم کیا۔ اور بعد امدان نظر و بحث و مباحثہ حضرت ابو بکرؓ
 سے بیعت کر لی۔ لیکن یہ اختلاف ابھی تک باقی ہے کہ امامت غیر قریش میں کیونکر
 ناجائز ہے۔ اور قریش ہی میں محصور کیوں ہے۔ چنانچہ ضرار اور خوارج غیر قریش ہیں
 بھی امامت کو جائز کہتے تھے۔ حایت مذکورہ کے باب میں تفصیلی بحث کے لئے
 دیکھو صفحہ ۳۲ عقائد تہذیبی بعد ازاں زمین فدا اور توحید تہذیب کے باب میں
 اختلاف ہوا۔ حتیٰ کہ ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ سے یہ حدیث سنائی۔ اَلَا بُحَیْرَةُ
 یُوْرِثُوْنَ (رواہ الترمذی) انبیاء اپنے ترکات کا وارث نہیں سمجھتے۔ ان کا ترکہ
 عام مسلمانوں کے لئے صدقہ ہے۔ پھر زکوٰۃ نہ دینے والوں کے متعلق اختلاف

ابو عبید اللہ بن جراح کی وفات کی خبر سن کر جب سفیہ بن عبد میں مغللات کے باب میں گفتگو کرنے کے
 لئے ماہر و انصار جمع ہوئے۔ تو ان دونوں سرگروہ کے ہر شخص اپنے مفاخر اور مناقب بیان کرنے لگا جب خبر
 صحابہ عظام کو پہنچی تو حضرت ابوبکر و عمرؓ اور ابوعبیدہؓ ابن الجراح رضوان اللہ تعالیٰ عنہم چند دوسرے صحابہؓ کے
 ساتھ دوڑنے لگے وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ انصار خلافت کے لئے سعد بن عبادہ کو پیش کرنے میں اور ہاجرین
 کسی طرح انہی میں ہرے نہ پا پا ہو کر انصار کہتے ہیں کہ اچھا ایک امیر ہم میں سے ہو۔ اور ایک تم میں سے۔ انہی میں
 عین وقت پر فاروقی عظیم نے مجمع کو مخاطب کر کے کہا۔ اے گروہ انصار تم نے سید الابراہ سے سنا ہے کہ آپ نے
 فرمایا۔ اَلَا بُحَیْرَةُ مِنْ قُرَیْشٍ بشر ابن سعد انصاریؓ نے جواب دے یا خدا کی قسم میں نے یہ حدیث آنحضرتؐ
 سے سنی ہے حضرت ابو بکرؓ نے اس کی حق گوئی کی اور بعد بڑی روک کے پہلے حضرت فاروق رضی اللہ
 عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی پھر ابوعبیدہؓ نے اس کے بعد تمام حاضرین نے بیعتیں دیں
 کہتے ہیں کہ پہلے بشر ابن سعد انصاریؓ نے بیعت کی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ عباد بن بشر نے پہلے بیعت کی غرض
 پہلے روزہ ۱۱ ہوا اور دوسرے روزہ عام بیعت واقع ہوئی ۱۲

سفیہ بن جراح کا واقعہ

ہوا کہ اُن سے قتال کرنا چاہئے یا نہیں۔ چنانچہ اُن سے جدال قتال کرنے کے وجوہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر اتفاق ہوا۔ اس کے بعد صحابہ کرام علیہ السلام کے قتال میں مشغول ہو گئے۔ ایک شخص تھا جو اسلام میں داخل ہو کر پھر مرتد ہو گیا۔ اور نبوت کا دعویٰ کر رکھا۔ جب مسلمان اس کے قتل و ہلاک کے درپے ہوئے۔ تو وہ شام کی طرف بھاگ گیا۔ اور مدت تک اس آوارہ پھرتا رہا۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں یہ مدینہ میں آکر مشرف باسلام ہوا۔ اور شیراز سعد بن قاص کے ساتھ حرب دسیہ میں بعد ازاں حرب نہاد میں شریک ہوا۔ اور نہاد کی لڑائی ہی میں شہید ہوا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

پھر مسلمان سلیمۃ الکذاب کے قتال میں مشغول ہوئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو اس پر فورا غالب کیا۔ اس طرح سجاح عورت پر جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور نیز اسود ابن زید غسانی مدعی نبوت پر خدا نے اہل اسلام کو فتح کا ملکہ عطا فرمائی۔ اس کے بعد مسلمان بالاتفاق تمام مرتدوں کے قتل و ہلاک پر جمع ہوئے اور خدا کا شکر ہے کہ تمام مرتد طعنہ بے دریغ شکر اسلام کے ہوئے۔ اس سے فارغ ہو کر مسلمانوں نے غیر مسلم اقوام سے بڑی بڑی لڑائیاں کیں۔ اور روم۔ شام اور

لسانہ ہمدانی علیہ السلام اور سجاح بن زید غسانی مدعی نبوت کا دعویٰ کیا تھا پہلے تینوں شخصوں کی بابت تحقیق ہے کہ ان کا دعویٰ نبوت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوا۔ اور اگر اسود کی نسبت مؤرخین کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ ایک شخص ناقب بن دالم تھا جس نے حدودین میں نبوت کا دعویٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آخر ایام حیات میں کیا۔ اور آپ ہی کے اسی غیر ذمائی ایک مسلمان کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی ہلاکت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی۔ ظنہ اسدی نے پہلے تو مسلمانوں سے مقابلہ کیا۔ پھر جب ہزیمت اٹھائی تو اس نے شام کو بھاگ گیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں میان لاکر حرب نہاد میں قاتل ہوا۔

سلیمۃ الکذاب حشی قاتل سید شہداء حضرت میر حمزہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ یہ سب سب عورتوں کے اپنے چہرہ سوپا ہی نے کر مصل کی طرف بھاگ گئی۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورہ کو مدت تک زندہ رہا۔ مشرف بایمان ہوئی۔ ۱۲ منہ۔

عجم وغیرہ ممالک عظیمہ کو فتح کیا۔ اس وقت تک مسلمان کلمہ واحدہ پر جمع تھے۔ اور ان میں اصول دین کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ یہ جزئی اختلاف جو اوپر بیان ہوا اور اس کے سوا جو فروع فقہ کے متعلق اختلاف تھا۔ یہ سب حقائق حق کی غرض سے تھا۔ اس میں کسی قسم کا شائبہ نفس اور ریاکانہ تھا۔ اور نہ مخالفت اس غرض سے تھی کہ اُس سے دوسرے کی تفسیل یا تفسیق مقصود ہو حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت اور نیز حضرت عثمانؓ کے خلافت کے پہلے چند سال تک یہی حال رہا۔ اس کے بعد ایک نیا گفتنی اختلاف مسلمانوں میں واقع ہوا وہ یہ کہ بعض جزئی اختلاف رائے کی وجہ سے ظالموں نے حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کو قتل کر ڈالا۔ ان کے شہید ہونے کے دوسرے روز حضرت علیؓ شیر خدا کرم اللہ وجہہ کرسی خلافت پر متمکن ہوئے۔ لیکن چونکہ یہ خلافت استخلاف اور انتخاب

لے کر بتایا گیا ہے کہ حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایام میں اپنے قرابت داروں کو بڑے بڑے عہدے دے رکھے تھے۔ اور انعامات بھی ان پر زیادہ کیا کرتے۔ اس سے بعض صحابی منع بھی کیا کرتے۔ تو اُس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ اکثر صحابہؓ کہ آپ کا یہ سلوک بڑا معلوم ہوتا۔ اسی حالت میں آپؐ نے عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کا خلیفہ کر دیا۔ باوجودیکہ اُس نے مصریوں پر بہت کچھ ظلم کیا۔ اور صحابہؓ نے منع بھی کیا کہ اس کو معزول کر دیا جائے۔ مگر آپؐ نے نہ مانا۔ آخر جب جناب علیؓ کرم اللہ وجہہ نے اس کے عزل کی بابت بخت کچھ اصرار کیا۔ تو آپؐ نے حسب عہد پدید آیا۔ محمد بن ابی بکرؓ کو مصر کی گورنری کا فرمان دے کر مصریوں کے ہمراہ روانہ کیا۔ لیکن مروان نے جس کو حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے مزاج میں بڑا دخل تھا۔ یہ چال چلی کہ حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک منکران عبداللہؓ کو کر کے نام لکھا کہ تم اپنے عہدہ پر قائم رہنا۔ اور محمد بن ابی بکرؓ اور ان کے ہمراہیوں کو مجبوس اور قتل کر دینا۔ یہ فرمان مروان نے خلافت سے مزین عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے غلام کے ہاتھ عثمانؓ رضی اللہ عنہ ہی سے اونٹ پر سوار کر کے بھیجا گیا۔ جس کو محمد بن ابی بکرؓ کے لشکریوں نے رستہ میں پکڑ لیا۔ پھر تو لوگوں کو آپؐ کی طرف سے بڑی بدگمانی ہوئی۔ اور بڑی جمعیت کے ساتھ مدینہ منورہ میں آکر حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے مکان کا قاصد کر لیا۔ اور باوجود سخت روک تھام کے مکان میں گھس کر محمد بن ابی بکرؓ کے دو ہمراہیوں نے آپؐ کو شہید کر ڈالا۔ اَنَا لِلّٰهِ وَ اَنَا اِلَيْهِ رَاٰجِعُونَ

آپؐ کی شہادت کا واقعہ بڑا افسوس ناک ثابت ہوا۔ آپؐ نے ہجری میں فدی الحجہ کی گیا رہیں۔ تاریخ شہید کئے گئے۔ اسے فدیہ کی شب کو جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

ترجمہ تفسیر توحید

اور شوری کے ذریعے عمل میں نہیں آئی۔ اور چونکہ فتنہ عثمان کے باب میں اہل اسلام کے دو گروہ ہو گئے تھے۔ اس لئے آپ کی خلافت میں عجیب و غریب واقعات پیش آئے۔ پہلی بات یہ سامنے لائی گئی کہ قاتلانِ عثمان سے قصاص لیا جائے۔ اور جب قصاص سے انعام کیا گیا۔ تو اہل اسلام کا ایک بڑا گروہ علیؑ کا مخالف ہو گیا۔ اور علیؑ اور صحابہؓ کی شان میں اپنی رائے سے مختلف چہ میگوئیاں کرتا رہا۔ بعض نے اس جنگ میں علیؑ اور اُن کے اعوانِ انصار کو مصیب اور ان کے مخالفین کو غلط سمجھا۔ اور بعض نے عائشہؓ اور اُس کے ہمراہیوں کو حق پر جانا۔ لیکن اہل اسلام میں ابھی ایک ایسا گروہ عدالتِ پُروہ بھی موجود تھا۔ جو اس جنگ کو اجتہادی جنگ کہتا۔ اور فریقین کی غلطی کو اجتہادی غلطی سے تعبیر کرتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ اس شتم کی لڑائیوں سے دینِ اسلام کو کوئی تعلق نہیں۔ ایسی لڑائیاں ہمیشہ متمردانِ قوم میں ہوا کرتی ہیں۔ اور اُس کے نتائج بجائے مضر ہونے کے بصیرت نظر اور عاقبت بین اصحاب کے حق میں مفید ہی ثابت ہوا کرتے ہیں۔ یہ فرقہ تھا جو ہمیشہ اُفراط و تفریط اور بلا وجہ وجہ مسلمانوں کی تفصیل و تفسیق سے مجتنب رہتا تھا۔ اب بھی یہ فرقہ ناجیہ اسی حالت و شان اور وقار و تمکین کے ساتھ اپنی اُسی رائے پر قائم و ثابت ہے۔ اور گزشتہ واقعات صحابہ کو اجتہادی خطا سے تعبیر کرتا۔ اور اُفراط و تفریط سے بچا ہوا صراطِ مستقیم پر چلتا ہے۔ اسی فرقہ کا نام فرقہ ناجیہ اہل سنت و الجماعت ہے۔

واقعہ مبطل کو کچھ بُت دن نہیں گزرے تھے کہ شیرازہ اسلام کے انتشار

احداثِ اسلام میں آیا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ حضرت علیؑ کی خلافت پر پہلے ہی اجماع قائم ہو چکا تھا۔ یعنی اہل اسلام نے بالاتفاق حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد خلافت کو صرف عثمانؓ کی مجلسِ بادشاہت میں سے لیا تھا۔ اور عثمانؓ کی وفات کے بعد صرف حضرت علیؑ کے حق میں خلافت باقی رہی چنانچہ اسی وجہ پر اکثر نے آپ کی خلافت کو تسلیم کیا۔ لیکن شام عراق اور مصر کے قبیلوں نے اُن کی خلافت پر بیعت نہیں کی۔ ۱۲۔ منہ ۵۔

۳۔ عربی میں یہاں کہتے ہیں اونٹ کو آدم چونکہ اس لڑائی میں ام المومنین حضرت عائشہؓ اونٹ پر سوار تھیں اس سبب سے اس لڑائی کو عربی میں کہتے ہیں۔ یہ لڑائی بصرہ میں ہوئی تھی۔ وجہ اُس کی یہ تھی کہ طلحہ و زبیر اور اکثر شام بصرہ کے لوگ چاہتے تھے کہ عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے۔ اور عثمانؓ کی بیوی کے مال خستہ تھے کہ عام شورش کے فرد ہو جانے پر قصاص کی جانب سے جو گنا زیادہ مناسبت ہو گا۔ اس بات پر لوگوں نے وہ حاشیہ چھوڑ دیا۔ (فقہ حنفی ۱۲)

اس میں ناگفتہ اختلاف کی بنا

کے لئے معاویہ علی کی لڑائی یعنی جنگ صفین پیش آئی۔ ان میں دونوں طرف سے ہزاروں صحابیوں کا قتل و خون ہوا۔ کاش یہ سرفروش مسلمان مخالفین اسلام کے مقابلہ میں لائے جاتے کہ اپنی جلی دلاوری اور فطری جنگ جونی سے تمام دنیا کفایت و شکرین کو استثناء اسلام پر جھکا دیتے۔ افسوس اتنے مسلمانوں کا خون فریقین کی ذاتی اغراض کے کام میں لایا گیا۔ یہ وہی جنگ ہے جس میں جناب علیؑ کی طرف سے مولیٰ اشعری اور امیر معاویہ کی جانب سے عمرو ابن العاص کی حکمت مقرر کئے گئے۔ اور یہی لڑائی ہے جس میں عمرو ابن العاص کی جودت طبع نے قرآن شریف کو نیزوں پر چڑھا کر پہلے تو علیؑ کے طرفداروں کو صلح پر آمادہ کرایا۔ اور پھر سنے اشعری جیسے بزرگ کو اپنے موافق کر لیا۔ اور فیصلہ معاویہ کے حق میں دے دیا۔ اس حکمین کے باعث مسلمانوں کا باہم ایسا اختلاف عظیم ہوا جو ابھی تک کافی ہے۔ اور خوارج کی جماعت اسی وقت سے علیؑ کے ساتھ سے علیحدہ ہو کر خارجی کسلائی۔ اور اسی وقت ایک جماعت ایسی پیدا ہوئی جو علیؑ و معاویہ دونوں سے الگ ہو کر طرفین کے امیر و اور شرکاء جنگ کو برا کہنے لگی۔ بعض کہتے ہیں کہ علیؑ کا مخالف فرقہ ناصبی کسلانا ہے۔ اور علیؑ و معاویہ دونوں کا مخالف فرقہ خارجی (فرقہ اہل سنت یہاں بھی اپنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) کہ آپس میں بڑی پیدا ہوئی۔ علو و ذلیل اور ان کے ہمراہی کئے پیچھے حضرت عائشہؓ یہاں پہلے ہی تشریف فرما تھیں۔ ان کو لے کر بصرے پہنچے۔ حضرت علیؑ ابھی اُدھر سے بصرہ کو روانہ ہوئے۔ اور وہاں ان دونوں لشکروں کی بے رحم لڑائی ہوئی۔ دونوں طرف سے ہزاروں قتل و شہید ہوئے۔ یہ لڑائی ۵ جمادی الثانی خستہ ہجری کو واقع ہوئی۔ اس لڑائی میں طلحہ و زیدؓ کے ساتھیوں کی تعداد تیس ہزار اور امیر علیؑ کے ہمراہیوں کی تعداد تیس ہزار تھی۔ ۱۲۰

۱۱۔ مدقین ایک مقام ہے جہاں یہ لڑائی ذوی الحجہ ۳۵ سے شروع ہو کر آغاز محرم ۳۶ تک جاری رہی۔ پھر معاویہ کے لشکر کی تعداد ساٹھ ہزار اور حضرت علیؑ کے لشکر کی تعداد ستر ہزار بتائی جاتی ہے۔ غرم کا تہم نمیدہ متوی۔ ہر گز صفر میں یہ لڑائی شروع ہوئی۔ غرض کل ایک سو سبیل دن تک جاری رہی۔ اس جنگ میں معاویہ کی فوج بڑا دل ہو چکی تھی کہ اتنے میں عمرو ابن العاص نے یہ تدبیر سوچی کہ قرآن کو نیزوں پر چڑھا کر یا شاہ کیا کہ کہ تمہارے فرج ہم فیصلہ کرنے کو موجود ہیں۔ حضرت علیؑ نے سمجھا یا بھی کہ یہ دشمن کا فریب ہے۔ اور میدان چلے۔ اُنہ میں آچکا ہے۔ مگر شکریوں نے نہیں مانا۔ آخر کار معاویہ کے مقابلہ میں عمرو ابن العاص کی حکمت سے حضرت علیؑ کو بڑی طرح ندامت اٹھانی پڑی۔ بعض لوگ علیؑ کے اور بعض علیؑ و معاویہؓ اور طرفین کے مخالف ہو گئے۔ ۱۲۰۔ منہ

بہارِ نبوی

عادت تفرہ و سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کام میں لایا۔ اور اس جنگ کو بھی معاویہ کی غلطی کے اعتراف کے ساتھ ان کی خطائے اجتہادی پر محمول کیا۔ اور ان کے کی چوٹ سے کہہ دیا۔

حق و آئین بدست جید بود
جنگ با او خطائے منکر بود

مگر انہیں لڑائیوں کو فرقہ ٹائے منالہ کے پیدا ہونے کی بنا سمجھنا چاہئے کیونکہ اسی وقت سے اسلام کے مختلف فرقے مختلف ناموں سے موسوم ہونے لگے۔ علیؑ کے طرفداروں نے اپنا نام شیعیا بن علی رکھ لیا۔ اور ان کے مخالفین خوارج کہلائے۔ پھر متاخرین صحابہؓ کے وقت میں قدریہ پیدا ہوئے۔ جو قدر و استطاعت میں خلافت کرنے لگے۔ اور حنیفہ بن ابی عامر جہنی اور عیلامی دمشقی اور جہد بن ریم سے ظاہر ہوا۔ متاخرین صحابہؓ نے ان سے اپنی بریت ظاہر کی۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ اور جابر بن عبداللہ اور ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ اور انس بن مالکؓ اور عبداللہ بن ابی اوفیٰ اور عقبہ بن عامر جہنی ان بزرگ صحابیوں میں سے ہیں۔ جنہوں نے قدریہ سے تبرک کیا۔ اور جنہوں نے اپنے خلافت کو وصیت کر دی کہ قدریہ پر سلام نہ کریں ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں۔ اور ان کے مریض کی عیادت کو نہ جائیں۔

خوارج کا فرقہ بڑھتے بڑھتے بیسٹ فرقوں میں بٹ گیا۔ ایک فرقہ دوسرے کی تکفیر کرنے لگا۔ پھر حسن بصریؒ کے زمانہ میں قدریہ کے باب میں اصل ابن عطا کا خلا ہو گیا۔ حسن بصریؒ نے اسے اپنی مجلس سے نکال دیا۔ اور کہہ دیا اَعْتَزَلْ عَنَّا وَهَمْ اَلْکُفْرُ ہو گیا۔ پس فرقہ معتزلہ کہلا دیا۔ اس کا قول ہے کہ فاسق گناہ گار نہ مومن ہے اور نہ کافر۔ بلکہ ان دونوں منزلتوں کے درمیان ایک تیسری منزلت رکھتا ہے۔ معتزلہ کا قصہ بڑا دلکش ہے۔ جو علامہ سعد الدینؒ نے شرح عقائد میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ معتزلہ فرقہ پہلا فرقہ ہے جس نے ظاہر سنت اور جماعت صحابہؓ کے خلاف باب عقائد میں قواعد ایجاد کئے اس واسطے کہ اصل ابن عطا جو معتزلہ کا رئیس ہے۔ اس قرار کے سبب کہ فرنگ بکیر نہ مومن ہے اور نہ کافر بلکہ اس کی منزلت کفر و ایمان کے درمیان ہے۔ مجلس حسن بصریؒ سے علیحدہ

گمراہ فرقوں کی ابتدا

خوارج کی تقسیم

معتزلہ کی دستبرد

کر دیا گیا۔ اور اسی اعتزال کے سبب اس فرقہ کا نام معتزلہ ہو گیا۔ مگر وہ خود کو اہل
العدل والتوحید کہتے ہیں۔ کیونکہ مطیع کو ثواب دینا اور عاصی کو عذاب الئادہ
لوگ خدا پر واجب تجویز کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ سے صفات قدیمہ کی نفی جائز
رکھتے ہیں۔ اس فرقہ نے علم کلام میں بڑا تو غل کیا۔ اور فلاسفہ کے دلائل کا سہارا
پکڑ کر انہوں نے مذہبی احکام کو تزیید یا۔ اسی طرح معتزلہ کا مذہب لوگوں
میں خوب شائع ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایک در شیخ ابو الحسن اشعری رحمہ نے اپنے
استاد ابی علی جبائی معتزلی سے سوال کیا کہ آپ ائمہ میں کی بابت کیا کہتے ہیں
جن میں سے ایک مطیع مرا۔ دوسرا عاصی اور تیسرا صغیر۔ جواب دیا۔ پہلا جنت
میں ثواب پائے گا۔ دوسرا دوزخ میں عذاب اٹھائے گا۔ اور تیسرے کو نہ ثواب
ملے گا۔ اور نہ عذاب۔ اشعری نے کہا۔ اگر صغیر خدا سے کہے۔ اٹھی تو نے مجھے
چھوٹی عمر میں کیوں اٹھا لیا۔ اور مجھے باقی کیوں نہ رکھا۔ کہ میں بڑا ہو کر تیری
اطاعت کرتا۔ اور جنت میں داخل ہوتا۔ تو خدا کیا جواب دے گا۔ جبائی نے کہا
خدا فرما بیٹے گا۔ تیرے حق میں یہی بہتر تھا کہ صغیر سنی میں مر جائے۔ کیونکہ اگر تو بڑا
ہوتا تو مجھے معلوم تھا کہ تو گناہ کرتا۔ اور دوزخ میں داخل ہوتا۔ اشعری نے
کہا۔ اگر دوسرا یعنی عاصی خدا سے کہے۔ اٹھی تو نے مجھے چھوٹی عمر میں کیوں نہیں
اٹھا لیا کہ میں گناہ نہ کرتا۔ اور آج دوزخ میں داخل نہ ہوتا۔ تو کیا جواب دے گا۔
جبائی اس سوال سے حیران ہو گیا۔ اور اشعری نے اس کا مذہب چھوڑ دیا۔ پھر
حسن اشعری اور اس کے تابعین معتزلہ کی تردید کی جانب متوجہ ہوئے۔ اور
سنت و جماعت کے عقائد کو پُر زور دلائل سے ثابت کرنے لگے۔ اس مناسبت سے
ان کا نام اہل سنت و جماعت ہوا۔

فرقہ ہائے رافضی میں سے صرف سائیکہ ایسا فرقہ ہے جس نے
جناب علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اپنی بدعت و اہمیت کو ظاہر کیا۔ اور
علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کہہ دیا کہ ”اے علی رضی اللہ عنہ ہی آ کہ یعنی معبود ہو“ جناب علی رضی اللہ عنہ
اس زندقہ فرقہ کے اکثر لوگوں کو جو ہاتھ لگے۔ جلا دیا۔ اور ابن سبا باطالہ ان
کی طرف بھاگ گیا۔ اور وہاں جا کر اعتقاد الوہیت علی رضی اللہ عنہ کی اشاعت کی۔ یہ

فرقہ بسبب اس کے کہ وہ علیؑ کی الوہیت کا قائل ہے۔ فرقہ اُمت اسلام سے خارج ہے۔ پھر علیؑ کے زمانہ کے بعد روافض کے چار فرقے ہو گئے۔ زیدہ، امامیہ، کیسانیہ اور غلاط۔ پھر ان میں سے بھی ہر ایک فرقہ کے چند فرقے ہو گئے۔ جو سب کے سب باہم ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔ ان میں غلاط کے تمام فرقے اسلام سے خارج ہیں۔ رہے زیدہ و امامیہ تو ان میں سے وہ چھ فرقے فرمائے اُمت میں داخل ہیں۔ باقی خارج از اسلام *۔

نخاریہ فرقہ کے لوگ نواحی سے میں پھیل گئے۔ پھر فرقہ بکریہ کا خلاف ظاہر ہوا۔ اخت عبدالواحد بن یار کی جانب سے۔ پھر ضرار ابن عمرؓ کی طرف سے فرقہ ضراریہ کی ابتدا ہوئی۔ اور جہم ابن صفوان کی طرف سے جہمیہ کا خلاف حادث ہوا۔ اور جہم بکر و ضرار سب کا ظہور زمانہ واصل بن عطا میں واقع ہوا اور باطنیہ کی دعوت خلیفہ مامون الرشید کے وقت سے ظاہر ہوئی۔ اور یہ ظہور دعوت حمران و قرمط اور عبداللہ بن میمون القلاح کی جانب سے واقع میں آیا *۔

فرقہ باطنیہ فرمائے اسلام سے نہیں ہے۔ بلکہ مجوس کے فرقوں سے ہے۔ چنانچہ ان کے عقائد فاسدہ سے ظاہر ہے۔ پھر محمد بن طاہر ابن عبداللہ ابن طاہر کے زمانہ میں فرقہ کرامیہ بسبب خلاف ظاہر ہوا *۔

فرقہ زیدہ کے تین فرقے ہوئے۔ جارودیت، سلیمانہ، تبیریہ۔ یہ تینوں فرقے زید ابن علیؑ ابن حسینؑ ابن علیؑ ابی طالب کی امامت کے قائل ہیں۔ ان فرقوں کا حدوث ہشام ابن عبدالملک کے زمانہ میں ہوا۔ کیسانیہ کے کئی فرقے ہیں۔ جو دو کے اعتقاد میں محدود ہیں۔ ایک یہ کہ محمد بن الحنفیہ کو حی لا یموت خیال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہی مہدی منتظر ہیں۔ آخر زمانہ میں عود کریں گے۔ دوسرے

یہ قول علامہ غفرلہ و بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ لیکن حقیقت میں بعض باطنیہ فرقوں کا عمل ایسا کہ وہ فرقے مسلمانوں میں شمار نہیں کئے جاسکتے۔ نہ کہ تمام باطنیہ فرقے چنانچہ ہم نے اس کی تشریح ضمیمہ میں کہ دی ہے۔ جو سب الا ثناء حضرت مرشدی مولائی حضرت قاسم علی صاحب شہید مجذبی امر وہی اخیر کتاب میں لگا دیا گیا ہے ۸۱۲

یہ کہ ان کی امامت کے قائل ہیں۔ اور ان کی موت کو تسلیم کرنے ہیں۔ اور ان کی موت کے بعد امامت کا غیر میں منتقل ہونا تجویز کرتے ہیں۔

امامیہ کے پندرہ فرقے ہیں۔ محمدیہ۔ باقریہ۔ ماضیہ۔ شعیبیطیہ۔ حماریہ۔ ایساویہ۔ موسویہ۔ قطیبیہ۔ اثنا عشریہ۔ ہشامیہ۔ جو ہشام ابن محمد کے تابعین یا ہشام ابن سالم جو ابی بقی کے تابعین سے ہے۔ یونسیہ۔ یونس قمی کے تابعین سے۔ شیطانہ۔ شیطان الطاق کے اتباع سے۔ اور کالمیہ ابی کائل کے اتباع سے۔ اور یہ پچھلا فرقہ علی بن ابراہیم صحابہؓ کے باب میں سب سے زیادہ فحش اور سخت باتیں کرتا ہے۔ پس یہ سب مل کر وافض کے بیٹے قتر ہوئے۔ تین زیدیہ کے اور دو کیسانہ اور پندرہ امامیہ کے۔ یہ غلاۃ جو آئمہ کی الوہیت کے قائل ہیں۔ اور محرمات شرعی کو مباح جانتے ہیں۔ اگرچہ وہ اپنے کو اسلام سے منسوب کرتے ہیں۔ جیسے بیانیا۔ خطابیہ۔ منصوبیہ۔ حلوبیہ۔ مغیریہ۔ جناحیہ۔ اور مثل ان کے جو اعتقاد و اقرا میں ان کے ہم نوا ہیں۔

خوارج اپنے کثرت اختلاف کی وجہ سے بیس فرقوں میں بٹ گئے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ حکمہ اولیٰ از ارقعہ۔ نجدات صفریہ۔ عجار وہ۔ پھر جاردہ کے

۱۱ فرقہ شیطانیکہ گروہ ہے۔ جامع مسجد کوفہ کے طاق میں مارا تھا۔ اس کے پیرواس کو موسیٰ الطاق کہتے تھے۔ اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا نام شیطانی الطاق رکھا ہے۔

۱۲ حکمہ اولیٰ فرقہ کے لوگ وہ لوگ ہیں۔ جو جبل و صفین کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طرفدار تھے۔ ان کے علو ہونے اور خروج کا سبب یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی جانب سے ابوموسیٰ اشعری کو حاکم مقرر کیا تو خوارج نے کہا کہ ایسا کرنے سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی گردن سے خلافت کا باق نکال دیا۔ بلکہ انہوں نے خود اپنے کو حلقہ اسلام سے خارج کر دیا۔ کہ حکم مقرر کرنا ان کے واسطے ہرگز درست نہ تھا۔ قرآن میں اِنَّ الْحُكْمَ لِلّٰهِ اَللّٰہ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف کیا غرض ایسی بے بنیاد باتیں بنا کر بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ اور ایک بڑا لشکر مقام حرور میں فراہم کر دیا۔ تا چار ہفتے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا قلع و قمع ضروری جانا۔ اور نہروان میں مسلمانوں کو ایک سخت جنگ واقع ہوئی۔ جس میں خوارج کو ہزیمت ہوئی۔ پھر اسی طرح ان کا گردہ بڑھنا گیا۔ اور ان میں بھی باہم اختلاف اور ایک دوسرے کی تکفیر ہونے لگی۔ حتیٰ کہ یہ اختلاف بڑھتے بڑھتے بیس فرقوں میں بٹ گیا۔ ہمارے ہندوستان میں یہ لوگ قریب مہدم ہیں۔ مگر مسقط و عمان وغیرہ نائک عراق و عرب میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

امامیہ اور ان کے فرقے

زینتہ خوارج

حکمہ اولیٰ کا بیان

بھی بہت سے فرقے ہیں جیسے فازیہ - شعیبہ - معلولہ - مجہولہ - حارثیہ - یزیدیہ - یہ پچھلا فرقہ اسلامی فرقوں سے خارج ہے۔ کیونکہ یہ اس امر کا قائل ہے کہ شریعت آخر زمانہ میں منسوخ ہو جائیگی۔ اور اُس کا نسخ ایک نبی ہوگا جو عجم میں مبعوث ہوگا۔ اسی طرح فرقہ اجارہ میں سے میمونہ فرقہ اسلام سے خارج ہے۔ اس لئے کہ وہ مثل مجوس نواسیوں اور یوتیوں کے نکاح کو مباح جانتا ہے۔

قدریہ جو حق سے اعتزال رکھتے ہیں۔ اُن کی بھی بیس ٹولیاں ہوتی ہیں۔ ہر ایک ٹولی اپنے سوا باقی سب ٹولیوں کو کافر کہتی ہے۔ اُن کے نام یہ ہیں۔ واصلیہ - عمریہ - ہذیلیہ - نظامیہ - اموریہ - حمیریہ - شامیہ - جاحظیہ - حایطیہ - حاربیہ - خیاطیہ - سخامیہ - مویسیہ - کعبیہ - جہانیہ - ہشیمیہ - جواہر شمش ابن الجبائی سے منسوب ہے۔ وغیرہم۔ ان میں سے دو فرقے اسلام سے خارج ہیں جن کے نام حاربیہ و حایطیہ ہیں۔

مرتبہ کی تین صنف ہیں۔ ایک صنف ایمان اور قدر میں ارجحاً کا قائل ہے۔ جیسے کہ قدریہ۔ اسی سبب یہ صنف قدریہ میں معدود ہے۔ دوسرا صنف ایمان میں ارجحاً کا قائل ہے۔ اور اعمال و کسب میں ہم ابن صفوان کے قول کی جانب میل رکھتا ہے۔ تو یہ صنف جمہیہ اور مرتبہ دونوں میں شامل ہے۔ تیسرا صنف مطلق ارجحاً کا قائل ہے۔ قدر و ایمان کے ساتھ متعین نہیں کرتا اس کے پانچ فرقے ہیں۔ یونسیہ - غسانیہ - ثوبانیہ - تومنیہ - اور مرسیہ۔

بخاریہ کے فرقے بیس ہیں۔ جو آج تک سے اور اُس کے نواسی میں منتشر ہیں۔ مگر اُن کا مرجع صرف تین فرقوں میں محدود ہے۔ یروغونیہ - زعفرانیہ اور مستدرکہ۔

بکریہ اور ضاربیہ کے اعتقاد کے اعتبار سے یہ دونوں اصل ہیں البتہ یہ فرقہ ہے۔ اُن کے توابعین بھی زیادہ نہیں۔ ائمہ جمہیہ کا بھی ایک فرقہ ہے۔ اور کرامیہ کے خراسان میں تین فرقے ہیں۔ حقانیہ - طریقیہ اور اسحاقیہ یہ یا ہم ایک دوسرے سے اجارہ کے معنی تاخیر کے ہیں۔ مرتبہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ فرقہ ایمان میں تاخیر کو برداشت کرتا ہے یعنی دنیا میں خود کو مومن کہتا ہے نہ کافر۔

کی تکفیر نہیں کرتے۔ تو ہم نے اُن کو اپنے ہی فرقہ میں شمار کیا ہے۔
یہ سب مل کر بہتر فرقہ لہوتے ہیں۔ قطع نظر اُن کے بے شمار شاخوں کے
اور قطع نظر اس سے کہ آخر زمانہ تک کتنے اور فرقہ پیدا ہو گئے (تہتر وال فرقہ اہلسنت
والجماعت کا ہے۔ اور اگرچہ اُس کے دو فرقہ ہیں۔ فریق الرائے اور فریق الحدیث
لیکن وہ اصول دین میں اتفاق رکھتے۔ اور لہو الحدیث کو نہیں خریدتے ہیں۔
چنانچہ امام الاستاذ ابو منصور عبد القادر بغدادی الفرق بین الفرق
میں فرماتے ہیں۔ دَفَقَاءُ هَذَيْنِ الْفَرِيقَيْنِ وَقَرَأُوهُمَا وَحَدَّثُوهُمَا
وَمَتَكَلَّمُوا أَهْلَ الْحَدِيثِ مِنْهُمْ كُلُّهُمْ مُتَّفِقُونَ عَلَى مَقَالَةٍ
وَاحِدَةٍ۔ یعنی اور اُن دونوں محترم فرقوں کے فقہاء قراء اور محدث اور متکلمین
اہل حدیث سب کے سب حسب ذیل اصول دین میں ایک ہی مقالہ پر متفق ہیں۔
اور وہ اصول دین یہ ہیں۔ توحید و صفات صانع اور اُس کا عدل و حکمت و اسما
و صفات الہی اور ایداب نبوت و امامت اور احکام عقبیٰ اور تمام اصول دین کے
اُن کا اختلاف فروع احکامیہ میں سے صرف حلال و حرام میں ہے۔ اور وہ
بھی ایسا نہیں کہ اُس سے کسی کی تفصیل و تفسیق لازم آتی ہو۔ اور یہی فرقہ ناجیہ
مذکور فی الحدیث ہے۔ اور یہ سب توحید صانع عالم کے اقرار پر اور اُس کی ذات
و صفات کے قدیم و ازیلی ہونے پر اور جواز رویت الہی پر بدولت شبیہ و تعطیل کے
مجتہد ہیں۔ اور کتب الہی اور اُس کے رسولوں اور شریعت اسلامیہ کے ہمیشہ قائم
و باقی رہنے کا اقرار کرتے ہیں۔ اور قرآن کے مباحات کو مباح اور اُس کے محرمات
کو حرام سمجھتے ہیں۔ مع قیود اُن باتوں کے جو سنت نبوی سے بطریق صحت
پہنچی ہیں۔ اور حشر و نشر اور سوال نکیر بن فی القبر اور اقرار و حوض و میزان وغیرہ
امور عقبیٰ پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ پس جو شخص اس قسم کے اقرار پر جس کو ہم نے
ذکر کیا۔ آخر تک قائم رہا۔ اور اُس میں کسی قسم کی بدعت کو داخل نہ کیا۔ تو وہ فرقہ

شرح عقائد میں تمام فرقہ لائے غائر کو مدان کی شاخوں کے چھ فرقوں میں حصر کیا ہے۔ جبرہ، قدریہ
روافضیہ۔ خوارج۔ معتزلہ اور مشبہ۔ پھر لکھا ہے کہ ان میں سے ہر ایک فرقہ کے بارہ بارہ گروہ ہوئے
اس طرح بہتر فرقے ہو گئے ۱۲ +

ناجیہ سے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اُس کا خاتمہ اس اقرار و تصدیق پر کرے جمہور اُمت نبوی اس جملہ میں داخل ہے۔ اور اُسی کو سوا و اعظم کہا گیا ہے۔ اس میں اصحاب مالک و شافعی و امام ابو حنیفہ اور اوزاعی اور ثوری اور اہل ظاہر سب داخل ہیں۔ ہذا ما اخذناہ من الفرق بین الفرق العربی المطبوعۃ فی المطبع المصریۃ للامام الاستاذ ابو منصور عبد القاهر بغدادی مع الفوائد الزاواشد من المستجمع عشاء اللہ عنہ وعن والید یہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام اعتقادات اہل السنت کو ارکان اربعہ میں تقسیم کر کے پھر ہر رکن کی دُش و دُش قسمیں کی ہیں۔ جو سب ل کر چالیں ہوتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ بعد تحقیق کامل و تدقیق شامل کے یہ امر تصدیق کو پہنچ گیا ہے۔ کہ صرف لا الہ الا اللہ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللہ کا پڑھنا کچھ حاصل و محصول نہیں رکھتا۔ اُس کے ساتھ تفصیلی اعتقاد بھی رکھنا چاہئے۔ یعنی یہ کہ خالق عالم موجود ہے۔ اُس کو ہدایت نہیں۔ اور نہایت بھی نہیں۔ وہ جو ہر یعنی متخیر در مکان نہیں۔ جسمیت سے پاک ہے۔ یعنی اجزائے لایتجزی اور ہیولی و صورت کی ترکیب اُس پر عاید نہیں ہے۔ وہ عرش نہیں کسی جہت میں محصور نہیں۔ وہ عرش پرستوٹی ہے۔ اور استوا کے معنی قہر و استیلا کے ہیں۔ نہ ممکن و استقرار کے وہ مومنین کو وار القسار میں بعبون الا بصار دکھائی دے گا۔ وہ اپنی ذات و صفات میں یگانہ و بیکتا ہے۔ یہ

ارکان اربعہ اہل السنت

رکن اول

۱۔ چنانچہ کفایہ شرح ہدایہ صفحہ ۱۱۵ میں الا ان یقر بالاسلام و هو یعقل کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اقرار بالاسلام سے مراد صفت اسلام کا اقرار ہے۔ اور صفت اسلام جیسا کہ حدیث جبریل میں ہے یہ ہے کہ اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر اور روز آخرت پر اور موت کے بعد اٹھنے پر ایمان لاوے۔ اور نیکی و بدی کی تقدیر یعنی اندازہ کرنے پر ایمان لائے۔ اس حدیث میں یہ تعریف ایمان کی آئی ہے۔ مگر جس حالت میں ایمان و اسلام کے ایک ہی معنی ہوں تو اسلام کی تعریف بھی یہی ہو سکتی ہے، اور یہ بات دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ محض کلمہ لا الہ الا اللہ کے پڑھنے سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ عدالت اسلام سے واقف نہ ہو جائے۔ اسی طرح جب کسی شخص نے لونڈی خرید کی اور اُس سے اسلام کی سفارش و یاد دہانی کی تو اگر وہ صفت اسلام سے واقف نہیں ہے۔ تو وہ مومن نہیں شمار کی جائے گی۔

صفت اسلام کو دینی ضروری ہے

پہلے رکن کی دس قسمیں ہوں گی۔ وہ حقی ہے۔ اس طرح کہ اُس کی حیات پر زوال جائز نہیں۔ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ وہ علیم ہے۔ کوئی شے اُس کے احاطہ علم سے باہر نہیں مریض ہے۔ اُس کے ارادہ سے کوئی چیز کسی طرح تخلف نہیں رکھتی سمیع و بصیر ہے۔ کہ تمام مسموعات و مبصرات بے توسط جارحہ و آلہ کے اُس پر منکشف ہیں مستقیم ہے ایسے کلام کے ساتھ جو حروف و صورت سے مستغنی ہے۔ اُس کا کلام اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ کسی چیز میں خلق کلام کرتا ہے۔ اس لحاظ سے اُسے کلیم کہتے ہیں۔ جیسا معتزلہ کا گمان ہے۔ اُس کا علم تمام کلیات و جزئیات کے متعلق قدیم ہے۔ اگرچہ تعلقات جزئیہ بحسب جزئیات حادثہ کے حادث ہوتے ہیں۔ اُس کی تمام صفات ذاتیہ قدیم ہیں۔ اس کی صفات اس کی ذات سے قائم ہے۔ پس وہ عالم بہ علم حی بہ حیات اور قادر بہ قدرت ہے۔ یہ دوسرے رکن کی دس قسمیں ہوں گی۔

افعال عباد جو مخلوق سے صادر ہوتے ہیں۔ اُن کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے اُس کا نظرو خلق افعال عباد میں بندوں سے صدور افعال برسیل الکتاب کا مانع نہیں ہے یقین سے جانتا چاہیے کہ خلق افعال میں بندوں کی شرکت نہیں ہے۔ بلکہ وہ محض قدرت حق سے پیدا ہوتے ہیں۔ خلق عالم حق سبحانہ و تعالیٰ پر واجب نہیں ہے۔ بعثت رسل جائز ہے۔ نہ اُس پر واجب جیسا کہ معتزلہ و حکم کا خیال ہے۔ تکلیف مالا یطاق حق سبحانہ و تعالیٰ سے جائز ہے۔ اگرچہ واقع نہیں ہوتی۔ مائید یہ اس کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر بے جرم سابق تمام مخلوق کو عذاب کرے۔ یا بے عمل متقدم کے دار نعیم میں ثواب عطا کرے۔ تو اُس کو زیبا ہے۔ اور وہ اُس میں کریم و عادل ہے۔ خلاف مائید یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ مومن کا ہمیشہ دوزخ میں رہنا اور کافر کا جنت میں داخل ہونا عقلاً و سمعاً ناجائز ہے۔ اشعری عقلاً جائز کہتے ہیں۔ اگرچہ شرع اُس کے خلاف وارد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بندوں کی بیبود و صلاح واجب نہیں ہے۔ وہ مختار ہے۔ جو کچھ چاہے اپنے بندوں کے حق میں کرے۔ اُس کا فعل حسن ہے۔ اور بعض وہ باتیں جو بندوں کے نزدیک مکروہ ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ خدا کے نزدیک بندوں کے

حق میں ہی بہتر ہوں۔ اور بعض چیزیں جو ہمیں پسند اور بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ ہمارے حق میں ہی ناپسند ہوں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ صلح خدا پر واجب ہے۔ ان کا قول قابل التفات نہیں۔ خدا کی معرفت اور طاعت واجب ہے۔ یہ بجا بشرع نہ بایجاب عقل اور ہی مذہب ہے۔ ابو منصور انزلی کا۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام پیغمبروں سے افضل اور خاتم الانبیاء فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے تمام ادیان سابقہ منسوخ ہو گئے۔ اب قیامت تک آپ ہی کا دین اچھلے گا۔ اور حق اسی دین میں محصور ہے۔ جو شخص اس کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے تو خدا کے یہاں کبھی مقبول نہ ہوگا۔ یہ تیسرے رکن کی دس قسمیں ہوئیں۔

عشر یعنی مرنے کے بعد قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنے کا اعتقاد کرنا چاہیے کہ وہ حق ہے۔ قبر میں منکر نکیر کا سوال کرنا حق ہے۔ قبر کا عذاب کفار اور بعض گناہ گار مومنوں کے لئے حق ہے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ اس باب میں وارد ہیں۔ میتران حق ہے اور وہ ایک نرا دوسرے جس میں مومنوں اور غیر کفار کے نام لئے ہمال و زن کے چاہینگے۔ اور میتران اعمال کا حساب اور کتاب سنت و سیات کا ہر ایک کے ہاتھ میں یا جاننا حق ہے۔ عشر اور حق ہے۔ اور وہ ایک مسئلہ ہوگا۔ جس پر تمام بندوں کو گذرنا ضرور ہے۔ مومنین اس پر گذر کر بہشت میں پہنچینگے۔ اور کفار اور بعض عصاة مومنین کٹ کر دوزخ میں گریں گے۔ کافر ہمیشہ دوزخ میں رہینگے۔ اور گناہ گاران اُمرت بہ قدر گناہ اُس میں عذاب پاکر نجات پائیں گے اور پھر ہمیشہ جنت میں رہینگے۔ اس بات کا اعتقاد رکھنا چاہیئے۔ کہ بہشت و دوزخ بالفعل موجود معد ہیں۔ نہ کہ اس کے بعد موجود ہونگے جس طرح معتزلہ گمان کرتے ہیں۔ یہ یقین جاننا چاہیئے۔ کہ امام برحق و خلیفہ مطلق بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان کے بعد حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کے بعد حضرت اسد اللہ

الغالب مطلوب کل طالب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ یہ بھی اعتقاد رکھے کہ
فتمیلت یہ ترتیب امامت ہے۔ نیز اعتقاد رکھے کہ شرط امامت کی بعد اسلام
کے بلوغ و ذکورت اور ورع و کفایت بر تقد حاجت و نسب قریش ہے۔ و فیہ
اختلاف کیا جاتی۔ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ عند الضرورت امامت فاقہ
الشروط کی صحیح ہے۔ قال الامام الغزالی بعد تحریر الاصول و ارکان
و تحقیقہا بالدلائل والبرہان ہذا الاربعۃ الحاویۃ
الاعنول الاربعین فی قواعد العقائد من اعتقادہا کان
موافقا لاهل السنۃ و الجماعۃ و مبائنا لہط اہل
البدعۃ و الضلالتہ و اللہ ولی الہدایۃ۔ ترجمہ امام غزالیؒ ان
اصول و ارکان کے ارقام اور ان کے دلائل و برہان کی تحقیق کے بعد فرماتے
ہیں کہ یہ چار ارکان ہیں۔ جو چالیس اصول کو حاوی ہیں۔ پس یہ عقائد سلامیہ
ہیں۔ جو شخص ان کا اعتقاد رکھے گا۔ وہ موافق اہل سنت و جماعت کے
اور مخالف گروہ اہل بدعت و ضلالت کے ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت کرنے
والا ہے۔

امام الصابونی ہدایہ میں اور علامہ نسفی عمدہ میں لکھتے ہیں کہ جن بارہ
مسئلوں میں ما بین شیخ ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی اختلاف ہے

اسے فروع القائد میں ہے کہ مسائل اعتقاد میں اہل سنت کے دو گروہ ہیں۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ اشاعرہ مشوب
ہے ابوالحسن اشعری جو چار واسطہ سے فرزند ابوموسیٰ اشعری صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے ہیں۔ اور ماتریدیہ
جو اعتقاد میں پیروی ابو منصور ماتریدی کی کرتے ہیں۔ جو تین واسطہ سے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی
کے ہیں۔ جو صاحب خاص حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تھے۔ چونکہ ان ہر دو بزرگوں نے
مسائل اعتقاد میں بڑی تحقیق و تدقیق کی ہے۔ اس واسطے مذہب اہل السنۃ و الجماعت انہی میں
مختار ہو گیا ہے۔ اور محدثین جو زمانہ مجتہدین تک صیث پر عامل تھے۔ بلاشبہ اس بات میں اخل ہیں۔ اس
لیجے کہ حدیث ما انا علیکذا صحابی ان پر بطور اولیٰ صادق ہے۔ اور بعد ظہور ابوالحسن اشعری
اور ابو منصور ماتریدی کے اصحاب آئمہ ثلاثہ نے اپنا راسخ اشعریہ قرار دیا۔ اور اصحاب ابو حنیفہؒ
رحمۃ اللہ علیہم اپنے کو ماتریدیہ کہنے لگے۔ اور حقیقت میں دونوں گروہ کا مسلک وہی ہے۔
جو صحابہؓ تابعین اور مجتہدین سے ثابت و مقرر ہے۔ صرف بارہ مسئلوں میں ان کے درمیان

اشاعرہ اور ماتریدیہ کی حقیقت

وہ مسئلے یہ ہیں۔ اول یہ کہ ماتریدیہ تکوین کو خدا تعالیٰ کی صفت ازلی کہتے ہیں جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اور اشعری کہتے ہیں کہ تکوین صفت حادث ہے۔ غیر قائم بذاتہ تعلق اور کہتے ہیں کہ تکوین صفات فعلی سے ہے نہ صفات ذاتی سے اور ان کا قول ہے کہ صفات ذاتی وہ ہیں جو قائم بذات حق ہوں۔ اور صفات فعلی سب کی سب حادث ہیں۔ دوم یہ کہ ماتریدیہ کہتے ہیں کلام اللہ مسموع نہیں ہے۔ جو کچھ مسموع ہوتا ہے۔ وہ کلام اللہ پر وال ہے۔ اشعری کہتے ہیں کہ کلام اللہ مسموع ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بے واسطہ صوت و صرف کے کلام الہی کو سنا۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ قرأت قاری کے وقت دو چیزیں مسموع ہوتی ہیں۔ صوت قاری و کلام الہی۔ قاضی ابوبکر باقلانی فرماتے ہیں کہ کلام اللہ بہ حسب عادات جاریہ غیر مسموع ہے لیکن جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے واسطہ صرف و صوت کے اپنا کلام سنانے۔ سوم یہ کہ ماتریدیہ کہتے ہیں کہ صانع عالم ازل سے موصوف بصفات حکمت ہے۔ مراد حکمت سے خواہ علم ہو۔ خواہ احکام۔ اور اشعریہ کا قول ہے کہ اگر مراد حکمت سے علم ہے۔ تو یہ خدا تعالیٰ کی صفت ازلی قائم بذات حق تعالیٰ ہوگی۔ اور مراد احکام ہو تو یہ صفت حادث ہوگی قبیل تکوین سے۔ کیونکہ صفات فعلی بنامہ حادث ہیں۔ چہارم یہ کہ ماتریدیہ حق تعالیٰ کو مرید را ارادہ کنندہ) جمیع کائنات کہتے ہیں۔ جوہراً و عرضاً طاعۃ و معصیت مگر یہ کہ طاعت اُس کی مشیت اور ارادۃ اور قضا اور قدر اور رضا اور محبت اور اُس کے امر سے واقع ہوتی ہیں۔ اور معصیت اور اُس کی مشیت اور ارادہ اور اُس کی قضا و قدر کے ساتھ ظہور پکڑتی ہے۔ نہ اُس کی رضا و محبت اور اُس کے امر سے۔ اشعری کہتے ہیں کہ خدا کی رضا و محبت جمیع کائنات کو شامل ہے۔ چنانچہ اُس کی ارادہ شامل جمیع کائنات ہے۔ یہ بات شرح عقائد و مواقف و مقاصد وغیرہ کتب عقائد کے خلاف ہے۔ اور اسباب میں قول ماتریدیہ کا مقبول ہے۔ اور واضح ہو کہ اشعری کا یہ قول صرف امام صابونی و نسفی نے نقل کیا ہے۔ دوسری کتابوں سے ثابت ہے کہ اس بارہ میں ان ہر دو بزرگ کا کوئی خلاف منقول نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۛ

۲۴ بارہ مسائل جن میں ماہین اشعری و ماتریدی اختلاف ہے

پنجم تا زیدی کہتے ہیں کہ تکلیف لایطاق عقلاً جائز نہیں۔ ہاں تحصیل مال لایطاق جائز ہے۔ اشعری دونوں کو جائز کہتے ہیں۔ ششم خدا پر ایمان لانا بالاتفاق دونوں کے نزدیک فرض ہے۔ مگر تا زیدی کہتے ہیں کہ عقل ایک ایسا آلہ ہے جس سے اشیاء کی برائی اور بھلائی پہچانی جاتی ہے۔ اور اسی سے جوہ ایمان اور شکر منعم معلوم ہوتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ حقیقت میں معرفت اور موجب ایمان خدا تعالیٰ ہے۔ لیکن بواسطہ عقل جس طرح کہ ہمارا کام عرف اور موجب خدا تعالیٰ ہے۔ مگر بواسطہ رسول علیہ سلام اسی واسطے امام عظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ خلق کے پاس حسیل خالق کے باب میں کوئی عذر نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ زمین آسمان کی خلقت اور عجائبات کو دیکھتا ہے۔ اور اگر خدا رسول کو مبعوث بھی نہ کرتا۔ تو عقول کے ذریعہ خدا کی معرفت مخلوق پر واجب ہوتی۔ اشعری کہتے ہیں کہ گو بعض اشیاء کی برائی بھلائی عقل کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن کوئی چیز عقل کی وجہ سے واجب اور محترم نہیں ہوتی۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ اشعری کے نزدیک عقل باعث تکلیف نہیں ہے۔ بلکہ سماع اور عقل مدار تکلیف ہے۔

ہفتم تا زیدی کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ سعید شقی ہو جائے۔ اور شقی سعید اشعری کہتے ہیں کہ سعادت و شقاوت کا اعتبار عاقبت اور خاتمہ پر ہے۔ موجودہ حالت میں کسی کی شقاوت و سعادت پر قطعی حکم نہیں کر سکتے۔ اس مسئلہ کی بنا پر ایمان میں دخول مستلزم عدم دخول استثناء پر ہے۔ یعنی اگر کسی شخص نے ایمان پر خرم کیا۔ اور انامہ من حقائق کہا تو وہ سعید ہے۔ اور اگر اس سے ارتداد واقع ہوا۔ تو شقی ہے۔ اور اشعری چونکہ انامہ من انشاء اللہ کے قائل ہیں۔ اس لئے ان کے نزدیک سعادت اور شقاوت کا خاتمہ پر ہے۔ اسی مسئلہ کوئی شخص خرم و کو سعید نہیں کہہ سکتا۔ اصل یہ ہے کہ اس باب میں ان دونوں میں نزاع لفظی ہے۔ اس واسطے کہ حقا اس معنی کی اعتبار سے کہ میں اپنے ایمان میں شک نہیں رکھتا۔ اس کے نزدیک جائز ہے۔ اور انشاء اللہ اس معنی کے لحاظ سے کہ مجھے اپنا خاتمہ کا معلوم نہیں۔ دونوں کے نزدیک مستلزم ہشتم تا زیدی

کہتے ہیں کہ کفر سے درگزر کرنا عقلاً جائز نہیں۔ اشعری کہتے ہیں۔ عقلاً جائز ہے۔
نعم ماتریدی کہتے ہیں کہ مومن کا جہنم دوزخ میں ہونا اور کافروں کا جہنم میں داخل
ہونا عقلاً و سمعاً جائز نہیں۔ اشعری کہتے ہیں کہ عقلاً جائز ہے۔ اگرچہ شرح اس کے
خلاف وارد ہے۔

دہم بعض ماتریدی کہتے ہیں کہ از روئے مصداق خارجی کے اسم و اسمی مفہوم
ہے۔ کذا فی شرح المواقف اور بعض اشعری کہتے ہیں۔ اسم و اسمی اور تسمیہ کے
غیر ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اسم کی تین قسمیں ہیں۔ بعض عین اسمی ہیں بعض
غیر اسمی۔ اور بعض عین اسمی ہیں نہ غیر اسمی۔ اور اس میں سبک اتفاق ہے کہ
تسمیہ غیر اسمی ہے۔ وَ هِيَ مَا قَامَتْ بِهِ الْمُسْمَى كَذَا فِي الْمَهْدَايَةِ
الْكَلَامِ۔

یازدہم ماتریدی کہتے ہیں کہ نبوت میں ذکورت شرط ہے۔ عورت رسول
نہیں ہو سکتی۔ اشعری کہتے ہیں کہ نبوت کے لئے مرد ہونا شرط نہیں ہے اور عورت
ہونا رسالت کے منافی نہیں ہے۔

دوازدہم ماتریدی کہتے ہیں کہ بندہ کے فعل کو کسب کہتے ہیں نہ خلق
اللہ تعالیٰ کے فعل کو خلق کہتے ہیں نہ کسب اور اسم فعل دونوں کو شامل و حاوی ہے
اور فاعل بھی حقیقتاً دونوں کے لئے پڑتے ہیں۔ اشعری کہتے ہیں کہ مراد فعل سے
ایجاد حق ہے۔ لیکن بندہ کے کسب کو مجازاً فعل کہتے ہیں۔ اہل اہانت و کجاعت
کے دونوں گروہ ماتریدی و اشاعرہ کے یہ عقائد ہیں۔ جن کو مولانا فتح محمد بریلوی
پوری رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف کتابوں سے بعبارت فارسی نفل کیا ہے اور جس کا
ترجمہ جہرئی حذف و ازویاد کے بعد ہم نے اس مقدمہ میں لکھ دیا۔ ہر ایک مسلمان
مرد و زن کو لازم ہے کہ ان مختصر عقائد کو حفظ کر لیں۔ تاکہ ان کے ایمان و اعتقاد
میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ اور خدا کی جناب میں بھی ان کا ایمان لانا مقبول ہو۔
رہی اس پر تفصیلی بحث تو اس کو عقائد توحیدی کے اس ترجمہ میں دیکھ سکتے ہیں
اور اس طرح ایک سچے اور مقبول مومن کی مانند رہ سکتے ہیں۔

زمانہ اپنا رنگ بدلتا جاتا ہے اور دنیوی معاملات میں تیزی کے ساتھ

زمانہ موجودہ کی حالت اور جدید فرقوں کی احداث

دینی عقائد و اعتقادات میں بھی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ مگر ایک بات بڑی فوس
 ناک ہے جس کو ذکر کئے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ یعنی یہ بات تمام علمائے
 اسلام کے نزدیک مسلم اور مانی ہوئی ہے کہ دنیا علوم و فنون میں جیسی جیسی ترقی
 کرتی جائے گی۔ ویسے ویسے دین اسلام بھی بڑھتا اور پھیلتا جائے گا۔
 اور دنیا میں یہی مذہب ایک ایسا مذہب ہے جو انسانی عقول کی ارتقا کے
 ساتھ خود میں ترقی کرنے کی صلاحیت اور مادہ رکھتا ہے۔ اس کے اصول و عقائد
 ہی ایسے ہیں جن کو کوئی بڑے سے بڑا انسان خلاف عقل نہیں کہہ سکتا۔ اب
 ہم ایسا ہی ہوتا رہا۔ کہ جن نیک طبیعت اور ذی عقل اصحاب کے سامنے
 دین اسلام کو پیش کیا گیا۔ انہوں نے فوراً ہی قبول کر لیا۔ اور بطیب خاطر
 اہل سنت و جماعت ہو گئے۔ لیکن قرون اخیرہ میں بعض لوگ ایسے بھی پیدا
 ہو گئے جو اسلام کے عقائد حق پر محض اپنی محدود اور جزئی عقل کے بل بوتے
 پر تبصرہ کرنے لگے۔ اس قسم کے لوگ ہمارے اس زمانہ میں خصوصاً بلا دو مہار
 ہندوستان میں بکثرت موجود ہیں۔ اور اپنی تعداد میں ترقی کرتے جاتے ہیں
 خوف ہے کہ اگر ان کے عقائد باطلہ کی تردید کی جانب توجہ نہ کی گئی۔ تو یہ
 چند اولیاں جو اس وقت ناقابل التفات سمجھی جاتی ہیں۔ کہیں خوفناک صورت
 اختیار نہ کر لیں۔ پس ہم چاہتے ہیں کہ فرقہ فساد کے بیان کے سلسلہ میں ان
 کے حالات و عقائد سے بھی براہ ان اسلام کو وقف کر دیں تاکہ وہ اپنے ایمان
 نہ ہونے کی درست بردہ سے بچا سکیں۔ اور ان کے وہی خیالات و خیال پر غلط
 انداز نظر بھی نہ ڈالیں۔

فرقہ بلے محمد شہ زمانہ مابین سے پہلا فرقہ وہابیوں کا ہے۔ جو اپنے
 کو اہل سید شہ کہتے ہیں اور مسائل شرعیہ میں آئمہ اربعہ میں سے کسی امام معین کی تقلید
 نہیں کرتا۔ مگر ان فرقوں میں اس کے محسوب ہونے کے کئی سبب ہیں۔ ایک یہ اس
 فرقہ کے اکثر لوگ اپنی زبان و رازی سے تقلید امام کو شرک اور بے حیائی کہتے
 ہیں۔ اور مقلد فی الدین کو بدعتی وغیرہ بڑے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ تمام
 کتب امامیہ اہل سنت و جماعت سے ثابت ہے کہ دین حقہ آئمہ اربعہ یعنی امام عظم

فرقہ بلے و مابین کے بعض عقائد

ابو حنیفہ رحمہ اور امام شافعی رحمہ اور امام مالک رحمہ اور احمد بن حنبل رحمہ کی تقلید میں محصور ہے۔ کیونکہ ان کے مسائل و استنباطات مدون و مرتب ہیں۔ اور بعد و دوسو برس کے تمام اہل اسلام اس امر پر متفق ہو گئے ہیں کہ من لکھ یبلغ دسرا جتہ الاجتہاد و جب الیہ التقلید یعنی جو شخص درجہ اجتہاد کو نہ پہنچا۔ اس پر تقلید کسی امام کی مسائل شرعیہ میں واجب ہے یہی سبب تھا کہ بڑے بڑے علماء و فضلاء اسلام نے بجز تقلید کے کوئی چارہ کار نہیں دیکھا۔ جیسے امام غزالی فخر الدین رازی امام محی الدین ابن عربی وغیرہم اور تمام ادبیاء کا ملین مثل غوث عظیم شاہ جیلان اور ابو الحسن شاذلی و ابو بکر شبلی۔ اور خواجہ عین الدین حسن سنجری ثم اجمیری اور خواجہ بہاء الدین وغیرہم اور تمام محدثین مثلاً صاحب مشکوٰۃ و ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ و امام بخاری وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم سلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اب اگر بقول و تالیف کے تقلید کو شرک سمجھا جائے تو یہ اور ان کے سوا تمام بزرگان دین و سلاطین و اولیا و علماء مشرک قرار پاتے ہیں۔ اعادۃ اللہ من ذالک۔

دوسرا سبب یہ کہ اس فرقہ کے لوگ کئی طریق سے مرتبہ عالیہ و شان رفیعہ غزوہ عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیض کرتے اور اس میں عیب نکالتے ہیں۔

پہلا طریق کہتے ہیں کہ سب قسم کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم نہیں ہوئی۔ ہاں نبوت تشریعی ختم ہو گئی ہے۔ لہذا آپ کے بعد نبی کا آنا جائز ہے۔ لیکن صاحب شرع نبی کا آنا ممکن نہیں۔ ان کا قول ہے کہ خاتم النبیین میں الف لام استفہاتی نہیں۔ بلکہ تبیین کے لئے ہے۔ حالانکہ فتاویٰ تئمہ اور الاشباہ والنظائر وغیرہ کتب الامیہ سے ثابت ہے اذ السکر یعرف ان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخر الانبیاء فلیس جمیعہ کلاحد من الضرر دت یعنی جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے پہلا نبی نہ جانے۔ وہ مسلمان نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخر الانبیاء کا ہونا ضروری ہے۔

ختم نبوت کا انکار

ختم نبوت کا انکار

سے ہے +

دوسرا طریق دہانی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وسعت علم اور اس بات کے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو علم غیب عطا فرما کر تمام اگلے پچھلے اسرار و حالات کا کائنہ و آیتہ ظاہر فرمائے مطلق قائل و معتقد نہیں۔ بلکہ ان میں کا ایک ہیڑا تو یہاں تک کہ یہ وہ سرائی کرتا ہے کہ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کے وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرکت ثابت کی جاتی ہے۔ اس مرید ملیس کو اتنی بھی تمیز نہیں کہ جب فخر عالم کی وسعت علم کے قائل ہونے سے اس کے نزدیک شرک ثابت ہوتا ہے۔ تو وہی شرک شیطان کے لئے وسعت علم ماننے سے بھی ثابت ہوتا ہے +

افسوس! جس مومہوم شرک سے بچنے کی کوشش کرتا تھا۔ اُس سے بدترین شرک میں ٹوہ کر پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب پاک علیہ السلام کے علم و شان میں نقص و عیب نکالنے والوں کو اسی طرح رسوا کرتا ہے۔ خدا تو اپنے محبوب کی شان میں فرماتا ہے۔ وَ عَلَّمَاكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ خدائے حبیب تم کو وہ کچھ بتا دیا جو تم نہیں جانتے تھے۔ اور فرماتا ہے۔ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ غَيْبَهُ أَحَدًا اِلاَّ مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَسُوْلٍ یعنی خدا غیب کا جاننے والا ہے۔ اپنے غیب پر کسی کو مطاع نہیں کرتا۔ سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ اور یہ آنکھوں کا اندھا آنحضرتؐ سے عالم غیب کی نفی کرتا ہے۔ اور اُس کو شیطان و ملک الموت کے حق میں ثابت کرتا ہے +

ان دہانیوں نے صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں عیب و نقص نکالنے پر بس نہیں کیا۔ بلکہ خدا تعالیٰ پر ایمان کذب اور اُس سے وقوع کذب کا افترا باندھا۔ چنانچہ اُن کی ایک کتاب میں ہے کہ خدا تعالیٰ کو جھوٹا جاننے والا فاسق و فاجر تو کجا گمراہ بھی نہیں ہوتا۔ تَعَالٰی اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا

دوسرا فرقہ مرزائیوں کا ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود اور

ہر بی منتظر مانتا ہے۔ اور مرزا کے منکر و کذب کے پیچھے نماز پڑھتے کو قطعی حرام
کہتا ہے۔ ہم اس فرقہ کی پوری تکذیب و تردید کتاب ہذا کے تکرار و تکرار میں
کر چکے ہیں۔ وہاں دیکھ لیتا چاہئے۔ یہاں صرف حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ
علیہ کے اس قول کے لکھنے پر بس کرتے ہیں۔ مَن رَادَّ عَنِ الْوَحْيِ إِلَيْهِ أَوْ
النَّبُوءَةِ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ فَهُوَ كَافِرٌ یعنی جو شخص اپنی طرف سے وحی
آنے یا اپنے نبی ہونے یا اسی قسم کا اور دعویٰ کرے۔ پس وہ کافر ہے۔
اس واسطے کہ احادیث و اجماع ائمہ سے بتواتر یہ بات ثابت ہے کہ
کہ آنحضرت پر ہر قسم کی نبوت ختم ہو گئی۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں سکتا
اور چونکہ وحی غیر انبیاء پر نہیں آتی۔ پس زید کا یہ دعویٰ کرنا کہ اس طرف وحی
آتی ہے غلط ہے۔ اور وہ اپنے اس دعویٰ کے سبب کافر ہوا۔

ہم سے اس ماز میں اس قسم کا بیہودہ دعویٰ کرنے والے کا صرف یہی
علاج ہے کہ علماء اُس کے مکائد کو ظاہر اور اُس کے عقائد کو باطل اور اُس کے
مفاسد کو حتی الامکان رد کریں۔ اور عوام مسلمانوں کو لازم ہے کہ اُس کے
مخالطات و مغالطات سے دور بھاگیں۔ اور ان بے دینوں کی باتیں سننے
سے اپنے کانوں کو پرہ کر لیں۔ واللہ ولی الہدایۃ۔

کئی سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ ہم نے عربی اخبار البیان لکھنؤ میں پڑھا
تھا کہ ایک شخص سچا خاں نامی پورب کا رہنے والا نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور
اپنے معتقدین کو یہ کلمہ تلقین کرتا ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ عَبْدُ اللَّهِ
اس کے بعد سے کسی اخبار میں اس جموں کے مدعی نبوت اور اُس کے منکر
مردودہ کی کوئی خبر نہیں ملی۔ پھر نوع ہم نے اس کا نام فرقہ عینیہ رکھا ہے۔
مسلمانوں کو اس کے مکائد سے بھی بچنا چاہئے۔

ہم سے اس ماز میں ایک شخص خاص فریقہ میں ظاہر ہوا ہے۔ اور وہ اپنے
کو ہدی آخر الزمان کہتا ہے۔ اخبار راستہ میں اس کا نام حبشی ہدی رکھا گیا ہے
کہتے ہیں کہ بڑے بڑے کفر سے اور شعبہ سے بتلا تا ہے۔ خدا اُس اسلام کو اس
کے مشے محفوظ رکھے۔ جس طرح اس سے قبل کے چند مردود و جھوٹے ہادیوں

دوبارہ

دوبارہ

حبشی ہدی کا فرقہ

کے شر و فساد سے اس وقت کے مسلمانوں کو محفوظ رکھا ۔
 دہلی میں ایک شخص مرزا حیرت نامی جس کو امراد مرزا بھی کہتے ہیں اور
 وہ اخبار کرزن گزٹ کا ایڈیٹر ہے۔ اس بات کا قائل ہوا کہ حضرت امام حسین
 علیہ السلام شہید نہیں ہوئے۔ بلکہ قسطنطنیہ جا کر اپنی موت سے فراتے ہیں۔
 وہ کہتا ہے کہ اُن کی شہادت کی کوئی معتبر شہادت کسی بھی سُنی اور شیعہ کی
 کتاب میں نہیں ملتی۔ امام موصوف کی شہادت کے باب میں عتبی احادیث
 وارد ہیں۔ وہ ان سب کی تکذیب تصنیف کرتا ہے۔ اور ایک موقوف حدیث
 جو بخاری شریف میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ثبوت شہادت میں مروی
 ہے۔ اُس کو قائل احتجاج نہیں سمجھتا۔ حالانکہ اُس کا انکار شہادت خلاف
 اجماع اُمت ہے۔ علمائے متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے امام موصوف
 کی شہادت کا انکار نہیں کیا۔ اور یہ بات بالاتفاق علما ثابت ہے کہ اجماع
 اُمت کا منکر کا فر ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میرا دوسرے سخن اہل سنت کی
 طرف نہیں ہے۔ اور نہ میں اُن سے کوئی بحث کرنا چاہتا ہوں۔ بلکہ صرف
 شیعہوں سے شہادت امام کے متعلق سوال کرتا ہوں کہ وہ جس شہادت کے
 بھر دسہ اعمال صالحہ کو چھوڑے بیٹھے ہیں۔ اور جس خون کو اپنا ذریعہ نجات سمجھتے
 ہیں۔ پہلے اُس شہادت کو تو ثابت کریں۔ لہذا بعض کا تو یہ خیال ہوا کہ مرزائی
 مذکور سے سُنیوں کو کوئی بحث نہ کرنا چاہئے۔ اور یہ کہ کمال دینا چاہئے

ۛ

شادم کہ از زقیباں دامن کشاں برآئی
 گوشت خاک ماہم برباد رفتہ باشد

لیکن محققین کا قول ہے کہ ہم کسی منکر اور مذهب اجماع کا یہ عذر وارد
 کبھی نہیں سن سکتے۔ بنا برآں اُن کے خیالات دہم کی پورٹی تردید کرنے
 لگے۔ گو اُس نے اس تردید کو اپنی ہرٹ دھرمی سے نہیں مانا۔ ہم کہتے ہیں کہ
 اس کی تردید کی ضرورت ہی کیا تھی۔ علماء اکیوں اس فضول بحث کی قطعاً
 کرتے ہیں۔ ایک معمولی یادہ گو اور کم سودا شخص کی بیہودہ سرائی سے ہمیں کیا

نقصان پہنچ سکتا ہے یہیں ثبوت شہادت کے لئے کسی حدیث کی تلاش تفتیش کی بھی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس جماع سلفے خلاف کی دلیل کافی ہے۔

پس اگر وہ جماع اُمت کو نہیں مانتا تو اس پر وہی حکم لگا دینا کافی ہے جو جماع کے مخالف پر لگایا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ ایسے مزخرفات اور ہر کس نامکس کے دعاوی باطلہ پر کان نہ دھریں۔ ہم نے اس کے فرقہ کا نام حیرتہ رکھا ہے۔ اس نے حلقہ ربانی نام کی ایک مجلس بھی قائم کی ہے جس میں داخل ہونے کے بعد انسان کو ان تمام بدعات کا معتقد ہوتا پڑتا ہے جو مرزا کی ایجاد اور خود تراش ہیں۔

چھٹا فرقہ نیچری لوگوں کا ہے۔ اور اس سے ہماری مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو زمانہ سابق میں دہریہ کہلاتے تھے۔ اور جن کا قول خداوند عالم نے اس طرح نقل کیا ہے۔ مَا يُهْدِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ (جاشیہ) ہم کو زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔ اور ہم مرنے کے بعد نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ لوگ دہریہ کو بھی اپنا محی و مہیت اور خالق سمجھتے تھے۔ اور بعض کہتے تھے کہ مادہ و روح بھی دو اصل چیزیں ہیں۔ ان کو فنا بھی نہیں۔ یہ دونوں بذات خود قائم اور غیر فانی ہیں! انہیں کے اتصال سے جو انہیں کے خستہ بار سے واقع ہوتا ہے۔ ہر چیز بنتی ہے وغیرہ وغیرہ بلکہ یہ فرقہ سے یہاں ہماری مراد وہ لوگ ہیں۔ جو علوم جدیدہ کو حاصل کر کے اکثر ضروریات دین کے منکر ہو گئے ہیں۔ اور جو کارخانہ عالم کی ہر ایک چیز کی حقیقت اپنی عقل جزوی کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جو چیز ان کی عقل کے بل بوتے سے باہر ہے۔ اس کی حقیقت سے فوراً انکار کر بیٹھتے ہیں۔ لیکن جس چیز کو صرف انہوں نے اپنی عقل و تلاش سے معلوم کر لیا ہے۔ اس چیز کی وہی حقیقت ان کے نزدیک مستمم ہوتی ہے۔ اگرچہ قرآن حدیث اس کے خلاف شہادت دے۔ چنانچہ اس بنا پر اس فرقہ کے لوگ معجزات انبیاء اور کرامت اولیاء حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمانی معراج سے بھی انکار کرتے ہیں۔ یعنی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ

وہ فرقہ جس کے عقائد و افکار

علیہ السلام کو بیداری میں مع جسد و روح کے معراج کی رات آسمان پر نہیں بلایا گیا۔ بلکہ وہ خواب تھا اور بس۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آتش مُرود کے بے ضرر ثابت ہونے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ضرب عصا سے پہاڑ میں سے بارہ چشموں کے جاری ہونے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ احیاء اموات کے بھی منکر ہیں۔ یہ لوگ قرآن کریم کی تاویل اپنی رائے و عقل سے کرتے ہیں۔ اور وجود سموات اور خرق و التیام اجرام فلکی کے مطلق قائل نہیں علوم جدیدہ نے اُن کی بصیرت پر اس طرح پردہ ڈال دیا ہے کہ خداوند برتر کی قدرت اور انبیاء کی عظمت اُن کی نظر میں بالکل نہیں چھپتی۔ وہ انبیاء کو حکم فلاسفر یا صلح قوم سے زیادہ مرتبہ نہیں دیتے۔ تاجرانہ سود اور بنک کے بیاج کو حلال جانتے ہیں۔ عموماً ڈاڑھیاں منڈالتے سوچھیں بڑھلتے اور یورپ کی تقلید کے دلدادہ ہیں۔ امریکہ کے ایک معمولی حکیم اور سائنس دان کی حکمت اور پیشینگوئی کو وحی منزل من اشر سمجھتے ہیں۔ تارک الصلوٰۃ ہیں۔ نماز کے وقت ہوا خوری کو نکل جلتے ہیں۔ اور کلب و سوائی کی نشست اور آوارہ طبیعت اصحاب گپ شپ مانتے ہیں۔ نماز پر ترجیح دیتے ہیں۔ بزرگان سلف کے طعام لباس نفرت کرتے اور میز و کرسی پر کھانا کھاتے اور محرمات شرعی کو حلال ٹھہراتے اور جدید فیشن کا لباس پہننے کو اپنا بڑا فخر خیال کرتے ہیں۔ رات دن قومی اصلاح کا دعویٰ کرتے ہیں۔ باوجودیکہ نہ قومی اصلاح کا ان کو درد ہو نہ ہے اور نہ قوم کا اصلاح پذیر ہونا۔

اُن کا نصب العین علمائے دین کو برا کہتے ہیں۔ اور تقریر و تحریر میں صریحاً و اشارتاً اُن کی ہنسی اُڑاتے ہیں۔ قص و سرود میں بے باک و بے خطر شریک ہوتے ہیں۔ بلکہ یورپین عورتوں کے ساتھ ناچنے کو بڑے فخر و مباهات کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

غرض اپنے نامائے عہد سال کو ایسا سیاہ کرتے ہیں کہ اس میں ارد

برابر بھی سبیدی نہیں چھوڑنے سے

تمسکات گناہان حسیں پارہ کنند

چوپر کش گنہم رفتہ حشر خواہد شد

ترجمہ جب تباہی کے روز میرے گناہ کے متعلق سوال ہوگا۔ تو تمام مخلوق کے گناہوں کے کاغذ چاک کر دیئے جائیں گے۔

یہ فرقے جن کا اوپر مذکور ہوا۔ اور نیز ان کے سوا جتنے فرقے ہیں۔ فرقائے ضالہ میں داخل ہیں۔ حدیث میں صرف بہتر فرقوں کا غیر سخی ہونا وارد ہے لیکن جیسا کہ علامہ نو دہشتی نے اپنی اس کتاب کے نسخہ پر لکھا ہے مراد اس لفظ سے کثرت ہے نہ حصر یعنی یہ مراد نہیں ہے کہ فرقائے ضالہ صرف بہتر ہی ہوں گے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ میری امت میں کثرت سے فرقائے ضالہ خروج کریں گے۔ ان میں سے نجات یافتہ صرف ایک ہی ہوگا۔ جو میری اور میرے صحابہؓ کی سنت پر قائم رہے گا۔ چنانچہ حدیث میں ہے لَا تَسْتَفِیْ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِیْ فَلَا أَجْرَ مَا نَدَّ شَیْئٌ رَوَاهُ ابُو یَعْقُوبَ (کتاب الزہد) یعنی جو شخص میری امت میں بگاڑ اور فساد واقع ہونے کیوقت میری سنت پر قائم رہا۔ اس کو سوشہیدوں کا اجر ملے گا۔

بعض علمائے کرام نے فرقائے ضالہ کو صرف بہتر تک محصور سمجھ کر ان کو جمع کیا ہے۔ اور وہ فرقے جن کی ضلالت کفر تک پہنچ گئی ہے۔ ان کے نام گنو اگر ان کو خارج از اسلام فرقوں میں محسوب کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ عبد القادر بن ہادی نے اپنی کتاب الْفَرْقِ بَيْنَ الْغِنَیِّ میں لکھا ہے لیکن بعض علماء نے تمام فرقوں کے اسناد عقائد نقل کر دیئے ہیں۔

چنانچہ کتاب الملل والنحل میں اور مولانا نجم الغنی رامپوری نے اپنی کتاب مذاہب اسلام میں ایسا ہی کیا ہے۔ اور اسلامی فرقوں کو نہیں منوئے نہ ائمہ شمار کیا ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ظالموں نے فطرتی اور طبیعی صاف اصول تہریب اسلام میں کچھ خرابیاں اور پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں۔ اور حق و ناحق کی تمیز کتنی مشکل ہو گئی ہے۔

علمائے کرام کے ہم مشکور ہیں کہ انہوں نے اس فساد و تفرقہ عظیمہ کے وقت اپنی ہمت کو کتب عقائد کی تدوین کی جانب معطوف فرمایا۔ اور اسی موضوع پر سینکڑوں کتابیں تعینف فرمائیں۔ جن سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ فرقہ

ناجیہ اہل سنت و الجماعت کا گمراہوں اور بے دینوں کی دستبرد اور غارتگری سے محفوظ ہو گیا۔ اور جوں جوں زمانہ گزرنا گیا۔ اور جدید فرقہ پیدا ہوتے گئے۔ تو ان کے بعد کے علما بھی جدید فرقوں کے احداث کا تذکرہ اپنی کتابوں میں کرتے گئے۔ اور اہل سنت و الجماعت کو ان کے دام فریب میں پھنس جانے سے بچاتے رہے۔ اسی سلسلہ میں حسب ضرورت زمانہ کتب عقائد کے تراجم بھی پہلے عربی سے فارسی میں اور پھر فارسی کی کس مہر سی کی حالت کے وقت اردو میں شائع کرتے رہے۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن ایک خرابی جو تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ اس زمانہ میں پیدا ہو گئی ہے کہ بعض کتب اہل سنت و الجماعت کے ایسے لوگوں نے بھی کر دئے جن کا اپنا عقیدہ اُس کے خلاف تھا۔ اور وہ فرقہ ہائے ضالہ میں شمار ہوتے تھے۔ دو باتوں نے ان کو ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ ایک تو یہ کہ اس ذریعہ عام مسلمانوں سے روپیہ کمایا جاتے۔ دوسرے یہ کہ ان کتابوں میں ترجمہ و حواشی کے ذریعہ اپنے معتقدات ملا دئے جائیں چنانچہ ہم نے بہت سی کتابیں دیکھی ہیں۔ جو اصل میں اہل سنت کے عالموں کی تصنیف ہیں۔ مگر بے دین مترجموں نے ترجمہ کر کے ان کو کھینچ تان کر ترجمہ کئے۔ اور اگر ترجمہ میں نہ ہو سکا تو حواشی کے ذریعہ اپنے معتقدات کے موافق کر لیا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک کتاب کا دو شخص ترجمہ کرتے ہیں۔ ایک تو حنفی ہے۔ دوسرا غیر حنفی۔ دونوں ترجموں کو ملا کر دیکھو۔ تو زمین آسمان کا فرق ہے۔

سلف صالحین کی کتب مقدسہ کا اس طریق پر ترجمہ کرنا کہ اُس سے مصنفین کے عقائد پر حرف آئے۔ اور نیز اس ذریعہ اپنے عقائد فاسدہ کی تشریح کی جائے حقیقت میں بڑی دیدہ دلیری اور سخت فریب ہی کی بات ہے۔ یہ بلا ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے کہ جو شخص جس کتاب کا ترجمہ کرنا چاہتا ہے بے دھڑک اپنے معتقدات کے مطابق کر دیتا ہے۔ جس کا ثبوت اصل کتاب کے دیکھنے ہی سے ہو سکتا ہے۔ پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ جب تک مترجموں کے عقائد کی توثیق و تحقیق نہ کر لیں۔ ایسے ترجموں کے لینے

اور اس پر عمل کرنے سے سخت احتراز و اجتناب کریں۔
 اسی سلسلہ میں ہم ایک پُرانی معتبر کتاب عقائد کا ترجمہ پیش کرتے
 ہیں جو سات سو برس ہوئے۔ علامہ شیخ شہاب الدین توریشی
 رحمۃ اللہ علیہ نے ایام سلطنت حضرت سلطان ابوبکر ابن سعد
 زندگی نور اللہ مرقدہ کے زمانہ سعادت افران میں ہی کے دار الخلافہ
 شیراز میں رہ کر تصنیف کی تھی۔ اور حاصل اسی جسم دل بادشاہ داد گستر کے
 نام سے معنون فرمائی تھی۔ لیکن اس کتاب کی اشاعت سے نہ تو ہماری غرض
 جلب منفعت ہے۔ اور نہ اپنے علم و فضل کی شہرت مقصود۔ اصل یہ ہے
 کہ براہِ ان اسلام اس کتاب مستطاب کو مطالعہ کر کے اپنے عقائد حقیقہ کو
 درست رکھیں۔ اور اس جھل و نادانی اور الحاد و ازداد کے زمانہ میں سنت
 سنہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قائم و ثابت رہیں۔
 اس کتاب کا نام جیسا کہ دیباچہ میں مذکور ہوا الْمُعْتَمِدُ فِي
 الْمُعْتَقِدِ ہے۔ اور عقائد توریشی کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کا نام
 ہے۔ یہی وہ معتبر تالیف ہے جس کا تذکرہ حضرت شیخ عبد الحسین
 محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی لاجواب کتاب شیعۃ
 الامعات کے ہر مقدمہ میں کیا ہے۔ اور ہر مناسب مقام پر اس متبرک کتاب
 کے ذریعہ اضافہ و افادہ موزون جانا ہے۔ علاوہ اس کے اکثر معتبر علماء
 کرام نے اپنی تصانیف میں اس کے حوالہ جات درج کئے ہیں۔ چنانچہ
 علامہ برہان مسکین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے اکثر
 اقوال اپنی کتاب عقائد موسوم بہ اشداد المسلمین میں نقل
 فرمائے ہیں۔

افسوس کہ باوجود تحقیق و تلاش کے ہم اس فاضل مصنف کے
 حالات زندگی اور نیز ان کی دوسری تصنیفات سے واقف نہ ہو سکے
 یہ کتاب ہمیں برہان پور کے ایک قدیم اور پُرانے کتب خانہ سے حُسن

لے یہ اشارہ ہے عایجناب خان بہادر قاضی محمد سراج الرحمن صاحب جم رقبہ عاتقہ

اتفاق سے قلمی تزییناتیں سو سال کی لکھی ہوئی دستیاب ہو گئی ہے۔ ہم نے فرط شوق اور بقتضائے شغف علمی پہلے تو اول سے آخر تک اس کو مطالعہ کر لیا۔ اور جب دیکھا کہ یہ کتاب خصوصاً اس زمانہ کے مسلمانوں کے واسطے لغایت مفید ہوگی۔ تو ہم نے بلا تحریک و تشوین کسی شخص کے محض واسطے بڑی محنت سے اس کا ترجمہ کر دیا۔

ترجمہ کرنے والے اصحاب ثوب چاہتے ہیں کہ کسی کتاب کے ترجمہ

البقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵)

آنریبی مجسٹریٹ شہر برمان پور کے بیس با اور تابیاب کرتب خانہ کی طرف مدد و المدد فقیر مترجم کے بڑے ہمدرد اور عنایت فرماتے۔ خدا نے ان کو دنیوی امارت و دجاہت کے ساتھ علوم دینیہ سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ اہل اسلام کی خیر خواہی اور ان کی محبت ان میں اس درجہ تھی کہ ان کی ضروریات کو اپنی ذاتی احتیاجات پر ترجیح دیتے تھے۔ افسوس کہ وہ عین عالم شباب میں جب کہ ان کی عمر ۲۷ سال سے بھی متجاوز نہ ہوئی تھی۔ ۱۳۱۰ھ ہجری میں مدور کے ایک لڑکی اور ایک بیوی چھوڑ کر راہی عالم بقا ہوئے۔ دونوں چھوٹے لڑکے قاضی محمد عنایت الرحمن صاحب قاضی محمد فیض الرحمن صاحب اپنی والدہ کی کنار عاطفت میں جوان ہو کر تعلیم دینی و دنیوی سے بہرہ مند ہوئے۔ لیکن آہ وہ بھی بین جوانی میں جب کہ دو نونالان چین امید تعلیم ہی پارہے تھے۔ ایک سال کے اندر ہی یکے بعد دیگرے وفات پائے اور یہ نصیب اللہ کے دل پر دواعی مفارقت کا داغ لگا گئے۔ فیض الرحمن جو عمر میں چھوٹے تھے۔ برمان پور میں بعارضہ ہیضہ مبتلا رہ کر ۱۱ گھنٹے میں دار النخلہ کو سدھا رہے۔ اور ان کے نو ماہ بعد عنایت الرحمن ملیریا کی جہلک بیماری میں مبتلا ہو کر علیحدہ کالج میں رحلت گزائے عالم جاودانی ہوئے۔

چونکہ شہر کی قضاۃ کا دارث اولاد زینہ سے کوئی نہ تھا۔ اس لئے بالاتفاق معززین علمائے برمان شہر ان کی صاحبہ اوی قاضی قرار دی گئیں۔ عہدہ قضاۃ کی تمام ذمہ داریاں صاحبہ اوی موصوفہ کے لائق و فاضل شوہر جناب قاضی خواجہ حسین الدین صاحب ابن حضرت مولوی خواجہ علیم الدین صاحبہ کیسل درجہ اول اورنگ آباد وکن کے سپرد کی گئیں۔ جو نہایت خوبی کے ساتھ سرانجام دیتے ہیں۔

یہ کتاب مجھے خواجہ حبیب الدین صاحب ابن خواجہ منیر الدین صاحب قاضی و جاگیردار ملک پور دیگند قاضی۔ علاقہ برار کے توسط سے دستیاب ہوئی۔ مولانا بیاد صاحب موصوف کی بیوہ کے بھانجے اور میرے شاگرد رشید اور نہایت باخدا اور بڑے لائق و قابل تعلیم یافتہ نوجوان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ہر دو جوانی بخت عزیزوں کو گردش زمانہ سے محفوظ رکھے۔

حقانہ نذرتوہبتی لکھاں سے دستخط ہوئی۔

کرنے میں کیا کچھ مشکلات اور دقتیں پیش آتی ہیں۔ لہذا ہم بھی اس سے متنبہ نہیں رہتے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ ہم نے مختلف کتابوں کے مقابلہ و تحقیق سے ان مشکلوں کو حل کر لیا۔ پھر بھی ہم نے جب دیکھا کہ اکثر ضروری مسائل میں مصنف علیہ الرحمۃ نے ایجاز و اختصار سے کام لیا ہے۔ تو اس کی تشریح و توضیح حواشی کے ذریعہ کر دی۔ اور بعض باتیں جو مصنف کے قلم سے فروگذاشت ہو گئی تھیں۔ یا جو ان کے زمانہ میں موجود نہیں تھیں۔ ان کو بالتفصیل کتاب کے آخر میں ایک تکرار کے ذریعہ بیان کر دیا۔ اور بعض ایسی باتیں جن کا جاننا کتاب کے پڑھنے کے پہلے ضروری تھا۔ ان کو مقدمہ میں لکھ دیا۔ اس طرح یہ کتاب خدا کے فضل سے ہر طرح کا حل ہو گئی۔

امید تو ہے کہ اس کے پڑھنے اور یاد کرنے کے بعد اہل اسلام کو پھر کسی کتاب عقائد کے دیکھنے اور پڑھنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ ان کو ہر ایک ضروری مسئلہ جو علم عقائد سے متعلق ہو گا۔ اس کتاب میں کہیں نہ کہیں مل جائے گا۔ اور علم کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔ وہ اس سے زیادہ چاہیں تو مبسوطات و مطولات میں مل سکتا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی مَا هَدٰۤہٗ اَنَا سَوَاءَ الطَّرِیقُ وَجَعَلَ لَنَا التَّوْفِیْقَ خَیْرٌ وَفَیْقٌ

وَصَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ

مقدمہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اصطراط السوی

ترجمہ اردو

عمدہ توریشتی

حمد

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَحْمَدُكَ حَمْدًا يَّبْلِيْقُ بِكِبَرِيَّائِكَ وَنُصَلِّيْ عَلَى
صَفْوَةِ اَصْفِيَائِكَ وَخَاتِمِ اَنْبِيَائِكَ وَعَلَى اٰلِهِمْ وَآصْحَابِهِمْ
اَجْمَعِيْنَ ؕ

حمد و ثنا اللہ تعالیٰ جل شانہ کو زیبا ہے کہ اُس کے سوا کوئی بھی حمد کے
لائق نہیں۔ اور بجز اُس کے کوئی بھی ثنا کے قابل نہیں۔ اپنی حمد و ثنا اپنے لائق
وہی کر سکتا ہے۔ اور اپنا وصف اپنے شایان شان وہی کر سکتا ہے عقل
کا بڑا وصف یہ ہے کہ وہ ایک حد تک مخلوقات پر اپنا حکم جاری کرے
اور اندیشہ کا عمدہ فرض یہ ہے کہ وہ کائنات کی کیفیات میں تحقیقاً
کام لے۔ خدا تعالیٰ کے جلال میں عقل پر سوختہ ہے۔ اور اندیشہ اُس کے
سراپردہ قدس میں دیدہ بردوختہ عقل نے اگر اس کی معرفت کی چاشنی
سے کام جان کو شیریں کیا۔ تو یہ اسی کی عنایت ہے۔ اور اگر اندیشہ

اُس کے راز نامے سرسبز تھک چکا۔ تو اسی کی ہدایت اسی کے لازوال جود و اکرام نے دل کو اپنی محبت سے آشنا کیا۔ اسی کے فضل و احسان نے جان ناتوان کو اپنی شناسائی سے بنیا فرمایا۔ اس کی یاد راحت روان ہے اور دریافت ملک جاودان اسی کی اطاعت مقصد عابدان ہے۔ اور اسی کی خیریت خوشتر از نعیم دو جہان اس کے ساتھ ایک نفس گزارا دنیا و مہیا کی نعمتوں سے بہتر ہے۔ اور اس کی یاد ایک لمحہ بسر ہونا مدت العمر کی کامیابی سے خوشتر ہے۔

منعش

صلوٰۃ بابرکات و نجات ذاکیات بقدر وسعت نعم اور اکات و پاندانہ گنجائش اندیشہ و قیاسات سراپردہ کبریا سے۔ روان پاک شکالبد زندہ۔ ساکن مدینہ میر بار حضرت پوریت رہنمائے طریق عبودیت۔ امین عالم غیب۔ ترجمان علوم وحی لاریب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ وسلم پر ہو کہ ان کی برکت سے جانوں کو بینائی ہے۔ اور ان کے فیضان سے دلوں کو آشنائی۔ ان کی شریعت سے خدا پرستی کا رستہ ظاہر ہے۔ اور ان کی سنت سے آداب اطاعت و عبودیت باہر۔ آفرین ان پر اور ان کے اہل دیاروں پر اور رحمتائے بے منتہا ان پر اور ان کے پیروان ملت حنیفہ اور تمام دین داروں پر نازل ہوں۔

سبب تصنیف کتاب

بعد حمد و ثنائے خدائے تعالیٰ واحد و ذو الجلال جو بہترین کلمات متکلمین ہے۔ اور بعد صلوات و سلام بروح خاتم نبوت و الرسالت جو اقصی المقاصد شیدایان سید المرسلین ہے۔ ان حضرات سے جو خدا پرست بنیا دل اور روشن رواں مبارک نفس ہیں۔ استعانت کی جاتی ہے۔ ایک ایسے

مبارک خیال کے ہضامیں جو عالم فیر سے اس فقیر کے دل پر ستولی ہوئے ہیں جب میں نے بے علم کم سواد اسحاب کو شناسنت حق کی تلاش طلب اور برگزیدگان امت کی تشہید و پیروی کی جانب سے رجن کے طریق کر حضرت سی کریم علیہ التحیہ و التسلیم نے سواد عظیم فرمایا ہے (سنت پایا اور دیکھا کہ علما اور دانشناس بھی ان کی تادیب و تنبیہ اور ارشاد و نصیحت کی طرف سے جو حق دین اری اور واجب مسلمانی سے غافل ہیں اور فتنہ ساز بے اندازہ اہل ہوا۔ اسحاب شبیہات اور داعیان ضلالت سے اٹھ رہے ہیں۔ نظریات حالات میرے دل میں یا کہ فارسی زبان میں عقائد کی ایک ایسی کتاب تصنیف کیجئے کہ طالبان حق کی حاجات کو حاوی اور اعتقاد دیاں اہل سنت و جماعت میں گرامی ہو۔ اور مباحث میں حصہ صیت سے قازن کتاب و سنت اور اقوال علمائے امت کا بن سے مراد ساف علیح ہیں۔ لحاظ رکھا ہے کہ میں نے حضرت حق تعالیٰ کے حصول علم کا ذریعہ اس سے بہتر نہ جانا۔ کیونکہ اسی میں عالم و اہل عالم کی صلاح مکتون ہے۔ اعتقاد درست کی نسبت دوسرے ان معاملات کے ساتھ جو بنہ اور خد کے درمیان ہیں ایسی ہے جیسی کوسج کی نسبت کا ابد کے ساتھ ظاہر ہے کہ جس دے جان کسی کام کا نہیں ہوتا۔ ایسا ہی عمل صالح بدو اعتقاد درست کے ناکارہ ہے۔ یہ بھی معلوم اہل شبیہ سے کہ اسدم بین جو فتنہ اٹھا اس کا سبب شومی اعتقاد بد اور شیوخ رائے و رائے ہے۔

پھر تیر اس امر کی مقتضی ہوتی کہ اس کتاب کو کسی صاحب دولت و مالک سلطنت کے نام سے منون کیا جائے تاکہ اس کا اثر عوام مسلمانوں کے دلوں میں جو سلاطین کی تصویب خیالات کے نواز اور عالم وقت کے ارادت کے متقرب ہیں۔ جاگزین ہو۔ اسی سبب سے اس کو مقبول جناب باری بقیت ملک صالح فخر سلاطین اسلام بادشاہ نیاز مند دین پرور رحیم دل در دیش نواز یعنی سلطان اتابک ابوبکر سعد بن زنگی کے نام ذکر سے منسوب کیا اور اس کی دعائے دولت سے معطر اور اس رابطہ کو اس کے منسوب

شاہزادہ ابو شجاع سعد کے نام سے کہ دونوں کنف و حمایت خداوندی میں رہیں مستحکم کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کی ترتیب میں معظم نظر اسی کی خدمت تھی۔ اگرچہ اس درویش کا وظیفہ خدمت آل شاہ میں مقرر و مستمر ہے تاہم میں نے چاہا کہ اس کی حاضری میں ایک ایسا دیرپا اور شائستہ تحفہ پیش کروں جو صفحات روزگار پر باقی رہے۔ اور اُس سے وہ اور آئندہ نسبیں منتفع ہوں۔ اگرچہ اُس کے عہد دولت میں مجھ ایسے بہت سے علما تھے لیکن اس اختیار سے کہ سلاح دین و دولت میں مجھے ایک گونہ امتیاز حاصل تھا۔

میں نے اس کار خیر میں مساعرت کی یہ جو کچھ ہوا صدق نیت اور وثوق ہمت کی برکت سے نہ بضاعت کی کثرت سے اور میں نے اس تحفہ کا نام المعتمد فی المعتقد رکھا۔ اور اُس کی اساس تین بابوں پر قائم کی۔ ہر باب میں دس دس فصلیں ہیں۔

پہلا باب خدائے عزوجل پر ایمان لانے کے بیان میں۔
دوسرا باب فرشتوں کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لانے میں۔
تیسرا باب دوسرے اعتقادی مسائل میں موافق کتاب و سنت اور اجماع امت کے۔

امید ہے کہ اس بادشاہ کی دولت اور میری صدق نیت کی برکت سے یہ کتاب مقرون بہ حاجت ہو۔ اور اس کے ایام دولت میں تمام اہل مملکت اور جملہ فارسی دان ہر شہر و بلاد کے انتفاع حاصل کریں۔ اور اس کی برکت عائد یہ ایام میمون ہوں۔



پہلا باب

خدا پر ایمان لانے میں اور اس میں درستی میں

پہلی فصل

ایمان کے معنی کے بیان

لفظ ایمان کے معنی تصدیق کے ہیں۔ اور تصدیق کے معنی یہ ہیں کہ قائل کی بات پر یقین کیا جائے۔ اور اُس کے سخن کو سچا مانا جائے اور لفظ ایمان امن سے ماخوذ ہے۔ جو خوف کی ضد ہے۔ اس کے معنی ہیں ایمن کرنا یعنی خوف اور ہلکے سے امن میں رکھنا۔

تفصیلاً یوں سمجھو کہ جب کہنے والا کسی چیز کی خبر دیتا ہے۔ اور سامع اُس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتا۔ تو لا بد متردد ہوتا ہے کہ یہ خبر راست ہے یا دروغ۔ اسی طرح جب کسی کو حکم کیا جاتا ہے کہ یہ کر وہ مت کر اور محکوم یا مانور اس کی حقیقت نہیں جانتا تو اس کو امر و نہی کے حق اور باطل سمجھنے میں تردد ہوتا ہے۔ لیکن جب سامع کا دل قائل کی بات کو حقیقتاً درست مان لیتا اور اس کے حکم پر اعتبار کر لیتا تو اُس کے قول یا حکم کی طرف سے کبھی باطلان کا خیال بھی اس کے ذہن میں نہیں آتا۔ وہ اس کی بات اور اس کے حکم کو سچا ہی سچا یقین کرتا ہے۔ پس اس یقین و اعتقاد سے وہ اپنے نفس کو اس چیز کے دروغ یا نادرست سمجھنے سے مانور اور بے خوف کر لیتا ہے۔

کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ جب انسان اپنی عقل کے ذریعہ عالم کے خالق اور اس کے زمانہ تو انا قدیم اور لازوال ہونے پر یقین لے لے آیا۔ اور یہ سمجھ لیا کہ عالم کا بدوں ایسے خالق کے جو حق قدیم ازلی ابدی وغیرہ ہو قائم رہنا ناممکن ہے۔

اور نیز جب اس نے اعتقاد کر لیا کہ توحید وغیرہ کے باب میں جو احکام انبیاء علیہم السلام کے توسط سے اس کو پہنچے ہیں۔ وہ درست ہیں۔ اور اس کو اس طرح قبول کر لیا کہ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ تو اس یقین و قبول سے اس نے اپنے نفس کو چند براہیوں سے مامون کیا۔

پہلی یہ دریافت و دانست سے جو کچھ یا دروغ ہو۔ و داعی توحید و حق پر کذب و افتراء سے۔ بعد موت کے (بشرطیکہ اسی یقین پر موت ہو) مابعد آخرت سے۔

پس ان چند توجیہات سے اعتقاد درست کو ایمان کہتے ہیں۔ اگرچہ تصدیق اور اعتقاد صرف دل سے ہی کیوں نہ ہو۔ مگر عین مطلق شرعی بیان ایمان نام ہے۔ دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرنے کا دل سے تصدیق اور زبان سے اعتراف کرنے والا مومن ہے۔ مگر ایمان میں اس کی منزلت اس وقت تمام تر ہوگی۔ جب موافق حکم خدا و رسول کے عمل بھی کرے۔ ایمان کی کچھ اوپر شتر شاخیں ہیں۔ ان کی اصل توحید و رسالت کی گواہی دینا ہے۔ اس باب میں وہ باتیں جن کی شناخت و معرفت بندہ کے لئے ضروری ہے۔ علم توحید وغیرہ کے متعلق بیان کی جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دوسری فصل

خالق عالم کی شناخت

پہلی بات جس کا جاننا ہر شخص پر واجب ہے وہ خالق عالم کی معرفت ہے کہ واحد و یگانہ ہے۔ اور عالم نام ہے ہر اس چیز کا جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہے۔ اب جاننا چاہئے کہ اکثر عوام مسلمان ہیں۔ جو مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے۔ اور اسلام پر تربیت پائی۔ اور ابتدا سے اُن کے ماں باپ نے انہیں کلمہ توحید سکھا پڑھا دیا۔ اور اُن کے کان میں پہنچا دیا کہ خدایک ہے۔ قدیم ہے۔ وہ کسی چیز کے مشابہ نہیں اس کے سوا جو کچھ ہے۔ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اُس نے گھر کے لوگوں کو اسی شہادت پر پایا۔ اور نماز پڑھتے۔ روزہ رکھتے۔ زکوٰۃ دیتے اور فریضہ حج ادا کرتے دیکھا۔ اُس کے سامنے بانگ نماز اور قرآن کریم پڑھا جاتا رہا۔ اُس نے اپنے گھر کے لوگوں سے علم حلال و حرام سیکھا۔ اور خود اُن میں بھی اُس کے موافق عمل کرتے پایا۔ اس سبب سے تقلیداً دین حق کی محبت اُس کے دل میں راسخ ہو گئی۔ اور اہل خانہ کی طرح وہ بھی ان تمام باتوں کا معتقد ہو گیا۔

ایک ایمان فوی علم اصحاب کا ہے کہ یہ کہ جناب نبی عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخبار نبوت اور اخبار بعد اقامت نبی اکرام سے متواتر زمان بہ زمان اُن تک پہنچے۔ اُن کے دیکھنے سے انہیں آنحضرت کی تصدیق ہو گئی۔ انہوں نے اُن کے اقوال وفعوال اور عادات سے جان لیا کہ وہ توحید و طاعات خدائے واحد کی طرف دعوت کرتے ہیں۔ اس محبت سے خدا کی وحدانیت اور ان کی رسالت پر اُن کا اعتقاد جسم گیا۔ اور انہوں نے دلائل نبوت و نبی کے ذریعہ یقین کر لیا کہ خدا کے واحد ہونے

خالق عالم کے قدیم و توانا ہونے میں شک و شبہ کی مطلق گنجائش نہیں۔ ان اصحاب کا ایمان درست مستحکم اور پسندیدہ تر ہے۔

لیکن اس سے بھی تمام تر دواہل وہ ایمان ہے۔ جو نظر و اندیشہ کے ذریعہ ایسی مستحکم دلیل سے ان پر روشن ہو جائے۔ جس سے ان کی دین کی بنیاد بنیان مرموص سے زیادہ پائدار ہو۔ قرآن کریم میں اس باب میں جو کچھ بیان ہوا ہے۔ ہم اس کے بیان پر اقتضار کرتے ہیں۔ اور یہی کافی ہے۔ علمائے سلف نے بھی جو مقتدا یا ان اہل سنت و جماعت ہیں۔ قرآن ہی سے استدلال کیا ہے۔ اور یہی مسلمہ اہل سنت ہے۔ جو ان کی پیروی کرے گا۔ مخاطر و مہلک سے سلامت رہے گا۔ اس لئے کہ ان کی متابعت مبارک ہے اور مخالفت شوم۔

حق تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ۔ اَلَا هُوَ الَّذِي هُوَ الْوَحْدُ الْحَقُّ۔ يَعْنِيْ تَمَّارَانَا اَكْبَرُ لَا شَءَ كُوْنِيْ اُسْ كَسُوَا مَعْبُوْدُوْنَ نَحِيْثُ۔ وَهٖ بُنْدُوْنَ پَر مہربان اور مومنوں پر بہت بخشائش کرنے والا ہے۔

اور فرمایا اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الْبَحْرِ وَ الْیَمِّ یَمَّا یَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَآخِیَابِ الْاَرْضِ بَعْدَ مَوْتِہَا وَ بَثَّ فِیْہَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَ تَصْرِیْفِ السَّیِّاحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ الشَّآءِ وَ الْاَرْضِ اٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّحْقِلُوْنَ۔ ترجمہ۔ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کی آمد و رفت میں (یا درازی و کوتاہی میں) اور کشتی کے جاری کرنے میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کے لئے چلتی ہے۔ اور آسمان سے پانی برساتنے میں کہ اس سے زمین کو بعد اس کی موت کے زندہ کیا۔ اور زمین میں ہر قسم کے حیوانات کو پیدا کیا۔ اور ہواؤں کے پھرنے میں (ایک سمت سے دوسری طرف) اور بادل میں جو زمین اور

آسمان کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ البتہ نشانیاں ہیں غفل مند لوگوں کے لئے۔ یہ تمام باتیں اللہ کے وجود اور اُس کی قدرت اور بیکانگت پر براہین قاطعہ ہیں۔

اس آیت میں اشارہ ہے اس طرف کہ اگر میری قدرت اور بیکانگی اور بلا شرکت غیر میری خدائی پر یقین نہیں لاتے ہو تو ان باتوں میں جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ اندیشہ کرو تا کہ معلوم کر لو کہ میری خدائی اور بیکانگی میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور حقیقت میں جب اہل بصیرت آسمانوں اور اجرام فلکی پر نظر کرتے ہیں کہ ستاروں میں کتنی کائناتیں ہیں بعض سیار اور بارہ برج ہیں۔ اور سات سیارے کہ ہر ایک ایک فلک معین اور سیر اور وقت معین کا پابند ہے کہ ایک ذرہ اُس میں کمی بیشی ممکن نہیں۔ اور جو حد جس کے لئے مقرر کر دی ہے۔ وہ اُس سے سر موٹھا دز نہیں کر سکتا۔ تو اُس کو صدق دل سے خدائے واحد و یگانہ کے وجود کے اعتراف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب آفتاب ماہتاب کو دیکھتے ہیں کہ روشنی اور نور و جہت میں بمقابلہ دوسرے سیاروں کے ان کو امتیاز و خصوصیت ہے۔ پھر آفتاب کی جانب نظر کرتے ہیں کہ وہ جب تک زمین کے اوپر ہے۔ دن، اور جب زمین کے نیچے آیا۔ رات ہوئی۔ پھر آفتاب کی سیر سے سال کی فصلوں کو متعلق دیکھتے ہیں کہ ہر فصل کو حیوانات کی معاش کی مصلحت اور بنا پر اس طرح رکھا ہے کہ اُن کے مزاج بیکار نہ ہو جائیں۔ تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام مصنوعات بدوں قدرت و اختیار صانع کے نہیں ہو سکتے۔ اور ممکن نہیں کہ تدبیر عالم ستاروں سے متعلق ہو۔ اُن کی حرکت خود اُن کے اختیار میں نہیں۔ پھر غیر مختار اور محتاج کس طرح دوسرے پر حاکم ہو سکتا ہے۔ اگر ان کو کچھ اختیار ہے بھی تو خدا تعالیٰ کی قدرت کے ماتحت ہے۔

پس اس سے انہیں خدا کے واجب الوجود ہونے پر پورا یقین ہوتا ہے۔ اُن کے غیر مستقل اور محتاج بہ صانع عالم ہونے کی ایک بڑی دلیل

طریقہ توحید عالم

یہ ہے کہ جب ہم ستاروں کے حال اور ان کے امارات و سنخیر پر نظر کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جب ان کی سرستقیم ہو جاتی ہے تو دوسرے کی طرف بہت دور نہیں ہو سکتے اور اگر راجح ہیں تو ان کا اپنے اختیار سے سرستقیم ہونا ممکن نہیں آسمان کو دیکھو کہ وہ ہمیشہ حرکت میں ہے۔ اس کا ساکن ہونا غیر ممکن ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان میں کا ہر ایک محدث مسخر و برادر مخلوق ہے۔ یہ آفرینگار کے نہیں ہو سکتا۔

آسمان کے پچھلے ابر کو دیکھو پانی سے بھرا ہوا ہے۔ ہوائیں اُس کو چلاتی پھرتی ہیں۔ کبھی اُس کو جمع کرتی ہیں۔ کبھی پراگندہ اُس سے جو پانی برستا ہے۔ وہ آدمیوں اور حیوانوں کا مدار حیات ہے۔ اسی سے مردہ زمین زندہ ہوتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جھڑی اور ٹوسلا وھا بارش ہوتی ہے۔ کبھی قطرہ قطرہ ٹپکتا ہے۔ کبھی عالمگیر بارش ہوتی ہے۔ اور کسی وقت ایک جگہ برستا ہے۔ دوسری جگہ ٹام کو بارش نہیں ہوتی ہے۔ ہواؤں کو دیکھتے ہیں تو ان کی حرکت و رفتار کو کبھی تیز اور مضطرب دیکھتے ہیں۔ کبھی غایت درجہ ساکن اور آہستہ ملی ہیں۔ کبھی شمال کی طرف چلتی ہے۔ کبھی جنوب کی طرف سے کبھی مشرق سے کبھی مغرب سے یہ چیزیں ان کے انقلابی تغیر حالات سے

سائنس دانوں نے جو کچھ ثابت کیا ہے۔ نے حکما و یونانیوں نے جو کچھ کو نظام بطلمیوس کے معتقدات کے مطابق آسمان میں اور نظام انکساری کی تئیں ثابت بیان کی ہے۔ اُن سے نزدیک آسمان ایک مخصوص جسم دار جوڑ مانا گیا ہے۔ اور اُس کی گردش بھی تسلیم کی گئی ہے۔ وہ زمین کو ساکن اور چھٹی صورت کا مانتے ہیں۔ اور آفتاب کو مندرجہ ذیل طرح دوسرے ثابت اور سیاروں کے متعلق سمجھتا چاہئے۔ چونکہ اُس زمانہ میں اور نیز اُن وقت بھی اُن علم اسی علم و مستشرقین طرح مانتے آئے ہیں۔ لہذا ان کے رد و رد ایسے ہی دلائل پیش کیے گئے۔ اور مراجعت اور استدلال کا بھی طریقہ پندیدہ اور مستکم بھی ہے۔ رانظام فیثا و اثرات کے بنا پر عالم کی معرفت کا طریقہ کو وہ نام نہاد جو وہ زمانہ کی تصانیف میں موجود ہے۔ اور ہم نے بھی طریقہ ایک مسلمہ زمانہ سال کے مطابق دوسری جگہ تکمیل میں کو بطور شرح ساتھ بیان کر دیا ہے۔ دیکھو صفحہ نمبر کتاب ہذا ۱۲ منہ۔



معلوم ہوتا ہے کہ (بذاتہ کوئی اختیار نہیں رکھتیں۔ اُن کا دسواں بارم ایک خاص ہے
دوسری حالت کی طرف پھرنا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ تمام مدبّر صانع عالم اور
قادر حکیم کی تدبیر کے تابع ہیں۔ کہ وہ اپنی حکمت کے مطابق اس میں تصرف
کرتا ہے۔

زمین کو دیکھتے ہیں کہ اُس کا کچھ حصہ سخت کچھ نرم بعض کے اجزا متصل ہیں بعض کے متفصل کہیں نشیب ہے کہیں بلندی۔ ایک حصہ قابلِ زراعت ہے تو دوسرا خشک اور شور۔ اُس کے الوان رنگ بھی مختلف ہیں۔ اور اُس کے معاون و نباتات اور ثمرات بھی جدا جدا حتیٰ کہ بعض درختوں میں خاصیت ہے کہ اُن کی ایک ہی شاخ پر دو قسم کے مختلف مزہ اور مختلف الوان میوہ جات پائے جاتے ہیں۔ اور عجب یہ کہ ایک چھوٹی سی گھاس کی ڈالی کو اکٹھے ہیں۔ اور اُس میں پایا درود اور پایا درماں دونوں پائے ہیں پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک حصہ غایتِ مرغیہ بار دوسرا ایک حصہ غایتِ خاردار گرم پایا جاتا ہے۔ اور یہ ٹھیک نہیں کہ ان باتوں کو ہوا کی خاصیت کی جانب نسبت کیا جائے۔ کیونکہ ایک ہی درخت پر ایک شاخ ہوتی ہے۔ ایک ہی قسم کی آب ہوا میں پرورش پائی ہوئی۔ آفتاب کی تپش بھی یکساں اس پر پرتی ہے۔ مگر ثمر دیکھو تو مختلف رنگ اور مختلف مزہ کا ناچار ماننا پڑیگا۔ کہ اس عجب کے ساتھ کوئی عنایتِ بدول قدرتِ صانع کے جو قادرِ حکیم ہے۔ غور میں نہیں آسکتی۔

چنانچہ قرآن میں بھی خدا تعالیٰ نے اس بات کو یاد فرمایا ہے وَفِي
الْأَرْضِ نَظْمٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزُرُوعٌ وَخَيْثَلٌ عُشْبَاتٌ
وَتُورٌ صِشْوَانٍ يُّسْفَىٰ بِمَاؤٍ وَآحِدٍ وَنَفْصِلٌ يَغْضُرُ عَلَىٰ بَعْضٍ

ساحہ دور زمین میں پاس پاس کئی کئی قطعے ہیں۔ اور انگوروں کے باغ اور کھیتی اور کھجوروں کے درخت (جن میں بعض) دو شاخ ہو سکتے ہیں۔ اور (بعض) دو شاخ نہیں رہتے) ہیں۔ ایک ہی پانی سے نشا پڑا کئے جاتے ہیں۔ پھر اسی ہم بعض کو بعض پر پھیلوں میں برتری دیتے ہیں بے شک ان باتوں میں عقلمند لوگوں کے لئے خدا کی قدرت کی (نشانیاں ہیں) - ۱۲

فِي الْأَكْمَلِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ط اگر آدمی اپنے ہی نفس میں اندیشہ کرے جس کا علم اس کو یہ نسبت دیگر شیا کے زیادہ ہے اور جو بمقابلہ دوسری چیزوں کے اُس سے قریب تر ہے۔ تو وہ ان دلائل سے زیادہ صاف اور روشن تر بہت سی دلیلیں اپنی ذات میں پائیگا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس جانب اشارہ فرمایا ہے۔ وَفِي الْأَكْمَلِ آيَاتٌ لِّلْمُتَّقِينَ۔ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَشَدُّ تُبْصِرُونَ۔ چنانچہ انسان ابتداء سے خلقت میں شکم مادر میں ایک نطفہ تھا۔ پھر نطفہ سے منجمد خون ہوا۔ اُس کے بعد لوٹھڑا بنا۔ پھر استخوان۔ پھر ہڈیوں پر گوشت و پوست چڑھایا گیا۔ اور خدا نے اُس کی صورت و ہیئت کو حکمت کے مطابق پر بنایا۔ پھر اُس میں جان ڈالی۔ اتنا ہی معلوم کرنے سے انسان اچھی طرح سمجھ جائے گا۔ کہ نقصان کی حالت سے کمال عقل کی جانب اُس کا انتقال اس کی تدبیر و اختیار سے نہیں تھا۔ اس واسطے کہ جب انسان جال نقص میں حد بلوغ کو پہنچتا ہے۔ تو یہ اختیار نہیں رکھتا کہ موجودہ خلقی نقص کو دور کر سکے۔ جس کی پیرائش میں نقصان ہے۔ اسی نقصان پر رہتا ہے اور جس کی خلقت میں زیادتی ہو۔ وہ اسی زیادتی کی حالت میں آخر عمر تک رہتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انسان کا صنف غایت کمال میں ہے۔ اور وہ اپنے اختیار سے اپنی خلقت میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ اسی کا نام بے اختیاری ہے۔ اُس سے اتنا تو ہو نہیں سکتا کہ اپنی پیری کو جوانی اور موت کو زندگی سے بدل سکے۔ اگر اُس کے اختیار میں ہوتا تو بڑا پیسے اور موت کو کبھی نہیں آنے دیتا۔ کیونکہ یہ چیزیں انسان کو بالطبع ناپسند ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ خدا ہی اس کو جوان کرتا ہے وہی بڑھا پا لاتا وہی مارتا ہے۔ اسی کے اختیار میں بقا و فنا ہے۔ اسی کا ارادہ و اختیار سب کے ارادات و اختیار پر غالب ہے۔

۱۔ اوزمین میں یقین کرنے والوں کے لئے خدا کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں۔ اور دینار تمہاری (انسان) ذاتوں میں تو تم دیکھتے کیوں نہیں ۱۲ منہ

ایک ادراکات قابل غور ہے وہ یہ کہ انسان کی طبیعت کی تدبیر و اختیار سے نہیں ہے۔ کیونکہ وہ قوت جس سے نطفہ قابل غذا اور تربیت کے ہوتا ہے چار چیزوں سے مرکب ہے۔ جو باہم ضد یکدیگر ہیں۔ حرارت، برودت، رطوبت، ایسورت اور یہی طبائع عناصر اربعہ آگ، پانی، خاک، اور ہوا میں موجود ہیں۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ضد بغیر کسی جامع قاهر کے جمع ہو سکیں۔ اگر ایسا ہو سکتا۔ تو آگ و پانی کا ایک جگہ اجتماع ممکن ہوتا۔ حالانکہ یہ ممکن نہیں کہ وہ بے تدبیر کسی مدبر کے مجتمع ہو سکیں۔

پس ظاہر ہوا کہ وہ اثرات جو طبیعت کی جانب سے بدن اور حیوانا اور دیگر اشیاء میں پائے جاتے ہیں۔ وہ ایک برداشت مدبر صانع قہار کی تدبیر کے ماتحت ہیں۔

نیز ہم دیکھتے ہیں کہ طبائع کا اثر متفاوت ہے۔ کبھی ایک طبیعت دوسری پر غالب بھی ہو جاتی ہے۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ یہ تدبیر ایک بڑے قادر قہار کی ہے۔ عالم کے مخلوق و آفریدہ ہونے اور اس کے بے خالق و آفریدگار نہ ہونے پر یہ دلائل ہیں۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ عالم کی طرح خالق و آفریدگار کا مخلوق و حادث ہونا درست نہیں۔ کیونکہ آفریدہ آفریدگار اور مخلوق خالق اور حادث قدیم نہیں سکتا۔

تیسری فصل

خالق عالم کے قدیم و بے ہمتا ہونیکے ثبوتیں

جب یہ ثابت ہو گیا کہ عالم مخلوق و حادث ہے۔ اسی سے یہ بھی روشن ہو گیا کہ آفریدگار عالم قدیم مطلق ہے۔ اور قدیم کی دو قسمیں

ہیں۔ مقید و مطلق مثلاً جب ہم کہیں کہ بنیاد کعبہ قدیم ہے۔ تو اس کے یہ
 معنی ہونگے کہ اس کی بنیاد دوسری مساجد کی نسبت متقدم ہے۔ اس کے
 یہ معنی نہیں کہ اس کی بنیاد آفرینش زمین سے بھی پہلے ہے۔ اس کو قدیم
 مقید کہتے ہیں۔ اور قدیم مطلق وہ ہے جس کے وجود کی ابتداء نہ ہو۔ اس کو
 اپنی قدامت کے اعتبار سے تمام موجودات پریشی اور سبقت حاصل
 ہو۔ اس لئے آفریدگار عالم کی ابتداء نہیں ہو سکتی۔ اس وسیلے سے کہ وہ
 چیز جس کو آغاز اور ابتدا ہے۔ اقول وہ عام تھی۔ اس کو حادث کہتے ہیں
 اور حادث کے لئے سبب کی ضرورت ہے۔ اور پھر سبب کے لئے بھی
 ایک دوسرے سبب کا ہونا ضرور ہے۔ اور اس دوسرے سبب میں بھی ہی
 عدت ہونا ضرور ہے۔ حتیٰ کہ یہ سلسلہ لاقتنا ہی ہو جائیگا۔ اور یہ محال
 ہے۔ *

دوسری دلیل یہ کہ جب معلوم ہو گیا کہ عالم آفریدہ ہے اور آفریدگی
 کے نشانات اس میں ظاہر تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آفریدگار عالم قدیم ہے
 کیونکہ غیر قدیم شے نقصان سے خالی نہیں۔ اور ہر ایسی چیز جس میں نقصان ہو
 کمال قدرت کو اسی کی جانب مضاف نہیں کرتے۔ اس لئے کہ اگر وہ اپنی
 ذات میں کمال قدرت رکھتی ہو تو خود ناقص نہ ہوتی۔ اور آفرینش عالم میں
 بہت سی ایسی روشن دلیلیں موجود ہیں۔ جن سے آفریدگار عالم کے قادر با
 کمال ہوتے کا پتہ ملتا ہے۔ اور قادر با کمال اس کو کہتے ہیں جس کی ذات
 نقصان سے منزہ ہو۔ اور جو قدیم نہیں۔ اس کی ذات نقصان سے بھی منزہ
 نہیں تو ثابت ہوا کہ آفریدگار عالم قدیم ہے۔ اور نقصان سے منزہ ہے۔
 یہ بھی یاد رکھو کہ ذات قدیم پر فنا کا عمل جاری نہیں ہوتا۔ کیونکہ فنا
 اس کو ہوتی ہے۔ جس کا وجود سبب کا محتاج ہو۔ پھر جب وہ سبب اٹھ جائے
 تو وہ فانی ہو جائے جب یہ ثابت ہو گیا کہ وجود قدیم سبب کا محتاج نہیں
 ہوتا۔ اور اس پر زوال نہ فنا کا حکم جاری نہیں ہو سکتا۔ تو یہ بھی روشن ہوا
 کہ وہ قدیم ایک ہے۔ کیونکہ وہ دو قدیم کا ہونا جائز نہیں۔ اس لئے کہ جب

ایک قدیم کو مانا پہلے مانا جائے۔ تو دوسرا قدیم نہیں ہوگا۔ اور دو ذات کا باہم قدیم ہونا بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ سوا ایک ذات کے قدیم مطابق ہو نہیں سکتا۔ ورنہ اس سے ہر ایک میں قدرت کا ال ماننا پڑیگی۔ اور یہ محال ہے۔ یا دونوں قدرت کا ملکہ میں ناقص ہونگے۔ یعنی دونوں میں قدرت کا ال نہ ہوگی۔ اور دونوں کا اختیار و تصرف نامتام ہوگا۔ جو علامت ہے ضعف و عجز کی۔ اور یہ دونوں صفات مخلوق ہیں۔ نہ صفات خالق۔ پس یہ مسئلہ سنا ہو گیا کہ آفریدگار عالم قدیم واحد اور قادر با کمال ہے۔ آفریدگار عالم کے قدیم واحد اور بے شریک ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ نظام عالم اپنے ابتدا سے ایک ہی طریقہ پر چلا آتا ہے۔ اس میں آج تک ہیر پھیر نہیں ہوا۔ نہ اس میں کوئی اختلاف پایا گیا۔ اگر آفریدگار عالم واحد و قدیم کے سوا کچھ تصرف دوسرے کے قبضہ میں بھی ہوتا۔ تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے۔ اور مقررہ ترتیب تبدیل جاتی۔ قرآن شریف میں اسی بڑے اشارہ کیا ہے۔ لَوْ کَانَ فِیہِیْمَا الْهِتَکَ إِلَّا اللہُ لَفَسَدَتَا

چوتھی فصل

اثبات صفات باری تعالیٰ کے یہاں نہیں

جب ثبوت ہو گیا کہ عالم آفریدہ ہے۔ اور اس کا ایک آفریدگار ہے۔ اسی سے یہ بھی سمجھا گیا کہ آفریدگار عالم زندہ ہے۔ دانا توانا اور حکیم ہے۔ اس لئے کہ کسی صنعت کا محکم پندہ اور مشہد طریا جانا ذات حی سے ہی ہو سکتا ہے۔ پھر صانع کی صنعت اسی صورت میں درست ہوتی ہے کہ وجود صنعت سے پہلے صانع اس کی وضع کا عالم ہو۔ اور اس پر قادر اور نیز حکیم ہو۔ وہ جو کچھ کرے اپنے اختیار و ارادہ سے کرے

اور جب یہ دشمن ہو گیا کہ آفریدگار عالم قدیم ہے۔ اسی سے اُس کی صفات کا قدیم ہونا سمجھا گیا۔ اس لئے کہ ذاتِ قدیم کی صفات محدث نہیں ہوتیں اور صفاتِ محدث کو کسی نوع اُس سے مشابہت نہیں۔ کیونکہ صفاتِ محدث کو اُس کی ذات سے متعلق کر دینے سے خود اُس کی صفات کا حدوث لازم آتا ہے۔ تَعَالٰی اللّٰہُ عَنْ صِفَاتِ الْحُدُوْثِ ۝

اور حق تعالیٰ حی مطلق ہے۔ اور اُس کی حیات مثل حیات خلق کے نہیں کہ اس کے لئے سبب کی اور نیز ابتداء و انتہا کی ضرورت ہو بلکہ خدا تعالیٰ اول بلا ابتدا اور آخر بلا انتہا ہے۔ نیز وہ قادر مطلق ہے کوئی امر اُس پر دشوار نہیں۔ اس کی قدرت پُرسے کمال پر ہے۔ اسی طرح اس کی دوسری صفات ہیں۔ اثبات صفات ہیں جو بیان ہوا یہی منکرین صفات پر حجت ہے۔ یہ وہ ہیں۔ ایک فلاسفہ۔ دوسرے معتزلہ۔ پہلا گروہ خدا کی صفات کا قائل نہیں۔ وہ کہتا ہے۔ خدا ایک ہے اور صفات سے تکثر لازم آتا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھے کہ خدا کا بے حیوۃ بے علم بے قدرت اختیار وغیرہ کے ہونا ممکن نہیں۔ اُن کے دعویٰ سے ہمارے ہاں پر ایک اور حجت بھی ہے یہ کہ فلاسفہ خدا کو صانع اور حکیم کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ۝

اور نیز اس امر کے قائل ہیں کہ اُس سے کوئی چیز ممتنع نہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک صفت دوسری صفت کے غیر ہے۔ پس فلاسفہ کا یہ شبہ محض باطل ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے لئے جس قدرت و کمال کے وہ قائل ہیں۔ اُنہیں کے ہم بھی معترف ہیں۔ اور جس طرح وہ مذکور بالا عقائد سے خدا کو موصوف کرتے ہیں۔ اُنہیں صفات کو قائم رکھتے ہوئے ہم بھی خدا تعالیٰ کو دوسری صفات مثل بصیر و سمیع و متکلم وغیرہ سے موصوف کرتے ہیں۔ پھر جس طرح ہماری بیان کردہ صفات سے اُن کے خیال میں تکثر لازم آتا ہے۔ ٹھیک اسی طور پر اُن کے بیان و مشرح صفات سے لازم آتا ہے ۝

پانچویں فصل

باری تعالیٰ کے سہما و صفات کی معرفت میں

خدا تعالیٰ کے اسماء ہیں اور صفات۔ اور جس طرح اُس کی ذات قدیم ازلی ابدی ہے۔ اُس کے سہما و صفات بھی ایسے ہی نہیں۔ بلکہ الٰہی شخص اُس کے کسی نام اور کسی صفت کو اپنی تعریف و الفاظ میں بیان نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ بات محدث کی وسعت سے باہر ہے کہ وہ قدیم کا وصف اپنی جانب سے بیان کر سکے یا اُس کا نام رکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفات سے موصوف اور اپنے سہما سے موصوم ہے۔ اسے مخلوق کی صفت کرنے اور نام رکھنے کی کوئی پروا نہیں۔ بندوں کا اپنے خالق کی صفت کرنا۔ مثل عالم قادر اور متکلم وغیرہ سے حکایت کرنا ہے۔ ان صفات کی جو اس کی ذات کے قائم ہیں یعنی اُس سے دور نہیں ہوتیں اور نہ دوسرے کے نمایاں ہیں۔ صاف لفظوں میں یوں سمجھو کہ جب ہم خدا کی صفت مثلاً علم کے ساتھ کرتے ہیں تو علم اُس سے الگ نہ ہونا چاہئے۔ مخلوق علم کے ساتھ اُس کا وصف کرے یا نہیں۔ اور ان کا جواب جو کہتے ہیں کہ اس کی صفت وصف کرنیوالوں کے ساتھ قائم ہے یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اُس کی صفت قدیم ہو۔ محدث ہونا روا نہیں۔ پھر محدث کے ساتھ جو قائم ہوتا ہے۔ تو وہ محدث ہوتا ہے پس تمہارے قول سے صفت کا محدث ہونا لازم آتا ہے۔ اور یہ ممکن نہیں تو ثابت ہوا کہ اُس کی صفت اُسی کے ذات کے ساتھ قائم ہے۔

ایک ثابت یہ ہے کہ اہل شرک خداے عزوجل کو ایسی صفات سے یاد کرتے ہیں کہ جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ پس اگر ہم بقول تمہارے اُس کو واصف کے وصف کرنے سے موصوف سمجھیں۔ تو ان نامز اصفتوں سے جو مشرکین کرتے ہیں۔ اُس کا موصوف ہونا بجا سمجھا جائے۔ حالانکہ خدا کی

ذات اس سے نہایت اعلیٰ وارفع ہے ۔

الغرض جب یہ معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ موصوف بصفات خویش اور
مسمیٰ بنام خویش ہے نہ موصوف بوصف و اصف و موصوم بتسمیہ خلق۔ تو
اس سے یہ بھی سمجھا گیا کہ اُس کی صفات و سہما کے معلوم کرنے کا طریقہ
سوا اُس کی کتاب کے کوئی نہیں ہے۔ اُس نے اپنی اس مقدس کتاب میں اپنی
ذات و صفات کے لئے جو سہما و صفات مقرر و مبین کئے ہیں انہیں
اسما و صفات سے اس کو یاد کرنا واجب ہے۔ نہ غیر اُس کے سے یا اُن
اسما و صفات سے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی
بطور درست ہم تک پہنچے ہیں۔ اور اس صورت میں عذر اس شخص کا جو اس کو
قبول نہ کرے منقطع ہو گیا۔ اس لئے کہ خلق کا اس میں تصرف کرنا غیر
مقبول ہے۔

اور کوئی شخص اپنی عقل و دانش کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے ناموں اور
صفات میں تصرف یا تغیر و تبدل نہیں کر سکتا ۔

نقشہ نو ذی نام باری تعالیٰ منقول از اجہاد مؤلف

مولوی نذیر احمد صاحب ہلوی

ترجمہ اردو	اسماء عربی	ترتیب
کیفیت		
اگرچہ لفظ اللہ میں وصفی معنی موجود ہیں اور اس اعتبار سے اس کو بھی اسمائے صفاتی میں ہونا چاہئے۔ مگر سب سے اجماع کر کے اس کو اسم ذات قرار دیا ہے ۔	خدا معبود	۱ اللہ
دونوں مبالغہ کے وزن ہیں۔ مگر حسن ابلغ ہے کیونکہ دنیا اور آخرت دونوں کی حرمت شامل اندر خدا کی مقدس ذات کے ساتھ مخصوص ہے ۔	نہایت جہم والا	۲ الرحمن
	بڑا مہربان	۳ الرحیم

ترجمہ اردو	اسماعیلی	کیفیت
یاوشاہ	الکلیہ	ملک: اخص اور ابلغ ہے۔ اکثر سے یعنی دونوں کا عموم خاص میں مطلق کی نسبت سے، یہی جہ ہے کہ کہ ملک کو ملک تو کہہ سکتے ہیں۔ مگر ہر ملک کو ملک نہیں کہہ سکتے۔
فلسفہ تمام عقیدہ پاک	الفلسفہ	
تمام نقصانات سے محفوظ	الکفایہ	یہ اصل میں مصدق ہے۔ یعنی سلامت گریبان سالم کے معنی میں ہے یعنی وہ جس کی ذات ہر طرح کے عیب اور نقصان سے سالم اور محفوظ ہے۔
اپنے وعدے میں سچا۔ یا اپنے عذاب سے امن پینے والا	الامنی	لفظ مومن کا اخذ اسن امان یا ایمان ہے۔ اگر امن امان ہے۔ تو مومن کے معنی ہو گئے۔ امن دینے والا۔ یعنی دنیا میں سبب امن کا مہیا کرنا یا عقوبت میں نیکو کاروں کو عذاب سے امان میں رکھنے والا اور اگر اخذ ایمان ہے تو مومن کے معنی ہوتے ہیں۔ یعنی ایمان داروں کے ایمان کو بادر کرنے والا۔
مؤمن یا گواہ	المؤمنین	المؤمن کا لفظ وہی المؤمن ہے۔ المؤمن باب افعال سے ہے۔ اور المؤمن باب مفاعله سے تو المؤمن اس میں المؤمن تھا۔ دو سکر ہمزہ میں قاعہ تلتیق جاری کر کے اے ی سے بدل لیا۔ اور پہلے ہمزے کو ی سے معنی المؤمن المؤمن ایک ہیں۔
غالب قوی قیاس	الغالب	اصل میں غلبہ سے کہتے ہیں جس کی بارگاہ میں باستانی پہنچنا ممکن نہ ہو۔

ترجمہ اردو	اسماء عربی	ترتیب
کیفیت		
اس کے معنی ہو گئے گناہوں کا چھپانے والا ۛ		
زیر دست یا غلبہ رکھنے والا	الْمَغْنَمُ	۱۶
وہ تب اور مہیا کرتے ہیں بخشنے اور عطا کرنے کو مہربانیت بخشش۔ وہ تب مبالغہ ہے یعنی کثیر البہا والعظم العطاء ۛ	الْمَغْنَمُ	۱۷
یہ بھی رازق کا مبالغہ ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ تمام مخلوق کو مناسب حال اور موافق حکمت رزق پہنچاتا ہے۔ رزق کی دو قسمیں ہیں مخصوص اور معقول مخصوص ابدان کے لئے اور معقول ارواح کے واسطے ۛ	الْمَغْنَمُ	۱۸
فتح کے معنی کھولنے اور حکم کرنے کے ہیں یعنی خدا تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحمت کے دروازے کھولتا ہے اور وہ خلافت میں حاکم علی الاطلاق ہے ۛ	الْمَغْنَمُ	۱۹
مبالغہ ہے عالم کا یعنی خدا تعالیٰ ظاہر و پوشیدہ بلکہ خطرات دل تک جانتا ہے ۛ	الْمَغْنَمُ	۲۰
قبض و بسط دونوں باہم ضد یکٹ بگڑ ہیں قبض کہتے ہیں تنگی و گرفتگی کو۔ اور بسط فراخی و کشائش کو یعنی خدا جس کی روزی چاہتا ہے تنگ کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے فراخ کرتا ہے ۛ	الْمَغْنَمُ	۲۱
قبض و بسط کے یہ معنی بھی ہیں کہ سونے میں لوگوں کی رو میں قبض کرتا ہے۔ اور بیداری کے وقت بسط کرتا ہے ۛ	الْمَغْنَمُ	۲۲

ترجمہ اردو	اسماء عربی	ترتیب
کیفیت		
نفاذ فرمانوں کو پست کر نیوالا	الْخَافِضُ	۲۳
خفص ضد ہے رفع کی۔ کیونکہ خفص کہتے ہیں پست کرنے کو اور رفع بلند کرنے کو خدا کے خافض و رافع ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنے فرمانبرداروں کو قرب کی دولت عطا فرما کر انہیں بلند کرتا اور فرما کر کو بارگاہ عالی سے دور کر کے پستی میں ڈالتا ہے۔	الرَّافِعُ	۲۴
اعزاز کہتے ہیں عزت کرنے کو اور اذلال خوار و ذلیل کرنے کو۔ خدا جس کو چاہتا ہے عزیز کرتا دنیا میں توفیق طاعت دیکر اور عقیقی میں علوم مرتبت اور نعیم جنت عطا فرما کر اور جسے چاہتا ذلیل کرتا دنیا میں توفیق طاعت سلب کر کے اور آخرت میں اسفل السافلین میں اخل کر کے۔ امام غزالی کا قول ہے کہ ان لفظوں کے معنی یہ ہیں کہ خدا جسے چاہتا ملک دیتا اور جس سے چاہتا چھین لیتا ہے۔	الْمُزِيلُ	۲۵
	الْمُزِيلُ	۲۶
	السَّامِعُ	۲۷
	الْبَصِيرُ	۲۸
	الْحَكَمُ	۲۹
یہ ضد ہے ظلم کی اور کبھی انتقام اور عتدال کو ایضاً کہتے ہیں۔	الْمُنْصِفُ	۳۰
کے برابر کرنے کے معنی میں آتا ہے مطلب یہ کہ خدا جو ظلم سے منزہ ہے کیونکہ ملک غیر میں تصرف کرنے کو ظلم کہتے ہیں۔ اور عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی ملک سے خارج ہو۔	الْمُنْصِفُ	

ترجمہ اردو	اسماء عربی	ترتیب
کیفیت پرست		
باریک بین	الْبَارِئُ	۳۱
مشتق ہے جب سے کہ اپنے کمرے میں آگاہی کے غیر آگاہ اور دانا یعنی مکش ملکوت میں کوئی چیز متحرک ساکن نہیں ہوتی۔ اندر میں آسمان میں کوئی ذرہ مضطرب و مطمئن نہیں ہوتا۔ اور کوئی مکان میں کوئی سانس نہیں لیتا مگر خدا تعالیٰ شائد اس سے خبردار ہوتا ہے۔	الْغَافِرُ	۳۲
بردار	الْعَلِيمُ	۳۳
بزرگ بڑا	الْعَظِيمُ	۳۴
بہت بخشنے والا	الْغَفُورُ	۳۵

رطف کہتے ہیں کسی کام میں نرمی کرنے کو۔ اور کہیں
نیکی کرنے کے معنی میں بھی آگاہی کے معنی باریک
بین کے ہیں۔

مشتق ہے جب سے کہ اپنے کمرے میں آگاہی کے
غیر آگاہ اور دانا یعنی مکش ملکوت میں کوئی چیز
متحرک ساکن نہیں ہوتی۔ اندر میں آسمان میں کوئی
ذرہ مضطرب و مطمئن نہیں ہوتا۔ اور کوئی مکان میں
کوئی سانس نہیں لیتا مگر خدا تعالیٰ شائد اس سے
خبردار ہوتا ہے۔

علم اور آہستگی اور بڑی جہیم اسے کہتے ہیں۔ جو
مطلوب الغضب ہوا اور انتقام لینے میں جلدی نہ
کرے بلکہ باوجود اقتدار کے عفو و درگزر سے کام
لے۔ خدا کو جہیم اس سے کہتے ہیں کہ وہ گناہگار
بندوں کی تادیب تعذیب میں جلدی نہیں کرتا۔

عظم و عظمت بزرگ ہونا خواہ سی اعتبار سے
بھی ہو۔

یہ غفار کے معنی میں ہے اور دونوں مبالغے کے
عینے ہیں۔ مگر غفور میں زیادہ مبالغہ ہے یعنی
جو بڑے بڑے گناہ بخشے اور اس کی بخشش
اتمہ اکمل ہو۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ بندوں کے
گناہ اعمال ناموں سے محو کرے۔ یعنی حساب نہ
لے۔ مواخذہ نہ کرے یا دنیا میں پردہ فاش نہ
کرے۔ کیونکہ غفر کے معنی مٹانے اور چھپانے
کے بھی آیا کرتے ہیں۔

ترجمہ اردو	اسماء عربی	کیفیت
۳۶	التَّشْكُّمُ	بڑا قدر شناس
۳۷	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۳۸	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۳۹	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۴۰	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۴۱	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۴۲	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۴۳	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۴۴	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۴۵	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۴۶	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۴۷	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۴۸	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۴۹	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۵۰	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۵۱	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۵۲	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۵۳	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۵۴	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۵۵	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۵۶	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۵۷	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۵۸	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۵۹	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۶۰	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۶۱	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۶۲	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۶۳	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۶۴	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۶۵	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۶۶	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۶۷	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۶۸	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۶۹	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۷۰	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۷۱	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۷۲	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۷۳	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۷۴	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۷۵	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۷۶	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۷۷	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۷۸	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۷۹	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۸۰	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۸۱	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۸۲	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۸۳	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۸۴	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۸۵	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۸۶	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۸۷	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۸۸	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۸۹	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۹۰	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۹۱	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۹۲	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۹۳	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۹۴	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۹۵	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۹۶	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۹۷	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۹۸	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۹۹	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ
۱۰۰	التَّكْبِيرُ	بڑا بزرگ

ترجمہ اردو	اسماء عربی	ترتیب
کفایت		
جلال اور جلالت کہتے ہیں بزرگ قدر پہنچنے اور نیز بزرگی کو پھر اصطلاح قوم میں صفات تہریر کے ظہور آثار کو جلال کہتے ہیں اور صفات لطیفہ کے ظہور آثار کو جمال اور پسے میں آتا ہے کہ فلاں سہا جلالی ہیں اور فلاں جمالی *	الجلال	۴۲
اس کے معنی ہیں بزرگ اور عزیز کہتے ہیں۔ کریم وہ ہے کہ قادر ہو تو معاف کرے وعدہ کرے تو وفا کرے اور فے تو اُمید سے زیادہ فے اور کوئی اس کی ضرورتی لچلے تو اسے ضائع نہ ہونے فے کبھی مکرم اور جواد کے معنی میں آتا ہے *	الکریم	۴۳
رقیب۔ نگہبان اور مؤکل اور نگران۔ کذا فی الصراح *	الرقیب	۴۴
اجابت کہتے ہیں جواب دینے اور دعا قبول کرنے کو یعنی جو شخص خدا کو بلاتا ہے۔ وہ اسے جواب دیتا اور دعا کو قبول کرتا ہے۔ سوال کو رد نہیں کرتا *	الاستجاب	۴۵
ماخوذ ہے سعت سے اور سعت کہتے ہیں فراخی اور فراخ کرنے اور گھیر لینے کو۔ پھر اس کی اضافت کبھی تو علم کی طرف ہوتی ہے اور کہتے ہیں خدا کا علم وسیع و محیط ہے معلومات کو اور کبھی احسان کی طرف بولا کرتے ہیں۔ اس کا احسان وسیع ہے *	واسع العلوی یا وسیع الغنا	۴۶
مشتق ہے حکمت اور حکمت عبارت ہے کمال علم اور حسن عمل اور ایقان اور حکام علم عمل سے بعضے کہتے ہیں حکیم مبالغہ ہو حاکم کا اور حکیم وہ ہے۔ جو حقائق ثنیا کا عالم ہو اور ضائع کے دقائق کو خوب جاننا ہو *	حقائق ثنیا کا عالم	۴۷

ترجمہ	اسماء عربی	ترجمہ اردو	کیفیت
۴۸	الدود	نیک بندوں کو دوست رکھنے والا	مبالغہ کا صغہ ہے۔ وزن پر فاعول کے دو دود (بضم واو) اور دود (بکسر واو) اور موت تینوں کے معنی ہیں دوست رکھنے کے یعنی خدا تعالیٰ ایک بندوں کو دوست رکھتا ہے۔
۴۹	المجید	مجد بزرگ	ماجد کا مبالغہ ہے اور ماجد مجد سے لیا گیا ہے۔ مجد بزرگی مجید بزرگ کذا فی الصراح۔ بعضی کہتے ہیں مجید وہ ہے جس کی ذات شریف افعال جلیل عطا جلیل ہو۔ اور جب یہ ہے تو مجید جامع ہے ہر جلیل اور دیکھ اور کریم کو۔
۵۰	الکافی	مردوں کو مے پیچھے اٹھانے والا	بعث کہتے ہیں مردوں کو قبروں سے اٹھا کر کھڑا کرتے ہیں اور کبھی مٹنے کو جگانے اور کسی کو کسی کام سے بھینچنے کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔
۵۱	الشہید	شہد	شہد سے مشتق ہے یا شہادت سے اگر شہد سے ہو تو اس کے معنی ہیں حاضر و مطلع کے کیونکہ شہد کے لغوی معنی ہیں حاضر ہونے کے اور شہادت ہے تو معنی ہیں گواہی دینے والے کیونکہ شہادت کہتے ہیں گواہی دینے کو خدا کو شہید پہلے معنی پر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ظاہر و باطن اور غیب شہاد پر مطلع ہے اور دوسرے معنی کو اس لئے کہ قیامت کے روز بندوں کے اعمال و احوال کی گواہی دیگا۔
۵۲	الصادق	صادق	حق کے معنی ہیں ثابت اور ہرست کے اس کی ضد باطل بمعنی نیست و ناجیز کبھی صدق اور راستی اور درستگی کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔

ترجمہ اردو	اسماء عربی	نمبر
کیفیت		
وکیل وہ ہے جس کو اپنا کام سپرد کریں۔ اور تمام تصرف کی باگ اُس کے ماتھے میں بیٹھیں۔ چونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و مہربانی سے بندوں کے تمام متمم با نشان کام رزق وغیرہ اپنے ذمے لے لئے ہیں اس لئے اسے وکیل کہتے ہیں۔	الْمَوْلَى	۵۳
تو توانا تمام قدرت استوار	الْقَوِيُّ الْمَتِين	۵۴
قوی توانا۔ متین استوار۔ امام غزالی کہتے ہیں کہ قوت دلالت کرتی ہے قدرت کاملہ بالغہ پر اور متانت شدت قوت پر۔ خدائے تعالیٰ قوی ہے اس لئے کہ قدرت کاملہ بالغہ رکھتا ہے۔ متین ہے اس لئے کہ شدید القوت ہے۔		
ولی کہتے ہیں محب ناصر کو اور خدائے تعالیٰ پرہیزگار ایمان داروں کا محتسب اور انہیں مدد و نصرت دیتا ہے۔ ولی متولی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور حق تعالیٰ نیکوکاروں کے امور کا متولی ہے۔ اور قریب کے معنی میں بھی یعنی اس کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے۔	الْوَلِيُّ	۵۵
مستحق حمد	الْحَمِيدُ	۵۶
سزاوار حمد و ثناء		
ہر چیز کو احاطہ علم میں لانے والا	الْعَلِيمُ	۵۷
احصاء شمار کرنا اور بطریق استقصاء کسی چیز کو جاننا خدا محض مطلق ہے کہ اشیا کے خفائض و دقائق کو جانتا ہے۔ اور ذات عالم کو اس کا علم محیط ہے۔		
ابتدا پیدا کر نیو والا دوبار پیدا کرنے والا	الْمُبْدِي الْمُعِيدُ	۵۸
المبدیٰ ماخوذ ہے ابد سے اور ابداء کہتے ہیں تباہ کرنے کو اور تباہ پیدا کرنے کو۔ المعید لیا گیا ہے عادت سے جس کے معنی میں لوٹانے اور عدم کے بعد ایجاد کرنے کے خدا مبدی ہے اس معنی سے کہ وہ پہلے پیدا کرتا ہے۔ اور معید ہے اس طور پر کہ قیامت میں دوبارہ پیدا کرے گا		

ترجمہ اردو	اسماء عربی	ترتیب
مخلوق کو زندہ رکھنے والا مارنے والا	المحيى المميت	۶۱ ۶۲
زندہ	الحي	۶۳
کارخانہ عالم کا سنبھالنے والا	القیوم	۶۴
مشتق ہے وجود سے اور وجود کہتے ہیں ہستی اور مقصد پر کامیاب ہونے کو یا مشتق ہے جد یا بابت جن کے معنی ہیں نو نگر ہونے کے	الواحد	۶۵
معنی میں ہے مجید کے جس طرح عالم معنی میں عظیم کے مگر مجید میں مبالغہ اور تاکید ہے۔ یہ لیا گیا مجید سے اور مجد کہتے ہیں بزرگی کو	المجید	۶۶
وعدت لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں ایسا کرنا نہ ہونا عرف میں اعد کا استعمال یعنی میں ہونا ہے ایک یہ متجزی اور متبع نہ ہو یعنی اس کے اجزاء و حصہ نہ ہوں جیسے جو خرد دوسرے کہ بے مثل و بے مانند ہو اعداد و اعداد میں فرق ہے جو ہماری بان میں کیا اور کیا ہے	الواحد	۶۷
صدقہ کے معنی ہیں ایک قسم کے کچھ کچھ کچھ کچھ مطالب میں بارگاہ خداوندی کا تسلسلہ و تسلسلہ لئے اسے صد کہتے ہیں۔ غرض صد مراد و صد سے مراجع و مآب کا	الصدق	۶۸

ترجمہ اردو	اسماء عربی	ترتیب
قدر اور قدرت اور اقتدار اور مقتدرت سب کے معنی ہیں توانائی کے تو قادر و مقتدر کے معنی ہوئے صاحب قدرت مگر مقتدر میں زیادہ مبالغہ ہے	القادر المقتدر	۶۹ ۷۰
مقدم دال کے کسر کے ساتھ تقدیم سے مشتق ہے اور تقدیم کہتے ہیں آگے کرنے کو۔ اس طرح مؤخر خے کے کسر سے تاخیر سے بیا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں پیچھے ہٹانا یعنی خدا تعالیٰ فرمانبرداروں کو راہ قریب میں آگے بڑھاتا۔ اور فرمانوں کو درگاہ عزت سے دور کرتا اور پیچھے ہٹاتا ہے۔ یا دنیا کے کاموں میں لوث حصول مطلب میں تقدیم و تاخیر اللہ کے کرنے سے ہوتی ہے	الاول الآخر الظاہر الباطن	۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴
مقدم دال کے کسر کے ساتھ تقدیم سے مشتق ہے اور تقدیم کہتے ہیں آگے کرنے کو۔ اس طرح مؤخر خے کے کسر سے تاخیر سے بیا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں پیچھے ہٹانا یعنی خدا تعالیٰ فرمانبرداروں کو راہ قریب میں آگے بڑھاتا۔ اور فرمانوں کو درگاہ عزت سے دور کرتا اور پیچھے ہٹاتا ہے۔ یا دنیا کے کاموں میں لوث حصول مطلب میں تقدیم و تاخیر اللہ کے کرنے سے ہوتی ہے	الاول الآخر الظاہر الباطن	۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴
مقدم دال ہے یعنی اولی ہے کہ اُس کے وجود کی ابتداء اور ہستی کا آغاز نہیں اور آخر کے معنی دائمی ای ہے کہ اُس کے بقا کے لئے نہایت اور دوام کے لئے اقتضا نہیں	الاول الآخر	۷۵ ۷۶
خدا ظاہر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا وجود اس کی ہستی اُن آیات و دلائل سے ظاہر ہے جو آسمان و زمین میں ہر صاحب بصیر کو دکھائی دیتے ہیں۔ اور خدا کے باطن ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اُس کی گنہ ذات حجاب جمال میں محتجب و پوشیدہ ہے	الظاہر الباطن	۷۷ ۷۸
تمام امور کا متولی	الوالی	۷۹

ترجمہ اردو	اسماء عربی	تہجہ
کیفیت		
بفتح واو جس کے معنی مدد کرنے اور حکمرانی کرنے کے ہیں۔ بعضے کہتے ہیں کہ ولایت بفتح واو مصدر ہے۔ اور یکسر واو اسم۔ والی وہ ہے جو سب ملک اور تمام کاموں کا متولی ہے۔	الْمَدَاوِد	۷۷
تمام حکمرانوں اور فرمانرواؤں سے بلند قدر یا تمام نقائص آفات سے عالیشان۔	الْمُنْعَالِی	۷۸
بفتح با اسم فاعل بمعنی نیکی کرنے والا۔	الْبَرِّی	۷۹
تو اب بالترتیب تائب اور تائب بخود ہے تو ہے توبہ کے صلی معنی ہیں رجوع کرنے کے پھر جب اس کی نسبت بندے کی طرف ہوتی ہے تو گناہ سے رجوع کرنا مراد ہوتا ہے۔ اور خدا کی طرف ہوتی ہے۔ تو رحمت کے ساتھ رجوع کرنا یعنی بندہ کرے تو اپنی عادت کے مطابق پھر مہربانی کرنے لگتا ہے۔	الْكَائِب	۸۰
انتقام کہتے ہیں بدلہ لینے کو یعنی خدا تعالیٰ کا فرما سے اپنی نافرمانی کا بدلہ لینے والا۔ اور ان کے تہدوسرکشی کی سزا دینے والا۔	الْمُتَوَكِّل	۸۱
گناہوں کا مٹانے والا	الْعَصَو	۸۲
رافت کہتے ہیں شدت رحمت کو اور یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ جیسے ضرورت اور مشکوٰۃ۔	الْكَرِف	۸۳

ترجمہ اردو	اسماء عربی	ترتیب
کیفیت		
ملک مالک	مَالِكُ الْمَلِكِ	۸۴
بزرگی و عزت زینت الہ	ذَوِ الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ	۸۵
عادل و منصف	الْمُقْسِطُ	۸۶
تمام مخلوقات کو جمع کر لیا۔ یا دنیا میں بچھڑا ہوؤں کو جمع کرتا ہے۔	الْجَامِعُ	۸۷
بے پرواہ	الْغَنِيُّ	۸۸
لوگوں کو بے پرواہ کر دینا	الْمُعْزِي	۸۹
عطیہ دینے والا اور مانع روک رکھنے والا۔ یعنی جسے چاہے اور جو چاہے دیتا اور جسے چاہے اور جسے روک دیتا۔	الْمُعْطِي الْمَانِعُ	۹۰ ۹۱

ترجمہ اردو	اسماعیلی	ترجمہ اردو	کیفیت
۹۲	الضَّارُّ	ضرر و شر کا	یعنی خدا حقائق خیر و شر اور نفع و ضرر
۹۳	النَّافِعُ	نفع و خیر کا پیدا کرنے والا	ہے۔ اور درد اور فدا رنج و شفا گرمی و سردی خشکی۔ سب پیدا کی ہوئی اُسی کی ہیں۔
۹۴	النَّوُّ	روشن کرنا	عرف عام میں نور کہتے ہیں روشنی کو خدا پر نور کا طلاق اس سے کیا گیا کہ زمین آسمان میں اسی کا چاند اور اسی کا ظہور ہے۔
۹۵	الْبَدِيعُ	موجد	بدیع بے مثل اور بے مانند کبھی معنی میں مبدع یعنی موجد کے آتا ہے۔ جو بے نمونہ دیکھے از خود اختراع کرے تو اس معنی کر بھی خدا بدیع ہے کہ اُس نے جن بنانے میں کسی کی تقلید نہیں کی۔
۹۶	الْبَاقِي	باقی رہنے والا	دائم الوجود۔ جو کبھی فنا نہیں ہوتا۔
۹۷	الْوَارِثُ	فنائے موجودات کے بعد باقی رہنے والا	اس سے مراد ہے فنائے موجودات کے بعد باقی رہنے والا۔ گویا تمام مرنے والوں کی میراث اس کو تو پہنچتی ہے۔
۹۸	الْمُشِيدُ	صاحبِ شد	رشد شد ہے غنی کی اور غنی کے معنی ہیں گمراہی تو رشید کے معنی ہوئے صاحبِ شد اور خدا کو رشید اس معنی میں کہا گیا ہے کہ طریق اسلام اس کو پسندے اور وہی ہر اکمل تقیم ہے یا اس اعتبار سے کہ جو صفات کمالیہ خدا میں ہوتی چاہئیں وہ اس میں ہیں۔
۹۹	الصَّبِيرُ	بصبر کرنا	اصل میں صبر کے معنی تحمل اور برداشت کرنے کے ہیں۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ بندوں کی گستاخیاں اور منافذ فیوں کی برداشت کرتا اور انتقام

اور مؤاخفے میں جلدی نہیں کرنا۔ اس لئے اس کا نام صبر رکھا گیا۔

تو ہمیں اس بات میں قرآن حدیث سے تجاوز نہ کرنا چاہئے۔ اور جن الفاظ میں اُس کے اسماء و صفات مذکور ہیں ان کے سوا دوسرے الفاظ استعمال نہ کرنا چاہئے۔ علمائے امت کا اسی پر اتفاق ہے۔ اور جو شخص اس کے خلاف ہے وہ ضال و مضل ہے۔ اور ایسے الفاظ بھی استعمال میں لانا درست نہیں۔ جو معنایا خدا تعالیٰ کے اسماء و صفات سے ملتے ہوئے ہیں۔ جیسے معرفت بجائے علم کے اور ایسا ہی عشق بجائے محبت کے اور سخا بجائے جود کے نہ بولنا چاہئے۔ اس لئے خدا تعالیٰ کے صفات میں یہ اسماء نہ کتاب الہی اور حدیث میں سُنئے گئے اور نہ علمائے کرام نے اس پر اجماع کیا۔ پھر اگر کوئی شخص اس امر میں لیری کرے تو اس کا فردِ تر حال یہ ہو گا کہ وہ بدعتی اور گمراہ کہلائے گا۔

اہل سنت و جماعت کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات نہ اُس کی عین ہیں اور نہ غیر یعنی نہ وہ ہے اور نہ اس کے سوا اس لئے کہ صفت موصوف نہیں ہوتی۔ اور نہ موصوف صفت ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص کہے کہ میں خدا تعالیٰ کی صفت کی پرستش کرتا ہوں تو اس کا یہ قول باطل ہے اسی طرح یہ کہنا کہ میرا معبود وحی ہے اور حیات اس کی صفت ہے اور میرا معبود عالم ہے اور علم اس کی صفت ہے۔ اور میرا معبود قادر ہے اور قدرت اس کی صفت اور اگر دعا میں کہے یا حیات یا علم تو یہ تمام صفتیں باطل ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ اس کی صفات اُس کی عین نہیں۔ لیکن غیر بھی نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ خدا پر اور اُس کی صفات پر غیریت روا نہیں ہے۔ کیونکہ غیریت کے یہ معنی ہیں کہ ایک کے فنا ہونے کی صورت میں دوسرے کی بقا جائز ہو یا ایک کا عدم دوسرے کے وجود

اللہ تعالیٰ کی صفات نہ اُس کی عین ہیں نہ غیر۔

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات و اسماء قدیم ہیں اور اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء و صفات نہ عین ہیں نہ غیر ہیں جس طرح ایک س سے۔ اگر یہ صفات عین باری تعالیٰ کہی جائیں تو اس سے تعدد لازم آتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ جس کا شریک نہیں۔ اور اگر یہ صفات غیر باری تعالیٰ کہی جائیں۔ تو یہ صفات حادث ہو جائیں گی۔ اور اللہ تعالیٰ محل حوادث قرار پائے گا۔ ۱۲ منہ (حاشیہ ص ۱۰۹)

کی حالت میں جائز ہو۔ اور یہ بات خدا تعالیٰ پر درست نہیں۔ کیونکہ وہاں صفت اور موصوف و جدا جدا چیزیں نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ کوئی صفت خدا تعالیٰ کی صفات سے اس کی دوسری صفت کے غیر نہیں۔ جیسا بیان ہوا۔ اور نیز دو صفتیں یکساں نہیں اس لئے کہ قدرت مقدور کا تقاضا کرتی ہے۔ نہ معلوم کا۔ اسی طرح معلوم کا تقاضا کرتا ہے۔ نہ مقدور کا۔ پس معلوم ہوا کہ خدا کی کوئی صفت اس کی کسی دوسری صفت کے غیر بھی نہیں۔ اور عین بھی نہیں۔ اور یہ بھی نہ کہنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی صفات باہم متغائر یا متماثل یا مستجانس یا منتضات ہیں۔ کیونکہ یہ تو محدثات کی علامت ہے۔ اور خدا تعالیٰ محدث نہیں۔ کہ احوال محدثات اس پر روا ہو۔ تو احوال محدثات کا اطلاق اس کی ذات و صفات پر درست نہیں ہے۔ اور یہ بھی یقین رکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ ازل میں خالق اور وہ اس صفت سے موصوف تھا۔ حالانکہ مخلوق موجود نہ تھی۔ اسی طرح رازق اور رب تھا۔ اس وقت بھی جب مرزوق و مربوب کلا پتہ تھا مخلوق کو کسی فعل کے بعد فاعل کہتے ہیں۔ اور جب اس سے کوئی فعل صادر نہیں ہوتا تو قبل صدور اس کو فاعل نہیں کہتے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں۔ اس میں صدور فعل کی قید نہیں۔ اس کی یہ صفات ازلی ہیں۔ اور اس کی صفات ذات و صفات فعال میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس نے جس طرح اپنی صفات ذات کی طرح کی ہو۔ اور فرمایا ہے، اللہ لا اله الا هو الحق القیوم اور لا یاءوہو التسمیۃ البصیر اسی طرح صفات فعال کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا هو اللہ الخالق البارہ المصور لہ الاسماء الحسنی اس سے ثابت ہوا کہ وہ اپنی صفات میں صدور فعل کا محتاج نہیں۔ اگر وہ مخلوق کے پیدا کرنے سے ان صفات کا مستوجب ہوتا۔ تو محتاج خلق ہوتا۔ اور محتاج علامت حدت کی ہے نہ قدیم کی اور اگر یہ جائز رکھیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے پیدا کرنے کے پہلے اس کا مستوجب نہ تھا۔ تو اس سے محض نقص خدا تعالیٰ کا ثابت ہوتا ہے

تَعَالَى اللَّهُ عَنِ ذَالِكَ ۝

صفات الہی باہم متغائرات سے پاک ہیں

اور اگر یہ کہا جائے کہ پہلے خالق نہ تھا۔ پھر خالق ہوا۔ تو یہ مرتبہ دل
صفات پر دال ہے۔ اور نیز صفت میں تغیر و زوال کا موجب۔ حالانکہ یہ بات
خدا پر اور اس کی صفات پر روا نہیں۔ خالقیت ہمیشہ اُس کی صفت میں داخل
ہے۔ اگرچہ مخلوق نہ تھی اور نہ ہو۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ جب تک پیدا
کرنے کی صفت موجود نہ ہوگی۔ تو پیدا کرنا کیونکر ممکن ہوگا۔ یہ تو مخلوقات
کی صفت ہے کہ فعل کے پہلے ان کو فاعل نہیں کہتے۔ اس واسطے کہ اُن میں مبدا
صفت پیدا کی جاتی ہے۔ فعل کے پہلے وہ اس فعل کی قدرت ہی نہیں رکھتے
اللہ کی تمام صفات قدیم ہیں۔ اگر خلق نہ بھی ہوتی۔ تو قدرت آفرین اُس کی
ظہور نہ ہوتی۔ پس اس سے خالق اس کا نام قدیم ہے۔ اور وہ ہمیشہ خالق و
توانا ہے۔ خلق ہو یا نہیں۔

اسی طرح خدا تعالیٰ ازل میں روزی دینے لگتا ہوں کے بخشنے وغیرہ
پر توانا تھا یعنی ازل میں خالق و رازق و غفور تھا۔ حالانکہ مخلوق و مرزوق و
مغفور کا وجود نہ تھا۔ ان کا وجود اس کی صفات کے وجود کے لئے شرط
نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات میں ترتیب و انہیں ہے
یعنی یہ کہنا درست نہیں کہ اس کی کوئی صفت کسی دوسری صفت سے سابق
ہے۔ کیونکہ یہ صفت خلق کی ہے کہ وہ پہلے زندہ ہوتی ہے۔ پھر عالم۔ اور
خدا تعالیٰ تو ہمیشہ حی اور ہمیشہ عالم ہے۔ اور یہی حال اُس کی تمامی صفات
کا ہے۔ نہ اس کا علم قدرت سے پہلے تھا۔ اور نہ قدرت قبل علم کے۔
اور اسی طرح خدا کے اسماء کے باب میں معتقد رہنا چاہئے۔ جس طرح صفات
میں بیان ہوا۔ مگر ایک مسئلہ میں علمائے اہل ہند نے اختلاف کیا
ہے۔ اور وہ مسئلہ اسم و سہمی کا ہے۔ کہ ہندو جب سے علماء و سہمی اس میں
اختلاف کیا ہے کہ اُس کے نام کی حقیقت ذات ہے۔ یا اُس کے غیر۔
جو لوگ کہتے ہیں کہ اسم غیر سہمی ہے۔ اُن کا قول معتقد نہیں بلکہ
ناپسندیدہ ہے۔ کیونکہ جو چیز خدا کے غیر ہے۔ وہ محدث ہے۔ اور محدث
سے خدا تعالیٰ کی صفت روا نہیں۔ اس واسطے کہ خدا تعالیٰ محل حوادث

سے منزہ ہے۔ قرن اول میں اس مسئلہ میں سخن کرنا بدعت شمار کیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم خدا تعالیٰ کے ایسے اسماء و صفات کے مستفاد ہیں جو سمات و حدوث سے متبرک ہیں۔ تو اس باب میں کلام نہ کرنا ہی اولیٰ ہے اور باحتیاط نزدیک تر ہے۔ اور درحقیقت ان کا مسئلہ مسلم ہے اور سادہ دل مسلمانوں کی فہم و ادراک کے موافق و لائق ہم اس کے دوسرے وجوہات اس لئے بیان کرتے ہیں کہ مسئلہ مسلمانوں میں فاش ہو گیا ہے۔ اگر اس کو صاف نہ کیا جائے تو عوام کے مشبہ میں گرنے کا خوف ہے۔

قرن اول کے بعد اہل قبلہ کی ایک جماعت کا یہ قول ہوا کہ اسم نہ عین مسملیٰ ہے۔ اور نہ غیر مسملیٰ۔ جیسا کہ صفت و موصوف میں تقریر کی گئی اس باب میں ان کی دلیل بھی وہی ہیں جو بیان ہوئیں۔ ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ حقیقت اسم و مسملیٰ کی ایک ہی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا: **اعْبُدُوا اللَّهَ** تو اگر اسم غیر مسملیٰ ہوتا۔ تو اس کا معبود ہونا لازم آتا نہ مسملیٰ کا۔ ایک تیسری جماعت کا قول ہے کہ اسمائے ذات جیسے موجود قدیم میں اسم و مسملیٰ کو ایک ماننا چاہئے۔ لیکن اسمائے صفات میں معتقد رہنا چاہئے کہ نہ وہ مسملیٰ ہیں۔ اور نہ غیر مسملیٰ ہے۔

الغرض اہل حق کی ان تمام جماعتوں کے پاس لائل موجود ہیں۔ اختلاف پیدا ہونے کی حالت میں لوگوں کو اتنی فہم مشکل سے ہوتی ہے کہ وہ تمام اقادیل میں تامل کر کے امر حق کی طرف رجوع کریں۔ اس لئے ہم ایک صاف بات معتقد اکثر اہل حق کی بیان کرتے ہیں کہ کتاب سنت میں جہاں کہیں کسی اسم کا اطلاق خدا تعالیٰ پر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد مسملیٰ ہے۔ اور جب مراد مسملیٰ ہے۔ تو اسم و مسملیٰ ایک ہوا۔ اس پر بھی اگر کوئی شخص اس قول کو نہ سمجھے تو طریق مذکور کا درکھے۔ یعنی خدا تعالیٰ کے تمام اسماء و صفات کو قدیم جلنے۔ اس صورت میں اسم و مسملیٰ کے مسئلہ کو نہ جانتا اس کے لئے کوئی نقصان رہا نہ ہوگا۔ انشاء اللہ۔ وَاللّٰهُ الْهَادِي إِلَى سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝

اسم کو غیر مسملیٰ کہنے والوں کی تنبیہ

چھٹی فصل

مراتب صفات اور مقام مشکلات و متشابہات کے بیان میں

خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی صفات کے متعلق قرآن اور حدیث درست میں جو کچھ مبہن ہے۔ اُس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اپنی رائے و قیاس سے اس میں کلام کرنا حرام ہے۔ کیونکہ یہ بات اس سے معظّم تر ہے کہ اس میں انسان اپنے اجتہاد سے تصرف کرے یا گمان کو دخل دے۔ یا اس کو آسان کرنے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ ذِیَ الْفَوَاحِشِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْأُولَئِیْمُ الْبَغْیَ یَغْتَرِ الْحَقِّ۔ وَأَنْ تُشْرِکُوا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنْزِلْ بِهِ سُلْطٰنًا۔ وَأَنْ تَقْتُلُوا نَفْسَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ط

پھر اس باب میں دو فریق ہیں ایک فرقہ نے اسمائے الہی کی تحقیق میں جو قرآن حدیث سے معلوم ہوئے۔ جدوجہد کر کے انہیں ظاہری معنی پر عمل کرنے میں اس قدر سبالغہ کیا کہ تشبیہ و تمثیل کی حد تک پہنچا دیا۔ اور دوسرے فریق نے ظاہری معنی کی نفی کرنے اور اس سے حقیقت سے مجاز کی طرف پھرانے میں اتنا غلو کیا کہ تحصیل کی حد تک پہنچا دیا۔ اور خدا کے اسماء و صفات کا منکر ہو گیا۔ اور اس کے ظاہر کو بدوں کسی حجت کے تشبیہ کے ساتھ موسوم کرنے لگا۔ اور باہم دونوں فریق ایک دوسرے کی ضلالت پر آمادہ ہو گئے۔ اس باعث میں اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ہر دو

سے بے پیغمبر کہہ دو کہ میرے پروردگار نے ظاہری اعباطی برائیوں کو اور گناہ اور ناحق سرکشی کرنے کو حرام کر دیا ہے۔ اور اس کو بھی کہ تم خدا کے ساتھ اس چیز کو شریک کرو جس کی کوئی دلیل و سند نہیں اور یہ کہ تم خدا پر ایسی باتیں باندھو۔ جو تم جانتے نہیں ۱۲ منہ ۰

طرف کے غماض کر کے راہ اہل تسنن کی جو سواد عظیم ہے۔ اقتدا کرے اور خدا تعالیٰ کی صفات جو کچھ قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔ انہیں تسلیم کرے۔

اب سمجھنا چاہئے کہ وہ صفات جن میں تاویل ضرور ہے۔ تین قسم کی ہیں۔ اول وہ صحت جیسے علم قدرت اور کلام اس بارہ میں مذہب اہل حق کا یہ ہے کہ ان کے ظاہر معانی پر اعتقاد رکھیں۔ اور کسی طرح کی اس میں تاویل جائز نہیں۔

دوم وہ قسم کہ ظاہر پر حمل کریں۔ اور وہی افراط و تفریط جو تفسیر حدیث میں وارد ہیں۔ اور اُس کے معنوں کو مجاز کی طرف نہ لے جاویں۔ اور جن صفات میں علم قطعی اور یقینی پوشیدہ رہتا ہے یعنی حائل نہیں ہوتا ہے۔ اپنی رائے و قیاس سے اُس کے کشف حقیقت کی کوشش نہ کریں۔ اُس کے ظاہر کو قبول کرنا اور کیفیت مثلیت کی اُس سے نفی کرنا ضروری جانیں۔ اس قسم میں ید و سمع و وجد و بصر و خل ہیں۔ پس ان صفات اور ان کی مثل دوسری صفات کی نسبت اعتقاد رکھنا چاہئے کہ یہ خواجہ ہیں و اعضا۔ اور نہ اجزا۔ لیکن یہ خدا تعالیٰ کی صفات ہیں۔ ان کی کیفیت نہیں۔ اور کیفیت کا ہونا رواجی نہیں۔ اور جب اہل حق نے نظر کی تو اس باب میں قول حق یہ پایا کہ ان صفات کو حقیقت آسامی پر حمل نہ کرنا چاہئے کہ تشبیہ و تمثیل لازم آتی ہے۔ اور نہ مجاز پر حمل کرنا چاہئے کہ قرآن و حدیث اُس کے حشا حکم کرتے ہیں پس انہوں نے پہچان لیا۔ کہ اہل حق کا طریق ان دونوں طریقوں کے سوا اور یہ وہی طریق ہے۔ جو انہوں نے اختیار کیا۔

اور وہ باتیں جو اس باب میں تاویل کے عطا ہونے پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان صفات میں ایسی کوئی صفت نہیں کہ اس کی تاویل سب کو تسلیم ہو۔ پس جو مانت مختلفہ اس کی تاویل کر سکتے ہیں۔ اور یہ ضرور ہے کہ ان میں ایک ہی وجہ عوالب ہوگی۔ باقی خطا و صفات خدا تعالیٰ میں خطا کرنے والا معذور نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُس کے

صفات تشابہات کی تاویل خلاف شرع کرنا درست نہیں۔

دین میں مخاطر پیدا ہونے کا اندیشہ ہے :

ہماری دلیل یہ ہے کہ جو لوگ اس باب میں جس تاویل کو صواب جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ بید کی تاویل قوت اور قدرت کے ساتھ کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مراد اس سے نعمت ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ اُن کے اس قول کے فساد کا حکم کرتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن شریف میں بید یہ صیغہ تثنیہ بھی واقع ہوا ہے۔ یعنی دو بید آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِيدَيَّ تَجھے کیا ہو گیا کہ سجدہ نہیں کرتا۔ اس ذات کو جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا : دوسری جگہ فرمایا۔ بَلْ يَدَايَاكَ مَبْسُوطَتَانِ بلكہ اُس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ اور خدا کو دو قوت یا دو قدرت کہنا : نہیں۔ کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ اس آیت لِمَا خَلَقْتَ بِيدَيَّ میں آدم علیہ السلام کی اُس خاص فضیلت کا اظہار کیا گیا ہے۔ جس کے سبب فرشتے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے پر مامور ہوئے۔ اگر اس کے معنی اس طرح کئے جائیں کہ اے شیطان تجھ کو اس شخص کے سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا۔ جس کو میں نے اپنی قوت و قدرت سے پیدا کیا۔ اس معنی کے لحاظ سے حضرت آدم علیہ السلام کو دوسروں کوئی فضیلت نہیں۔ خدا نے ابلیس کو بھی۔ بلکہ تمام حیوانات حتیٰ کہ جمادات کو بھی اپنی قوت و قدرت سے پیدا کیا ہے۔ رہا بید کی تاویل نسبت کے ساتھ کرنا تو یہ بھی جائز نہیں۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس کے کہیں زیادہ ہیں۔ کہ اُن کا احصار و شمار کیا جائے۔ اور صیغہ تثنیہ اُس کا احصار ہو گیا۔ دوسری وجہ یہ کہ نعمت مخلوق ہے۔ اور مخلوق کا مخلوق کو پیدا کرنا کس طرح ممکن ہے :

احادیث میں بھی اس قسم بکثرت الفاظ وارد ہیں۔ اُن کی تاویل بھی خلاف شرع کرنا درست نہیں ہے۔ اور قرآن و حدیث میں جو خلق کے ساتھ خطاب ہے۔ اس کو ایسے معنی پر عمل کرنا چاہیے۔ جس کو عرب جانتے

اور اپنی زبان میں استعمال کرتے ہیں۔ اور جو تاویل کہ مسلک عرب کے خلاف ہو کلام میں اُس کا کچھ اعتبار نہیں۔ اور جو تاویل کہ ہمیں ناپسند ہے۔ وہ وہی ہے کہ ہم اس کو قرآن حدیث کے مطابق مستقیم نہیں پاتے۔ اسی واسطے ہم اس کو رد کرتے ہیں۔ لیکن ان الفاظ کی بابت بھی جو قرآن میں چند معنی کا احتمال رکھتے ہیں۔ اور مفہوم نہیں ہوتا کہ اس سے مراد خداوندی کیا ہے۔

ہمارا یہی کہنا ہے کہ اُن کی تاویل کرنا درست نہیں۔ جیسے استنوا اور نزول کے الفاظ تو اُن کے ظاہر کو قبول کرنا چاہئے۔ اور باطن سے کوئی تعرض نہ کرنا چاہئے۔ اور اُس سے کیفیت و چگونگی کی نفی کرنا چاہئے کہ یہ باتیں خدا تعالیٰ پر اور اُس کی صفات پر روا نہیں۔

اگر ایسا کلام ہو جس میں تاویل کی ضرورت ہے۔ تو اُس میں مطابق شرع شریف کے تاویل کرنا ٹھیک ہے۔ اس لئے کہ ہم تاویل کے متکبر نہیں ہیں۔ لیکن ہم ظاہر کو حق کی طرف سے یقین کرتے ہیں۔ اور اپنی جانب سے اُس میں تاویل محمود نہیں سمجھتے۔ اس باب میں ہمارے لئے خدا تعالیٰ کا یہی فرمان ہے وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيلُهُ إِلَّا اللَّهُ اور کوئی نہیں جانتا اُس کی تاویل سوا خدا کے۔

تیسری قسم وہ ہے کہ وہ حقیقت میں تمام صفات سے تو نہیں لیکن اُس میں چند ایسے الفاظ کے ذریعہ جو الفاظ صفات سے مشابہت رکھتے ہیں۔ معانی صفات کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور لغت عرب میں اُس کے معنی روشن اور آشکارا ہیں۔ تو اس قسم کی تاویل کرنا درست ہے۔ اگر اُس کے معنی قسطن ظاہر پر کریں تو گمراہی ہے۔ چنانچہ اس قسم یہ آیات ہیں۔

يَا حَسْرَتًا عَلَىٰ مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ ۚ كُوْنِي مِّنَ الْوَالِيْنَ
توقف نہیں کریگا۔ دوسرے حدیث حجر الاسود یحییٰ اللہ فی الارض اگر
اس کے ظاہر معنی پر حمل کریں تو باطل ہے۔ اور الحاد تیسرے آئی لاجِبَ
نفس السکان من قبل الیمن چوتھے من اتانی میثی اثبتہ ہر

سب آیات: احادیث کی تاویلات

ظاہر معنی پر اس کا حمل کرنا تشبیہ ثابت کرتا ہے تو اس کی تاویل کرنا ضرور ہے
وہ یہ ہے کہ اللہ کو منظور ہوا کہ بندوں پر اپنے احسانِ کرم کو بیان فرمائے
اور وہ بزبانی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح بیان کیا جائے کہ
لوگوں کی سمجھ میں جلد آئے۔ تو فرمایا مَنِ اتَّكَانِي يَمْنَحُنِي اتِّبْتُهُ هَرْدًا
یعنی جو شخص میری طرف چل کر آتا ہے میں اس کی طرف ڈھک کر آتا ہوں۔
مطلب مراد یہ ہے کہ جو شخص ایک حصّہ نیکی کرتا ہے۔ تو میں اضافہ مضاعف
اس کو جزا عطا فرماتا ہوں *

بعض احادیث ایسی بھی ہیں جن کی تاویل نہایت دشوار ہے۔ اگرچہ
ان کی تاویل کرنا ضرور ہے۔ لیکن اس سبب سے کہ اس کی تاویل عقل کی نفوذ
سے بالاتر ہے۔ تو ایسی احادیث کی بابت ہم کو چاہئے کہ ان کی تاویل سے
ساکت و سامت رہیں اور الفاظ حدیث پر ایمان و اعتقاد رکھیں۔ اور ایسے
موقع پر تاویل کو حرام سمجھیں کہ لَا تَقْنُفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ
قرآن شریف میں وارد ہے۔ یہ ہے مذہب اہل حق کا مراتب صفات و
متشابہات میں۔ واللہ الموفق لإحسان الحق *

ساتویں فصل

اس بیان میں کہ کلامِ خدا مخلوق ہی یا غیر مخلوق

قبل ازیں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہمارے صفات کی منت
کے وہی طریق ہیں۔ کتابِ سنت اور یہ بھی روشن ہو چکا ہے کہ خدا تعالیٰ
متکلم بہ کلام ہے۔ تو اس باب میں مذہب اہل سنت و جماعت کا یہ ہے کہ
خدا ہمیشہ متکلم ہے۔ اور کبھی تکلم سے خالی نہ رہا۔ اگر ایک ہی وقت میں ایک
ساتھ تمام مخلوق اس کو یکساں تو وہ ایک ہی وقت میں سب کی دعا سنے۔

اور سب کا جو اُسیے اور سب کو دیکھے یہ نہیں کہ ایک کی جانب مشغول ہوتا اُس کو دوسری جانب سے غافل کرے۔ کلام اُس کی ذاتی صفات سے ہے اُس لئے کہ اگر کلام اُس سے علیحدہ کریں تو ناگوار یا بی یقینی چپے ہونا لازم آئے۔ جو ایک قسم کا عیب و نقص ہے۔ حالانکہ صفات کما لہ سب خدا کے لئے ہیں اور وہ صفات نقص سے منزہ ہے۔

پھر جب یہ معلوم ہو گیا کہ کلام صفت ذاتی ہے تو ثابت ہوا کہ وہ محدث نہ ہوگا۔ اس لئے کہ قدیم کی صفت محدث چیز سے گونا گوست نہیں۔ چنانچہ فصول گذشتہ میں یہ بات بصراحت ذکر ہو گئی ہے۔ بعض اہل بدعت کا یہ قول ہے کہ خدا تعالیٰ اس متنی سے متکلم ہے کہ وہ خالق کلام ہے یا قائل کلام اور یہ جہل و عناد ہے۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ متکلم وہ ذات ہو جس میں خدا نے کلام کو پیدا کیا ہے۔ نہ خدا تعالیٰ۔ چنانچہ متحرک اُس ذات کو کہتے ہیں۔ جس میں حرکت پیدا کی گئی ہے۔ صفت مخلوق کی امتانست خالق کی طرف کیونکہ ٹھیک ہو سکتی ہے۔

امداد اللہ تعالیٰ نے تو تمام اُن کتابوں میں جو انبیاء پر نازل ہوئی ہیں کلام کی نسبت اپنی جانب منسوب ہے۔ قرآن میں ایک جگہ فرمایا۔ اِنَّمَا تَقُولُ لَیْسَ بَشَرٌ اِذَا ارَادَ نَاقًا اَنْ تَقُولَ لَهٗ کُنْ فَیَکُونُ۔ یعنی جب ہم کسی چیز کی بابت چاہتے ہیں کہ وہ ہو جائے تو صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا۔ پس وہ ہو جاتی ہے۔ اور جب ہر چیز اُس کے قول سے پیدا ہوتی ہے۔ تو قول بھی اُس کے قول سے وجود میں آتا ہے۔ اس لئے پہلے قول کے پیدا ہونے کے لئے دوسرے قول کی ضرورت ہوگی۔ اور دوسرے کے لئے تیسرے کی اِلٰی مَا ذٰہَبَتْ لَہٗ اور یہ ایک امر قاسد ہے۔ (تو اسی سے ثابت ہوا کہ کلام خدا غیر مخلوق ہے) بدعتی اس آیت کی تاویل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اس سے یہ مراد ہے کہ خدا جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس سے حقیقت قول کُن کی لازم نہیں آتی ہے۔ اُن کی اس تاویل سے نص سکرانی کی مخالفت ہوتی ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے اَنْ تَقُولَ لَہٗ کُنْ اور یہ کن کی حقیقت کے منکر ہوتے ہیں۔ یعنی خدا

بقدر بن کے قول کی زبردستی ایک ضیفہ مثال کے ذریعہ

فرماتا ہے۔ ہو جا۔ پس وہ آجیاتی ہے۔ فَيَكُونُ کا لفظ بتا رہا ہے کہ کُن کے پہلے وہ چیز موجود نہ تھی۔ اور ان بدعتیوں کے عقیدہ کے موافق خدا کا کلام جو موسیٰ نے سنا اور وہی کلام یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے سنا۔ ان دونوں کلاموں میں کوئی فرق و فضیلت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ یہودیوں کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ نے بتوسط و رخت کے خدا کا کلام سنا۔ اور یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توسط سے خدا کا کلام سنا۔ تو اس سے ظاہر ہے کہ کلام خدا سننے میں قوم یہود کو حضرت موسیٰ پر فضیلت ہے۔ کیونکہ خدا کا کلام ایک الو العزم پیغمبر کے توسط سے سنا ضرور اس سے فاضل تر ہے کہ ایک رخت کے توسط سے سنا جائے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ کلام ہے فرشتہ الہام ہو اور فرشتہ انبیاء علیہم السلام سے کہے۔ پس جو کچھ فرشتہ الہام کے ذریعہ اپنے میں پاتا ہے اسی کو کلام کہنا چاہئے تو جو معرفت خدا نے اپنے بندوں کے دل میں رکھی ہے۔ وہی کلام خدا ہے۔ اور ان کا قول ہے کہ لوگوں کا کلام انہیں کا فعل ہے۔ خدا نے پیدا نہیں کیا۔

ہم نے ان کے اقوال فاسدہ کو یہاں تک بیان کر دیا کہ جس سے صاف ان کے عقائد کی زشتی اور بُرائی ظاہر ہے اور نیز اس کے ابطال کے خدا تعالیٰ کی کتاب اور جناب نبی کریم علیہ السلام کی احادیث کافی ہیں۔ آیات تو یہ ہیں۔ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا وَدُورًا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَكْمًا تَبَسُّمًا جَدًّا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ بِقَوْلِ الْحَقِّ جَوَافًا جَدًّا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ مَوْسَىٰ تَكْلِيمًا پانچویں جگہ ارشاد ہوا يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ان تمام آیات میں خدا تعالیٰ نے قول و کلام کی نسبت اپنی جانب فرمائی۔ جس طرح سخن عرب کا قاعدہ اور رسم ہے۔ یہ ایسا واضح بیان ہے کہ اس کے ظاہر کو ترک کرنا اور حقیقت معنی کو مجاز کی جانب پھرانا ممکن ہی نہیں علاوہ اس کے علماء نے ان کی مخرقات اور یہود و تاویلات کے اور بھی شافی اور واقعی جواب دیئے ہیں۔ اس مختصر میں اس کے استیعاب کی ضرورت نہیں۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ منتکلم ہے۔ اور کلام اس کی صفت
قدیم ہے۔ تو معلوم ہے کہ قرآن کلام خدا ہے۔ اُس نے خود اس کو اپنا کلام
کہا۔ اور اس کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ اور نہ لایا نہ تخیل نہ جمع کلام
اللہ اور اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ قرآن کلام خدا ہے۔ اور اس پر کہ
کلام صفت خدا ہے۔ اور خدا تعالیٰ اپنی تمام صفات میں قدیم ہے۔ جناب
نبی کریم علیہ التحیۃ والسلام حضرت امام حسن و حسین علیہم السلام کے لئے پڑھا کرتے
أَعِیْنُ کَمَا یُکَلِّمَاتِ اللّٰہُ التَّامَّاتِ یعنی میں تم کو خدا تعالیٰ کے کلمات
تمامہ کی پناہ میں لے جاتا ہوں تو پھر پیغمبر علیہ السلام و آلہ وسلم سے
کیونکہ درست ہو سکتا ہے کہ مخلوق کو مخلوق کی پناہ میں لے جاویں۔ اور اُس
کو کلمات تمامہ فرما دیں یعنی ایسے کلمات جن میں کوئی نقص نہیں۔ اور آفرین
بے نقصان نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت قرآنائے بیا
خیر ذی عروج کی تفسیر میں قرآن کے غیر مخلوق ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے
اور فرمایا یا مَن مَخْلُوقِ الْاَلٰفِیْدِ عِوَجٌ بِسْمِیْ کُفِیْ مَخْلُوقِ کُفِیْ
نہیں۔ پس قرآن غیر مخلوق ہے۔ کیونکہ اُس میں کجی نہیں۔ اور حضرت ابن
عباس نے ایک شخص کو کعبہ کے پاس کہتے سنا یا رَبِّ الْقُرْآنِ فَرَمَا مَدُّ
وَاِنَّ کُلَّ حَرْفٍ لُّوْبٍ مَخْلُوقٍ یعنی خاموش ہو۔ کیونکہ ہر ایک مر بوب مخلوق
ہے۔ اور قرآن غیر مخلوق ہے۔ پس اس کو عربیہ کہنا درست نہیں۔ اور یہ اس
واسطے بیان ہوا کہ عام لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قرآن اول میں قرآن کے
غیر مخلوق ہونے میں کسی کو خلاف نہ تھا۔ اور یہی سبب تھا کہ اس کے
متعلق کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ اور خلاف ہوتا بھی کس طور پر جب ان کے دُبر
حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے تھے۔ قُلْ لِّیْنَ الْجَنَّةِ
الْجَنُّ وَالْاِنْسُ صَلٰی اَنْ یَاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ
بِمِثْلِهِ وَاَنْ یَاْتُوْا بِمِثْلِهِمْ لَیَغْضِبَنَّ ذٰلِکَ سَمِیْعٌۭ بِسْمِیْ کُفِیْ مَخْلُوقِ کُفِیْ
اس امر پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل بنا کر لادیں۔ تو اس کی مثل نہیں

برائے غیر فنیق آدرکلام خدا ہے

لا سکتے۔ اگرچہ باہم ایک دوسرے کے معاون ہوں۔ تو اگر قرآن مخلوق ہوتا تو اس کا مثل لانا ممکن ہوتا۔ اور جب مثل نہ لاسکے تو معلوم ہو گیا کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔ ایک جگہ خدا نے قرآن شریف کو کلام بشر کہنے والوں کی تکوین کی ہے۔ اور فرمایا ہے اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ یعنی کافر کہتے ہیں کہ قرآن قول بشر ہے۔

اصحاب نے بعد سلف کا بھی اس کے غیر مخلوق ہونے پر اتفاق رہا اور انہوں نے بالاتفاق کہہ دیا کہ قرآن کلام خدا ہے۔ غیر مخلوق پڑھا گیا۔ ہماری زبانوں پر لکھا ہوا ہمارے صحفوں میں یاد رکھا گیا۔ ہمارے دلوں میں پڑھا گیا۔ قرآن ہے اور پڑھنا صفت ہے۔ پڑھنے والے کی اسی طرح لکھا ہوا قرآن اور لکھنا صفت ہے لکھنے والے کی۔ اسی طرح یاد رکھا ہوا قرآن ہے۔ اور یاد رکھنا صفت ہے یاد رکھنے والے کی۔

مذہب سلف اور علمائے خلف کا ان مسائل میں اور ان کے مذہب قول سے منحرف ہونا بدعت اور ضلالت ہے۔ وَاللّٰهُ الْعَاصِمُ مِنَ الضَّلٰلَةِ

فصل اکھویں

رویت الہی کے بیان میں

مذہب اہل حق کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رویت بدوں کسی کیفیت کے جائز ہے۔ نفی کیفیت کے باب میں اس سے قبل بیان ہو چکا ہے کہ اُس کی ذات و صفات کیفیت سے میرا ہے۔ رویت کے اعتقاد میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اگر رویت نہ ہوتی۔ تو اہل دل عبادت میں لطف لذت کس طرح اٹھاتے۔ یا اُس جہان کے وعدوں کیونکر ذوق ہوتا۔ بعض اہل قبلہ سے تعجب ہے

کہ اس مسئلہ سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ اس باب میں جو صریح نصوص وارد ہیں۔ اُن سے صاف اس کا اثبات ہوتا ہے۔ اور کوئی عدوت انکار کی نہیں نکلتی اُن کا قاعدہ ہے کہ جو چیزیں اُن کو محسوس نہ ہو سکیں ہوتی ہیں۔ انہیں کو قابل اعتبار اور دیدنی سمجھتے ہیں۔ لیکن جو باتیں اسرار غیبیہ ہیں۔ اور جو امور بصیرت عقل کے ذریعہ محسوس ادراک میں نہیں آ سکتے۔ اُن سے صاف انکار کرتے ہیں اگرچہ خدا اور رسول کے پاک اقوال اُن کے ثبوت میں بصراحت موجود ہوں۔ یہ بے دین غیر محسوس و غیر معقول امور پر یقین کرتے ہوئے اس میں لایعنی شبہات و اہمیت پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شے مرئی یعنی دیدنی ایک جسم مادی ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کو دیکھنا ممکن نہیں۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے اس دعوے پر کیا دلیل ہے تو کہتے ہیں ہم نے تمام دیدنی اشیاء کو اس صفت پر پایا ہے پس جن چیزوں کو ہم نے دیکھا ہے اور اور اُن کو جس کیفیت و صفت میں پایا ہے اسی کے موافق حکم کرتے ہیں۔ اور جن کو ہم نے دیکھا یا پایا نہیں۔ اُس سے انکار کرتے ہیں۔ متکلمین اس کا یوں جواب دیتے ہیں کہ ہم نے رائی یعنی دیکھنے والوں کو بھی ایک جسم ملون پایا ہے تو چاہئے کہ اس حکم کے مطابق ہم کہہ دیں کہ خدا تعالیٰ رائی یعنی دیکھنے والا نہیں ہے۔ حالانکہ خدا کے بنیاد اور رائی ہونے سے کسی مسلمان کو انکار نہیں۔ چنانچہ خود فرماتا ہے۔ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اٰمِلَةَ یَسَّیٰ یعنی کیا ابوجہل بعین کو نہیں معلوم کہ خدا اُس کو دیکھتا ہے اور وہ اُس کے کرتوت سے واقف ہے۔

جب کہین سے اس طرح بحث کی جاتی ہے۔ اس وقت ان کو کوئی حجت نہیں ہوتی۔ اگر بندہ خدا تعالیٰ کا نگران ہو تو اس سے مقابلہ لازم آتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ تم اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ خدا تعالیٰ بندوں کا ناظر ہے۔ تو اس سے مقابلہ لازم آتا ہے۔ پس اس باب میں جو تمہارا جواب ہے وہی ہمارا ہے۔ تو جس طرح اس کا بے مقابلہ ناظر ہونا چاہیے۔ ٹھیک اُسی طرح اُس کا بے مقابلہ منظور ہونا چاہیے۔

پھر کہتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کا مرئی ہونا جائز ہو۔ تو چاہئے کہ اس کا ملون ہونا بھی جائز ہو۔ جواب یہ ہے کہ لمس اور شتم اور ذوق حدوث کا اقتضا کرتے ہیں۔ اس کا اطلاق محدث پر ہی ہو سکتا ہے۔ اور رویت حدوث کا اقتضا نہیں کرتی۔ اس لئے کہ خدا نے رویت کے ساتھ اپنا وصف کیا ہے۔ اور فرمایا لَا تَخَافَا إِنِّي مَعَكُمَا أَسْمَعُ دَارِئِی (جناب محمد اور حضرت ابو بکرؓ سے خطاب ہے) کہ خوف نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہارے معروضات سُنتا اور حالات دیکھتا ہوں اور یہ ایک بین فرق ہے رویت کے اور شتم و ذوق اور لمس کے درمیان۔ پس تمہارا قیاس باطل ہے اور خدا تعالیٰ کی صفات جو کچھ ہم نے معلوم کی ہیں۔ اور نیز جو چیزیں اُس نے اپنی ذات کی طرف اصناف کی ہیں۔ بندوں کو جائز نہیں کہ تغیر و تبدیل کرے۔ ایسا ہی جن صفات کو اپنی ذات کی جانب نسبت نہیں کیا بندوں کو نہیں پہنچتا کہ ان کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف کرے۔ اور صفات غیر مضاف الی ذات الیاری کی نسبت اپنی طرف کرنا بھی روا نہیں۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ خدا قادر ہے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کی ذات مفقود اس کی ہے۔ اور بندوں کو بھی ایسا کہنا جائز نہیں۔ اور جب ہم کہیں کہ خدا عالم ہے اور اس کی ذات اس کی معلوم ہے تو یہ کہنا بھی جائز ہے کہ خدا تعالیٰ معلوم بندگان ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ خدا رائی ہے۔ اور اُس کی ذات مرئی اُس کی ہے۔ تو یہ کہنا بھی درست ہے کہ اس کی ذات مرئی بندگان ہے۔

مرئی کی حقیقت

مرئی کی حقیقت یہ ہے کہ جو چیز موجود ہے یا موجود ہو۔ اس کا دیکھنا بے خلاف واسطے جب کہ خدا رائی میں قوت رویت پیدا کرے۔ اس لئے کہ دیکھنے والا جو کسی چیز کو نہیں دیکھتا۔ اس لئے یہ لازم نہیں آتا کہ مرئی دیکھنے کے قابل نہیں۔ بلکہ اس کا یہ سبب ہے کہ دیکھنے والے میں قوت نہیں پیدا کی گئی جو دیکھ سکے۔ اگر مانع اور حجاب اٹھ جائے۔ تو اس کا دیکھنا ممکن ہے۔ کیونکہ اس صفت رویت اس میں موجود ہے۔

ہم نے اس بحث کو اپنے قاعدے اور سلف کے خلاف طول دے دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو اس کے مطالعے سے مدد ملے ہو جائے کہ مخالفین کے شبہات اُن کے دلوں کی طرح تاریک ہیں۔ انہوں نے کتاب سنت سے روگردانی کی ہے۔ اور ظلمات شبہات میں ڈالنا اڈول پھرتے ہیں۔ جو شخص ان کی تقلید کرے گا۔ گمراہ ہو جائیگا۔

اس بیان میں ہماری نظر اس جانب تھی کہ کوئی مسلمان ان کی باتوں پر فریفتہ نہ ہو جائے۔ اور سمجھ لے کہ ان کے تمام شبہات اسی طرح پوچ و پھر ہیں۔ ورنہ محمد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ اس باب میں ہمارا مال کتاب سنت ہے۔ نہ معقول و محسوس اور ہمارا خود یہ قول ہے کہ اگر منکر ویت اسلام سے نہ ہو تو اُس سے توحید و نبوت کے متعلق باتیں کرنا چاہئے۔ نہ رویت کے متعلق۔ اور اگر اہل قبلہ سے ہے تو قرآن حدیث درست اُس پر کافی حجت ہے۔ جس نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا پیغمبر یقین کیا اور جو کچھ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اُس کو پہنچا۔ اس پر ایمان لے آیا۔ وہ تمام ایسی باتوں پر ایمان لے آئے گا جن کی تصدیق قرآن حدیث درست کے ذریعہ ہو چکی ہے۔ اگر عقل جزئی اس کی دریافت کیفیت سے عاجز ہو۔ اور جو شخص ایسا نہ ہو۔ اس کا ایمان لغیب درست نہیں۔ وہ اپنے ہوائے نفس کا پیرو ہے۔ نہ تابع حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

اب ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ وَجُودُ ۙ یَوْمَئِذٍ نَّأْظُرُ ۙ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرٌ ۙ یعنی آخرت میں بہت سے مشاہدہ اور اپنے رب کی طرف نگراں ہونگے۔ لغت عرب میں اس آیت کے یہی معنی ہیں۔ نظر کے معنی اعتبار کے بھی ہوتے ہیں۔ مگر یہاں یہ معنی جائز نہیں کیونکہ وہ جہاں سداً اعتبار نہیں ہے۔ نظر کے معنی سمجھی بخشائش و مہربانی کے ہوتے ہیں۔ یہ معنی بھی بندہ سے خدا پر روا نہیں۔ کیونکہ بندہ پر خدا کی بخشائش و مہربانی ہوتی ہے۔ نہ خدا پر بندہ کی۔ ایک معنی نظر کے انتظار کے بھی ہوتے

لیکن جب اُس کے ساتھ الی ہے تو انتظار کے معنی ٹھیک نہیں۔ اور یوں بھی انتظار کے معنی کوئی فائدہ نہیں دیتے۔ کیونکہ انتظار مفتضیٰ ہے رنج و ناخوشی کو اور یہ آیت سبیل بشارت نازل ہوئی ہے۔ اور یہاں شادی عیش اور تازگی کا بیان ہے۔ جو بہشت میں اہل بہشت کو میسر آئیگی۔ وہ سرائی انتظار نہیں ہے۔

جب ہر سہ وجوہ مذکور سے کوئی وجہ یہاں درست نہیں تو ثابت ہوا کہ یہاں نظر بمعنی رویت کے ہے۔ مخالفین جب اس سے عاجز ہوتے ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ الی کے بعد لفظ ثواب مقدر ہے۔ یعنی الی ثواب، دیتہاناظرہ ہے۔ مطلب یہ کہ اہل بہشت خدا کے ثواب کی جانب مگراں ہونگے۔ ان کی یہ تاویل بھی فاسد ہے۔ کیونکہ اگر یہ جائز ہو کہ جس چیز کی اضافت خدا کی جانب ہے۔ اس کی اضافت دوسری جانب درست ہو تو یکبارگی ظاہر قرآن سے اعتبار اٹھ جائے گا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ ظاہر نصوص جن کی اضافت خدا کی طرف ہے۔ اُن کی اضافت دوسروں کی جانب کی جائے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرمانا ہے۔ قیامت کے روز کافر اپنے روزی سبیاں اور پروردہ خدا سے محبوب ہونگے۔ اس کے معنی اس طرح کرنا درست نہیں کہ وہ خدا کی معرفت سے محبوب ہونگے۔ یعنی اس کو نہ پہچانیگے پس محبوب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ کافر خدا کے دیدار سے محروم رہیں گے۔ جس طرح دنیا میں اس کی معرفت سے محبوب تھے۔ اسی طرح آخرت میں اُن کے لقا سے محبوب رہیں گے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ صلوٰۃ اللہ علیہ نے خدا سے عرض کیا۔ اَرِنِی اَنْظُرَ الْبَلَدَ الْهٰی مَجْہُ پر جلوہ فرما کہ میں تجھ کو دیکھوں۔ اور انبیاء واجب العصمتہ ہیں۔ اگر اُمرت سے احکام عبادت میں خطا واقع ہوتی ہے تو پسند نہیں کرتے۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ معرفت الہی میں ان سے خطا سرزد ہو۔ اور جس بات کو وہ اُمرت کے لئے ناجائز سمجھیں۔ خود اُس کے مرتکب ہوں۔ اگر یہ بات انبیاء پر خطا ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام رویت کی درخواست

ارنی انظر البلد کی تفسیر

کبھی نہ کرتے۔ اور مخالفین جو کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی زبان سے یہ سوال کیا۔ تو یہ محض عناد ہے۔ ظاہر نص اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لئے درخواست کی۔ پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ اگر بقول تمہارے حضرت موسیٰ علیہ السلام رویت الہی کو ناممکن خیال کرتے تو قوم کو اس لایعنی سوال سے منع فرماتے اور کہہ دیتے کہ خدا کی رویت ممکن نہیں۔ تم اس قسم کا سوال کرتے ہو۔ کیونکہ خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس لئے مبعوث کیا تھا کہ وہ لوگوں کو ذات و صفات خدا کا شناسا کر دیں۔

لیکن خدا تعالیٰ نے جو کتاب یا لن تروا فی کہ اے موسیٰ تم مجھ کو نہ دیکھ سکو گے گو سراہ اس کی ظاہر ہے کہ دنیا میں اس کا دیدار محال ہے۔ اس لئے کہ اگر مطلق ہوتا تو موسیٰ سوال نہ کرتے اور موسیٰ علیہ السلام کا اعتقاد کہ رویت الہی ممکن ہے۔ باطل ہوتا۔ اور یہ جائز نہیں۔ لیکن وہ آیت جس سے مخالفین شک کرتے ہیں اور کہتے ہیں لا حد رک۔ الا بصار و هو یدرک الابصار کہ انسانی بصارتیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ بصارتوں کا ادراک کرتا ہے۔ یہ آیت لقی رویت پر دال ہے۔

جواب یہ ہے کہ ابصار کے دو معنی لئے جاسکتے ہیں۔ ایک معنی تعقل جسے لادلی ابصار ای لانا دی العقول تو معنی یہ ہوئے کہ عقلیں اس کی کثرت ذات و صفات کو نہیں پہنچتیں۔ اور وہ عقلوں کی کثرت کو پہنچتا ہے۔ جو شخص اس آیت کے سیاق و سباق اور سابق و لاحق پر نظر کرے گا۔ وہ فوراً سمجھ لے گا کہ اس کے یہی معنی ہیں۔ اور یہی وجہ بہتر ہیں۔ ابصار کے دوسرے معنی دیکھنے کے ہوتے ہیں۔ اور ادراک کے معنی کسی چیز کی غایت پر پہنچنا یا کسی چیز کو پانا ہے۔ پھر جب مانع ہوتا ہے تو کہا کرتے ہیں ادراک البصری یعنی یہ لڑکا غایت کو دیکھ کر پہنچ گیا۔ یا اس نے کو دیکھ کر غایت کو پالیا۔ ایسا ہی اس وقت کہتے ہیں جب مبعود یا ذراعت پختہ ہو جاتی ہے۔ اور نیز جب کوئی شخص حس یا عقل کے ذریعہ کسی چیز کی حقیقت کو تمام و کمال معلوم کر لیتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس نے فلاں چیز کا ادراک کر لیا۔ اور رویت معنی

دنیا میں رویت الہی ناممکن ہے

ابصار ادراک کے معنی

دیکھنے کے ہیں۔ نہ ادراک کے اور ذاتِ خدا اس سے منزہ ہے کہ اُس کی غایت ہو یا بصارتیں اُس کی حقیقت معلوم کر سکیں ۛ

اور اگر ادراک کے معنی رویت کے بھی لئے جائیں تو اس معنی پر حمل کرنا چاہئے کہ دنیا میں بصارت اس کو نہیں دیکھ سکتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آنکھ کو یہ قوت نہیں دی ہے۔ یہ معنی جو ہم نے کئے ہیں اس سے اس آیت اور دُجُوْلًا یَوْمَ مَیْثِنَ الخ والی آیت میں جمع اور مطابقت ہو جاتی ہے۔ اور آیات باہم مخالف نہیں ہوتیں۔ اگر کہا جائے کہ خود ایسی آیت کی ایسی ہی تاویل کیوں نہیں کرتے تاکہ موافق اُس کے ہو جائے۔ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہم بیان کر چکے ہیں دُجُوْلًا یَوْمَ مَیْثِنَ والی آیت کی تاویل تمہارے قول کے موافق نہیں ہو سکتی۔ اور جب ایسی دو آیتیں جمع ہوں تو اس کی تاویل ظاہر نص کے مطابق ہی کرنا چاہئے۔ اگر قرآن میں رویت پر دلالت کرنے والی آیت نہ ہوتی جب بھی کلام لا بصار کے معنی وہی کو نادرست تھا جو ہم نے بیان کئے۔ اس رویت کے اثبات میں اکثر احادیث وارد ہیں جن کو صحابہ رضوان اللہ علیہم کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے۔ اس باب میں سترہ اصحاب کی روایت سے میں نے احادیث پائی ہیں۔ چنانچہ اُن کے اسماء یہ ہیں۔ صہیب بن سنان۔ حذیفہ بن الیمان۔ عبد اللہ بن عمر۔ عبد اللہ بن عباس۔ ابو موسیٰ الاشعری۔ ابو ہریرۃ الاسلمی۔ ابو ہریرہ الاوسطی۔ زید بن ثابت الانصاری۔ ابو زبیر بن عقیل۔ ابوامامۃ الباہلی۔ انس بن مالک۔ جابر بن عبد اللہ انصاری۔ ابوسعید الخدری۔ عد بن حاتم الطائی۔ جریر بن عبد اللہ الجبلی۔ حدی ابن الطاء۔ اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اور قرن اول کا اجماع اس پر منعقد ہو گیا ہے کہ آخرت میں رویت باری تعالیٰ عامۃ مومنین کے لئے جائز ہے۔ اور جو ب قول پر انہیں کے اجماع کو اعتبار ہے۔ پھر جس جگہ کتاب سنت اور اجماع امت پایا جائے۔ تو وہاں کسی مسلمان کو شبہ نہیں ہوتا ۛ

اب دنیا میں رویت باری تعالیٰ کا بیان سنئے کہ علمائے کرام کا اس میں

خلاف نہیں کہ خدا کا دیکھنا دنیا میں نہ ہوگا۔ اس کی مؤید حدیث ابو امامتہ الباہلی ہے۔ وہ حدیث دجال میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ دجال کہتا ہے میں تمہارا پروردگار ہوں حالانکہ خدا کو کوئی زندگی دنیا میں نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں مگر بعد اس کا دیکھنا ممکن ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں انہ لن یرى احدکم ربہ حتی یوت اذ یعول ہے۔ یہ مسئلہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتی ہیں المسکت قبل لقاء اللہ یعنی موت دیدار خدا کے قبل واقع ہوتی ہے۔ یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ مسلم نے ان کو اپنے جامع صحیح میں نقل کیا ہے۔

اور اس میں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کی رات میں خدا کو دیکھا یا نہیں۔ علماء کا اختلاف ہے حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں یہ مرتبہ دل سے دیکھا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر تشہید کرتی ہیں۔ اور سناتی ہیں کہ جو شخص شب معراج میں حضرت رسول خدا کے باری تعالیٰ کو دیکھنے کا قائل ہے۔ وہ خدا پر جھوٹ باندھتا ہے۔ غرض شب معراج کی روایت کے باب میں کوئی نقل قابل اعتماد ثابت نہیں ہر شخص اپنی فہم اور معلومات کے مطابق کہتا ہے۔ جو کتاب حدیث سے انہوں نے سمجھا ہے۔

اثبات رویت کے قائل بھی اس وجہ سے رویت کو ثابت کرتے ہیں کہ وہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خاص ہے۔ اور کہتے ہیں کہ آنحضرت کے سوا دوسرے کا رتبہ نہیں ہے۔ اور آپ نے بھی دیکھا ہے۔ تو وار القاء میں نہیں دیکھا بلکہ سدة المنتهی پر پہنچے تھے۔ اور بہشت میں گئے گئے تھے۔ وہاں ان کو دیدار الہی ہوا ہے۔ پھر جو لوگ رویت کی نفی کرتے ہیں تو ان کی غرض اس سے نفی فضیلت آنحضرت نہیں ہے۔ بلکہ ان کا انکار صرف اس وجہ سے ہے کہ اس باب میں کوئی نقل قابل اعتماد ان تک نہیں پہنچی۔ اور اس میں بے یقین غیر معتبر بات کہنا درست نہیں سمجھتے۔

کیا معراج کی رات میں آنحضرت نے خدا کو دیکھا

وَلِكُلٍّ وَجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ۖ

میرا حجاب خاطر اس مسئلہ میں اثبات کی طرف ہے۔ اس لئے کہ جب دو صحابہ سے اثبات و نفی پائی جائے تو نفی پر اثبات مقدم ہوتا ہے۔ ہاں منکر روایت کی تفصیل ہمیں پسند نہیں کہ اس سے صحابی کی تفصیل لازم آتی ہے۔ جو بالکل غیر جائز ہے۔ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔ اگر نفی روایت کا قائل اس وجہ سے انکار کرتا ہے کہ روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں بھی ممکن نہیں۔ جیسے معتزلہ کا خیال ہے تو ہم اس کو باطل جانتے ہیں۔ ہم نے اکثر مقامات میں بہت سے مسلمانوں کو اس مسئلہ میں اس قدر غلو کرتے ہوئے دیکھا کہ وہ منکر روایت کو کافر کہتے ہیں۔ یہ بلائے عظیم ہے کہ جس مسئلہ میں صحابہؓ نے توقف کیا یہ نادان اس میں ہلکے و گزاف سخن کرتے اور پڑھاتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ منکرین اور مثبتین میں سے کسی پر طعن کرنا درست نہیں۔ کیونکہ دونوں صحابی کی اقتدا کرتے ہیں۔ اس باب میں توقف اولیٰ ہے ہرگز غلو نہ کرنا چاہئے۔ ہاں یہ اعتقاد رکھنا نزدیک بہ احتیاط ہے کہ آنحضرتؐ کا تخصیص یہ مرتبہ ہوگا۔ غیر رسول کے حق میں کبھی اس کا قائل نہ ہونا چاہئے۔ ابو امامہ باہلی اور حضرت عائشہؓ دونوں کی احادیث درست ہیں۔

ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت محمدؐ علیہ السلام کو باوجود ان کے ایسے بڑے مرتبہ کے دیدار سے ممانعت ہوئی۔ تو سوا آنحضرتؐ کے دوسرے کے حق میں کب وہاں ہو سکتا ہے اور ہر زمانہ کے لئے علما کا اجماع ہے کہ جو شخص اپنے یا کسی دوسرے کے لئے یہ دعویٰ کرے کہ وہ دنیا میں اپنی ان آنکھوں سے خدا کو دیکھتا ہے۔ ہر گز گمراہ اور مبتدع ہے۔ اس قسم کا دعویٰ کرنا دو حال سے خالی نہیں یا تو شیطان نے اس کی صورت کج اور خیال باطل دکھلایا ہے کہ اس نے حسن الظن اور جھل باصول دین کے سبب اپنے حق میں اس کو قبول کیا ہے۔ اور گمراہ ہو گیا ہے یا وہ جھوٹا کذاب ہے کہ خدا پر افترا باندھتا ہے۔ خابوا وخسرنا اللہ من المبدع والضلّ والامثله الموفق لا اتباع الحق ۖ

اس مسئلہ میں اکثر مسلمانوں کا غلو ٹھیک نہیں

نویں فصل

قضا و قدر پر ایمان لانے اور آتش و شیت کے نہیں

اہل حق کا مذہب ہے کہ جو کچھ بندے کرتے اور ان پر گزرتا ہے۔ خواہ نیک ہو یا بد، سود ہو یا زیان، کفر ہو یا ایمان، طاعت ہو یا عصیان، حرکت ہو یا سکنت، حتیٰ کہ سانس جو اندر جاتا اور باہر آتا ہے۔ یہ سب خدا کی تدبیر و تقدیر سے ہے۔ اور وہی اُس کا خالق ہے۔ اس کے سوا دوسرا خالق ہونا ممکن نہیں کہ اس صورت میں شرک لازم آتا ہے۔ اور خدا کی ذات اس سے منزہ ہے کہ اس کی خالقیت میں کوئی اُس کا شریک ہو یا وہ اکیلا کرنے سے عاجز ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ اَمْ جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ اس آیت کے قبل خدا تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا ہے کہ مشرکین سے کہدو کہ زمین و آسمانوں کا پیدا کرنے والا کون ہے۔ اس آیت میں اشارہ ہوتا ہے کہ جو لوگ زمین و آسمان میں بستے ہیں۔ وہ زمین و آسمان کے خالق کیونکر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ زمین و آسمان کا وجود ان کے وجود سے پہلے تھا۔ زمین و آسمان کی پیدائش اور اُس میں آسمان صانع الہی اور ان کے حالات میں اختلافات یہ سب ان کی مخلوق کی دلیل ہیں پھر ان کا خالق کون ہے قُلِ اللّٰهُ لے رسول کہدو کہ ان کا خالق خدا ہے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ جب زمین و آسمان کا خالق خدا ہے واحد و قہار ہے۔ تو جو چیزیں ان میں ہیں۔ ان کا خالق بھی بالضرور خدا ہی ہے۔ تم نے اس کے سوا معاون اور خداوند اختیار کئے ہیں۔ جن کو اپنے سود و زیان پر اختیار نہیں۔ لے رسول کہدو کیا نور و ظلمت مینا و نایبنا برابر ہوتے ہیں۔ یعنی تم نے اپنے اندھے پن سے راہ ضلالت اختیار کی ہے

خیر خدائی تقدیر سے ہے

یہ نہیں سمجھتے کہ نور و ظلمت باہم یکساں نہیں ہوتے۔ ہم نے اپنے خالق کو پہچان لیا ہے۔ اور راہ تاریک کو چھوڑ کر نور یقین کو حاصل کر لیا ہے۔ اور اس میں دوسرا اشارہ ہے کہ ہماری خود بھی یہ غرض ہے کہ باوجود تمام چیزیں آفریدہ ہیں۔ تاہم وہ یکساں نہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ یکساں ہیں تو لوگ اس کو ناداں و بے خرد کہیں گے۔ پھر یہ کیونکہ جائز رکھتے ہو کہ آفریدہ کو ساتھ آفریدہ گار کے برابر کرتے ہو یا خدا کے ساتھ کسی کے شریک کا حکم کس طرح کرتے ہو۔ اور کہتے ہو کہ آفریدہ ملتے خالق اور آفریدہ ملتے خالق برابر ہیں پس ان پر یہ امر پوشیدہ ہے کہ خدا کے اور خلق کے آفریدہ میں فرق کریں اور اشارہ ہے اس طرف کہ عبادت و شرکت اس حالت میں جائز تھی جب آفرینش میں کوئی خدا کا شریک ہوتا۔ پس اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دو کہ تمام چیزوں کا خالق خدائے واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور شرکت سے تعدد لازم آتا ہے۔ یعنی کہتے ہیں دو شریک ہیں۔ اس وقت معنی وحدانیت کے بطل ہو جاتے ہیں۔ پس وہ اپنی بگائگی میں اس صفتِ ند سے متعالی ہے وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ اور وہ قہار ہے تدبیر خلق میں جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور جب مخلوقات پر ایسی دشواریاں واقع ہوتی ہیں جس میں وہ عاجز ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بیماری تنگی۔ درویشی۔ اندوہ اور مرگ وغیرہ تو کسی سے اُن کا دفع کرنا ممکن نہیں۔ اور اگر وہ نہ چاہے تو کوئی اُس کی تدبیر و تقدیر کو رفع نہیں کر سکتا۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ وہ قہار ہے کہ اس کا قہر سب پر ہے کوئی بھی اس کے قہر کو رفع نہیں کر سکتا۔ لیکن جب سچا خیال ہو کہ بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے۔ تو اس صورت میں وہ قہار ہوگا نہ مقہور اور وہ خالقیت میں خدا کا شریک سمجھا جائے گا تعالیٰ اللہ صَاحِبُ الْاَلْاَلِ اللّٰہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ هَلْ مِنْ خَالِقٍ خَيْرٌ اَللّٰہ یعنی خدا کے سوائے کیا کوئی دوسرا بھی خالق ہے اور فرماتا ہے اَللّٰہُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ اللّٰہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ اور اس کی خالقیت کے کوئی خارج نہیں کیونکہ کل شئی ایسا لفظ ہے جو تمام چیزوں کو شامل ہے

اس کو بعض چیزوں کے لئے خاص نہیں کر سکتے۔ خاص کرنے کے لئے کوئی دلیل ہوتی ہے۔ اور یہاں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ پھر جب سب چیزوں کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے۔ تو سب چیزیں اس کی ارادت کے ماتحت ہیں۔ اس لئے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ کسی ایسی چیز کو پیدا کرے جو اس کے ارادہ و اختیار میں نہ ہو کہ یہ ایک قسم کا عجز ہے۔ اور خدا اس سے منزہ ہے۔

اس مسئلہ پر قرآن و حدیث کے اتنے دلائل موجود ہیں۔ جن کا شمار مشکل ہے۔ قرآن شریف کی تو یہ آیت کافی ہے۔ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ۔ یعنی تم کسی چیز کو نہیں چاہتے ہو مگر تمہاری خواست کے پہلے وہ چیز مشیتِ ایزدی میں موجود ہوتی ہے۔ اور یہ آیت وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا اگر تیرا پروردگار چاہے تو زمین میں جتنے ہیں سب کے سب ایمان لے آئیں۔ قدر یہ اس آیت کی یہ تاویل

۱۔ قدر یہ چونکہ انسان کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں۔ لہذا انہوں نے اس آیت کی اس طرح تاویل کی کہ اگر خدا کی مشیت انسان کو ایمان لانے پر مجبور کرے گی۔ تو ایمان ضروری ہوگا۔ حالانکہ ایسا ایمان لانا مقبول نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ انسان اپنے اختیار سے ایمان لانا اور اپنے اختیار سے ہی کفر کرنا ہے۔ اُن کی اس تاویل سے انسان کا فاعل یا اختیار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اہل حق بھی انسان کو فاعل یا اختیار مانتے ہیں۔ مگر قدر یہ کی طرح نہیں۔ کہ انسان کفر و ایمان میں مشیتِ الہی کو کوئی دخل ہی نہ ہو۔ بلکہ اہل حق کا مذہب ہے کہ انسان مشیتِ ایزدی کے ماتحت کسبِ خیر و شر کرتا ہے۔ وہ اس اختیار سے کہ اُس نے برائی بھلائی کو کسب کیا فاعل یا اختیار ہے۔ اور اس اختیار سے کہ انسان سے جو کچھ برائی بھلائی ہوتی ہے۔ وہ مشیتِ الہی کے ماتحت اور اس کے موافق ہوتی ہے۔ انسان مجبور ہے تو گویا وہ ایک طرح سے مختار اور دوسری طرح سے مجبور ہوا اور اسی جبر و اختیار کے درمیان انسان کا ایمان ہے۔ مشیت اور چیز ہے۔ اور مرضی دوسری چیز نیکی و بدی کا ظہور مشیتِ الہی سے متعلق ہے۔ لیکن نیکی سے وہ خوش ہوتا ہے۔ اور یہ فعل اس کی مرضی کے موافق ہے۔ اور بدی سے ناخوش ہوتا ہے۔ لیکن یہ فعل اس کی مشیت سے خارج نہیں کہ اس صورت میں انسان خود ایک علیحدہ ایسی ذات بھی جاسکتی جو خدا کی حکومت سے کوئی تعلق نہ رکھتی ہو۔ اور یہ ممکن نہیں کہ مخلوق خالق ہو جائے۔ خود اس آیت و لو شاء ربك لآمن من في الارض كلهم جمعاً اگر تیرا پروردگار چاہے تو زمین میں جتنے ہیں سب کے سب ایمان لے آئیں۔ قدر یہ اس آیت کی یہ تاویل

قرآن و حدیث

(یعنی ذاتِ حق)

کرتے ہیں کہ اگر خدا کی مشیت ان کو ایمان لانے پر مضطرب کرتی تو ان کا ایمان اضطراری ہوتا۔ اور یہ تاویل فاسد ہے کیونکہ ایمان اضطراری کو ایمان نہیں کہا جاتا۔ ایمان وہی ہے جو اختیار سے ہو۔

تیسری یہ آیت وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا قَتَلُوا يَعْنِي خُذًا چاہتا تو قتال نہ کرتے۔ چوتھی یہ آیت وَلَوْ شِئْنَا لَا بَتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًى رَبَّنَا اگر ہم چاہیں تو ہر ایک نفس کو ہدایت کر ڈالیں۔ پانچویں یہ آیت إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ بہ تحقیق تو ہدایت نہیں کر سکتا جس کو دوست رکھتا ہے۔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ چھٹی یہ آیت ثُمَّ يَرْجِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ اللہ جس کو ہدایت کرنا چاہتا ہے اُس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

اور یہ آیت وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَى اور اگر خدا چاہے تو ان سب کو ہدایت پر جمع کرے۔ اور یہ آیت وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ وَمَنْ يَضِلَّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ اور خدا جس کو ہدایت کرے۔ اس کو کوئی گمراہ نہیں کرتا۔ اور خدا جس کو گمراہ کرے۔ اس کو کوئی ہدایت نہیں کرتا۔ اور یہ آیت وَإِنْ تُصِيبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَإِنْ تُصِيبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ لَكَ يَعْنِي اِذَا رَأَوْا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ أَوْ عَذَابًا مِنْ رَبِّكَ أَوْ نَصْرًا مِنْ رَبِّكَ تو کہتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے۔ اور اگر ان کو رنج و ہزیمت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں یہ تیری طرف سے ہے۔ قُلْ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَ اللَّهِ بِإِذْنِهِ مُحَمَّدٌ كَذَبٌ سَبَّ اللہ کی طرف سے ہے یعنی سب کا خالق وہی ہے۔ اور سب خدا کی تدبیر و تقدیر سے ہے۔

ابقیہ حاشیہ صفحہ ۹۵: فضل کا مختار ہونا جو دخل اس سے سمجھا گیا یعنی اگر مشیت الہی میں ہوتا۔ تو زمین کے تمام رہنے والے ایمان لے آتے۔ لیکن اس کی مشیت نے ایسا نہ چاہا۔ بلکہ لوگوں کا ایمان لانا ان کے اختیار پر رکھا۔ جو ان کو خدا کی طرف سے حاصل ہے ۱۲ منہ

تذکرہ کائنات

قدر یہ اس کے بعد کی ایک دوسری آیت پیش کر کے کہتے ہیں کہ
 شر خدا کی تقدیر سے نہیں ہے۔ وہ آیت یہ ہے کہ اے بندہ اگر کوئی خوشی
 و شادی کی بات تجھے ملے ہو تو اس کو خدا کی طرف سے جان کر اس کے شکر
 میں طب اللسان ہو۔ اور اگر بدی اور رنج کی بات تجھے پہنچے تو اس کو اپنے
 نفس کی خرابی سے جان یعنی تیرے نفس نے جو گناہ کسب کیا ہے اس کے
 سبب تو ان مصیبتوں کا مستوجب ہوا ہے اور یہ بات مثل اس آیت کے
 ہے۔ مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ اٰیٰتِ
 كُنَّا وَاُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اٰیٰتٌ سِوَا الَّذِیْ
 اس طرح کرنا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ کیا کہ راحت و غنیمت
 خدا کی طرف سے اور رنج و ہزیمت بھی خدا کی طرف سے ہے نہ رسول کی نظر
 سے تو معلوم ہوا کہ اس آیت سے وہی مراد ہے۔ جو ہم نے بیان کیا۔ یعنی
 نیکی کو خدا کی طرف سے اور بدی کو یہ لحاظ بندگی اپنی ثنات و ثنات کے سبب
 سمجھتے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے پہلے صحت ایمان کی شرط کو بیان کر دیا
 یعنی یہ کہ خدا کے سوا کسی کو خالق اور مقدر یقین نہ کرے۔ پھر اس امر کو بیان
 کیا کہ برائی کو ثنات و ثنات کے سبب سمجھے کہ یہ بات آداب بندگی سے
 ہے۔

اور یہ جو فرمایا اٰیٰتِ کُنْ لَّهِ اٰیٰتٌ سِوَا الَّذِیْ
 نہ ہر گز شبہ نہ تھا کہ جن کا اعتقاد ہے کہ بندہ کا کچھ اختیار نہیں۔ خدا جو
 کچھ کرتا ہے اپنے قہر و جبر سے بندہ کو اس پر مجبور رکھتا ہے۔ اور یہ مذہب
 بات ہے۔ دوسری آیت میں جو فرمایا کہ بدی کا پہنچنا تمہاری ثنات و ثنات
 سے ہے یہ آداب بندگی سے ہے۔

قدر یہ کے قول سے تعجب ہے کہ باوجودیکہ یہی سبب کہ انسانی
 اختیار کے ماتحت کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان ہی اپنے افعال و نیکی
 بد کا خالق ہے۔ پھر جو تاویل وہ اس آیت کی کرتے ہیں مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ
 فَبِمَا كَسَبَتْ اٰیٰتِ كُنَّا وَاُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اٰیٰتٌ سِوَا الَّذِیْ

فَإِنَّ اللَّهَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ خَالِقُ خَدَاهُ - حالانکہ اُن کا یہ عقیدہ نہیں
پس یہی آیت ہماری طرف سے اُن پر حجت ہے۔ علاوہ اس کے قرآن و تفسیر
میں اس کے متعلق اور بھی دلائل ہیں۔ لیکن بحیال اختصار ہم نے اسی پر
اکتفا کیا۔ اسی طرح اس باب میں احادیث بھی بہت ہیں۔ جن کا گنا نامعتمد
ہے۔ ہم ان میں سے چند حدیثیں نقل کرتے ہیں :-

حدیث جبریلؑ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ جبریلؑ نے جناب نبی کریم علیہ التحیۃ و التسلیم سے سوال کیا ایمان کیا ہے
آپ نے فرمایا کہ خدا پر اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور پیغمبروں پر اور
موت کے بعد جی اٹھنے پر یقین و اعتقاد لانا اور اس بات پر ایمان لانا کہ
کہ خیر و شر خدا کی تقدیر سے ہے حدیث کے لفظ یہ ہیں۔ ان تو من باب
لقدیر خیر و شر و اور قدر نام ہے۔ ان چیزوں کا کہ قادر سے صادر
ہوں۔ اور مقدر کے معنی اندازہ کیا گیا کہ وہ چیز کیا ہے۔ کس طرح ہے
کب ہوگی اور کہاں ہوگی۔ قدر یہ کہتے ہیں کہ قدر تمہارا نام ہے کہ اثبات
قدر کرتے ہو۔ جواب یہ ہے کہ ہم قدر کا اثبات خدا کے حق میں کرتے ہیں۔
اور تم اپنے حق میں کرتے ہو۔ اس سبب ہم نے قدر یہ تمہارا نام کیا ہے۔
آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ قدر یہ اس امر تک کے مجوس ہیں۔ اگر بیمار ہوں تو ان کی
عبادت کو نہ جاؤ۔ اور اگر مر جاؤں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ۔ اور اگر عورت
چاہیں تو ان کے نکاح میں عورت کو نہ دو :-

مجوسیوں کے ساتھ ان کی نسبت اس لئے کی گئی کہ مجوسی دو گروہ ہیں
ایک گروہ کہتا ہے کہ نیکی کا خالق تو ہے۔ اور بدی کا خالق ظلمت
ہے :-

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نیکی کو یزداں پیدا کرتا ہے۔ اور بدی کو
اہرمن یعنی ابلیس ملعون۔ تو اس مناسبت سے ان کا قول مجوس
کے قول کے موافق ہے کیونکہ یہ بھی مثل مجوس کے فہم کا خالق
بندہ کو کہتے ہیں۔ اور جس طرح مجوس خلیفہ کا شریک مانتے ہیں۔ یہ

قدر یہ کی نسبت مجوس کے ساتھ

بھی مانتے ہیں *

جناب علی رضی اللہ عنہ نے بھی جناب رسول خدا ص سے اسی طرح روایت کی ہے کہ قدرِ شرِ خدا کی طرف سے ہے۔ اور ایک شخص نے جناب علی سے دریافت کیا کہ خدا نے معاصی کو چاہا۔ آپ نے فرمایا تو کیا اُس پر قدر کے ساتھ غلبہ کیا گیا۔ اس جواب کا اشارہ اس طرف ہے کہ وہ شخص جس کی سلطانی میں ایسی چیز ہو جس کو وہ نہ چاہے۔ تو یہ عجز ہے۔ اور عجز خدا کا محال ہے *

اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حدیث دعائے وتر میں جناب رسول خدا ص سے روایت کرتے ہیں کہ دُ قِتْنَا شَرَّ مَا فَصَّيْتُ اِس سے ظاہر ہوا کہ شر کی اصنافِ فضائل کی طرف روا ہے۔ اور اس باب میں بہت حدیثیں ہیں۔ بروایت امام ابو نعیم حضرت عائشہ صدیقہ و بروایت ام سلمہؓ اور فقہائے صحابہؓ سے بڑی روایت ہے۔ ابن مسعود۔ ابی بن کعبؓ و عبد اللہ بن عمروؓ و عبد اللہ بن عباسؓ و زید بن ثابتؓ

الح تعجب ہے کہ قدر یہ بھی تو تمام فہمال کا خواہ نیک ہوں یا بد بندہ ہی کو خالق کہتے ہیں۔ اور کسی نیکی کا خالق خدا کو اور بدی کا خالق بندہ کو کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں دونوں قسم کی آیات آئی ہیں۔ ایک قسم کی وہ آیات جو اوپر مذکور ہوئیں جن کا مطلب یہ ہے کہ ہدایت و ضلالت اور نیکی و بدی اور شرک و ایمان اور تمام خیر و شر خدا ہی کی طرف سے ہے۔ دوسری قسم کی وہ آیتیں جن سے آدمی کا با اختیار ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے ان تکفروا انقم و من فی الارض جمیعاً فان اللہ لغنی حمید یعنی اگر تم اور زمین کے سب لوگ خدا کی ناشکری کرو تو خدا کو اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ کیونکہ وہ بے نیاز اور سزا دار حمد و ثناء ہے۔ اور جیسے و نفس و ما سئو منها فالہم ہا بخور ہا و تقوا ہا۔ اور انسان کی اور اس کی ذات کی قسم جس نے اس کو ایسا درست بنایا۔ پھر اُس کی بدکاری و پرہیزگاری دونوں باتیں اس کو سوجھادیں۔ اور جیسے انا ہدینا للسبیل اِما شا کس اِو اِما کفوراً بیشک ہم نے انسان کو دین کا راستہ دکھایا۔ پھر ان میں سے یا تو شکر گزار ہو گیا یعنی مسلمان اور یا ناشکر گزار ہوا۔ یعنی کافر ان دونوں قسم کی آیتوں پر غور کرنے سے در ان کو باہم ملانے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انسان تا عل با اختیار ہے۔ مگر کچھ مجبور بھی ہے۔ کہ انسان اللہ کی مشیت کے ماتحت ہے۔ وہ ارادہ کا اختیار رکھتا ہے۔ لیکن ارادہ کا نافذ کرنا اس کے بس کی بات نہیں ۱۴ منہ اللہم اغفر لکاتبہ و کاتبہ کاتبہ و لوالدیہ ۱۲ منہ

اور فضلاء صحابہؓ سے بروایت حذیفہ بن یمان و عمران بن عبید بن جہم
اور عدول صحابہؓ سے بروایت جابر بن عبد اللہ و ابو ہریرہ و انس بن مالک ابو
سعید خدری و رافع خدیج و حذیفہ اسد و نواس بن سمعان و غیر ایشان عنی اللہ
عنہم جن سے کتب حدیث معمر و راوی بھری ہوئی ہیں۔ غرض کہ ان مسائل سے جن میں
بدعتی فرقوں نے اہل ہدایت کی مخالفت کی ہے کسی ایک مسئلہ کی تائید میں
ایسی واضح اور روشن دلائل اس کثرت سے نہیں جس کثرت سے اس مسئلہ
کے متعلق قرآن و حدیث میں دلائل موجود ہیں۔ یہ لوگ بعض دلائل کوتاہی میں
شبہات اہل بدعت پیدا کرتے ہیں۔

ان کا ایک شبہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں اگر خالق فعال عباد خدا کو مانتا
جائے تو کسب باطل ہوا جاتا ہے اور بند اپنے فعال میں مضطر سمجھا جائیگا۔ پھر منظر
سے جو خطا نہ زد ہو۔ اس پر عقوبت روا نہیں۔ ہم جو اب دیتے ہیں کہ کسب کو
باطل کرنا میری کا مذہب ہے جو کہتے ہیں کہ طاعت و عسایاں جو کچھ کرتے ہیں اس کا
ہمارا کچھ اعتبار نہیں۔ ہم مثل دروازہ کے ہیں کہ اگر بند کر دیا جائے تو بند
ہو جاتا اور اگر کھول دیا جائے تو کھل جاتا ہے۔ ان کا یہ دعویٰ بایہ جہل و عناد ہے
اللہ تعالیٰ نے دین کے باب میں بندوں کو بعض چیزوں کا حکم سنایا۔ اور
بعض سے منع کیا ہے۔ پھر جس کو کوئی اختیار نہیں۔ اس کو بعض کا حکم اور
بعض سے منع نہیں ایک امر لغو ہے۔ اور خدا تعالیٰ لغو سے منزہ ہے۔ اور مابین حرکت
اختیاری اور حرکت اضطراری کے فرق ظاہر ہے۔ وہ شخص جس کو تپ لڑہ ہو یا عیش
ریشہ اس کی حرکت اضطراری ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ جو نہیں چاہتا۔ وہ ہوتا ہے۔ اور بے خدا
آفریدہ خدا ہے پس وہ حرکت اختیاری بھی آفریدہ خدا ہے۔ اس اسطر کہ اضطراری و
اختیاری دونوں ایسی حرکتیں ہیں جن کو خدا نے جسم محدث میں پیدا کیا ہے۔ فرق یہ ہے
کہ حرکت کو پیدا کر کے اسے اختیار دے دیا کہ چاہے رکے۔ چاہے جاری رکھے۔ اور دوسری
حرکت کو پیدا کر کے اسے اختیار کر دیا ہے یعنی وہ اگر روکنا چاہے تو رک نہیں سکتی۔

قد یہ کہتے ہیں کہ ایسا کہنا درست نہیں کہ بندوں کے افعال کا خالق
خدا ہے۔ اور کا سب بندہ کیونکہ ایک فعل کی مخالفت دونوں افعال کی طرف دہن نہیں

قد یہ کہتے ہیں کہ ایسا کہنا درست نہیں کہ بندوں کے افعال کا خالق خدا ہے۔ اور کا سب بندہ کیونکہ ایک فعل کی مخالفت دونوں افعال کی طرف دہن نہیں

ہم کہتے ہیں کہ ایک چیز کی اصناف و وفاعل کی طرف دو مختلف معنوں میں روا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کبھی متوفی کی اصناف اپنی جانب کرتا ہے۔ اس لحاظ سے کہ موت و حیات کا خالق وہی ہے۔ اور فرشتوں کی طرف بھی کرتا ہے اس واسطے کہ وہ قابض ارواح خلایق ہیں۔ اور اس لحاظ سے خدا کی جانب اور بندوں کی جانب افعال کے خالق ہونے کی اصناف کرنا درست ہے اسی طرح ہم فہمال عباد کی نسبت خالق کی طرف بھی کرتے ہیں۔ اور بندوں کی طرف بھی کہ وہی اس کے کاسب ہیں۔

اور ہم جو کہتے ہیں کہ ہر چیز اس کی قضا و قدر سے ہے۔ ہمارا یہ قول برحق اگر اہ وجہ نہیں ہے۔ بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے پیدا کرنے سے پہلے جان لیا تھا کہ وہ کیا کریں گے۔ پس اُس نے اپنے علم کے موافق اُن کے فہمال کا حکم کیا۔ پھر جب پیدا ہو گئے تو بندوں کو یہ اختیار نہیں کہ اُس کے علم و حکم کے خلاف کریں۔

قرآن شریف میں قضا کے تین معنی ہیں۔ اول بمعنی امر چنانچہ وَ قَضٰی ذٰلِكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ یعنی خدا نے امر کیا ہے کہ اُس کے سوا دوسرے کی پرستش نہ کرو۔ دوم بمعنی خلق چنانچہ وَ قَضٰی مِّنْ سَبْعَةِ مَمْلُوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ یعنی سات آسمانوں کو دو روز میں پیدا کیا۔ سوم بمعنی آگاہ کرنا۔ اور ڈرانا۔ چنانچہ وَ قَضٰیۤنَاۤ اِلَیْۤیْهِۤ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْکِتَابِ ط یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو آگاہ کر دیا۔ جو کچھ ان پر عذاب ہو گا۔ اور جو کچھ ان سے فساد ظاہر ہو گا۔ لہذا ان تینوں معنوں کے لحاظ سے طاعت خدا تعالیٰ کی قضا سے ہے۔ طاعت اسی کی آفریدہ ہے۔ اسی کا حکم ہے۔ اور اُسی کا اعلام ہے۔

اور معاصی میں قضا خدا تعالیٰ اس کا امر نہیں ہے۔ اُن عصیاں اُس کی آفریدہ اور اس کی تقدیر و علم سے ہے۔ رضا خدا تعالیٰ کی اُس کے امر سے متعلق ہے۔ اور ارادت اُس کے خلق و پیدائش سے تعلق رکھتی ہے یعنی اس نے جو کچھ فرمایا ہے یہ اس کی رضا سے ہے۔ اور جو کچھ پیدا کیا۔ اور لکھ

دیا کہ ایسا ہو گا۔ یہ اس کی ارادت سے ہے۔ یہی فرق ہے درمیان صنّا و ارادت کے۔ پس ہم معاصی کو اس کی ارادت سے کہتے ہیں نہ اس وجہ سے کہ بندہ پر جبر کرے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ بندہ اُس میں اختیار رکھتا ہے اور افعال کے پیدا کرنے پر اس کو بندہ کے اختیار پر چھوڑ دینے میں اُس کی حکمت سے جس کو عقل نہیں دریافت کر سکتی۔

مشیت کے بھی دو معنی ہیں ایک مشیت محبت جو طاعت و ایمان میں ہوتی ہے۔ دوسری مشیت غیر محبت جو کفر و عصیاں میں ہوتی ہے۔

اور قدر یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو بندوں کے افعال سے آگاہی ہے کہ وہ کیا کرے گا۔ اور وہ جو کچھ کرے گا۔ وہ اُس کے ارادہ و مشیت سے ہے تو کسی ایسے کام کی نسبت جس کا کرنا اُس کی مشیت میں ہے۔ نہی فرمانا کیونکر ہو سکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس نہی میں خدا کی حکمت ہے۔ اور ایک حجت اُن کے طریق پر یہ ہے کہ سب کے نزدیک ابلیس خدا کی مخلوق ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ تمام پرائیوں اور شرکی اصل ابلیس ہے۔ پھر جو شجرہ عم کو شر کے پیدا کرنے میں بیٹھے ہی شریر ابلیس کے پیدا کرنے میں ہے۔ اور ہم کہتے ہیں اس بات کو تم بھی تسلیم کرتے ہو کہ ابلیس کے پیدا کرنے کے پہلے خدا کو علم تھا کہ اس سے کیسے افسال صادر ہونگے۔ پھر جب اس کو پیدا کیا تو خدا قادر تھا اس پر کہ اُس کو نافرمانی سے باز رکھے۔ ہماری طرح تم بھی اس کے قائل ہو۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو ابلیس کے پیدا کرنے سے خرابیاں واقع ہونے اور اُس سے نافرمانی صادر ہونے کا علم تھا۔ تو ابلیس کو کیوں پیدا کیا۔ اور اگر پیدا کیا تو اُس کو نافرمانی کرنے میں آزاد کیوں چھوڑ دیا۔ اس سے صاف روشن ہے کہ شر خدا کی تقدیر سے ہے۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ

یہ فرقہ اس سبب غلطی میں پڑا ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ کے کام کا قیاس اپنے کاموں پر کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے صفات کی تشبیہ اپنی صفات میں کرتا ہے

قدریہ کے ایک اور شبہ کی تردید

قدیر کی عطا میں ہیں

اور گمان کرتا ہے کہ جس بات کی تہ کو اُن کی عقل نہیں پہنچ سکتی۔ وہ مستحیل ہے۔ یہ اس فرقہ کی بہت بڑی غلطی ہے۔ معلوم رہے کہ وحی و منبر الہی نے جس بات سے خبر دی۔ قرن اول نے اسے بیان کر دیا۔ اور جس بات میں بیان کی حاجت ہوئی۔ اس کو بیان بھی کر دیا۔ پس ہمیں اس کی متابعت لازم ہے۔ اگر اُس میں ایسا سر ہو۔ جس کی دریافت ہماری عقل سے بالاتر ہے۔ تو ہمیں چاہئے کہ اس راز کو اپنے عجز کے حوالہ کریں۔ یعنی یہ سمجھیں کہ ہماری عقل اس کی دریافت سے عاجز ہے۔ اور جس جگہ شرع نے توقف کیا ہے۔ وہاں توقف کریں۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ہم سب اپنی عقل سے سمجھنا چاہتے ہیں۔ اور اتنا نہیں سمجھتے کہ بہت سے ایسے اسرار غیب ہیں۔ جن کی حکمت معلوم کرنے سے ہماری عقل عاجز ہے۔ پھر اس پر یہ اعتقاد رکھیں کہ بندہ ہی اپنے افعال کا خالق ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ صنائع الہی جس طریق پر قائم اور موصوع ہیں۔ اگر تمام دنیا ل کر چاہے کہ اس میں کچھ تغیر و تبدل کر سکے۔ تو ممکن نہیں حتیٰ کہ حرف میم کو جس کا تلفظ بدو واصل شفتین کے ممکن نہیں۔ اگر چاہیں کہ میم کے تلفظ میں دونوں لب نہ ملائیں۔ اندر اُس کا صحیح تلفظ کر سکیں۔ تو محال ہے۔ اور جس طرح میم کے تلفظ حلق سے نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر حرف حا کا تلفظ جس کا مخرج حلق ہے۔ لب سے دشوار ہے۔ پھر باوجود اس عجز ظاہر کے اپنے افعال کا خالق اپنے کو تصور کریں۔ نیک مرد وہ ہے جو یقین رکھتا ہے کہ کارخانہ قدرت الہی میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں۔ جن کی دریافت میں انسان عاجز ہے۔ پس سمجھ لو کہ فرمودہ خدا و رسول پر ایمان لاتا ہے +

اور مسئلہ قدر و بعثت و وزان وغیرہ سب کو حق جانتا ہے۔ اور اُس کے خلاف ورزی کو عین ضلالت سمجھتا ہے +

ایک دفعہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ حضور ہم جو کچھ کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ خدا کے یہاں پہلے سے لکھا جا چکا ہے۔ یا ہم لوگ بے تقدیر سابق کے از سر نو اس کو کرتے ہیں۔

دفعہ و تقدیر میں ایک حدیث

حضرت نے فرمایا کہ نہیں یہ تو سب خدا کے یہاں لکھا جا چکا ہے۔ اور پہلے سے اُس کی تقدیر میں موجود ہے۔ عرض کیا۔ پھر ہم عمل کیوں کریں۔ ارشاد ہوا۔ کہ اَعْمَلُوا فَعَلٌ مِّسْرٌ لِّمَا خَلَقَ لَكُمْ يَتَنَبَّأُ بِمَعْمَلِكُمْ جَاءُ۔ ہر شخص کے لئے وہ کام آسان کیا گیا ہے۔ جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔ اس سے حضرت کا یہ اشارہ تھا کہ تقدیر پر ایمان لاؤ۔ اور چاہو کہ یہ حق ربودیت سے ہے۔ اس کو ضائع کرنا درست نہیں۔ اور خدا کے احکام کو پورا کرنا حق عبودیت سے ہے۔ ہر ایک کام کو اپنے محل و موقع پر پورا کرنا چاہئے۔ اور یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ ہماری تدبیریں علم خدا تعالیٰ سابق ہے۔ اس کے خلاف نہ ہوگا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تم عمل سے ہاتھ اٹھاؤ۔ اور اپنے کو مکلف نہ سمجھو۔

~~~~~

۱۔ عبد اللہ بن مسعود کی حدیث میں ہے کہ خلقت انسانی چالیس دن تک شکم مادر میں نشوونما میں ہوتی ہے۔ پھر چالیس دن تک علقہ اور پھر چالیس دن تک مضغ رہتی ہے۔ اس کے بعد ایک فرشتہ چار بائیں لے کر آتا ہے پس لکھتا ہے۔ اس کے رزق کو اور اس کے نسل کو۔ اور اس کی اہل نو اور اُس کے شقی یا سعید ہونے کو۔ اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ایک شخص اہل جنت کے عمل کرتا ہے حتیٰ کہ اس میں اور جنت میں ایک ذراع فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پس اس وقت کتاب الہی اس پر سبقت کرتی ہے اور وہ اہل دوزخ کے سے عمل کرنے لگتا ہے حتیٰ کہ دوزخ میں جا پڑتا ہے۔ اور ایک شخص اہل دوزخ کے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ذراع کی دوری رہ جاتی ہے پھر تقدیر الہی سبقت کرتی ہے اور وہ جنت کے سے عمل کرنے لگتا ہے پس جنت میں داخل ہوتا ہے۔

نیز اپنے فرما استقرار نطفہ کے چالیس دن یا پندرہ یا بیس دن بعد ایک فرشتہ داخل ہوتا ہے اور کہتا ہے۔ الٰہی یہ شقی ہے یا سعید پھر جیسا حکم ہوتا ہے لکھتا ہے۔ پھر کہتا ہے یا رب مرد ہے یا عورت پھر حکم کے موافق یہ بھی لکھتا ہے۔ پھر اس کے عمل اور اہل کو لکھتا ہے۔ پھر اس تحریر کو لپیٹ دیا جاتا ہے کہ اس میں کوئی زیادتی اور کمی نہیں ہوتی۔ (معالم التنزیل)۔

لوگوں نے ابراہیم اور اسم سے کہا کہ آپ ہمارے پاس کیوں نہیں بیٹھتے کہ ہم آپ کے کچھ ہدایت کی باتیں سنیں۔ جواب دیا۔ میں چار چیزوں میں مشغول ہوں۔ اگر ان سے فراغت ہو تو تمہارے واسطے بیٹھوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ مجھے اس کی فکر ہے جب خدا نے آدم اور اہل کی ذریعہ سے مہلت دیا تھا۔ اور فرمایا تھا۔ هُوَ لَا يَمُوتُ لِمَنْتَدِلَا اَبَالِي هُوَ لَا يَمُوتُ فِي التَّارِكِ وَلَا اَبَالِي تو مجھے معلوم نہیں کہ میں کس فرقہ میں ہوں۔ دوسرے میں اس فکر میں ہوں کہ جب ملک الموت میری روح اذیقہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵

# دسویں فصل

## کلمہ شہادہ کی شرح و ترجمہ یہ توحید کے بیان میں

جناب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم فرماتے ہیں کہ ایمان کی کچھ اہم چیزیں شہادہ میں ہیں۔ ان میں بلند تر شاخ یہ ہے کہ خدا کے معبود برحق ہونے پر گواہی دی جائے۔ حدیث کے لفظ یہ ہیں۔ الا یسنان بصنعہ سیدھون شعبہ اعلیٰ ہا شہادۃ ان لا الہ الا اللہ اس حدیث میں آنحضرت کی نبوت کی شہادت کا ذکر نہیں ہے۔ اس واسطے کہ اس کلمہ کے اہل خود جانتے ہیں کہ توحید کی شہادت اسی وقت درست ہو سکتی ہے کہ اس کے ساتھ نبوت کی شہادت بھی شامل ہو۔

اور دوسری حدیث میں دُان محمدًا رسول اللہ بھی وارد ہے جس سے یہ کلمہ صاف ہوا جاتا ہے۔ پہلی فصل میں بیان ہو چکا ہے کہ جو شخص دل سے توحید و نبوت کا مصدق ہو اور زبان سے اس کا اقرار کرے وہ یقیناً ایمان میں داخل ہے۔ جو دو جرح مختلف یعنی دل و زبان سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر جب دونوں عمل کو ایک ہی دفعہ ادا کرنا چاہیں تو کلمہ شہادت ہی کے قریب ادا ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ شہادت کے معنی ہیں اس بات کو ظاہر کرنا جس کا علم اس کو حاصل ہو گیا ہے۔ اور گواہی دینا جب ہی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۴: یقین کرنے کو آئے گا۔ اور عرض کریگا اے اللہ ہی سلام پر تیرے  
کروں یہ کفر ہے۔ جسے معلوم نہیں کہ خدا میرے متعلق کیا فرماتا ہے۔ تیسرے خدا کے اس قول کی محکم  
کلمہ ہے کہ ہا متنازل الیوم ایسا الجس قیون تو مجھے معلوم نہیں کہ میں کس فریق میں ہوں گا۔ چوتھے  
خدا بچہ کو شلم باور میں پیدا کرتا ہے۔ اور اس میں روح ڈالتا ہے۔ اس کا مکمل ترجمہ عرض کرتا ہے  
یارسب بنو لود شعی ہے یا سمیع تو مجھے یہ فکر ہے کہ خدا معلوم میں کس فریق میں ہوں ۱۱ حاشیہ عالم التبریل



درست ہو سکتا ہے کہ جس چیز کی گواہی دیتا ہے۔ اس کا علم بھی اس کو حاصل ہو تو وہ اس طرح اپنے یقین کا اعتراف کرتا ہے۔ اور صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی واسطے لفظ شہادت کو ایمان کے لئے قائم کیا ہے تاکہ دل کی تصدیق اور زبان کا اعتراف ایک ہی لفظ میں ادا ہو جائے بندہ جب کہتا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ خدا کی وحدانیت کا دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرنے والا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ کو کلمہ شہادت کہتے ہیں۔

اس کا نام کلمہ توحید اور کلمہ اخلاص بھی ہے۔ اس واسطے کہ کفر کی قسمیں بدلتی ہیں۔ بندہ اس کلمہ کے پڑھنے سے تمام انواع کفر سے پاک ہو جاتا ہے۔ کوئی شخص اگر کہے اَمْنْتُ بِاللّٰهِ تو محض ایسا کہنے سے اس کے ایمان کا حکم نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اَنْ لَا خَالِقَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے سے اُسے مومن نہیں کہہ سکتے۔ مگر جب لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے تو اس کو موحّد کہیں گے لفظ اللہ کے معنی معبود کے ہیں۔ اور حقیقت معبود وہ ہے جو ہست و نیست کرنے والا۔ روزی پہچاننے والا اور پروردگار خداوند خالق ہے اور یہی معنی لفظ اللہ کے ہیں۔ مگر اللہ کا اطلاق غیر حق تعالیٰ پر ہوا نہیں۔ اور لفظ اللہ بھی یہ معنی تو رکھتا ہے۔ لیکن مشرکان عرب کا قاعدہ تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبودان باطل کے بھی معتقد تھے۔ تو لفظ اللہ کو معبود باطل پر اطلاق کرتے تھے۔ اور اس کی جمع اِلٰھتہ کرتے تھے۔ یہ ان کا زور و غرور تھا۔ ورنہ حقیقت میں لفظ اللہ کی نہ جمع ہے۔ اور نہ تثنیه کیونکہ یہ نام خاص خدا سے عز و عل کا ہے۔ اور دلالت کرتا ہے۔ ذات قدیم بے مانند پر کہ وہ تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے۔ جو اسی کو زیر ہے۔ اور صفات نقص سے اُس کی ذات منزہ ہے۔ پس لفظ اللہ کا اطلاق کسی ذات پر سوائے ذات الہی کے نہیں کر سکتے کہ وہی موصوف بہ صفات مذکورہ ہے۔ اس کے سوا دوسرا ان صفات کا مستحق نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ نے قرآن مجید

کلمہ توحید کی وجہ تسمیہ



میں بھی اس معنی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حیث قال تعالیٰ شانہ ھل تعلم لہ سمیعاً کیا خدا تعالیٰ کا کوئی ہم نام جانتے ہو۔ یعنی جب وہ اپنے وجود میں یکتا ہے تو روا ہے کہ اس کے نام کا کوئی مسی ہو۔ یہ ہے شرح کلمہ شہادت کی +

اب ہم تنزیہ فی التوحید کا بیان کرتے ہیں۔ معلوم ہے کہ کی بہت قسمیں ہیں۔ لیکن تمام اباطیل کا سنا پانچ چیزیں ہیں۔ تعلیل، تشریک، تشبیہ، تعلیل اور تشریک فی التدبیر ان کی پوری شرح بیان کرنا چنداں ضروری نہیں۔ لہذا ہم اشارۃً بیان کئے دیتے ہیں۔ تاکہ توحید غائص ظاہر اور تنزیہ کی حقیقت صاف ہو جائے +

اصل تعطیل یہ ہے کہ اہل الحاد کی ایک قسمیں تریں قوم اس بات کی قائل و معتقد ہے کہ عالم کا کوئی صانع نہیں۔ وہ قدیم سے ایسا ہی چلا آتا ہے اور ایسا ہی چلا جائے گا۔ اور محسوسات کے سوا کوئی دوسرا موجود نہیں ہے۔ تشبیہ یہ ہے کہ کچھ لوگ خدا تعالیٰ کیلئے بہت مقرر کرتے ہیں اور جو سرائے جو اُس کے مخلوق ہیں اُن کی نسبت اُس کے ساتھ کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے مثل و مانند کے قائل ہیں۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک +

تشریک یہ ہے کہ ایک قوم خدا تعالیٰ کے ساتھ دوسرے صانع کا اثبات کرتی ہے۔ اور دو فاعل کی معتقد ہے۔ ایک فاعل خیر اور دوسرا فاعل شر +

تعلیل یہ ہے کہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ چیزوں کی علامت ہے اور اس عالم کا مادہ ہمیشہ سے موجود ہے۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک +

تشریک فی البدیہہ یہ ہے کہ ایک قوم اعتقاد رکھتی ہے کہ عالم کی تدبیر فرشتے کرتے ہیں۔ اور یہ قوم فرشتوں کی پرستش کرتی ہے۔ ایک دوسری قوم تدبیر عالم کی اصناف ستاروں کی اور طبائع کی طرف کرتی ہے + یہ پانچوں قسم کے عقائد کفر و احسا دیں۔ توحید میں تنزیہ کے یہ معنی ہیں کہ مومن ان تمام اباطیل سے اور نیز ان کی نشانوں سے تبرا و تفر

پانچ قسم کا شرک

کرے۔ اویقین کرے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ نفی اثبات ہے لا الہ نفی ہے تمام اُن چیزوں کی جو خدا کے سوا ہیں یعنی کوئی اس کا شریک اور ہمہ نہیں کوئی اس کی مانند و مثل نہیں۔ کوئی اس کے سوا اصناف اور مدبر عالم نہیں۔ کوئی اُس کی شبہ نظر نہیں۔ اور لا الہ الا اللہ اثبات ہے۔ خدا تعالیٰ کے لئے اس کی تمام صفات کمالیکہ اور یہ چند چیزوں کی مشتمل ہے۔ اثبات وجود باری تعالیٰ اثبات و عدانیت اور اس بات کا اثبات کہ وہ اپنی ذات صفا میں یکتا ہے۔ اور جواہر و اعراض پر جو باتیں رد ہیں وہ اس پر رد نہیں۔ اور اس بات کا اثبات کہ اس کا وجود قدیم اور تمام موجودات سے پہلے ہے۔ وہ اپنے وجود میں منفرد ہے۔ قدامت میں کوئی چیز اس کے ساتھ نہیں۔ اور اس بات کا اثبات کہ تمام چیزوں کا مدبر و متصرف ہی ہے۔ اور لفظ اللہ ان تمام مذکورہ بالا معنوں کا قہر نام ہے۔ جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ کو اس جہ اور اس معنی کے لحاظ سے پڑھے۔ وہ تمام اتوار کفر سے پاک ہو جائے۔ اور خدا کی وعدانیت کا اثبات ہو جائے۔

لیکن چاہئے کہ اپنے تمام ایمانیات کی تفصیل میں خلاف نہ کرے۔ ہم اس کو بھی پانچ قسموں میں بیان کرتے ہیں۔ تاکہ پوری طور پر مفہوم ہو۔ خدا کے تمام اسماء و صفات میں جن کو ہم بیان کر چکے ہیں کسی قسم کا شک و شبہ نہ لگے۔ اور حقیقت معنی سے منحرف ہو کر ان کا حمل مجاز پر نہ کرے کہ یہ ایک تم تعطیل کی ہے۔ دوسرے یہ کہ بندہ کو اپنے فعال کا خالق نہ کہے۔ اور کفر و معاصی سے نفی ارادت و شبہات حق کی نہ کرے کہ اس میں ایک طرح کی تشریح ہے۔

تیسرے یہ خدا کا صفات کو خلق کی صفات پر قیاس نہ کرے۔ اور فعال حق کا موازنہ اپنے فعال کے ساتھ نہ کرے نہ اس کو کسی چیز کی مثل کرے۔ اور اس کا سوا رعدہ کم کیف متی ایں غیر ہے نہ کرے۔ یعنی یہ نہ کہے کہ وہ کس طرح سے کتنا ہے۔ کہاں ہے وغیرہ۔ بلکہ اس کو بے چون و چاگوں اور بے چند و چرا جانے۔ چون چلوں اور چند و چرا وغیرہ کا اس کی عالی

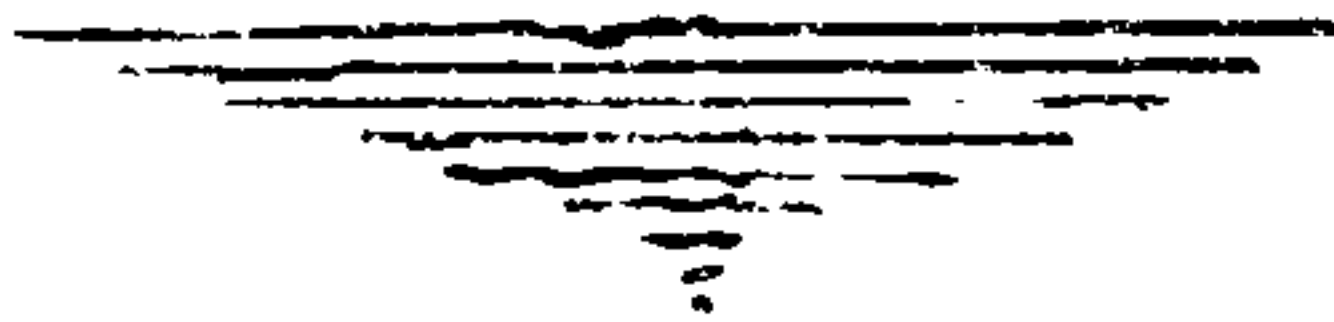
ایمان کی تفصیل



بارگاہ میں خل نہیں۔ اس کے خلاف اعتقاد نہ کرے کہ اس سے تشبیہ لازم آتی ہے۔

چوتھے روح کو قدیم نہ کہے۔ اور اس میں کہ تمام چیزیں خدا کے سوا محدث ہیں۔ توقف نہ کرے کہ اس میں تعلیل کا ثابہ ہے۔ پانچویں منجول کے حکام کا معتقد نہ ہو۔ اور قبول نہ کرے۔ اور نظام کائنات کو طبائع اور ستاروں اور فرشتوں پر حمل نہ کرے کہ اس سے تدریج الہی میں تشریک مفہوم ہوتی ہے۔

انسان حیلان باتوں کو خوب سمجھ کر اس کے موافق ایمان لائے تو اس سے حق توحید ادا ہو جائے۔ اس فقیر کو امید ہے کہ اگر کوئی شخص صرف اس ایک فصل کو جو شرح کلمہ شہادت میں بیان ہوئی۔ خوب سمجھ لے تو توحید کے متعلق کوئی ضروری بات پوشیدہ نہ ہے۔ اور اس کے عقیدہ میں کوئی خل پیدا نہ ہو۔ اَلَا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ





# دوسرا باب

فرشتوں، کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لانے کے  
بیانیہ اور موت کے بعد حوالہ آخرت کی تفصیل میں

اس باب میں ہم نے کتاب سنت کے موافق تمام بیان کیا ہے پہلے  
پیغمبروں پر ایمان لانے کا ذکر کیا گیا۔ اس لئے کہ فرشتوں کی معرفت اور  
کتاب الہی کی شناخت بدوں ان طریق کے ممکن نہیں۔ اور ہم جو اسما و صفات  
الہی اور شرائع اور معاملات بعثت و نشور اور امور غیبی متعلق بہ آخرت سے  
وقف ہوئے۔ تو پیغمبروں کے ذریعے سے اسی واسطے اس کو مقدم کیا۔

## پہلی فصل

نقطہ نبوت کے معنی اور اس کے ثبوت میں واسطہ  
میں کہ رسالت و نبوت میں کیا فرق ہے

نبوت سہم ہے مشتق بنا رہے جس کے معنی خبر کے ہیں۔ اور یہاں اس سے  
مراد وہ خاص خبر ہے جو خدا کی طرف سے کوئی برگزیدہ بندہ جس کو خدا نے  
اس خبر کے لئے خاص کیا ہے۔ ذی عقل مخلوقات کی طرف لائے۔ یہ خبروں  
گرامی لاتا ہے۔ دین دنیا کی اصلاح، آخرت کی نجات، امر و نہی، پسند و نصیحت  
و نہمانی و ہدایت و ابشارت و اندازہ اوعدد و عید و غیرہ کو شامل ہوتی ہے۔

اور نبی گرامی بندوں کو ان تمام باتوں سے وقف کرتا ہے۔ تو نبوت کے معنی اُن چیزوں کے پہچاننے اور اُس سے خبر دینے کے ہیں۔ اور نبی وہ شخص ہے جس کو خدا نے ان چیزوں کی خبر دی ہے۔

بعض علما کہتے ہیں کہ نبوت کے معنی ارتقاء اور بلندی کے ہیں۔ تو وہ نبی ہے جس کا مرتبہ و محل دوسروں کی نسبت بلند ہو بہ سبب اُس علم کے جو خدا کی جانب سے اُس کو ملا ہے۔ اور وہ ایسا علم ہے جو کسبِ حال نہیں ہوتا۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی یعنی معارفِ شرائع اور معرفتِ حقائق سے مطلع کیا۔ مگر اُس کو تبلیغ کا حکم نہ ہوا کہ مخلوق کو خدا کی طرف بلا دے۔ اور اُس کے احکام امر و نہی وغیرہ بندوں کو پہنچا دے بلکہ اس کو نبوت محض اس کو شرفِ بزرگی بڑھانے کے لئے عطا فرمائی۔ اور اس لئے کہ وہ خود اس پر عمل کرے۔ تو ایسے محترم شخص کو نبی کہتے ہیں نہ رسول۔ اور جس کو خدا تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرما کر اس کو تبلیغ رستا اور دعوت الی الحق کا بھی حکم فرمایا۔ وہ رسول ہے۔ پس نبی رسول نہیں ہوتا لیکن رسول نبی ہوتا ہے۔ اور اس کو نبی مرسل کہتے ہیں۔ (در منشوریں بریقا ابن منذر و ابن ابی حاتم مجاہد سے اسی طرح آیا ہے) \*

اب جانتا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا اور اپنے احسانات کا شکر بذریعہ عبادت و طاعت ان پر واجب فرمایا۔ اور لوگ کیفیت ادائے شکر و عبادت پر وقف نہ تھے۔ تو پیغمبروں کے ذریعہ اس کیفیت پر مطلع فرمایا۔ اور امر و نہی سے ان کو مکلف کیا۔ اور نیکوئی عاقبت اور مصلحتِ آخرت سے انہیں خبر دی۔ یعنی اگر نبی مرسل کے حکم کے مطابق نیک کام کریں تو ان کے لئے عاقبت میں صواب جزا ہے ورنہ عقاب سزا اور حکمت بھی اسی کی مقتضی ہے۔ اگرچہ خدا نے انسان کی جبلت عقل پر یہ بات رکھی ہے کہ خدا کو پہچانے۔ اور اس کے انعام کا شکر اپنے پر واجب جانے۔ لیکن اس سبب سے کہ کیفیت ادائے شکر کی باتوں وقف کئے نبی مرسل لئے نبوت کی تفصیل بحث کے لئے دیکھو تکملہ صفحہ



کے معلوم نہیں ہو سکتی تھی۔ اور نیز چن باتیں ایسی ہیں کہ اس سے نجا و تر کرنے میں کفرانِ نعمت بلکہ کفر منعم لازم آتا تھا۔ اگر شرع منع نہ کرتی تو عقل حد اعتدال سے بڑھ جاتی۔ اور اسسا و صفات آفریدگار میں غلطی کرتی۔ اور یہ نہ جانتی کہ اس کی ثنا و صفت کس طرح کرنا چاہئے (اس واسطے ارسالِ رسل اور انبیاء کی ضرورت ہوئی)۔

دوسری بات یہ ہے کہ لوگوں کی عقیدیں متفادات و مختلف ہیں اور اُن کے ادراکات ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ ہم محدثات میں اکثر ایسی چیزیں پاتے ہیں کہ بڑے بڑے عقلا اس کی دریافت میں مختلف الرائے ہیں۔ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔ اور ہر ایک کسی ایک ہی شکر انعام اور عباد الہی کے طریق ادا اور کیفیات طاعت کو عقل پر چھوڑ دیتا ٹھیک نہیں تھا پس ضرور ہوا کہ خدا کی طرف سے نبی مرسل مبعوث ہوا۔ اور بندوں کو ایک ہی طریق عبادت اور ایک ہی مرکز پر متفق اور جمع کرے۔ اس لحاظ سے نبی کی بعثت خدا کی حکمت محض ہے۔ اگر انبیاء مبعوث نہ ہوتے تو خستہ آراء کے سبب تکلیف بالکل اٹھ جاتی۔ اور نیک و بد میں مطلق تمیز و شناخت نہ رہتی۔ حتیٰ کہ کافر کہتا مجھے کفر کی حقیقت معلوم نہیں۔ یعنی اس کو معلوم نہ ہوتا کہ کفر کس کو کہتے ہیں۔ اسی طرح ظالم ظلم کی حقیقت و تعریف سے لاعلمی ظاہر کرتا۔ اور دنیا میں کوئی ایسا زاجر بھی نہ ہوتا جو غلوئی حسد کو خواہشات نفس سے باز رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِيَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ یعنی ہم نے رسول بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بھیجے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر کوئی حجت نہ رہے۔ یعنی لوگ یہ نہ کہیں کہ ہم پر رسول بھیجے نہ تھے۔ ہم عبادت کس طرح کرتے۔ دوسری جگہ فرمایا۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا یعنی ہم عذاب دینے والے نہیں۔ جب تک رسول بھیجیں اور فرمایا۔ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنَا بَعْدَ اِٰپٍ مِّنْ قَبْلِهِ لَقَالُوْا رَبَّنَا



لَوْلَا أَرْسَلْتُ إِلَيْكَ رَسُولًا فَقَدْ تُبِعَ آيَاتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنْزِلَ  
وَتُخْزَىٰ يَعْنِي اگرحم رسول کے بھیجنے سے پہلے عذاب سے ہلاک کر دیتے۔ تو  
کہتے آئے پروردگار تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجا۔ کہ ہم تیری آیات  
کی متابعت کرتے۔ پہلے اس کے کہ ہم ذلیل و خوار ہوتے۔

اثبات نبوت کے باب میں بیانِ جزئیہ ہے کہ جیسا بیان ہوا۔ ہم کہتے ہیں۔ عقلاً نبی کا ارسال و بعثت جائز ہے۔ اور جب عقلاً جائز ہے تو خدا کے چننے والے بندے جو صفات صلاح و سداد۔ امامت و دیانت۔ ورع و پارسائی۔ اتمام خلقت و خوبی صوت۔ رستی سخن و بلندی ہمت۔ پاکی عرض و بزرگی نسب۔ کمال عقل و خوبی فصاحت کے ساتھ موصوف تھے۔ مخلوق میں ظاہر ہوئے۔ اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ خدا نے انہیں خلعت نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ہے۔ پھر اپنے اس دعویٰ پر چند ایسے فعال بھی ظاہر کئے۔ جو خلاف عادت تھے۔ اور جن کا صدور ان کے غیب سے ممکن نہ تھا۔ اور ان فعال کی مثل صادر ہونا حد و قوت بشریت سے خارج مثلاً سرد ہونا آتش کا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر۔ اور سائب ہونا عصائے موسیٰ کھیم اللہ علیہ السلام کا۔ اور زندہ ہونا مردہ کا دعائے عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام سے۔ اور باہر آنا پانی کا جناب سول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے پس انہوں نے ان فعال سے ثابت کر دیا کہ ان کی نبوت حق ہے۔ اور اس میں کوئی کلام نہیں۔ کیونکہ جو کام او فعل ان سے صادر ہوئے۔ دوسرے لوگ ان کے صادر سے عاجز بلکہ حد بشریت اور امکان مخلوقیت سے خارج اور بالاتر تھے۔ اور جب خدا نے ایسے فعال کو انبیلے کے لئے ابداع کیا۔ تو اس روشن ہو گیا کہ وہ فرستادگان خدا ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جو اس پر افترا کرے۔ اور اس کا حال ہمیشہ صدق و کذب خلق سے وشبہہ ہے۔ اس طرح مدد نہیں کرتا کہ اس کے فعال اس کے دعویٰ کے مثبت ہوں۔ اور صدق دعویٰ پر گواہی دیں۔ \*

کی تحقیق اور اس میں تفریق کے لئے دیکھو تکملہ صفحہ

سحر و معجزہ کی تحقیق

اور اگر کوئی ملحد کہے کہ جادو و سحر ذریعہ بھی ایسی چیزیں کھائی جا سکتی ہیں۔ جواب یہ ہے کہ ساحر کے شعبہ اور تخیلات معجزہ کی حد تک نہیں پہنچ سکتے۔ چنانچہ ساحر ان فرعون سے بڑھ کر کوئی ساحر نہ تھا۔ دیکھ لو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ نے ان کے سحر کو تباہ کر دیا۔ ساحروں کے اسلام کا بھی یہی حال تھا کہ وہ سحر سے وقف تھے اور جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہمارے سحر سے بالاتر ہے۔ انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ سحر و سحر غلبہ کر سکتا ہے لیکن سحر کو نیست و نابیز نہیں کرتا تو جو کچھ موسیٰ علیہ السلام نے دکھایا وہ سحر کی حد و احاطہ سے باہر تھا ہم نے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے جناب خاتم الانبیا صلوٰۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک کوئی وقت ایسا نہیں پایا کہ کسی ساحر نے دعویٰ نبوت پیغامبری کیا ہو۔ پھر اگر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی جھوٹے نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو یہ امر موجب اشتباہ نہیں۔ اس لئے کہ خود حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد جھوٹے اور کذاب لوگ نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ ان کی نبوت کا دعویٰ کذب باطل ہوگا اس لئے کہ آنحضرتؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ نہ تشریفی اور نہ غیر تشریفی معنی اگر کسی ساحر فسوں ساز نے ایسا فریبی کی غرض سے دعویٰ نبوت کیا بھی تو اس کا حال یہ ہوا کہ چند بیوقوف ابتدائے حال میں اس کے دم تزدیر میں آئے مگر جب عرصہ قلیل گذرا تو اہل عقل پر فوراً اس کا کذب روشن ہو گیا۔ پھر کیا تھا مجاہدین فی اللہ نے اس مردود کو پکڑ کر اس کو اور اس کے اعوان و انصار کو یا تو جلاؤالا یا قتل کر ڈالا۔ اور ہزار خرابی و خواری و اصل بچھم کیا۔ حتیٰ کہ اس کا اور اس کے حمق کا نام و نشان تک نہ رہا۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ تم کہتے ہو دجال بعین ایک شخص کو قتل کر کے پھر زندہ کرے گا۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ امانت و اخیا یہ حقیقت ہے جیسے ہمارے اس زمانہ آزادی میں مرزا غلام احمد قادیانی نے جھوٹا دعویٰ نبوت

ایک اعتراض کا جواب



وقد رت حصائے عز وجل ہوگا۔ لیکن جال اُس کی اضافت اپنی طرف کرے گا اور خدا تعالیٰ کی اُس میں کوئی حکمت ہے کہ وہ ایک جھوٹے مدعی ربوبیت کی زبان پر اس واقعہ کو ظاہر فرمائے گا۔ اور یہ بھی اس کی حکمت ہے کہ اُس نے وقال کے اس از کو مخلوق پر ظاہر نہ کیا۔ لیکن اُس کا کذب جو اشتباہ نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کی زبانی مخلوق کو آگاہ کر دیا ہے کہ وقال لعین دعویٰ خدائی میں جھوٹا ہوگا۔ اُس کے فتنہ سے بچتے رہنا وہ دشمن خدا ہے \*

اور وقال کے کذب دعویٰ پر ایک دشمن دلیل یہ بھی ہے کہ جب خدا تعالیٰ وقال کے مقتول کو زندہ کریگا۔ اور وقال چاہیگا کہ پھر دوبارہ اس کو قتل کرے تو اُس وقت وہ اُس کے قتل پر قادر نہ ہوگا۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ جب قال کسی شخص کے قتل پر جس افعاع خلق سے ممکن ہے قاذو نہیں ہے پس زندہ کرنے پر بھی کہ وہ فعل الہی ہے۔ بطور ادلی قادر نہیں \* دوسری بات یہ کہ اُس کا کذب خود اس کی ذات میں موجود ہے کہ وہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ جسم محدود و مختصر خدا ہونے کے قابل کبھی نہیں ہو سکتا۔ بڑی صاف و صریح دلیل کذب دعویٰ وقال کی یہ ہے کہ وہ ایک آنکھ سے اندھا ہوگا جس کو عربی میں اعور کہتے ہیں۔ تو جب خود اُس کی خلقت میں نقص موجود ہے۔ پھر اُس کا دعویٰ خدائی کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟ ہاں اظہار معجزات کا دعویٰ کرے گا۔ حالانکہ خود اُس سے اُس کا نقص اعوری دور نہ ہوگا۔ جب یہ امر صاف ہو گیا تو معلوم ہوگا کہ دعویٰ کے عقب میں اظہار معجزہ صدق دعویٰ کی دلیل ہے یعنی معجزہ کا کسی نبی کے ماتھے سے صادر ہونا اُس کے صدق نبوت کی دلیل ہے \*

اس میں کوئی کلام نہیں کہ عہد آدم سے دور خاتم الانبیاء میں مسلمانوں سے کثرت سے معجزات ظاہر ہوئے ہیں۔ ہر نبی نے اپنے اپنے زمانہ میں ایسے معجزہ دکھائے۔ جس کا صدوران کے غیب سے حال تھا۔ لوگوں نے اپنے حائر چشم انبیاء کو معجزہ دکھانے دیکھا۔ اور برای لعین دیکھنے والا

دجال کے کذب دعویٰ کی ایک دلیل



دعوت الی الحق میں تمیز کا اتفاق

ہزارانہ میں اس کو نقل کیا۔ حتیٰ کہ اس کا علم بتواتر سننے والوں میں ظاہر و آشکارا ہو گیا جس میں شک و دودھ کا وہم تک نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اگر کوئی شخص بادشاہ کی طرف سے مثلاً اپنے وزیر یا حاکم ہونے کا جھوٹ دعویٰ کرے۔ اور بادشاہ باوجود تواتر علم کے اس کا کذب خلق پر ظاہر نہ کرے تو وہ بادشاہ یا تو نادان ہو گا یا عاجز اور خدا تعالیٰ اس سے منترہ ہے۔ بڑی حجت صدق دعویٰ انبیاء کی یہ ہے کہ تمام انبیاء معارف اور اسماء و صفات الہی اور کوائن و حوادث عالم اور احوال بعد فنا کے متعلق خبر دیتے ہیں۔ اور خوبی یہ کہ سب انبیاء اس خبا پر متفق و متح ہیں۔ دعوت الہی مثل عبادت و توحید و ترک معاصی میں بھی اور خبا غیب مثل بعث و نشور و بہشت و دوزخ میں بھی۔ اور ثواب و عقاب اور مقبول اور مسترد ہونے میں بھی ان کے کلام میں باہم گرہ و تفاوت نہیں ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔  
وَلَوْ كَان مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا  
یعنی اگر غیر خدا کے پاس سے ہوتا۔ تو اس میں بہت اختلاف کثیر پاتے۔

## دوسری فصل

پیغامبریں پر ایمان لانے اور ان کے ضروری خصائص و مراتب کی تمیز

جب معلوم ہو گیا کہ نبوت حق ہے۔ تو اب جاننا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے جس کو چاہا اپنی نبوت کے لئے خاص کر لیا۔ حصول نبوت نہ نبی کے اختیار میں تھا نہ متعلق بہ کسب۔ یہ اعتقاد رکھنا کف ہے کہ نبوت کسے حاصل ہوتی ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ انبیاء پر ایمان و اعتقاد لانا حقیقت میں خدا پر ایمان و اعتقاد لانا ہے۔ خدا پر ایمان لانا بدوں پیغمبروں پر ایمان لانے مقبول و پذیرا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں

انبیاء پر ایمان لانے کا طریقہ

چند جگہ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خدا پر ایمان لانے اور پیغمبروں پر ایمان لانے میں جدائی اور فتر ڈالنا کفر ہے یعنی یہ رست نہیں کہ خدا پر ایمان اعتقاد رکھتے۔ رسول پر نہیں۔ یا صرف رسول کی رسالت کا معتقد ہو اور خدا کی توحید پر ایمان نہ لائے۔ چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ الدِّينَ يَكْفُرُ ذُنَّ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَيُنۡبِذُ ذُنَّ اَنْ يُفۡرَقَ تَوۡبَيۡنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ یعنی تحقیق جو لوگ خدا اور رسول سے کفر کرتے اور یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ خدا اور رسول کے درمیان جدائی پیدا کریں الخ عام پیغمبروں پر اس طرح ایمان لانا چاہئے کہ وہ خدا تعالیٰ کے خاص و برگزیدہ بندے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے دعوت الی الحق پر مامور ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم فرستادگانِ خدا ہیں۔ اور اپنے صدق و عوامی پر حجتیں پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنے دعویٰ میں استگو اور سچ مچ فرستادگانِ خدا تھے انہوں نے کبھی کوئی بات خلاف حق نہیں کہی پس عموم پیغمبروں پر سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قدر ایمان لانا کافی ہے۔ لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے میں چند دوسری شرطیں بھی ہیں جن کو ہم نے ایک علیحدہ فصل میں ذکر کیا ہے عام پیغمبروں کی نسبت صرف یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ چند برگزیدہ شخص تھے کفایت ہے۔ ان کے نام و انساب کو یاد رکھنا ضروری نہیں ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا ہے۔ وَرُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِہٖ قَصَصًا هُمۡ عَلَیۡکَ مِنۡ قَبۡلِہٖ وَرُسُلًا لَّمۡ تَقۡصُصۡہُمۡ عَلَیۡکَ یعنی ہم نے خلق کی جانب رسول بھیجے۔ ان میں بعض کا قصہ تم پر بیان کر دیا۔ اور بعض رسولوں کا قصہ بیان نہیں کیا۔ مگر عام انبیاء کے متعلق بھی اتنی وقفیت ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو دو چیزوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ ایک تعلیم۔ دوسری تائید پہلے کے یہ معنی ہیں کہ عام لوگ جو باتیں نہیں جانتے۔ خدا تعالیٰ ان کو وہ باتیں بھی سکھا اور بتا دیتا ہے۔ اور تائید کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ان کی تائید



کرتا ہے۔ دلائل حجتوں اور فرشتوں کے ذریعہ تو باب تعلیم سے نبوت ہے  
اور باب تائید سے حجت نبوت \*

## باب تعلیم انبیاء

باب تعلیم کا حاصل ہونا چند باتوں کو شامل ہے۔ کلام اللہ کا سنا  
جیسا کہ حضرت محمدؐ علیہ السلام نے سنا۔ یا خدا کی جانب سے الہام ہونا۔ اور  
الہام کے معنی ہیں کسی چیز کا خدا کی طرف سے اُن کے دل میں پڑنا بدوں  
اس کے کہ اُس کے بارہ میں الہام سے پہلے اُن کے پاس کوئی استدلال ہو  
یا جس کے ذریعہ اُس کا کوئی اثر پایا جانا ہو۔ لیکن فرشتہ کے توسط سے  
جو الہام آتا ہے اُس کو وحی کہتے ہیں۔ بعض وقت فرشتہ پیغمبر سے اس  
طرح اظہارِ پیام الہی کرتا ہے کہ جیسے آدمی آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ اور  
بعض وقت فرشتہ اس طرح نبی سے کہہ جاتا ہے کہ کسی کو حتیٰ کہ نبی کے  
کان کو بھی اُس سے اطلاع نہیں ہوتی۔ یہ الہام صرف دل سے تعلق  
رکھتا ہے۔ خواب میں جو وحی ہوتی ہے۔ وہ بھی قسم الہام سے ہے۔ یہ  
یا تو بتوسط فرشتہ ہوتی ہے یا بے توسط فرشتہ \*

اگر کوئی اعتراض کرے کہ فرشتہ علم الہی کو غیر انبیاء کے دل میں  
بھی ڈالتا ہے۔ پھر انبیاء اور غیر انبیاء میں کیا فرق ہے۔ جواب یہ ہے کہ  
علم حکام اور علم وقعات حوادثِ آئندہ جو بعد مرورِ ایام یا بعد فنائے عالم  
کون و فسادِ صورت پذیر ہونگے۔ علم خاص انبیاء کے لئے مخصوص ہے  
اگر نبی ایسی باتیں کرے تو وہ یا تو انبیاء کے ذریعہ اُن کو پہنچی ہیں یا انہوں  
نے انبیاء کے کلام سے ان باتوں کا استفادہ کیا ہے۔ رہا غیر انبیاء پر  
الہامِ امکنہ کا القاء ہونا تو یہ ایک قسم کی بشارت ہے کہ خدا کی طرف سے  
اُن پر القاء ہوئی۔ یا یہ فراستِ بیانی ہے جس کے ذریعہ انہوں نے ان باتوں کا  
ادراک کیا۔ غرض بڑا فرق ان ہر دو الہام میں یہ ہے کہ انبیاء شک و خطا  
سے معصوم ہوتے ہیں۔ اُن کا الہام بھی راست و حق ہوتا ہے! اور غیر انبیاء

ایک اعتراض کا جواب



غلطی و خطا سے معصوم نہیں پس اُن کے الہام کے باب میں قطعی طور پر حقیقت کا اعتقاد نہیں کیا جاسکتا ۔

## باب تائید انبیاء

باب تائید بھی دو قسم، ایک وہ کہ انبیاء بہ نفس خود موبد ہوتے ہیں دوسری قسم وہ کہ اُن کی دعا و برکت سے عالم غیب سے ظہور تائید ہوتی ہے یہ پہلی قسم حد احصار و شمار سے بالاتر ہے۔ بتواتر و توالی قرناً بعد قرن ہمیشہ اس قسم کی تصدیق ہوتی رہی ہے۔ ہم پہلی قسم کا بیان کرتے ہیں۔ اور یہاں اسی سے ہماری عرض بھی ہے۔ تاکہ انبیاء کی تسناخت میں اصل استحکام پیدا ہو ۔

پہلی بات یہ ہے کہ انبیاء ہمیشہ ناسرین الہی کی پیروی کرتے ہیں اور اُن کا نفس طاعت الہی میں ہمیشہ اُن کا تابع اور مطیع ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ یہ بزرگ حضرات ہمیشہ نافرمانی خدا سے معصوم ہوتے ہیں۔ یعنی قصداً اُن سے کبھی کوئی خطا صادر نہیں ہوتی۔ انبیاء واجب العصمتہ ہوتے ہیں۔ امر الہی کی مخالفت اُن سے روا نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے خلق کو اُن کی پیروی و اطاعت پر مامور کیا ہے۔ اگر اُن سے قصداً صدور خطا ممکن ہوتی۔ تو خلق کو اُن کی متابعت کا حکم نہ ہوتا۔ اگر اُن سے کوئی ذلت صادر ہوتی ہے۔ تو بطریق سہو و نسیان اس کو عصیاں کہنا دو وجہ سے ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ اس کی صورت عصیاں کی صورت ہے۔ گو یہ سبیل سہو و نسیان ہو۔ دوسرے ان کے مرتبہ اور حال کی نسبت سے اُن کا نام عصیاں رکھا گیا ہے۔ انبیاء کے نفس خود موبد ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ اُن کی عقل کامل اور دوسرے لوگوں کی عقلوں سے ارفع ہوتی ہے۔ اُن کے ادراکات بہ نسبت دوسروں کے تیز اور خطا اور غلطی اور زوال اور انتقال سے محفوظ و مصون ہوتے ہیں۔ اُن کی رائے بھی دوسروں کی رایوں سے تیز اور قوی ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ علم وحی کو جس طرح

انسان سے بھی نافرمانی نہیں ہوتی

انبیاء علیہم السلام فہم کرتے ہیں۔ دوسروں سے ممکن نہیں۔ اُن کا حافظہ بھی  
سب سے قوی ہوتا ہے۔ اور فصاحت و بلاغت اور تاثیر سخن میں بھی انبیاء  
لبنائے روزگار سے سابق و غالب ہوتے ہیں۔ اُن کی ظاہری اور باطنی قوتیں  
تمام تر اور قوی تر ہوتی ہیں۔ اُن کا خلق نہایت نیک اور ان کی صورت  
بڑی وجیبہ اور ان کی آواز نہایت خوش اور بغایت مؤثر ہوتی ہے غرض  
انبیاء جس طرح سیرت و معنی میں سب سے افسوں ہوتے ہیں۔ اُسی طرح صورت  
و ظاہر میں خوب تر اور پسندیدہ تر ہوتے ہیں۔

بعض انبیاء فضیلت میں دوسرے انبیاء سے زیادہ ہیں لیکن اُن کی  
دعوت یکساں اور ایک ہی طرح کی ہے۔ اُس میں فرق نہ کرنا چاہئے۔ لَئِنْ فَرَّقْتُ  
بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِي كَيْفَ هِيَ مَعْنٰی ہیں۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ  
مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے  
وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل کا صاحب  
ہے۔

## عصمت انبیاء کا ذکر

ہم چاہتے ہیں کہ اس فصل میں عصمت انبیاء کے بابت جو ذکر آیا ہے۔  
اس کو ذرا شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دیں تاکہ انبیاء کی پوری زاہت اور  
طہارت کے متعلق اہل اسلام کو کامل یقین ہو جائے۔ اور اُن کی صفت  
ذات کو سمجھ کر اپنے غیر متعلقہ اعتقادات سے تائب ہوں۔ اور حاکم  
میں نہ پڑیں کیونکہ اکثر مسلمان اس مسئلہ میں غلطی پر ہیں۔ معترضہ اور متشعبہ  
کی ایک جماعت تو عصمت کے مسئلہ میں اس قدر مبالغہ کرتی ہے کہ افراط  
کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ اور متشعبہ اور نقاد کا ایک گروہ عصمت کے خلاف  
میں اس درجہ غلو کئے ہوئے ہے کہ تفریط کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ دونوں  
فقہ اپنے اپنے دعوے کی دلیل کتابوں سے لاتے ہیں۔ جس کی کوئی اصل  
نہیں ہے۔ یہی دلیل ہیں جس سے متکبر بالکل نادرست ہے۔ بلکہ اُن کا



نقل کرنا مسلمان کو روا نہیں۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں انبیاء کی تحقیق منصوص ہے۔ عدم عصمت کی صورت میں انبیاء کی حقارت تو ظاہر ہے۔ اور عصمت میں مبالغہ کرنے کی حالت میں بھی ان کی تحقیق عیاں ہے۔ کیونکہ جو بات انبیاء کے لئے مخصوص ہے۔ اُس کا غیر انبیاء کے لئے اثبات اُن کے درجہ کو باندی سے گراتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی تعظیم و تکریم ہم پر فرض کی ہے۔ اور انہی عشرات کا ذکر نہ کرنا ہر صورت میں اولیٰ ہے۔ اگرچہ اُس کے ثبوت میں نص صریح پائی جائے۔ تاہم طریق ادب یہ ہے کہ اُس کا ذکر نہ کیا جائے پھرچہ جائیکہ اُن پر محض دروغ باندھا جائے۔

## آدم علیہ السلام کی ذلت

سب سے زیادہ روشن دلیل انبیاء کی ذلت کے ثبوت میں حضرت آدم علیہ السلام کی ذلت ہے جس کو خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یاد کیا ہے۔ فَخَصَّیْ اٰدَمَ دُبَّكَ فَعَوٰی یعنی آدم نے تناؤ دل شجرہ میں نڈکے حکم کی نافرمانی کی۔ اور وہ بہک گیا۔ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی اتنی سی ذلت کو بھی بیان فرمادیا۔ کہ اُن کا حال درمیان عصاة کے تھا حالانکہ حضرت آدم کی ذلت کوئی لغزش کا درجہ نہیں رکھتی۔ کیونکہ عصیان وہ ہے جس کا صدور بعزم دل ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آدم سے جو نافرمانی ہوئی۔ اُس کا منشاء عزم دل نہ تھا۔ بلکہ عہد شکنی تھی۔ وہ بھی اس سبب سے کہ وہ عہد الہی کو بھول گئے۔ چنانچہ قرآن میں وارد ہے۔ وَلَقَدْ عٰہِدْنَا اِلٰی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسٰی وَلَمْ یَجِدْ لِنٰحْشٍ مَّآ۔ اور عہد منسی وہ تھا جو اس آیت کے بعد بیان ہوا کہ اے آدم! ابلیس تیرا اور تیری زوجہ حوا کا دشمن ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تم دونوں کو جنت سے باہر کرے۔ فَقُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اِنِّ هٰذَا عٰدُوْكَ وَ لَکَ وَ لٰوِجَاتُ فَلَہُ خُجْرٌ جَنَّتُمَا مِنْ الْجَنَّةِ فَتَشَقٰی ابْلِیْسَ اَدَمَ کو اور اس کی جو رد کو قسم کھا کر فریفتہ کیا اور چونکہ آدم بشریت کے لحاظ سے مخلوق جنت کے خواہاں تھے۔ اس طرح ابلیس کے



دہو کے میں آگئے۔ وہ سمجھے کہ کوئی بندہ اپنے خالق کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔

آدم کے اس بتلایں خدا کی حکمتیں تھیں کہ ہر ایک انسان کو ان پر چلنا مفید ہے۔ چنانچہ دشمن کو پہچانتا اور اُس کے کُرد فریب کے خیر دار رہنا اور اُس کے تسویں دہو کے میں نہ آنا۔ پھر اگر گناہ سرزد ہو جائے تو اُس کا تدارک توبہ و انابت سے کرنا۔ اور خدا کی جناب میں اپنی معاصی، بدکاری اور نادانی کا اعتراف کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو انہیں حکمتوں کی بنا پر یاد کیا۔ اور اس سے حضرت آدم کی کرامت و فضل اور کمال اجنبی و صطفیٰ کا اظہار فرمایا۔ اور یہ کہ خدا تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول کر کے اُن کی شان کو بڑھایا۔ حاشا کہ اس سے ان کی تحقیر منظور ہو یا اُن کی ذلت مد نظر ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کے مذکورہ واقعہ کو اس طرح سمجھنا چاہئے: تاکہ اُس کے انتفاع ہو۔ نہ دوسری طرح کہ اُس سے انسان تحقیر آدم کے جرم میں ماخوذ ہو۔

حضرت آدم علیہ السلام کے سوا دوسرے انبیاء خصوصاً مرسلین کے حق میں بھی صدور ذات کو اسی معنی پر حمل کرنا چاہئے۔ اگرچہ اس کا ثبوت ایسی نص صریح سے ہو جو موجب علم ضروری ہے۔ اور معلوم ہے کہ اگر انبیاء ہماری طرح اسیر حرص و شہوت ہوتے تو خدا تعالیٰ اُن کی متابعت ہم پر فرض نہ کرتا۔ اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو خلاصہ موجودات اور زیادہ خلائق ہیں۔ اس طرح ارشاد نہ فرماتا۔ اُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِغْضٍ هُمْ اَقْتَدَا بِهٖ هَؤُلَاءِ لَوْ كُنْ هُمْ اَقْتَدَا بِهٖ هَؤُلَاءِ لَوْ كُنْ هُمْ اَقْتَدَا بِهٖ هَؤُلَاءِ۔ پس اے رسول انہیں کی ہدایت کی پیروی کرو۔

## حضرت برہم علیہ السلام کی ذلت

عجب تر یہ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے باب میں بھی جو تمام بنی آدم سے عبادت میں متفرد تھے۔ صرف اس خیال سے اثبات ذلت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے باپ کے لئے استغفار کی۔ اور اُن کی استغفار

جناب یاری میں مقبول نہ ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیم کو معلوم نہ تھا کہ اُن کے باپ پر دشمنی خدا کا حکم جاری ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب اس امت کو دوستی کفار سے منع کیا۔ اور فرمایا کہ خدا کی دوستی اور دشمنانِ خدا سے دشمنی کرنے میں ابراہیم کی متابعت کرو۔ تو اس ایک بات میں کہ انہوں نے اپنے باپ کے لئے استغفار کی اُن کی متابعت سے ہٹنا کیا۔ چنانچہ فرمایا۔ قَدْ كَانَ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهُ تَاْلَا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لَا يَبْدِئُ بِكَ سْتَغْفِرُكَ لَاكَ۔ اس یہ مرثابت کرنا منظور تھا کہ یہ ایک کلمہ یعنی استغفار لا بیه اُن کے مناسب حال نہ تھا۔ اور خدا کو اُن کی یہ بات پسند نہ آئی۔ پس حکم ہوا کہ اس باب میں حضرت ابراہیم کی متابعت نہ کرنا چاہئے۔ اگرچہ اس باب میں حضرت ابراہیم کے پاس عذر صریح تھا۔ چنانچہ خدا نے اس عذر کو بیان فرما دیا وَمَا كَانَ اِسْتَغْفَارِ اِبْرٰهِيْمَ لَا يَبْدِئُ رَاٰ عَنْ مُوْعِدَةٍ وَعَدَا هَا اَيَّاهُ ابْ ذَلَّتْ اَنْبِيَا كَا حَالِ اِسِي سَمَحْنَا چاہئے۔ اور اُن کا مرتبہ قتل میں یہیں سے معلوم ہو جاتا ہے۔

## حضرت یوسف علیہ السلام کی ذلت

حضرت یوسف علیہ السلام کے باب میں جو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے زلیخا کا قصد کیا اور کہتے ہیں دَخَلَ هَمِيَانًا وَقَعْدَ مِنْهَا مَقْعِدُ الرَّجُلِ مِنَ الْمَشِيَّةِ اور اس کی اسناد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے لاتے ہیں۔ اس کا قبول کرنا چند وجوہات سے روا نہیں۔ اول یہ کہ جن لوگوں نے اس قصہ کو اپنی کتاب میں یاد کیا ہے۔ وہ اس کی سند حضرت ابن عباسؓ تک پہنچائی ہے۔ تو یہ اسناد ثقہ عن ثقہ نہیں پائی جاتی۔ ولو فرضنا اگر پائی بھی جائے تو یہ بھی اس میں اُن کا قول سند و حجت نہیں۔

دوسرے کہ موقوف ہے ابن عباسؓ پر اگرچہ اصحابی بغیر سماع







کیونکہ خدا نے خود فرمایا کہ یوسف علیہ السلام زلیخا کا قصد کرتے۔ اگر وہ برہان اپنے رب کا نہ دیکھ لیتے۔ جب یوسف علیہ السلام کا قصد برہان دیکھنے پر معلق ہوا۔ اور برہان موجود ہے۔ پس یہ قصد ممتنع ہوا۔ اگر کوئی شخص کہے کہ اہل عرب کے نزدیک لوکا کے جواب کا لولا پر مقدم ہونا جائز نہیں پس جواب محذوف ماننا پڑیگا۔ اور اس کی تقدیر اس طرح ہوگی کہ لولا رای برہان ربہ لفعل جواب یہ ہے کہ اس تقدیر کو ماننے سے صاحب شریعت پر جو مبین قرآن ہے۔ تحکم و اقدم لازم آتا ہے۔ ایسے قضیہ کے بیان میں مجہول روا نہیں۔ لیکن علمائے نحو نے جو تقدیم جواب لولا کو ناجائز کہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم قرآن میں چند ایسے الفاظ پاتے ہیں۔ جو مختار علمائے عربیت نہیں۔ معنہ اس کے خلاف روا نہیں۔ وہ ہر مقام پر قرآن سے استشہاد لاتے ہیں۔ اور قرآن بھی ان کے قول پر حکم کرتا ہے۔ نہ ان کا قول قرآن پر۔ اور یہ آیت بھی اسی قسم ہے کہ علمائے عربیت اس سے استشہاد کریں۔

پھر اگر ان کی تقدیر کو جائز سمجھا جائے تو واولسق واولعطف ماننا پڑیگا۔ یعنی و لولا ان رای برہان ربہ تاکہ یہ او حذف پر دلالت کرے۔ تاہم اگر ہم کہیں کہ جواب محذوف ہے تو یہ محذوف اس طرح ہونا چاہئے کہ لفظ و ہمربھا اس پر دلالت کرے۔ اس صورت میں تقدیر یوں ہونا چاہئے تھی۔ لولا ان رای برہان ربہ لہمربھا ہماری تشدید و سختی قصد گو یوں کے مبینہ قول کی نفی پر اس لئے ہے کہ یہ لوگ اس قصہ کو خلاف قرآن بیان کرتے ہیں۔ اور ظاہر نصیحت کے باطل خلاف ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لولا ان رای برہان ربہ کے بعد فرمایا کذا انہ لنصرف عنہ السوء والفحشاء اس سے اس امر کی نفی ہوتی ہے کہ یوسف سے سوء و فحشاء کا ارتکاب قصد ہوا۔ مگر قصد گو یوں کے بیان کے مطابق حضرت یوسف پر سوء و

لوہات راہی برہان دہ کی بحث

برادران یوسف کی نبوت کسی نص صریح سے ثابت نہیں

فحشاء لازم آتا ہے۔ کیونکہ برے امر کا قصد بھی ایک قسم کا سوء اور فحشاء ہے اور نہایت صاف دلیل اُن کی بریت کی یہ ہے کہ خدا نے فرمایا ذَالِكَ لِيُظْهِرَ اَنِّي لَكُمُ آخِذٌ بِالْغَيْبِ یعنی میں نے اس لئے طلبِ بحث و گفتیش کی تاکہ عزیزِ مصر پر ثابت ہو جائے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اُس کی خیانت نہیں کی۔ خدا نے حضرت یوسفؑ کو صدیق کہا۔ اور جس کو خدا نے صدیق کہا ہو اُس کی تصدیق ہم پر فرض ہے۔ اور نفیِ جنایت اُس سے ضرور ہے۔ اور قصہ گو یوں نے جو کہا ہے۔ قَعْدَ مِنْهَا مَقْعَدُ الرَّجُلِ مِنَ الْمَرْءِ اِس سے یوسف علیہ السلام کی جنایت ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ بات کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں۔ کہ اگر کوئی آدمی بُرے ارادے سے کسی عورت کے پاس بیٹھے۔ تو اس کی جنایت ثابت ہو گئی۔ اور یوسف علیہ السلام نفیِ خیانت و جنایت کرتے ہیں۔ پس قصہ گو یوں کے موافق اُس کے معنے کرنا درست نہیں۔ دوسرے یہ کہ زلیخا علیہا السلام نے اس سے قبل دعویٰ کیا تھا کہ کہ یوسف علیہ السلام نے اُن کا قصد کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے صدقِ یوسف اور کذبِ زلیخا پر دلیل قائم فرمائی۔ اور کہا جاتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے تمام بھائی پیغمبر تھے کہ خدا تعالیٰ نے اُن کے متعلق نص صریح یا د فرمائی۔ جواب یہ ہے کہ برادرانِ یوسفؑ کی نبوت کسی نص کے ذریعہ ثابت نہیں ہوئی۔ جو موجبِ علم ہو۔ اور یہ جو فرمایا۔ قُولُوا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلَى اٰبِرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَاِلِسٰحٰطَ تو متحمل ہے کہ مراد اسباط سے اس جگہ حضرت یعقوبؑ کے فرزندانِ صلبی ہوں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ سب فرزندانِ اس میں داخل ہوں۔ نیز بعض فرزندان کا بھی احتمال ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسباط سے مراد انبیاء بنی اسرائیل ہوں کہ وہ سب فرزندانِ یعقوبؑ ہیں۔

اور ہمارے نزدیک حضرت یوسف علیہ السلام کا پیغمبرِ مرسل ہونا نصِ مقطوع یہ درست ہے۔ اور یہ اُن مرسلین سے ہیں جن کے اقتدا کرنے کا حکم ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوا اَدْلٰلِكَ الَّذِيْنَ هُدٰی



اللہ فَبِهَذَا يَهْتَدِ الْقَائِدُ ۛ پس یوسف علیہ السلام کا مرتبہ باب عصمت میں برادرانِ یوسف سے کہیں زیادہ ہے ۛ

دوسرے یہ کہ ہمارے نزدیک یہ مرتبیت ہے کہ برادرانِ یوسف نے یوسف کے ساتھ جو کچھ کیا۔ وہ نبوت کے پہلے کیا تھا۔ اس صورت میں ان کی عصمت میں فرق نہیں آتا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے باب میں جو کہا جاتا ہے کہ ان کے متعلق بھی معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے قبل مرتبہ نبوت کے زلیخا کا قصد کیا یا بعد نبوت کے۔ ہم کہتے ہیں یوسف کی بابت قصد زلیخا کا ثبوت نہ قبل نبوت درست ہے اور نہ بعد نبوت۔ کیونکہ انہوں نے حالت نبوت میں جب عورتوں کے کید کا ذکر کیا تو اُس وقت اپنی ذات سے نفی خیانت فرمائی۔ اور پیغمبروں کا قول راست ہی ہوتا ہے پس کسی صورت میں اس کا اثبات روا نہیں۔ اور نہ اُس کا ذکر کرنا درست ہے۔ اس لئے کہ اگر احاد اُثر سے کوئی فعل بُرا صادر ہو جائے۔ تو اُس کا ذکر دوسروں کے سامنے روا نہیں۔ چہ جائیکہ ایک بات خلاف یقین ہو۔ اور اس میں پیغمبر مرسل کی غیبت کی جائے۔ تسئل اللہ العافیہ من استماع تلك القصة فكيف امثال عن التحدث بها ۛ

## حضرت داؤد علیہ السلام کی ذلت

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اوریا کو لشکر میں بھیجا۔ اور حکم دیا کہ لڑائی میں یہاں تک سکینہ لئے ہوئے آگے آگے ہے۔ غرض اس سے یہ تھی کہ اوریا اس طرح مارا جائے۔ اور داؤد علیہ السلام اس کی عورت سے جو حسینہ تھی۔ اور جس پر آپ فریفتہ ہو گئے تھے۔ شادی کر لیں۔ یہ اور اس قسم کی مخالف باتیں قصہ گو بیان کرتے ہیں۔ جو اصول دین کے منافی ہیں۔ اور جن کا زبان پر لانا بطور نقل کے بھی حرام ہے اس لئے کہ اس سے ایک پیغمبر مرسل پر ظلم کی نسبت لازم آتی ہے تاقلان قصہ ان دو آیات سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اِنَّ هَذَا اِضْطِیْ لَدُنْسَم



تَسْعُونَ نَفْسَةً وَاحِدَةً دُوسری آیت فقال الفلنہا حالانکہ ان آیتوں سے جرم کی نوعیت ثابت نہیں ہوتی کہ وہ کیا تھا اور نہ یہ کہ اس قصہ کی اصل کیا ہے۔ جناب سؤل خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی کوئی نقل درست نہیں پائی گئی۔ پھر بھی مفسرین کی ایک جماعت نے اس قصہ کو نہایت بڑے طریقہ پر بیان کیا ہے۔ جس میں وہ مصیب نہیں ہو سکتے۔ اُس دلیل سے جو ہم نے حضرت یوسف کے قصہ میں بیان کی \*۔

بعض محققین اور اصحاب معانی اس قصہ کی نسبت کہتے ہیں کہ اُس میں محل مواخذہ یہ بات ہے کہ داؤد نے یاروں تحقیق کرنے اس امر کے کہ مدعی اپنے دعوے میں سچا ہے یا جھوٹا یہ کہہ دیا۔ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَکَاءِ یَسْبَحُوْنَ بِعَصَاهُمْ عَلٰی بَعْضِنِیْنَ بِمَا وِیْلَیْہُمْ دُوسری تاویلات کے نظم قرآن سے زیادہ مشابہہ اور ملتی جلتی ہے۔ اور حقیقت اس تاویل میں زیادہ احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ اس کی تاکید دُوسری اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ جو اُس کے بعد ہوتی ہے۔ یَا دَاوُدَ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِیْفَتَہٗ فِی الْاَرْضِ فَاٰخِذْ بِبَیِّنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی۔ اس روشن ہے کہ حضرت داؤد اس قضیہ میں حاکم تھے نہ خصم اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ حکم ہوتا فَاٰخِذْ بِبَیِّنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ امکان رکھتا ہے۔ مراد اس آیت سے اس کے علاوہ کوئی دوسری بات ہو۔ اور چونکہ قرآن میں یہ قصہ مبہم ہے۔ اور آنحضرت سے بھی اس باب میں کوئی نقل قابل اعتماد نہیں پہنچی۔ تو مناسب بلکہ محتاط یہ ہے کہ اس میں توقف کیا جائے۔ اور اعتقاد کیا جائے کہ اگر زن اور یا کے قصہ کی کوئی اصل ہے تو قصہ گو یوں کے بیان کے خلاف ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا من حدث بحديث داؤد علی مایں وی بہ القصص جلد تہ جلدۃ المفتی \*۔

اس باب میں اصل قصہ جو نزدیک تر باحتیاط ہے۔ یہ ہے جو

زمانہ اور یا اور داؤد کے واقعات مشہورہ جھوٹا ہے۔

بعض اصحاب تاریخ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد کی نظر بے اختیار اوریبا کی  
 جو روپ پر پڑ گئی۔ جس کے حسن پر انہیں تعجب ہوا۔ پھر آپ نے از روئے محبت  
 و ارادت کے جو پیغمبروں کو صلاحائے اُمرت کے ساتھ ہوتی ہے نہ از روئے  
 حکم و سلطنت کے اوریبا کو کہا کہ اگر ممکن ہو تو اس عورت کو میرے لئے  
 چھوڑ دے تاکہ میں اسے اپنی زوجہ بنالوں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اوریبا نے  
 پیام نکاح اُس کو پہلے بھیجا تھا۔ اور داؤد علیہ السلام نے اوریبا کے بعد اُس  
 طلبِ خطبہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اتنی بات پر داؤد پر عتاب کیا۔ یہ  
 دونوں صورتیں مشابہت خصمان کی رکھتی ہیں۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ قصہ  
 کی حقیقت کیا ہے۔ ہاں ہم نے علم کے طریق سے معلوم کیا ہے کہ داؤد کے  
 قصہ کو قصہ گو یوں کے طریق پر بیان کرنا درست نہیں ہے۔ اس اسطے کہ اللہ  
 تعالیٰ نے پیغمبروں کو اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ وہ ظلم کو دفع اور فساد  
 کو رفع کریں۔ اور بندوں کو حکم کیا کہ اُن کی پیروی و متابعت کرو۔ اور اُن کے  
 گفتار کو کردار کو اپنا پیشوا بناؤ۔ جب ایسی ناروا باتوں کو اُن کی جانب نسبت  
 کریں تو اُن کی متابعت اور خود اُن کی بعثت کیونکر مفید ہو سکتی ہے۔ اللہ  
 تعالیٰ جو کچھ فرماتا اور حکم کرتا ہے وہ سوائے صدق و عدل کے نہیں ہوتا  
 پس لازم آتا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ مخلوق کی جانب بھیجے اور خلق  
 کو مطلقاً اُن کی متابعت کا حکم فرمائے۔ وہ منافی حق اور مخالف عدل ہوگا۔  
 حضرت امام ابو منصور مازیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انبیاء کے حق  
 میں جو پ عصمت کی تاکید ملائکہ کے حق میں تاکید کرنے سے زیادہ اہم ہے  
 کیونکہ لوگ حضرات انبیاء علیہم السلام کی متابعت پر مامور ہیں۔ اور ملائکہ کی  
 اطاعت پر مامور نہیں ہیں۔ پھر جاہلوں سے تعجب ہے کہ وہ ایسی دوسرا کار  
 باتوں کو عوام کے کانوں میں پہنچاتے ہیں۔ اس سے صاف روشن ہوتا ہے  
 کہ وہ انبیاء کے مراتب و منازل کی معرفت نہیں رکھتے۔ اور اصول دین سے  
 اُن کا حق نہیں سمجھتے۔ گویا اُن کو علم شرع سے کوئی آگاہی نہیں ہے۔ اگر کوئی  
 شخص کسی مسلمان تباہ کار سے ایسی باتیں سنے تو اُس کو چاہئے کہ اُس کا اعادہ

ترجمہ عظیم الشان



نہ کرے۔ ورنہ سننے والا بھی خطا کار ہوگا۔ اور قائل کی طرح اُس کی آخرت بھی تباہ اور برباد ہوگی۔ ایسی باتوں کا احادِ مسلمان اور افرادِ امت کی نسبت سننا۔ اور اس کو دوسرے کے سامنے بیان کرنا گناہ اور حائلِ غیبت ہے تو ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں ایسی بیہودہ باتیں کہنا کس قدر موجبِ گناہ و نکالِ آخرت ہو سکتی ہیں \*

## نکاح حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اسی طرح جملانے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باب میں تزییح حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے متعلق بذریعہ طریق بیان سے کام لیا ہے۔ جو عقلاً و نقلاً کذبِ افتراء اور تراہتان ہے۔ کہتے ہیں آنحضرتؐ کی نظر زینبؓ پر پڑی۔ اور آپؐ کے دل میں زینب کی محبت راسخ ہو گئی یہ سبب تھا جس سے آپؐ کو زینب کے ساتھ تعلق پیدا ہو گیا۔ یہ بیان محض دروغ و کذب ہے۔ اگر کسی ناقل نے اُس کو نقل کیا ہے۔ تو اس باب میں اُس کی نقل جھوٹی اور ناقابلِ اعتبار ہے۔ اور اس بارہ میں کوئی بھی نقل معتبر اور قابلِ اعتماد نہیں پائی گئی۔ ہم کو علماء اسلام اور تاریخ زمانہ رسول علیہ السلام اور آپؐ کے حالات اور سیر صحابہ رضی اللہ عنہم کے باب میں حتمی یا وثوق تھا میں مہینچی ہیں۔ اُن میں سے ہم نے کسی کتاب میں اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہوا نہیں دیکھا \*

اس باب میں کتبِ حدیث میں جو کچھ مذکور ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے زینب بنت جحش کو زید ابن حارثہ کے لئے چاہا جس کو آپؐ نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ اور اسی خیال سے لوگ اُس کو زید بن محمدؐ کہا کرتے تھے زینب اور اُس کے اولیا اس خواستگاری سے راضی نہ تھے۔ کیونکہ حضرت زیدؓ موالی سے تھے۔ اور حضرت زینبؓ ایک شریف خاندان کی بیٹی تھیں۔ اور آنحضرتؐ کی چھیری بہن تھیں۔ عرب لوگوں کا دستور تھا کہ موالی کی صلیت کو مکروہ جانتے تھے۔ اس سبب زینبؓ کے اولیا نے زیدؓ کے ساتھ مناکحت



کو مناسب سمجھا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ اِس آیت میں مومن سے مراد حضرت عبداللہ بن جحش یعنی زینبؓ کے حقیقی بھائی ہیں۔ اور مومنہ سے خود حضرت زینبؓ مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کسی مومن اور مومنہ کو زیبا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کرے تو اس پر راضی نہ ہوں۔ اس آیت کے نزول پر یہ دونوں راضی ہو گئے۔ اور خدا کے حکم کے موافق زینبؓ کا نکاح زیدؓ کے ساتھ ہو گیا۔

## ونکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا

عرب میں تدبیر سے ایک بُرا دستور یہ چلا آتا تھا کہ وہ جس کو اپنا بیٹا کہہ دیں۔ اُس کی مطلقہ جو رو سے اپنا نکاح کرنا معیوب اور نہایت بُرا سمجھتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس بُری رسم کو آنحضرتؐ کے فعل سے توڑ دے۔ اور زینبؓ کو بعد مفارقت کے حکم آسمانی آنحضرتؐ کے نکاح میں دے دے تاکہ اس عادت بد کی مخالفت صحابہ اور امت پر آسان ہو کیونکہ اگر آنحضرتؐ کو ایسا فعل کرتے نہ دیکھتے تو صحابہؓ اور امتؓ مابعد پر بڑا حرج واقع ہوتا۔ اور لوگ ایسا فعل کرنے سے ہچکچاتے۔ اور اپنے متبعین کی جو رو سے نکاح کرتے گھبراتے۔ اور ان کی طبیعت ایسی عورتوں کی حرمت سے نفرت کرتی۔ اس لئے کہ زنا شوائب ایسا کام ہے کہ بدوں میل نفس اور غبت طبع کے نہیں ہوتا۔ حق تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو مطلع فرما دیا تھا کہ حضرت زینبؓ تیری زوجگی میں آنے والی ہے پس زیدؓ کے دل میں زینبؓ کی صحبت سے کراہت سی پیدا ہو گئی۔ لہذا انہوں نے حضرت رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ زینبؓ شریف گھرانے کی عورت ہے۔ وہ باتوں میں مجھ پر چہرہ دستی کرتی ہے۔ اس واسطے میں اُس کی صحبت نہیں چاہتا۔ اور طلاق دینا چاہتا ہوں۔

حضرت علیہ السلام نے فرمایا: زید ایسا مت کرو۔ اپنی عورت کو نہ چھوڑو۔ اور خدا سے ڈرو کہ بلا سبب طلاق دینا ٹھیک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ پر عتاب کیا۔ اور فرمایا کہ اللہ جس امر کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تم اُس کو چھپاتے ہو۔ اور لوگوں سے ڈرتے ہو۔ حالانکہ خدا ہی سے ڈرنا چاہئے۔ مطلب یہ کہ منافقین اور بے علم لوگوں سے اعتراض بے جا پر خیال کر کے تم زید کی زینبؓ کو طلاق دینے اور پھر اس کو اپنے نکاح میں لانے سے احتراز کرتے ہو۔ باوجود اس کے کہ ہم نے تمہیں مطلع کر دیا ہے کہ زینب تمہارے نکاح میں آئیگی۔ اگر بد باطن لوگ کہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بیٹے (متبیتی) کی جو رو سے نکاح کر لیا تو یہ کوئی ڈرنے کی بات نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا: **إِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ** یعنی اے رسول جب تم اللہ کے اور اپنے منہ خد علیہ کو کہتے تھے کہ اپنی زوجہ کو روک رکھ اور خدا سے ڈر اور تم اپنے دل میں چھپاتے تھے وہ بات جو خدا ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے۔ حالانکہ خدا ہی اس امر کا مستحق ہے کہ اُس سے ڈرو اُس کے بعد خدا نے اس حکمت کو یاد کیا کہ جب نے زینبؓ سے اپنی حاجت کو چھوڑ دیا۔ اور اُس کو زینبؓ کے ساتھ کوئی سبیل نہ رہی تو ہم نے زینبؓ کو تمہارے نکاح میں دیدیا۔ تاکہ مومنین کو اپنے منہ بولے بیٹوں کی عورتوں سے زینبؓ وہ اپنی حاجت کو چھوڑ چکے یعنی طلاق سے چکے ہوں۔ اور عدت

۱۔ عالم التزیل میں ہے۔ **هَذَا هُوَ الْأَوَّلِي وَالْآلِيقُ بِحَالِ الْأَنْبِيَاءِ** یعنی اس واقعہ کو

اسی طرح سمجھنا زیادہ اچھا اور نظر بہ حالات انبیاء زیادہ لائق ہے۔

۲۔ **وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ** یعنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جس کی کوئی بات چھپانے کی نیت اس آیت کو چھپاتے **وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ**

اس سے ثابت ہے کہ حضرت علیہ السلام نے وحی کی کسی بات کو ہرگز نہیں چھپا۔



گذر گئی ہو نکاح کرنے میں عرج نہ ہے۔ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا  
آخر آیت تک •

حلیث میں ہے کہ حضرت زینب جناب رسول خدا کی دوسری ازواج  
پر فخر کرتیں اور سنہادتیں کہ تم کو تمہارے باپوں نے آنحضرتؐ کے نکاح میں یا  
اور مجھ کو وحی سادہ کے ذریعہ حضور علیہ السلام کو زوجہ کر کے دیا۔ اور حدیث  
میں ہے کہ جب زینب کی عدت گزر گئی تو آنحضرتؐ نے زید کو زینب کے  
نزدیک یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اُن سے کہو تم کو پیغمبر خدا یا ذکر کرتے یعنی چاہتے  
ہیں۔ زینبؓ نے کہا کہ میں بدوؤں اجازت خدا کے کوئی کام نہیں کروں گی پس  
اٹھ کر جانا زپر گئیں۔ اور استخارہ کیا۔ اُسی وقت رسول خدا پر قرآن نازل  
ہوا کہ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا فَجَاءَ بِهَا بِسُورَةٍ مِّنْهُنَّ لَعَنَ  
تشریف لے گئے۔ اور بغیر دستوری اور طلب اجازت کے اندر چلے گئے۔  
اس وقت حضرت زینبؓ سر پر نہ تھیں۔ انہوں نے یہ دیکھ کر کہ حضور تشریف لائے  
ہیں۔ شرم کے مائے سر پر آستین ڈال لی۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! بلکہ  
خَطْبَتِي وَلَا شَهِيدَ يَمْنِي لِي حُضُورُ بِلَا حُجَّةٍ تَكْفِي لِي أَوْ بَعْدُ كَوَاهِ كَسَ۔  
آپ نے فرمایا۔ وَاللَّهِ الْمَرْجُوحُ وَجِبْرِيلُ شَهِيدٌ اِنَّهُ تَمَّارُ نِكَاحِ  
میرے ساتھ کرو یا۔ اور جبریل امین اس کے گواہ ہیں •

۱۵ قال انس كانت زينب تفتخر على احوال النبي صلى الله عليه وآله وسلم  
فتقول نهجكن اها ليكن زوجتي الله من فوق سبع سموات ۱۲ معالم  
۱۶۔ دوسری حدیث عن ثابت عن انس قال لما انقضت عدت زینب  
قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لزيد فاذكرها على ما  
فانطلق زيد حتى اتاها وهي غمر عجنها قال فلما رايتها عظمت  
صدری حتى ما استطعت ان انظر اليها ان رسول الله م ذكرها فوليتها  
ظهري ونكست على عقبی فقلت يا زينب ارسلني رسول الله م اليك  
يذكرك قالت ما انا بصا نعت شيئا حتى اوافي ربي فقامت الى مسجد ها  
ونزل القرآن وجاء رسول الله م فدخل عليها بغیر اذن ۱۲ معالم •



منافقین کی زبان و راز کی

اس واقعہ کے بعد منافقوں نے زبان طعن و راز کی۔ اور کہنے لگے کہ پیغمبر خود تو کہتے ہیں کہ تمہارے بیٹوں کی عورتیں تم پر حرام ہیں۔ اور خود ہی اپنے بیٹے کی عورت سے نکاح کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان بد باطنوں کے جواب میں ارشاد فرمایا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا یعنی محمد تم میں سے کسی کے بھی باپ نہیں۔ وہ تو خدا کے رسول ہیں اور تمہارے کی نبوت ان پر ختم ہو گئی ہے۔ (ان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں) اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اور فرمایا مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ تَأْخِرَ آيَاتٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُجَاتٍ طَحٍ ہے۔ اور وضعین اور بے دینوں نے جو مشہور کیا ہے کہ آنحضرت کی نظر زیب پر پڑ گئی۔ اور آپ کی دل ادھر متعلق ہو گیا۔ اور فرمایا سُبْحَانَ مَقْلَبِ الْقُلُوبِ یہ اور اس کے مانند جو کچھ منافقوں نے آنحضرت علیہ السلام کے زمانہ میں اس باب میں نقل کیا ہے بالکل کذب افتراء ہے۔ اہل ایمان کو زینہار اس پر یقین نہ کرنا چاہئے۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ بعض علمائے متاخرین نے اس قصہ کی بنا پر مذہب کو فروغ دینا چاہا ہے۔ اور اس پر تمیاس کیا ہے کہ جس عورت پر آنحضرت کی نظر پڑ جاتی۔ وہ اپنے خاوند پر حرام ہو جاتی۔ اس بات کی کتاب سنت میں کوئی اصل نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں نے اپنے حسن ظن سے اس قصہ کے ابراہیم اصحاب تفاسیر کی نقل پر بھروسہ کر لیا ہے۔ حالانکہ دو وجہ سے یہ بیان محل مواخذہ ہے۔ اول یہ کہ یہ حدیث اس وجہ پر کوئی اصل نہیں رکھتی۔ اور کسی معتد تاقل نے اس کو نقل نہیں کیا ہے۔ دوم یہ کہ اجتہاد و ماں کرنا چاہئے جہاں اس کی ضرورت ہو۔ اور یہاں اجتہاد کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ اس سے خاموش رہنا واجب ہے۔

لے تعجب ہے کہ مفسرین نے کیوں اس طرح اس قصہ کو بیان کیا۔ جو شان نبوت کے منافی ہے۔

اس باب میں علمائے متاخرین کی غلطی

جو لوگ علم نقل کے شتاساں ہیں۔ انہوں نے اس حدیث کو کتابِ سنت سے نہیں بلکہ مغتریات زناذقہ سے کہا ہے چنانچہ وہ اپنی عادت کی موافق اپنے پیشوایانِ دین کے حق میں کہتے ہیں کہ اگر ان میں سے کسی کی نظر ان کی عورت پر پڑھ گئی۔ تو شوہر کو واجب ہے کہ اپنی زوجہ کو اس کے لئے چھوڑ دے۔ فَلَا جَزَاءَ لَهُمُ اللَّهُ عَنِ الْإِسْلَامِ وَ أَهْلِهِ خَيْرًا ۝

## آنحضرت کی زناہتِ نظر پر ایک سچی نقل

ہم اس مقام پر ایک نقل درست کا تحریر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ جس سے پورے طور پر آنحضرتؐ کی پاکی نظر نامحرم سے اور آپ کی نفی نظر ایسی چیزوں سے جو خیانت سے مشابہ ہوں۔ اگرچہ فی نفسہ خیانت نہ ہو روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ جب آپ فاتحانہ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو آپؐ نے مکہ میں چند آدمیوں کا خون بہانا مباح فرمایا اور کہا کہ اگر یہ لوگ غلافِ کعبہ کو بھی پکڑیں تو ان کو نہ چھوڑو۔ اور قتل کر ڈالو انہیں میں سے ایک عبداللہ بن سعید بن ابی سرح تھے۔ فتح مکہ کے روز حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا ہاتھ پکڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے۔ کیونکہ وہ ان کے رضائی بھائی تھے۔ اور حضرتؐ سے عرض کیا حضورؐ عبداللہ کو ہاتھ دیجئے تاکہ آپ سے بیعت کر لیں چند مرتبہ اسی طرح عرض کیا۔ اور حضورؐ علیہ السلام خاموش رہے۔ آخر بڑے اصرار و اخلاح کے بعد ان کی بیعت قبول کر لی پھر مجمع کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ میں اس لئے خاموش تھا کہ تم میں سے کوئی شخص اٹھ کر عبداللہ کی گردن مار دے۔ کسی انصاری نے کہا اے حضورؐ آنکھ سے کیوں نہیں اشارہ کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا کسی پیغمبر کو زیبا نہیں کہ اُس کی آنکھ متضمن خیانت ہو۔ مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَهُ خَائِنَةٌ إِلَّا حِينَ ۝

جب آپؐ نے اسے امر کے مہمنا کے لئے جو دین کی رُو سے ٹھیک و ثواب تھا۔ آنکھ سے اشارہ کرتا پسند نہ کیا۔ اور اُس کو اپنے حق میں خیانت







کا نفس اُن کے حکم کا مطیع تھا۔ اور ہوائے نفسانی کو آپ پر مطلق غلبہ و انتیہ نہ تھا۔ اور اُن کا ہمزاد یعنی جن جو ہر شخص کے ہمراہ رہتا ہے۔ آپ کا مسخر و منقاد تھا سوائے خیر کے کسی جانب میل نہ کرتا۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم افضل ماصلی علی النبی من انبیاءہ و مسلمہ  
انہی میں سے ناقابل اعتقاد تِلْكَ فَسَ اٰیٰتُ الْعُلٰی والی حدیث

ہے۔ جس کو راویوں نے تفاسیر میں یاد کیا ہے۔ اس حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ رسول خدا نماز میں سورہ والنجم پڑھے تھے۔ جب اس مقام پر پہنچے اَفْرَ اَیُّھُمُ التَّلٰتِ وَالْغُرٰی وَمَنَاةَ الثَّالِثَةِ الْاٰخِرٰی تو شیطان نے آپ کی زبان میں ڈالا تِلْكَ الْغُرٰی اٰیٰتُ الْعُلٰی وَاِنْ شَغَاعَتْھُنَّ لَتَشْتَغِیْ اِس حدیث کو آئمہ حدیث سے کسی امام نے ایسے طریق پر نقل نہیں کیا۔ جو قابل حجت ہو۔ ہاں اس حدیث کو سعید بن جبیر سے نقل کیا گیا ہے۔ اور اُس کا یہ حال ہے کہ سعید بن جبیر کا راوی کتا ہے۔ لَا اَھْلَہٗ اِلَّا مِنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ یعنی میں اس حدیث کو جو سعید بن جبیر نے روایت کیا ہے۔ نہیں جانتا مگر ابن عباس سے۔ اور ایسی محدوش روایت سے ایسے بڑے قضیہ کو ثابت کرنا بالکل درست نہیں۔ باوجود اس کے کتب تفاسیر میں اس حدیث کو لوگوں نے سعید بن جبیر سے ہی روایت کیا ہے۔ اور انہیں تک روایت کو پہنچا یا ہے۔ اور سعید بن جبیر وہ شخص ہیں کہ عدالت میں اُن کا حال مجہول ہے۔ اور اگر یہ حدیث اسناد پسندیدہ سے بھی پائی جاتی تو بھی قابل حجت نہ ہوتی۔ کیونکہ یہ احاد سے ہے۔ اور حدیث احاد موجب علم نہیں ہوا کرتی۔ فَکَیْفَ کہ اُس میں کثرت سے کلام و گفتگو ہو۔ اور یا چندیں علت اصول دین کے بھی منافی ہو، اس واسطے کہ ہرگز روا

ہے صحیح مسلم میں بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا نہیں مگر ہمراہ اُس کے ایک منہشیں اُس کا جنوں میں سے اور ایک منہشیں اس کا فرشتوں سے میں کیا گیا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ کے لئے بھی یا رسول اللہ، فرمایا ہاں میرے لئے بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر مدد دی۔ وہ مطیع (یا مسلمان) ہوا۔ (حدیث میں لفظ فَاَسْلَمَ درج ہے) وہ بھلائی کے ساتھ مجھ کو حکم کرتا ہے +

ہیں کہ شیطان کے القاء کو آنحضرت ﷺ تلفظ کریں۔ شیطان کو آپ پر بالکل قدرت و غلبہ نہ تھا۔ اور اس لئے بھی نادرست ہے کہ آنحضرت ﷺ کو القاء شیطانی اور وحی جبرئیل میں کاہل تمیز حاصل تھی۔ اگر تمیز نہ ہوتی۔ تو قرآن غیر قرآن سے کس طرح ممیز ہوتا۔ پھر حالت نماز میں یہ بات بطور اولیٰ تاہمکن ہے کہ آپ محض ایک گمان پر ایسے الفاظ پڑھ جاویں۔ جو قبیل کفر سے ہوں \*

اس اعتقاد کا فساد دین اسلام میں سخت ظاہر ہے۔ اور اس قول کا  
بطلان کسی ایسے شخص سے جو کچھ بھی فہم و درایت رکھتا ہو بطلان پوشیدہ نہیں  
ان ناقلاں سادہ دل سے تعجب ہے کہ ایسی حدیث کو اپنی کتابوں میں نقل کر دیا  
ہے۔ اور اس ضمن میں کیا بلحاظ دین اور کیا بطریق نقل جو خلل موجود ہیں ان کا  
اندیشہ نہیں کیا۔ انہوں نے اتنا بھی خیال نہیں کیا کہ خداوند تعالیٰ نے  
اس صورت کی ابتدا میں شہم کھا کر اس بات کو یاد کیا ہے کہ تمہارا پیغمبر  
گمراہ نہیں ہے۔ اور ہوائے نفس سے کوئی بات نہیں کہتا ہے۔ وہ جو کچھ کہتا  
ہے وہ وحی ہے۔ جو اُس کی طرف بھیجی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا: **الْبَحْرُ إِذَا  
هَوَىٰ مَا مَنَلْ صَاحِبِكُمْ وَمَا غَوَىٰ وَمَا يَنْطِقُ مِنَ الْهَوَىٰ إِنْ  
هُوَ إِلَّا وَخْيٌ يُوحَىٰ** پس کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ نماز ہی میں جب ہی  
صورت پڑھ رہے ہیں۔ شیطان لعین آپ پر الفا کرے۔ اور کلمات کفر  
آپ کی زبان سے ادا ہوں۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک و جَلَّ مَنْصُوبٌ  
رِسَالَتِهِ عَنْ مِثْلِ هَذِهِ الْمِفْوَاتِ ۝

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں  
چو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنتا اس کو  
رکھ لیا کرتا تھا۔ قریش مجھے منع کرتے اور کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و  
آلہ وسلم بشر ہیں۔ کبھی حالت رضا میں اور کبھی حالت سخط میں باتیں کرتے  
کرتے ہیں۔ تو تم آپ کی ہر ایک بات مرت لکھا کرو۔ (مراد یہ ہے کہ انسان  
معاہدۃ التفریق میں ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ یہ القانماز میں ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں نماز کے باہر ہوا اور



جب حالت غضب میں ہوتا ہے تو اس کی زبان سے ناقابل اظہار باتیں نکل جاتی ہیں۔ پس ہر قسم کی بات کو لکھنا ٹھیک نہیں ہے، عبد اللہ کہتے ہیں میں نے یہ حال پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اے عبد اللہ جو کچھ مجھ سے سنو لکھ لیا کرو۔ مستم اس نے اس بات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے۔ سوائے حق کے اس سے کچھ باہر نہیں نکلتا۔ اور آپ نے اپنے دو ہاتھ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا حدیث کے لفظ یہ ہیں اَلْكَتُبُ هُوَ الَّذِي تَفُتُّ مُحَمَّدٍ يَبْدَأُ خَرَجَ مِنْهُ اِلَّا الْحَقُّ وَ اِشار الی خبر۔ پس ایسی حدیث جس کے متعلق یہ معلوم نہیں کہ اس کو کس نے نقل کیا۔ اور کس طرح نقل ہوئی۔ ایک ایسی حدیث اور متین حدیث کے مقابلہ میں جس میں رسول خدا نے خود خبر دی کہ میرے منہ سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے۔ اور کس طرح درست ہوگا۔ اگر قائل کہے اکثر مفسرین نے ذیل کی آیت کے تحت میں اسی طرح اس کی تفسیر کی ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنَّيَ الْفَقِيْرُ الشَّيْطَانُ فِيْ اَمْنِيَّتِهِ جَوَاب یہ ہے کہ اس آیت سے یہ کہاں ثابت ہے کہ شیطان نے بُری بات رسول خدا پر القا کی۔ آیت کی تفسیر اگر لفظ تلاوت سے کریں۔ تو معنی آیت کے یوں ہوں گے کہ تمہارے قبل ہم نے کوئی رسول اور کوئی نہیں بھیجا۔ مگر وہ جب کبھی خدا کا کلام پڑھتا ہے تو شیطان اس کی تلاوت میں کوئی شے ڈال دیتا ہے۔ اب یہ القا دو وجہ سے ہو سکتا ہے۔ لفظ کی رو سے یا معنی کی رو سے۔ معنی کی رو سے القا کے معنی یہ ہیں کہ شیطان اپنی تاویلات فاسدہ اور توہیات نفسانی سے تلاوت کو اُن پر مشتبہ کر دیتا ہے۔ اور اگر از روئے

لے تمنی کے دو معنی ہیں۔ قرات اور آذر دی دلی۔ یہاں دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ اے رسول! ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا۔ مگر ان کو یہ پیش آیا کہ جب انہوں نے کچھ تمنا یا قرات کی تو شیطان نے ان کی تمنا یا قرات میں کچھ ڈالا۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا تَبَّ



لفظ ہو تو القا کے یہ معنی ہیں کہ جو چیز اصل الفاظ سے نہیں ہوتی شیطان  
 اُس میں ملا دیتا ہے۔ پس خدا اپنے کلام کو شیطان کے القا سے نگاہ رکھتا  
 ہے۔ اور القا سے شیطان کو محو و ناچیز کر دیتا ہے۔ یعنی خدا کا فرمودہ محفوظ  
 رہتا ہے۔ اور شیطان کا القا نابود ہو جاتا ہے۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے  
 کہ مذکورہ بالا آیت تِلْكَ الْغُرَابِيُّ الْقُلِيُّ الخ کے قضیہ کے متعلق نازل  
 ہوئی ہے طریق ثواب یہ ہے کہ تاویل اُس کی اس وجہ پر کریں کہ جب آنحضرت  
 اس مقام پر پہنچے اَفْرَأَيْتُمُ اللَّامَةَ وَالْعُسْرَى وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ  
 الْاُخْرَى تو شیطان ملعون نے اس طرح آواز کی تِلْكَ الْغُرَابِيُّ الْقُلِيُّ  
 الخ مشرکوں نے اس آواز کو سنا اور اپنے قصور و غم و غلطی کے سبب  
 یہ خیال کیا کہ آنحضرت ہی پڑھ رہے ہیں۔ بایں خیال خوشنود ہوئے۔ اور  
 اس بات کو پھیلا دیا۔ اور حضرت نبی کریم علیہ السلام اس امر سے ملول ہوئے  
 خدا تعالیٰ نے آپ کی تسکین خاطر کے لئے یہ آیت نازل فرمائی وَمَا اَرْسَلْنَا  
 مِنْ قَبْلِكَ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ الخ اس حدیث کی اگر کوئی اصل ہو تو اس طرح اُس کی  
 تاویل کرنا چاہئے۔ تاکہ مخالف کتاب و سنت و اصول دین کے نہ ہو۔ اور  
 اگر یہ درست ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا کہ اَلْقَى عَلِيٌّ لِسَانَهُ تو مراد لسان سے  
 نعت ہوگی یعنی شیطان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت  
 میں القا کیا۔ چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں ۛ

## تیسری فصل

رسالت خاتم الانبیاء اور آپ کے معجزات کے بیان میں

خدا تعالیٰ نے ابتدائے نبوت میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
 پر ایک فرشتہ کو موكل کیا تھا۔ تاکہ آپ کو ضروریات دین اور طریق عبودیت

سے آگاہ کرتا ہے۔ اور حدیث اس طرح آئی ہے۔ فَكَانَ يُعَلِّمُهُ الْكَلِمَةَ  
وَالْكَلِمَتَيْنِ یعنی فرشتہ آپ کو ایک ایک دو دو باتیں تعلیم کرتا تھا  
اُن دنوں آپ کو سچے خواب دکھائی دیتے تھے۔ یہ نبوت تھی جو بعد اس کے  
جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے۔ اور آپ کو کہا کہ اہل مکہ کو توحید کی  
طرف دعوت کریں۔ اب نبوت کے ساتھ رسالت بھی شامل ہو گئی۔ آپ کی  
دعوت میں چند چیزیں ایسی تھیں۔ جو دوسرے انبیاء کی دعوت میں موجود نہ  
تھیں۔ اول یہ کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو تمام انس و جن کی ہدایت کے لئے  
بھیجا ہے۔ اور میری دعوت قیامت تک اُن پر جاری رہیگی۔ دوم یہ کہ  
آپ کی شریعت آخرہ اکمل شرائع ہے۔ سوم یہ کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔  
نبوت کا دروازہ آپ کے بعد مسدود ہو گیا ہے۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔  
چنانچہ حدیث درست سے ثابت ہے۔ لَا نَبِيَّ بَعْدِي آپ کی دعوت و  
رسالت کے متعلق آپ کے ظہور کے پہلے بذریعہ انبیاء سابق اطلال دی  
جا چکی تھی۔ اور اُس علم میں جو اُن میں متواتر چلا آتا ہے صاف تصریح  
کر دی گئی تھی کہ پیغمبر آخر الزمان مبعوث ہوگا۔ اس کی نبوت تمام انس و  
جن کے لئے یکساں ہوگی۔ وہ خاتم الانبیاء ہے۔ اُس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا

۱۔ کرب معتبرہ میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف قریب چالیس سال  
کے ہوئی اور ظہور قدسی کا وقت قریب آیا۔ تو آپ رات دن خدا کی یاد میں محو رہتے۔ غار حرا میں جاتے  
اور کئی کئی روز وہیں رہ کر یا خدا میں مشغول رہتے۔ اور غور و فکر کرتے تھے۔ اسی زمانہ کو تلاش  
حق کا زمانہ کہا گیا ہے۔ چنانچہ وَ وَجَدَ لَكَ صُلَاكًا فَهَدَىٰ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے  
رسول کریم ہم نے تم کو اپنی تلاش میں سرگرم اور غلطان و پیچان پایا تو ہم نے تم کو اپنی طرف  
رہنمائی کی۔ اس قسم کی ایک حدیث بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی  
ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو ابتدا میں وحی شروع ہوئی۔  
تو وہ روئے صالحہ کے طور پر تھی۔ ہر ایک روئے جو آپ دیکھتے وہ صبح کی سفیدی کی طرح سات  
اور بین طور پر پوری ہوتی۔ اور آپ کو خلوت اور تنہائی میں رہنا پسند ہوتا پس آغا حرا میں جاتے  
اور وہاں کئی کئی رات تک عبادت کرتے۔ پھر گھر آتے اور اپنے ساتھ کچھ زاد لے جاتے۔ جب وہ ختم ہو جاتا  
تو پھر خدیجہ سے آکر اٹھایا زاد لیجاتے۔ آپ اسی حالت میں تھے کہ آپ کے پاس حق آگیا۔ اور اس وقت  
آپ غار حرا میں تھے ۱۲ منہ



اُس کا دین تمام ادیان سے بہتر اور اُس کی شریعت جملہ شرائع کی ناسخ ہوگی یہ تمام باتیں آپ کے دعوے کی حجت تھیں۔ اس کا علم اہل کتاب کو پہنچ چکا تھا۔ مگر وہ باوجود اس علم کے آپ کے زمانہ میں آپ کے دشمن ہو گئے۔ حالانکہ آپ کے ظہور کے پہلے ان بشارات کو نقل کرتے تھے اور ان بشارات کی صحت کی گواہی دیتے تھے۔ اور ان کے علما کہا کرتے تھے کہ اہل مکہ سے نبی آخر الزمان کے ظہور کا وقت قریب آن پہنچا ہے۔ آپ کے قرب ولادت کے ایام میں عجیب نادر نشانات ظاہر ہوتے تھے۔ چنانچہ ابابیلوں کی کنکریوں سے اصحاب الفیل کی ہلاکت اور بتوں کا اونٹ سے منہ زمین پر گرنا جن کو مشرکین مکہ پہنچتے تھے۔ اور بحیرہ سادہ کا پانی خشک و غائب ہو جانا اور ایوان کس کے چوڑے کنگروں کا گرنا۔ اور آواز مائے سراقہ کا گوش زد ہونا اور کاہنوں کا اتفاق کرنا اس مر پر کہ حادثہ عظیم عالم میں ظہور کرے گا کہ اُس کے سبب جتنوں کو اخبار سماوی کی خبر منع ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ از آیات کثیرہ اور دعوت کے بعد جو آپ کے معجزات ظاہر ہوئے وہ حد اخصا دشمنوں سے باہر ہیں۔ اُن میں سے ایک شق القمر ہے۔ دوسرا سنگریزوں کا آپ کے ہاتھ میں تسبیح کرنا۔ تیسرا یہ کہ آپ کی انگلیوں سے اس قدر پانی نکلا کہ ڈیڑھ ہزار اصحاب کے قریب اُس سے سیراب ہوئے۔ اور سب نے وضو کیا۔ اور بہائم کو پانی پلایا۔ اور بقدر حاجت پھر رکھا۔ چوتھے یہ کہ ستونِ حنا نے آپ کی جدائی میں نالہ کیا۔ یہ ایک چوب تھا۔ کہ حضور اُس پر تکیہ کر کے خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ جب ممبر بنایا گیا تو آپ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنے لگے۔ اس امر سے بحکم رب ذوالجلال چوب مذکور نے باواز بلند نالہ کیا حتیٰ کہ صحابہ کرام نے مسموع کیا۔ پانچویں یہ کہ آپ کی دعا کی برکت سے قلیل کھانا زیادہ ہو گیا۔ جس سے تمام لشکر کو کفایت المونت حاصل ہوئی۔ چھٹوں یہ کہ ذراع گو سفند نے جو زہر آلودہ تھی۔ آپ کو مطلع کیا کہ مجھے تناول نہ کیجئے دشمنوں نے مجھ میں زہر ملا دیا ہے۔

ایک قسم معجزات آنحضرت کی وہ ہے جس میں آپ نے آئندہ زمانہ



کی خبریں دی ہیں کہ فلاں وقت میں ایسا ہوگا۔ اور ویسا ہی ہوا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا تھا کہ کسے اقصیٰ کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ ہونگے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اور سراقہ کو فرمایا کہ کسے کے دونوں ہاتھ خدا تیرے ہاتھ میں دیگا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اور آپ نے مکہ و یمن و شام و عراق کی فتح کے متعلق جس ترکیب سے خبر دی تھی۔ اسی ترتیب سے مقامات مذکورہ کی فتح واقع ہوئی۔ اس قسم کے معجزات بھی شمار سے اٹھوٹ بالائے ہیں۔ ایک علمائے سلف نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت کے اعلام نبوت ہزار تک پہنچتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس سے زیادہ ہوں۔ اور ان کی اطلاع عالم مذکور کو نہ پہنچی ہو۔ یہ اعلام نبوت و رسالت کئی قسم کے ہیں۔ بعض متواتر ہیں۔ جن کو قطع کرنا درست ہے۔ اور بعض معجزات ایسے ہیں کہ جماعت کثیر نے ان کو نقل نہیں کیا ہے۔ اور وہ اخبار احاد سے ہیں ان کے جنس میں بطریق معنی تو اترا ثابت ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ جو اخبار اس قسم کے ہیں۔ ان میں باعتبار توازن و توازن و توازن عجائز کے نظر ہے۔

## قرآن حکیم سے بڑا معجزہ

اور حضرت رسول کریم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے کہ اس کی جانب زوال و انقطاع کو راہ نہیں۔ اور وجوہ توازن سے کوئی خبر قرآن کے مرتبہ کو نہیں پہنچی۔ مدتیں گزر گئیں کہ حق تعالیٰ کی یہ آواز خاص عام کے کانوں میں گونج رہی ہے کہ اے محمدؐ مخالفین سے کہہ دو کہ اگر میں یہ قرآن اپنی طرف سے بنا کر کہتا ہوں۔ تو تم اس کی مثل دس سوڑیں بنا کر لاؤ۔ پھر فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو اس قرآن کی مثل ایک ہی سورت بنا لاؤ۔ پھر فرمایا کوئی حدیث تو اس کی مانند لاؤ۔ غرض ہر بار خدا نے بتواتر چیلے پیالے حبیب کے مخالفین کو قرآن کی مثل بنالمانے کا چیلنج دیا۔ مگر کسی سے آج تک ایک سورت بھی اس کے مثل نہ بن سکی۔ آنحضرت کی نبوت کا یہ ثابت عظیم نشان معجزہ ہے۔ اس واسطے کہ قریش جو آپ کی قوم تھی۔ اور پہلے پہل انہیں سے

خطاب تھا۔ یہ لوگ فصیح و بلیغ اور سخندان لغت تھے۔ اور آنحضرت جو کچھ پڑھتے تھے اُس کے معارف و حقائق کو خوب سمجھتے تھے۔ اور یہی لوگ آپ کی دشمنی میں سب سے زیادہ حصہ لیتے۔ اور آپ کی ہلاکت میں سب سے بڑھ کر کوشش کرتے تھے۔ انہوں نے آپ کی محاربت میں بے انتہا مال خرچ کیا۔ اور اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالا کہ کسی طرح آپ پر غالب ہوں۔ پھر جب اُن سے کہا گیا کہ اس قرآن کی نسبت ایک سورت ہی بنا کر لاؤ۔ تو اُس کے جواب سے قریش پہلو نہی کرتے تھے۔ اور اُن سے ممکن نہ تھا کہ قرآن کی مثل بنا کر لائیں وہ کہا کرتے تھے کہ قرآن سحر و جادو ہے۔ اور کذب و دروغ ہے۔ اگر اُن سے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔ قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت کا معارضہ ممکن ہوتا۔ تو ناحق اپنی جان مال کو ہلاکت میں کیوں ڈالتے۔ اور گونا گوں کوششیں آپ کی ہلاکت میں کیوں کرتے۔ اس واسطے کہ بشرط امکان قرآن سے معارضہ کرنا اور اُس کی مثل ایک سورت ہی بنالانا اس سے زیادہ آسان ہے کہ بدل مال اور ترک وطن اور مفارقت یار و دیا کی حاجت پڑے۔ پھر جب اُن سے قرآن کا مقابلہ نہ ہو سکا۔ اور چھوٹی سی سورت بھی مثل قرآن کے نہ لاسکے۔ پس اُن کی بڑا مان قاطع ہے کہ کوئی شخص بھی قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور یہ کہ قرآن کلام خدا اور آنحضرت کا زندہ معجزہ ہے۔ جو قیامت تک باقی رہیگا۔ اور ہرگز ہرگز کبھی اور کسی زمانہ میں عربی کے بڑے بڑے عالم و فاضل سے اس کا جواب نہ بن سکیگا۔ کیونکہ جس طرح حضور نے قریش سے یہ خطاب کیا تھا۔ اُسی طرح یہ خطاب ہمیشہ اور اب بھی تمام دنیا کے فضلا و علما علوم عربیہ اور فصیحان و بلیغان اور زبان دان لغات عرب سے ہے۔ مگر نہ آپ کے زمانہ میں قرآن کا جواب ہو سکا اور نہ آپ کے بعد اب تک باوجودیکہ ہر قرن میں عربی کے بڑے بڑے ماہرین سے جو دین اسلام کے بھی مخالف تھے۔ اُس کا جواب ہو سکا۔ اور انشاء اللہ آئندہ قیامت تک بھی نہ ہو سکیگا۔ اگرچہ مخالفین اپنی ابروی چوٹی کا زور خرچ کر ڈالیں۔ یہ واقعات ہیں۔ جن سے صاف طور پر یقین



ہوتا ہے کہ قرآن کریم جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عظیم نشان معجزہ ہے۔

## وجہ اعجاز

قرآن کریم کے وجوہات اعجاز چند طریق پر ہیں۔ جن کو علامائے کرام نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ اور ساتھ ہی ایک وجہ کی ترییح دوسری وجہ پر ثابت کرتے گئے ہیں۔ ہمیں ان تمام کے نقل و بیان کی ضرورت نہیں۔ ان میں چند ضروری اور صاف و صریح ہیں۔ اس مقام پر بیان کیا جاتا ہے۔

## اعجاز قرآن کی پہلی وجہ

ادل وجہ اعجاز قرآن کی یہ ہے کہ وہ ایسی دلچسپ اور موثر عبارت اور عمدہ ترتیب اور نظم نسق پر واقع ہوا ہے کہ کوئی انسانی کلام اور سخن عرب اس کی مثل اور اس کے مرتبہ کا نہیں پایا جاتا۔ یہی سبب ہے کہ پہلے بھی اور اب بھی فصحاء زمانہ سے جو فصیح و بلیغ انشاء پرداز اور قادر کلام شخص قرآن پاک کی آیات پڑھتا یا سنتا تو صاف لفظوں میں اعتراف کرتا کہ اس قسم کا کلام خلق سے معهود نہیں ہے۔ اور بلا شک یا یہاں کلام ہے۔ جس کا مقابلہ و معارضہ کلام انسان ہرگز نہیں کر سکتا۔

## دوسری وجہ

دوسری قسم اعجاز کی یہ ہے کہ قرآن کریم حالات آئندہ سے باوجود اس کے غیر موجود اور معدوم ہونے کے اور باوجود اس کے کہ اس کا شان و گمان تک نہیں ہوتا۔ سچی خبر دیتا ہے۔ اور ویسا ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ ایتھریف لَسَدُ خُلُقِ الْمَشْجَدِ الْحَرَامِ اِنْشَاءَ الْمَلٰٓئِكَةِ اَمِيْنٌ مُّحَمَّدٌ رُوْسُكُمْ وَمُصْحَبِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ اَوْ رَجَبِيَا كَمَا سَيَهْنُ الْجَمْعُ وَلَوْ اَلَدَّهْرَ



اور جیسا کہ اَلَمْ غَلِبَتْ الرُّومُ فِیْ اَوَّلِی الْاَرْضِ اور جیسا کہ هُوَ الَّذِیْ  
اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِاَلْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهُ عَلٰی السَّالِکِیْنِ  
کَلِمَہ۔ اور جیسا کہ وَاِذْ یَعِیْدُ کُمْ مَّا مِثْلُہٗ اَحَدٰی الْقَاطِئِیْنِ اِلَیْہِ  
اور جتنے وعدے قرآن کریم میں بیان ہوئے۔ خدا کے فضل سے موافق  
اخبار و مواعید کے ہی واقع ہوئے۔

تیسری قسم وجہ عجز کی یہ ہے کہ الفاظ موجز و مختصر میں معانی کثیرہ  
بیان ہوئے ہیں۔ جن سے بعض علما وقف نہیں ہیں۔ اور اکثر علما ان سے  
پوسے وقف و آگاہ ہیں۔ اور علمائے سلف نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام سنتیں قرآن کریم کی طرف راجع ہیں۔ اور تمام  
سنن کی اصل قرآن کریم ہے۔ ان باتوں کا اور اک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
کو بوجہ اکمل و حسن تھا۔ اب معلوم ہوا کہ قرآن کریم کئی طرح سے معجز ہے۔ نظم  
سخن کی وجہ سے کوئی بشری کلام اس کے مشابہ نہیں۔ قرآن کریم میں جو چیزیں  
ہیں۔ ان میں سے ہر ایک برصی لفظ و معنی علی الافراد معجز ہے۔ قرآن کریم  
کے لفظائے موجز جو معانی کثیرہ پر دال ہیں۔ وہ سب معجز ہیں۔ مثلاً قرآن  
معنی کے طریق سے معجز ہے۔ اس وجہ سے کہ بعض قرآن بعض کا مصداق  
سے۔ اور عجز کی ہر ایک قسم معاون ہے دوسری قسم کے +

## قرآنی معجزہ کا مقابلہ حضرت عیسیٰ کے معجزات سے

علمائے ربانی فرماتے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا  
قرآن کو معجزہ کے طریق پر لانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مردہ کے زندہ  
کرنے سے دلالت نبوت میں زیادہ صاف روشن تر ہے۔ کیونکہ قرآن ایسی  
قوم پر آیا۔ جو اہل بلاغت و فصاحت اور صرف سخن پر پوسے قادر تھے۔  
اور باوجود اس کے کہ وہ صرف سخن پر قدرت رکھتے تھے۔ قرآن کے معارضہ  
اور اس کے مش کے لانے سے بالکل عاجز رہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام  
مردہ زندہ کرنے کا معجزہ ایسی قوم پر لائے کہ وہ ہرگز احیاء موتی کی قدرت

نہیں کہتے تھے۔ قریش کو ہرگز توقع نہ تھی کہ کوئی شخص ایسا بلند کلام لائیگا جس کے معارضہ سے وہ عاجز ہوں گے۔ پس وہ خلاف توقع قرآن کے معارضہ سے عاجز ہو گئے۔ غرض قرآن کریم کی مثل کسی پیغمبر کو معجزہ نہیں دیا گیا۔ اُس کی خصوصیت یہ ہے کہ دوسرے انبیاء کرام کو معجزہ بروقت طلبِ توحیدی دیا جاتا تھا۔ پہلے سے انبیاء معجزہ سے واقف نہ ہوتے تھے۔ جب قوم اُن سے معجزہ طلب کرتی تھی۔ تو خدا تعالیٰ انبیاء کے ہاتھ پر مطلوبہ معجزہ کو ظاہر کرتا تھا۔ پھر جب حجت ثابت ہو گئی۔ تو وہ معجزہ مرتفع ہو جاتا۔ اور یا زیادہ سے زیادہ انبیاء کی حیات تک باقی رہتا تھا۔ اور انبیاء کے بعد اُن معجزوں کا صرف ذکر امتوں کے درمیان باقی رہتا تھا۔ اور قرآن جو بنفسِ معجزہ ہے۔ بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی درمیان اُمت کے ویسا ہی محفوظ اور باقی ہے۔ اور قیامت تک اُس کی حجت جاری و باقی رہیگی اُس پر قناروا نہیں ہے۔

## قرآن کریم میں دعوتِ اُور حجت دونوں ہیں

ایک عجیب بات یہ ہے کہ پیغمبر جب دعوت پر مامور ہوتے ہیں تو اُس کے بعد صحتِ دعوائے کے لئے اُن کو معجزہ بطور حجت عطا ہوتا تھا۔ گویا دعوت اور حجت دونوں چیزیں جدا جدا تھیں مگر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے صرف قرآن کریم میں دعوت و حجت دونوں چیزیں جمع کی گئیں قرآن معنی کے لحاظ سے دعوت ہے۔ اور وجوہِ بلاغت کی رو سے معجزہ اور حجت دعوت ہے۔ پس اُس کی حجت بھی اُس کے نفس میں ہے۔ اور دعوت بھی اُسی میں ہے۔ اور قرآن کے لئے یہ شرف و فضل کتنا پسندیدہ ہے کہ ایک ہی چیز میں دعوت و حجت دونوں جمع ہیں۔ اور دونوں قیامِ قیامت تک ایک دوسرے جدا نہ ہوں گی۔ بعض ایسے سادہ دل اشخاص ہیں جن کی فہم و درایت ان معجزات کی حقیقتِ حقہ سمجھنے سے قاصر ہے۔ لہذا اہم اُن کے سامنے ایک عمدہ دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی



پیش کرتے ہیں۔ اور یہ وہ دلیل ہے کہ کسی نبی کے بڑے سے بڑے معجزہ سے اعلیٰ و بالاتر ہے۔ وہ دلیل حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات زندگی ہیں۔ جن پر غائر نظر کرنے سے فوراً آپ کی نبوت کی صداقت کا یقین ہو جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آپ ابتدائے حال میں ایک یتیم تھے۔ نہ آپ کو کوئی قوت حاصل تھی جس کے وسیعے لوگوں کو اپنی بات منوانے نہ صاحب مال و جاہ تھے۔ کہ اس کی لالچ و طمع نے کہ قریش کو فریفت کرتے۔ اور نہ آپ وارث ملک تھے کہ لوگ بطمع روزی و حصول جاہ آپ کی پیروی کرتے۔ بلکہ تنہا و بیچارہ و مددگار تھے۔ کسی شخص کو آپ کی دعوت سے اتفاق نہ تھا۔ حتیٰ کہ اس معاملہ میں آپ کے خویش و اقارب اور قریبی رشتہ دار تک آپ کے مخالف اور دشمن جان تھے۔ باوجود اس کے جب آپ منادی توحید بن کر قریش میں آئے تو آپ کے عزم و استقلال اور آپ کی سچی رسالت و بشارت نے ایک عرصہ قلیل میں تمام ملک عرب اطراف و جوانب کو جس میں شرک تثلیث اور بت پرستی پھیلی ہوئی تھی۔ ایک دم خدا کی توحید کی جانب جھکا دیا۔ اور سب نے مذہب بت پرستی اور عادات جاہلیت سے کہ مدت سے اس پر مصر تھے۔ صدق دل سے توبہ کر لی۔ اور انہوں نے اپنے تمام مثالب کو مناقب سے بدل لیا۔ وہ ایسے لوگ اور ان کا ملک ایسا ملک تھا۔ جہاں مدتوں سے کوئی داعی دین یا صاحب ملک نہیں آیا تھا کہ ان کو لوگوں کا خون بہانے غارت کرنے استباحہ محرمات و زنا اور مردار کھانے اور ایک دوسرے پر ظلم و مہتم کرنے سے باز رکھتا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت ظاہر ہوئی۔ تو یکبارگی ان کا حال بدل گیا۔ اور سب یک دل و یک زبان دین حق پر متفق ہو گئے۔ اور ایک دم آپ کی طاعت کی طرف دوڑ پڑے۔ اور بصفات مکارم اخلاق و محاسن فعال موصوف ہوئے۔ اور خواہش نبوی مثل حرص مال و جاہ و طلب یاست اور متابعت شہوات اور اعتقاد کا ہناں وغیرہ سب کو چھوڑ دیا۔ اور بجائے اس کے





جمع ہو کر ان میں ایک نقطہ کا فرق و نقص نہیں نکالا۔ یہ تمام باتیں اس امر کی  
 روشن دلیلیں ہیں کہ خدا کی طرف سے آپؐ مامور اور مدد یافتہ تھے۔ اور  
 خدا ہی کا ہاتھ آپؐ کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ قرآن بھی اس جانب اشارہ کرنا  
 ہے۔ اَوَلَمْ يَكْفِهُمْ اِنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُثْلِي عَلَيْهِمْ  
 اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّرَحْمَةِ ذٰلِكَ الَّذِي يُقَوِّمُ يَتَوَقَّشُونَ کیا انہیں کافی  
 نہیں کہ ہم نے تم پر قرآن کریم نازل کیا۔ جو ان پر پڑھا جاتا ہے بے  
 شک اس میں یقین لانے والوں کے لئے رحمت و ذکر ہے ۞

## چوتھی فصل

### آنحضرتؐ پر ایمان لانے اور بعض مہماتِ اموی کی تسخیر میں

جناب سرور کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے  
 کے معنی ہیں کہ دل سے آپؐ کی رسالت کی تصدیق اور زبان سے اس کا اعتراف  
 و اقرار کیا جائے۔ اور آپؐ کی رسالت پر ایمان لانا حقیقت میں خدا تعالیٰ  
 پر ایمان لانا ہے۔ کیونکہ رسالت پر ایمان لانا پادروں خدا پر ایمان لانے ممکن  
 نہیں۔ اس لئے کہ جب فرستادہ کے سچے ہونے کی تصدیق کو اعتراف کر لیا  
 تو یہی فرستندہ یعنی خدا کی تصدیق و اعتراف ہے۔ اور جب رسول کی رسالت  
 پر ایمان لے آیا۔ تو اس کی اطاعت بھی اس پر واجب ہو گئی۔ کیونکہ امر و نہی کا  
 قبول کرنا رسول سے گویا اللہ تعالیٰ کے تمام احکام و تکالیف کو قبول کرنا ہے  
 یہی سبب ہے کہ رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔ اور رسول کی مخالفت  
 خدا کی مخالفت ۞

رسول پر ایمان لانے کے متعلق قول مجمل یہ ہے کہ آپؐ کے ہر ایک  
 کلام و پیام کی پوری تصدیق کرے۔ اس میں شک و شبہ کو ذرہ برابر دخل نہ دے۔



اس کے ساتھ ہی آپ کی رسالت پر تفصیلی ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ تاکہ ایمان  
معمل میں جس امر کا اعتراف کر چکا ہے۔ مفصل میں اس کے خلاف نہ ہو۔ اس میں  
سے یہ ہے کہ حضرت رسول خدا جو کچھ فرماتے ہیں اور جو کچھ خدا تعالیٰ کے پاس سے  
لائے ہیں۔ اس کے متعلق آپ کی پوری تصدیق کرے۔ اور یقین کرے کہ آپ  
اپنی جانب سے ایک کلمہ کم و زیادہ نہیں کہتے۔ اور یہ بھی تصدیق کرے کہ آپ تمام  
جن انس کی طرف رسول و فرستادہ خدا ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا بعثت  
الی الاشرار والاحمر یعنی میں جن انس کی جانب مبعوث ہوا ہوں۔ اور  
اسی معنی میں آیات قرآن ناطق ہے۔ چنانچہ وَإِذَا صَرَّفْنَا إِلَيْكَ نَفْسًا  
مِّنَ الْجَنِّ أَوْ مَخْلُوعًا قَدِ اسْتَمِعَا أَصْوَابًا مِّنْ أَصْوَابِهِمْ  
تَقُولُ إِنَّ الْإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَافٍ۔ اور وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی  
بعثت تھی۔ لیکن انہیں حقیقت حال سے اطلاع نہ تھی۔ وہ زمین پر اسی تلاش  
میں پھرتے تھے کہ حضرت پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نشان  
معلوم کریں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا وَإِذَا صَرَّفْنَا إِلَيْكَ نَفْسًا مِّنَ  
الْجَنِّ يَعْنِي اے پیغمبر ہم نے قوم جن کا رخ تیری طرف پھیر دیا کہ انہوں نے تیری  
رسالت کو پہچان لیا۔ اور نیز کلام سن کر یہ یقین جان لیا کہ تو پیغمبر برحق ہے  
اس آیت میں ایک لطیف اشارہ یہ ہے کہ اگر یہ خود سے تیری خدمت میں حاضر  
ہونا چاہتے تو ممکن نہ تھا۔ اس واسطے کہ ان کا عارف یعنی تیری طرف پھیر  
دینے والا یہ حقیقت میں تھا۔ جب انہوں نے قرآن کریم کو سنا اور اپنی قوم  
کی طرف گئے تو کہنے لگے۔ يَا قَوْمُنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهَدْيِهِ  
اے ہماری قوم خدا کی طرف بلانے والے کو جواب دو۔ اور اس پر ایمان لاؤ۔  
یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ آپ جن کی طرف بھی فرستادہ خدا ہیں۔  
حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
تک کوئی پیغمبر قوم جن کی طرف مبعوث نہیں ہوا۔ لیکن ہمارے رسول صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم حقیقی طور پر جس طرح نبی آدم کی جانب مبعوث ہوئے اسی طرح



جن کی طرف ہاں حضرت سلیمان علیہ السلام ہی انبیائے سلف میں ایک ایسے پیغمبر تھے جو قوم جن کی طرف مبعوث ہوئے ۔

## إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ کی تفسیر

یہ جو قرآن پاک میں اِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ یعنی جن کہتے ہیں کہ ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی۔ یہ آیت دلیل ہے اس امر کی کہ جن حضرت موسیٰ کی رسالت پر ایمان لائے تھے نہ یہ کہ حضرت موسیٰ نے جن کی جانب مبعوث تھے اور جس طرح ہمارا ایمان موسیٰ علیہ السلام پر اس امر کی دلیل نہیں کہ موسیٰ خدا کی جانب سے ہم پر رسول و فرستادہ ہیں۔ اسی طرح جن کا موسیٰ پر ایمان لانا دلالت نہیں کرتا کہ حضرت موسیٰ جن کی جانب رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اور تھا سب سے بہت اس آیت کے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت قوم جن کو نہ پہنچی تھی۔ یا خود قوم جن نے تورات کو یاد کیا تھا۔ یہ ایک ظنی بات ہے نہ یقینی۔ اور اس بات کا سبب کہ جن نے تورات کو یاد کیا تھا۔ انجیل کو نہیں۔ یہ ہے کہ سلیمان اور دوسرے انبیائے بنی اسرائیل جو حضرت موسیٰ کے بعد اور حضرت عیسیٰ کے پہلے گزرے۔ ان سب کی کتاب تورات تھی۔ اور اسی کے موافق حکم کرتے تھے۔ جب سلیمان مبعوث ہوئے تو جن نے ان سے تورات ہی کو قبول کیا تھا۔ اور اسی کی اطاعت ان پر واجب ہو گئی تھی۔ پھر سلیمان علیہ السلام کے بعد کوئی پیغمبر جن کی جانب مبعوث نہ ہوا۔ اور حضرت سرور کائنات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ان کی جانب مبعوث ہوئے اس سبب سے انہوں نے ہر تنہا ہونے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا ۔

اگر سوال کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پہلے جن مخاطب ہاں مروی تھے یا نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ مخاطب تھے ان اور انہوں نے دند و عبد

پھر جو حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے فرشتوں کی رسالت کے ذریعہ ان کو پہنچے تھے پھر سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں تجرید دعوت ہوئی۔ واللہ اعلم۔ اور اگر کوئی شخص خبروں کو یا بنی آدم کی کسی صف کو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت سے مستثنیٰ کرے تو اس کا ایمان حضرت رسول خدا کی رسالت پر درست نہ ہوگا۔

خدا تعالیٰ نے ابتداء دعوت میں آپ کو فرمایا کہ اپنی قوم کو اور اپنے خویشوں کو یعنی قریش کو خدا کی طرف دعوت کرو۔ جب آپ کی دعوت قوم میں ظاہر ہو گئی تو خدا تعالیٰ نے فرمایا میں نے یہ قرآن تم پر اس لئے نازل کیا ہے کہ اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کو یعنی عرب کو ڈراؤ اور آگاہ کرو۔ پھر فرمایا **فَمَا أَذِّنُكُمْ لِكَلِمَةٍ كَانَتْ لِلْعَالَمِينَ حَثِيثًا** یعنی ہم نے تم کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا ہے۔

اور یہ جو قرآن میں ہے۔ **وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ دُونِكَ نَبِيًّا إِلَّا أَنْزَلْنَا مَعَهُ الْقُرْآنَ** یعنی ہم نے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر اس کے قوم کی زبان پر اس سے یہ "ہم نہیں آتا کہ ہمارے پیغمبر صرف عرب کے لئے مبعوث تھے، بلکہ ان قوم سے مراد وہ لوگ ہیں کہ پیغمبر ان سے تھے۔ اور انہیں کے درمیان ان کی دعوت ظاہر ہوئی۔ یہ آیت اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ آپ کی دعوت سوائے عرب کے دوسری جماعت کی طرف جو نہ تو ان کے قریب سے تھے۔ اور نہ ان کی قوم سے۔ اور جو ان کی دعوت میں ظاہر نہیں تھے۔ ان کی طرف نہیں تھی۔ اور آپ ان کی طرف فرستادہ خدا نہیں تھے۔ اگر کہا جائے نہیں۔ مراد اس سے اہل دعوت ہی نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت موائس بنی اسرائیل پر بھیجے گئے تھے۔ ان کی زبان عبری تھی۔ اور توریت بھی اسی زبان میں تھی۔ پھر اگر بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے عرب میں تربیت پائی اور ان کی زبان عبری نہ ہوئی تو کیا بنی اسرائیل کی یہ جماعت ان کی دعوت سے خارج ہوئی۔ اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرستادہ خدا تھے۔ ان کی زبان سریانی تھی۔ انجیل بھی اسی زبان میں نازل ہوئی تھی۔ جب تک کہ اس زبان میں دعوت کی۔ حالانکہ ان کی زبان سریانی نہ تھی۔ تو کیا حضرت عیسیٰ کی یہ دعوت درست نہ تھی۔ پھر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کیونکر خاص عرب کے لئے مخصوص

انجیل میں رسالت عام تھی



ہو سکتی ہے۔ قرآن شریف میں ہے وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ هَٰذَا الْقُرْآنَ لَا تَذْكُرُ  
بِهِ وَمَنْ يَلْعَنَ هَٰ بَيْنِي أَنُحَضِّرَتَ فَرَاتِے ہیں کہ مجھ پر یہ قرآن وحی کیا گیا ہے کہ اس کے  
ذریعہ تم کو جو حاضر دعوت ہو۔ اور اُن کو جن لوگوں تک یہ قرآن پہنچے عذاب الہی سے  
ڈراؤں۔ یہ آیت آپ کی عموم دعوت کی یقینی اور صاف و صریح دلیل ہے۔ اس کے  
بعد کسی کو آپ کی دعوت و رسالت کے عام ہونے میں شک نہیں ہو سکتا ۔

زندیقان بے دین جو آپ کی رسالت کے منکر ہیں۔ وہ عوام مسلمانوں میں  
بطریق مشاعرہ ایسی باتیں پھیلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرت کی رسالت عرب تک  
محدود تھی۔ اور کہتے ہیں کہ خدا نے فرمایا ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ  
إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ۔ پھر جب وہ فارسی یا ہندی وغیرہ زبانیں نہیں جانتے تھے۔ تو  
ان لوگوں کے پیغمبر کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اس کا جواب ہم از روئے آیات قرآنی اور  
مثالہائے انبیائے سابقین اور پر بیان کر چکے ہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ جب تم اس بات  
کو تسلیم کرتے ہو کہ وہ پیغمبر عرب تھے۔ تو ضرورتاً اُن کے تمام اقوال کی بھی تصدیق  
کرنا لازم ہے۔ کیونکہ فرستادگان خدا جھوٹ اور دروغ نہیں کہتے ہیں۔ اور آپ  
نے فرمایا ہے کہ خدا نے مجھے جن وانس کی طرف بھیجا ہے۔ اور ان کی طرف بھی  
جن کو میری دعوت پہنچے۔ اور حدیث درست ہے کہ آنحضرت نے نجاشی حبشی  
کی طرف نامہ لکھا۔ اور اُن کو اپنے دین کی دعوت کی۔ نیز ہر قریبی اور کسی کو فراموش  
بھیجے اور اُن کو اپنے دین برحق کی جانب بلایا۔ اُن میں سے کوئی بھی عریک با شندہ  
نہ تھا۔ اور یہ روا نہیں کہ پیغمبر بے حکم خدا کے کوئی کام کرے۔ اس سے یہ بھی ثابت  
ہو کہ آپ تمام دنیا اور تمام انس و جن کی جانب رسول اور فرستادہ خدا ہیں ۔

## آنحضرت کا خاتم الانبیاء ہونا

حضرت رسول خدا پر ایمان لانے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مومن اس  
بات کی بھی تصدیق کرے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہو گا نہ مرسل نہ غیر مرسل۔ خاتم  
النبیین سے یہی مراد ہے کہ آپ نے نبوت پر مہر کر دی۔ اور نبوت آپ کے آنے  
سے تمام ہو گئی۔ یا یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ نے آپ کی نبوت کے ساتھ پیغمبروں



کو ختم کر دیا۔ اور خدا کا ختم ایسا حکم ہے کہ اُس کا خلاف ہرگز نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ  
 خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ نَعْلَمُ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاءُ ۚ اَلَا تَعْلَمُ  
 معنی ہیں کہ اُس نے حکم کر دیا کہ کافر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اور ختم کو کسی کام کے  
 آخر ہونے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں کہ میں نے قرآن کو ختم  
 کر لیا۔ یعنی قرآن کے آخر تک پہنچ گیا۔ اور پورا قرآن پڑھ لیا۔ یہ جیب ہی کہا جاتا ہے  
 کہ قرآن کی کوئی سورت اور کوئی آیت پڑھنے سے باقی نہ رہے۔ اس کے پہلے نہیں  
 کہہ سکتے۔ خَتَمْتُ الْقُرْآنَ یعنی قرآن کو میں نے ختم کر لیا۔ یہی معنی از روئے  
 لغت کے مستقیم ہیں۔ اور یہ کہنا ضعیف ہے کہ آخر انبیاء ہونے کے سبب یہ  
 کہا گیا۔

## ختم نبوت کے دلائل

بہت سی احادیث صحیحہ میں بھی وارد ہے کہ نبوت آنحضرتؐ کے آنے  
 سے تمام ہو گئی۔ یعنی آپ کے بعد دوسرا نبی نہ ہوگا۔ اُن احادیث میں سے ایک  
 یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں قریب بتیس سال کے دجال کذاب  
 ہونگے۔ کہ ان میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں  
 ہوگا۔ قَالَ سَتَكُونُ فِيْ اُمَّتِيْ دَجَالُوْنَ كَذَّابُوْنَ قَرِيبًا مِّنْ ثَلَاثِيْنَ  
 سَنَةً كُلُّهُمْ يَزْعُمُ اَنَّهُ نَبِيٌّ وَّاَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ ۚ حضرت ابو ہریرہؓ  
 رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک کو جاتے  
 تھے۔ اور جناب علی کو مدینہ میں رہنے کا حکم فرمایا تھا۔ وہ رونے لگے۔ اور فرمایا  
 اے حضور کیا مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوٹے جاتے ہیں حضور علیہ السلام نے  
 فرمایا اے علی ختم راضی نہیں کہ میری جانب سے ایسے رہو۔ جس طرح حضرت عیسیٰؑ  
 کی طرف ہارون علیہ السلام ہے۔ لیکن فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا  
 حدیث کے لفظ یہ ہیں۔ اَمَّا شَرُّ ضَعْفٰی اَنْ تَكُوْنَ مَعِيَ بِمَنْ لَمْ يَكُنْ هَارُوْنَ  
 مِنْ مُّوسٰی اِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ ۚ یہ حدیث صحیحہ ہے۔ اور حضرت سعد قاصر  
 نے دوسری حدیث میں دایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

مجھ کو اور قیامت کو اس طرح بھیجا ہے۔ جیسے یہ دو انگلیاں اور اشارہ فرمایا مسیح اور سیباہ کی طرف۔ یعنی فرمایا جس طرح کہ کلمہ کی انگلی اور درمیان کی انگلی کے بیچ میں کوئی انگلی نہیں ہے۔ اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ اور میری دعوت قیامت تک جاری اور ہمعنان ہے فرمایا بُعِثْتُ اَنَا وَ السَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَ اَشَارَ بِاَصْبَعَيْهِ الشَّيْئَةِ وَ الْوَسْطَى۔ اسی طرح حضرت جابر انصاری نے روایت کیا ہے۔ اور اس باب میں آیات اور احادیث شمار سے باہر ہیں۔

جب اس طریق سے یہ معلوم ہو گیا کہ آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہ ہو گا تو بالضرور رسول بھی نہ ہو گا۔ کیونکہ ہر ایک رسول نبی ہوتا ہے۔ نبوت کی نفی سے رسالت کی نفی بطور ادلی ثابت ہے۔ آنحضرتؐ کے ظہور سے پہلے انبیائے سابقین آپ کی بشارت دیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر انبیاء ہیں۔ اہل کتاب براہ کفر و حسد ان بشارات کو چھپاتے تھے۔ پھر ان کے علماء میں سے جو لوگ دین اسلام میں داخل ہوئے۔ انہوں نے متفق الکلمہ ہو کر اس بات کا اقرار و اعتراف کیا کہ ہم نے درحقیقت آنحضرتؐ کو اسی صفت پر پایا جیسا توریت و انجیل میں لکھا اور پڑھا تھا۔

کتب انبیائے سابقین میں مذکور ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم انبیاء ہیں۔ ان کے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔ ان کی دعوت قیامت تک باقی ہے۔ یہودیوں کی ایک جماعت دعویٰ کرتی تھی کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی نہیں کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب تک زمین و آسمان باقی ہے۔ میرا قائم ہے۔ اگر جماعت یہود کا یہ قول درست ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہ السلام تنزیہ و توحید و عدو و عید بعث و نشور کی دعوت کرتے آئے ہیں اس میں کسی نے خلاف نہیں کیا۔ اور خلاف کرنا روا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ احکام موسیٰ علیہ السلام کو نسخ و تبدیل اور ان کی شریعت میں تبدل و تغیر روا نہیں ہے۔ اور یہ بات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمائی۔ خود قرآن کریم میں موجود ہے۔ چنانچہ فرمایا شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا



وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ خُذُوا مَا كُنْتُمْ عَلَيْكُمْ مِنْهُ نَسِيًّا  
 اہل اسلام میں اس قدر روشن ہے کہ بیان و ذکر کی حاجت نہیں۔ لیکن اس بات کا یہاں بیان کر دینا ہم نے اس لئے ضروری سمجھا کہ مبادا کوئی زندیق ایسا فضول سوال پیش کر کے عوام مسلمانوں کو دھوکے میں ڈالے، اور اس مشبہ سے اُن کی دینداری میں ایک قسم کا نقص پیدا ہو جائے، بعض گمراہ لوگ یہ بھی کہہ بیٹھتے ہیں کہ کیا خدا تعالیٰ کی قدرت سے یہ امر بعید ہے کہ وہ دوسرا نبی ظاہر کرے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کسی امر کے متعلق خبر دے چکا کہ ایسا ہوگا تو اُس کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔ پس خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد قیامت تک دوسرا نبی نہ ہوگا۔ پھر اُس کے خلاف کیوں کر ہو سکتا ہے؟

اس قسم کی باتیں وہی شخص پیش کرتا ہے جو اصلاً آنحضرتؐ کی نبوت کا معتقد نہ ہو، اگر وہ آپؐ کی رسالت کا معترف ہوتا۔ تو آپؐ کو ہر قول میں سچا جانتا پھر جب حدیث متواترہ سے یہ مسئلہ صاف ہو چکا ہے کہ آخر انبیا خاتم انبیا ہیں تو وہ اس سے کبھی انکار نہیں کر سکتا۔ اور بدل یقین رکھتا کہ آپؐ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں ہوگا۔ باوجود ان دلائل قاعدہ و براہین ساطعہ کے اگر کوئی شخص آنحضرتؐ کے بعد کسی دوسرے نبی کے آنے کو جائز رکھے، تو باتفاق علمائے اسلام کا فسار، یہ ہے شرط درستی ایمان کی حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔

## آنحضرتؐ کبھی اپنی قوم کے دین پر نہ تھے

نیز یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ آنحضرتؐ کبھی اپنی قوم کے دین پر نہ تھے اور آپؐ کو خدا تعالیٰ نے سوائے خدا کے دوسرے کسی پرستش سے محفوظ رکھا تھا۔ اور آپؐ ہمیشہ کفر سے معصوم تھے، اور دوسرے انبیا کی بابت بھی ایسا ہی اعتقاد رکھنا چاہئے، کہ سب کے سب پیام الہی اور تبلیغ رسالت میں دروغ و خطا سے معصوم تھے۔ اگر کسی سے زمانہ نبوت میں کوئی صغیر گناہ ہوا بھی ہو۔ تو



بطریق سہو و نسیان ہوگا۔ وہ خطا و ذلت پر نہیں رہتے جب انہیں اس کا علم ہو جائے  
تو فوراً اس کے تائب ہو جاتے ہیں۔ اور اُس سے باز آ جاتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی ذلت اسی قسم تھی، اور حق تعالیٰ نے جو فرمایا  
وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ اس کے معنی یہی سمجھنا چاہئے کہ آدم علیہ السلام  
سے بطریق نسیان ذلت صادر ہو گئی۔ جس کے سبب اُن کا عیش و زندگی اُن پر  
دوبھر ہو گیا۔ (تفسیر کبیر میں لفظ غویٰ کے معنی فَسَدًا تٌ عَلَیْکَ عَیْشُہُ  
کے ہیں۔ جس کو ہم نے ترجمہ میں استعمال کیا ہے) اور گناہ اُن کا اثر کا صدور  
ذلت و فراموشی کے سبب تھا۔ لیکن چونکہ اُن کے حال کی مناسبت سے یہ بھی  
بہت کچھ تھا۔ اس لئے لفظ غویٰ کا استعمال ہوا۔ اور گناہ اُن کا صدور  
انبیا سے ہرگز روا نہیں ہے۔ اور برادر اِن یوسفؑ سے جو کچھ صادر ہوا وہ اُن کے  
مرتبہ نبوت پر پہنچنے سے پہلے تھا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے قبل اپنی  
قوم کے دین پر تھے۔ ایسا کہنا ضلالت و گمراہی ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ  
آپؐ نے فرمایا جب کعبہ کی بنا کرتے تھے تو قریش پتھروں کو کندھوں پر اٹھا کر  
لاتے تھے۔ عباسؓ نے مجھ کو کہا کہ اے بھتیجے تم بھی ازار نکال کر کندھے پر ڈال

۱۔ علاوہ اس میں ہے کہ خانہ کعبہ کی عمارت چونکہ خراب ہو گئی تھی۔ اور چھت بھی نہ تھی۔ علاوہ اس کے  
دیواروں کی بلندی قد آدم سے زیادہ نہ تھی۔ اس واسطے اس کی دوبارہ عمارت کی ضرورت پڑی۔ عمارت  
کے وقت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی پتھر لاتے تھے، پہلی ندائے غیبی آپؐ کو اُسی وقت ہوئی۔ سبب  
یہ تھا کہ عرب کے چھوٹے لڑکے سنگ کشی کے وقت اپنے لنگوٹ کو نکال کر اس میں پتھر بھر کے عمارت گاہ میں  
لے جاتے تھے۔ آپؐ بھی ان کی دیکھا دیکھی ایسا ہی کیا۔ اور لنگوٹ جس کو ازار بھی کہتے ہیں۔ نکلنے کے ساتھ بیہوش  
ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو اپنے ندای غیبی سنی کہ کوئی کہتا ہے اسنن عورت لے یعنی اپنی عورت کو  
چھپاؤ۔ اس واقعہ سے ثابت ہے کہ عصمت الہی نے آپؐ کو حالت طفولہ میں ناکردنی باتوں سے محفوظ رکھا۔ تو  
آپؐ کا قبل نبوت اپنے قوم کے دین پر ہونا کیونکر روا ہوگا۔ عمارت کعبہ کے متعلق روایات مختلف ہیں بعض مؤرخین کہتے  
ہیں کہ اس وقت آپؐ کی عمر شریف تیرہ یا چودہ سال کی تھی، اور بعض کہتے ہیں ۳۵ سال کی تھی۔ تطبیق ان دونوں میں یوں  
ہو سکتی ہے کہ تعبیر کو کئی سال تک ہوتی رہی جن دونوں آپؐ پتھر لاتے تھے اس وقت آپؐ کی عمر چھوٹی تھی۔ اور یہ

کہ ضائع نہ ہو جائے، میں یا کرنے کو تھا۔ کہ ایک شخص نے سامنے اگر زور سے میرے پہلو پر ہاتھ مارا اور کہا کہ تو بھی ایسا کر رہا ہے میں اس سے بہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو لوگوں نے کہا تجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں نے کہا میری ازار کہاں ہے۔ پس جس شخص کے لئے خدا تعالیٰ حالت طفولیت میں کشف عورت روانہ رکھے۔ اور اس پر تاویب کرے اور گاہ رکھے۔ تو اس کو کف سے کیونکر محفوظ و معصوم نہ رکھتے گا۔

اگر کوئی شخص جبر بن مطعم کی حدیث پیش کر کے اعتراض کرے کہ آپ اپنی قوم کے دین پر تھے۔ اور تم اس سے انکار کرتے ہو، چنانچہ وہ حدیث یہ ہے لَقَدْ رَأَيْتُمْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى دِينِ قَوْمِهِ یعنی میں نے پیغمبر کو دیکھا۔ وہ اپنی قوم کے دین پر تھے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ مراد دین سے اس جگہ بقیہ دین ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام سے جو تھوڑا بہت قریش میں باقی و مرقع تھا۔ جیسے مناسک حج و منکح و بیوع وغیراں۔ اس سے مراد شرک اور احکام جاہلیت نہیں ہے میں نے اس تاویل کی دلیل خود متن حدیث میں پائی ہے۔ جو حدیث مذکورہ کا باقی جزو ہے۔ وہ یہ ہے۔ وَهُوَ يَقِفُ عَلَى بَعِيرٍ لَهُ بَعْرَاتٌ مِثْرٌ بَيْنَ قَوْمِهِ حَتَّى يَدْفَعَ مَعْصُورَهُ تَوْفِيقًا مِّنَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ میں نے آپ کو درمیان قوم کے موقف عرفات میں ایک اونٹ پر سوار دیکھا یعنی ہجر اس کے دوسرے کو اس کی قوم سے اس صورت پر نہیں پایا۔ اور یہ محض خدا تعالیٰ کی طرف سے توفیق تھی۔

اے مخاطب تجھ کو بھی اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ کی عصمت نے آنحضرتؐ کو ترک و قوف بہ عرفات سے گاہ رکھا۔ اور آپ نے ترک و قوف میں اپنی قوم کی موافقت نہیں کی۔ کیونکہ یہ ملت ابراہیمی کے نمونہ تھا۔ قریش وقفہ حج کے لئے حرم سے باہر نہیں آتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر آتے۔ پس جب عصمت الہی نے آپ کو اس سے مامون و محفوظ رکھا۔ کہ صرف اس ایک عمل میں بھی جو مخالفت نسک ابراہیمی ہے۔



اپنی قوم کی موافقت کریں۔ تو ان اعمال میں کیونکہ قوم کی موافقت کر سکتے ہیں۔ جو سرے سے جملہ انبیائے سابقین کے دین و مذہب کے خلاف ہیں۔ اور جن توحید کی بنیاد و قوتی ہے۔ آپ کی قوم تو بت پرست تھی۔ پس آپ اپنی قوم کے دین پر کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو اوپر ذکر ہوئی۔ ہمارے بیان کی تصدیق کے لئے کافی ہے کہ جب آپ نے انار اتار کر کندھے پر ڈالنا چاہی۔ تو فوراً آپ کو اس سے منع کیا گیا۔ حضرت جابر بن مطعم کی حدیث اس مقدمہ میں کوئی حجت نہیں ہے۔ اس کی تاویل اس طرح کرنا چاہئے جیسا اوپر بیان ہوا تاکہ اصول دین کے مخالف نہ ہو۔

بعض لوگ ذیل کی آیات پیش کر کے کہتے ہیں کہ نبوت کے پہلے آپ کی اپنی قوم کے طریق پر ہونا ان آیات سے ثابت ہوتا ہے مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیسے ہے۔ اور ایمان کیا ہے۔ وَ وَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ اور تم کو گمراہ پایا۔ پھر ہدایت کی بیان آیات کے وہ معنی نہیں ہیں۔ جو مخالفین بیان کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے متعلق چند توجہات ہیں۔ جن کو ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ آیات مذکورہ کے معنی صاف ہو جائیں۔

اول یہ کہ قرآن شریف میں آنحضرتؐ کے ساتھ خطاب تین طرح پر پایا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ خطاب آپؐ سے ہوتا ہے۔ اور مراد اس سے آپؐ کی امت اور آپؐ دونوں ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ خطاب آپؐ سے ہوتا ہے اور مراد آپؐ کی امت ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ خطاب آپؐ سے ہوتا ہے۔ اور مراد بھی آپؐ ہی ہوتے ہیں۔ پس آیت مَا كُنْتَ تَدْرِي اور وَ وَجَدَكَ ضَالًّا میں دوسری قسم کا خطاب ہے۔ کہ مخاطب آپؐ ہیں اور مراد اس سے آپؐ کی امت ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا فَاذْكُرْ لِي وَلِأُولَٰئِكَ اَمْثَلُ اَمْثَلُ مَا كُنْتَ تَدْرِي اور اَمْثَلُ اَمْثَلُ مَا كُنْتَ تَدْرِي کے ساتھ۔ اس آیت میں خطاب آپؐ سے ہے اور مراد امت ہے۔ کیونکہ اس خطاب سے بہت زمانہ پہلے آپؐ کے والدین فوت ہو چکے تھے۔

ایک چیز اور اس کی تردید



دوم یہ کہ مَا كُذِّتَ تَدْرِى مَا الْكِتَابُ وَلَا الْيَمَانُ کے معنی ہیں کہ اے رسول تم علم کتاب اور اس کے احکام نہیں جانتے تھے۔ اور تم کو ایمان کی شاخوں اور اس کی شرائع کا علم نہ تھا۔ ہم نے تم سے ان باتوں کو بیان کیا۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ تم خدا کو ہی نہیں پہنچانتے تھے۔ اسی طرح وَ وَجَدَاكَ ضَالًّا فَهَدَا کے یہ معنی ہیں کہ تم عالم شریعت اور آداب عبودیت سے بے راہ تھے۔ ہم نے تم کو رستہ بتایا۔

سوم یہ کہ عرب جب کسی کو ہلاک کے نزدیک پاتے ہیں تو کہتے ہیں۔ وَ وَجَدَاكَ ضَالًّا هَالِكًا یعنی میں نے اس کو ہلاکت کے قریب پایا۔ تو یہ معنی ہوئے کہ اے محمد تم ضلالت کے قریب تھے۔ ہم نے تمہیں راہ ہدایت دکھائی چنانچہ دوسری جگہ فرمایا وَ لَوْ لَا اَنْ تُبْتَكَ لَقَدْ كُنْتَ تَرْكَنُ الْيَهُودَ شَكِيًّا قَلِيلًا بعض کہتے ہیں وَ وَجَدَاكَ ضَالًّا کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے تمہیں گمراہ قوم کے درمیان پایا۔

چہارم یہ کہ ضلال کا لفظ تھوڑے اور بہت دنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص رستہ سے ایک بالشت بھر بھی الگ ہو جائے تو کہتے ہیں ضَلَّ عَنِ الطَّرِيقِ یعنی فلاں شخص رستہ سے بہک گیا۔ اور ایسا ہی کہتے ہیں اُس وقت جب کوئی رستہ سے دس کو س دور ہو جائے۔ یا اس سے زیادہ پس اس جگہ ضلال کے پہلے معنی ہیں۔

## آنحضرت فاضل ترین نبیاء ہیں

آنحضرت کی رسالت پر ایمان لانے کو یہ بھی شامل ہے کہ آپ کے فاضل ترین اور بہترین انبیاء ہونے کا اعتقاد رکھتے۔ اس کی دلیل خود حضور علیہ السلام کا قول ہے۔ اَنَا سَيِّدُ دُنْيَا دِمَا اور ظاہر ہے کہ فرزندِ ان آدم علیہ السلام پیغمبر تھے، بعض آدم علیہ السلام سے بھی مرتبہ میں فاضل اور ارفع العزم پیغمبر ہیں۔ جیسے نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام اور جب ثابت ہوگا کہ آپ ان سے فاضل و بہتر ہیں تو ضرور آدم علیہ السلام سے بھی فاضل ہوئے۔ اس کی دلیل یہ ہے

کہ آپؐ نے فرمایا۔ اَدَمُ وَمِنْ دُونِهِ تَحْتَ لَوَاكِيٍّ اَدَمُ اور لوگوں کے سب میرے  
 لوہے کے تلے ہیں۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ میں قیامت کے دن پہلا شفیع  
 ہوں گا۔ اور پہلا وہ شخص ہوں گا جس کی شفاعت مقبول ہوگی۔ اور یہ حدیث درست  
 ہے۔ علمائے حدیث اس کی صحت پر متفق ہیں۔ اس حدیث سے آپؐ کی فضیلت  
 تمام خلایق پر ثابت ہے۔ اور قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ آپؐ کے فضائل تمام  
 انبیاء پر ہیں۔ اور آپؐ کی رسالت شریف ترین انبیائے علیہم السلام سے ہے، کیونکہ  
 آپؐ کی رسالت سے سابقہ رسالتیں منسوخ ہو گئیں۔ اور اس کے بعد کوئی دوسری  
 رسالت بھی نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اس جانب اشارہ فرماتا ہے۔ وَ  
 اِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ  
 خَلْفِهِ۔ یعنی یہ ایک کتاب عزیز ہے۔ اُس کے قبل کوئی ایسی کتاب نہیں پائی  
 جاتی۔ جو اس کی تکذیب کرے، اور نہ اس کے بعد کوئی ایسی کتاب ہوگی، جو اُس  
 کے حکم کو اٹھائے، آپؐ کی فضیلت کے دلائل بہ کثرت ہیں۔ یہاں اسی پر مختصار  
 کیا گیا ہے۔ لیکن ان دلائل کا تتمہ بیان کر دینا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ تاکہ ہمارے  
 اوپر کے بیان میں کسی کو شک و شبہ نہ رہے۔

## ان دلائل کا تتمہ

وہ تتمہ یہ ہے کہ جناب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے چند ایسی احادیث پائی  
 جاتی ہیں جن کے مطالب سے عوام کو آپؐ کی فضیلت میں شبہ پیدا ہوتا ہے۔  
 مگر خدا کے فضل سے کوئی شبہ نہیں ہے اہل علم کو چاہئے کہ اُن احادیث اور احادیث  
 تفصیل میں جمع و مطابقت کریں تاکہ عام لوگوں کے دلوں میں آپؐ کی فضیلت  
 کی جانب سے کوئی شک و شبہ نہ رہے۔

اُن میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا لَا تَخَافُوا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ  
 یعنی انبیاء کے درمیان محاررہ نہ کرو۔ محاررہ یہ ہے کہ ایک پیغمبر کو دوسرے پیغمبر  
 پر فضیلت دیجائے۔ یعنی ایک شخص کہے کہ فلاں پیغمبر فلاں سے بہتر ہے اور  
 دوسرا اُس کے خلاف کہے۔ اور جب یہ بات دو مختلف اہل ملت کے درمیان آتی



ہے تو ایک شخص دوسرے کے نقص میں سعی کرتا ہے۔ اور یہ کفر ہے۔ اور جب دو مسلمانوں کے درمیان یہ محاذ رہا ہوتا ہے تو مخالف اپنے قول کی تائید میں ایسی باتیں کرتا ہے جس سے دوسرے کی تحقیر ہوتی ہے۔ یہ بھی کفر ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معارضہ کے لئے خدا اور رسول کے کلام کو پیش کرتا ہے۔ جس سے اس کے گمراہ ہونے کا یقین ہے۔

## تناضل بین الانبیاء

بہر حال ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا تین قسم کا ہے۔ یا تو ایسی بات ہے جو کتاب و سنت سے ظاہر ہو گئی کہ کون فاضل تر ہے۔ پس اس نوع میں اختلاف خود روا نہیں۔ یا ایسی بات ہے کہ قرآن و سنت میں اس کی کوئی اہل نہیں۔ یہ بھی ناجائز ہے۔ یا وہ ایسا امر ہے جس کا ذکر کتاب و سنت میں پوشیدہ طور پر آیا ہے۔ اس باب میں بھی ہر شخص کو کلام کرنا روا نہیں ہے۔ پس جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تینوں قسموں میں سے کسی ایک کے لئے حدیث مذکورہ میں کھٹی، فرمائی ہے۔ لیکن جو بات کتاب و سنت میں پوشیدہ طور پر آئی ہے تو اس باب میں جن لوگوں کو خدا نے علم سے بہرہ وانی دیا ہے۔ ان کو سزاوار ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام کے موافق طریق تفصیل میں جاہد پیمائی کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تِلْكَ السُّلُوفُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ اس آیت کو دلیل و حجت سے روشن کرنا اہل علم کا فرض ہے۔ تاکہ افضل کا حق مفصول سے متمیز ہو جائے۔ اور یہ وہ قسم نہیں ہے۔ جس کے باب میں نہی وارد ہے۔ دوسری بات شبہ انگیزی ہے لَآ تَفْضَلُوْا عَلٰی مُوسٰی یعنی موسیٰ پر مجھ کو فضیلت نہ دو۔ یہ اس وقت فرمایا کہ ایک مسلمان نے ایک یہودی کو طمانچہ مارا۔ وہ کہتا تھا کہ خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے۔ (یہ اُسی قسم ہے جس سے دوسرے نبی کی تحقیر ہوتی ہے) نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک دوسرے کے پیغمبر کو ناسزا لفظ سے یاد کرنے لگا۔ آپ نے اسی واسطے منع فرمایا اور مراد لَآ تَفْضَلُوْا عَلٰی سے



یہ ہے کہ تم اپنی طرف سے مجھ کو موسیٰ پر فضیلت نہ دو، اصلی فضیلت وہ ہے کہ خدا کسی کو عطا فرمائے۔ تمہارے تفضیل سے کوئی مفضل نہیں ہوتا +

## لَا تَخَيِّرُونِي عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ كَمَعْنَى

اسی قسم کی ایک حدیث یہ ہے کہ لَا تَخَيِّرُونِي عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ مِثْرِي خیریت و بہتریت ابراہیم پر طلب نہ کرو۔ اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ اپنی طرف سے تخییر نہ کرو۔ اور شاید آپ نے براہِ نواضع و انکسار ایسا فرمایا ہو۔ اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کے جدِ اعلیٰ تھے، ایک حدیث یہ ہے کہ کسی شخص نے آپ کو کہا یَا خَيْرُ الْبَرِيَّةِ جواب میں آپ نے فرمایا ذَاكَ إِبْرَاهِيمُ شَائِدَ یہ بھی نواضع و انکسار سے ہو، جو آپ کی عاداتِ شریفہ سے تھی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کہہ کر پکارا جاتا ہے، شاید خَيْرُ الْبَرِيَّةِ بھی آپ کا خطاب ہو، کتب سابقہ میں علمائے اسلام کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں سوا آپ کے کوئی بھی زمین کے پردہ پر موجد نہیں تھا۔ اس واسطے خدا نے آپ کو خلیل کے خطاب سے کیا۔ نو خَيْرُ الْبَرِيَّةِ بھی اس اعتبار سے ہوگا۔ اور یہ ایسا ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرتؐ کو خلیل اللہ کہہ کر پکارتا تو آپ جواب میں فرماتے ذَاكَ إِبْرَاهِيمُ مطلب یہ ہے کہ اسم خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا علم ہو گیا ہے۔ ورنہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی خلیل اللہ تھے، چنانچہ خود فرمایا وَ لَكِنْ صَاحِبُكُمْ خَلِيلُ اللَّهِ اِسْمِي تَاوِيلُ لِسے حضرت ابراہیمؑ کو خَيْرُ الْبَرِيَّةِ کہا گیا۔ اُن کا خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ہوتا یا یہ نسبت انبیائے سابق کے تھا۔ یا نسبت انبیائے معاصر

لے تا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی فضیلت تمام انبیاء و رسولوں پر ہے۔ امداد آپ کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی فضیلت ہے۔ کیونکہ حدیث صحیحہ میں ہے خَيْرُ الْبَرِيَّةِ اِبْرَاهِيمُ۔ پھر آپ نے اس سے اپنے کو مخصوص فرمایا۔ چنانچہ ترمذی نے روایت کی ہے۔ اِنَّ اِبْرَاهِيمَ خَلِيلُ اللَّهِ الْاَوَّلَ اَنَا خَلِيلُ اللَّهِ الْاٰخِرُ۔ اور خلیل و صیب میں جو فرق ہے۔ وہ ظاہر ہے، اور سبک اجماع اسی پر ہے کہ ابراہیمؑ کے بعد نوحؑ و موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کا مرتبہ تمام انبیاء سے زیادہ ہے۔ اور یہ پانچوں پیغمبرِ علمائے نزدیک الواعزم رسول ہیں بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۵





ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ قیامت کے روز پہلے میں ہی ہوش میں آؤں گا۔ لیکن جب میں سر اٹھاؤں گا تو موائے کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کا پار پکڑے کھڑے ہیں۔ معلوم نہیں کہ سکر سے بیہوش ہی نہیں ہوتے۔ (بعوض انس بیہوشی کے جو طور پر ان کو طاری ہوتی تھی) یا مجھ سے پہلے ہوش میں آئے ہیں پس ان احادیث کی بنا پر اگر انبیاء کی فضیلت آپؐ پر بعض جزئی باتوں میں ثابت ہوتی ہو تو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت تمام انبیاء علیہم السلام پر اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً ثابت ہے چنانچہ آپؐ کی رسالت عموم انس و جن کی طرف ہونا اور آپؐ کی دعوت کا قیامت تک باقی رہنا۔ تیسرے نقلے معجزہ معہ دعوت چوتھو سب سے پہلے قبر سے اٹھنا۔ پانچویں سب سے پہلے بہشت میں جانا۔ وغیرہ وغیرہ۔

إِلَى مَا نَهَايَتَهُ اب ہم پوچھتے ہیں کہ ایک فضیلت رکھنے والا سابق ہوتا ہے یا دس فضیلتیں۔ اور اس سے بھی زیادہ فضائل رکھنے والا سابق و افضل ہوتا ہے \*

## یونس ابن متی والی حدیث کے معنی

ایک حدیث یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا لا ینبغی لاحد ان یقول اَنَا خَیْرٌ مِنْ یُونُسَ ابنِ مَتٰی یعنی کسی کو یہ کہنا زیبا نہیں کہ میں یونس ابن متی سے بہتر ہوں۔ تو یہاں انا خیر سے مراد نفس آنحضرتؐ نہیں ہے۔ بلکہ نفس قائل مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کو روا نہیں ہے کہ وہ یونس ابن متی سے اپنے کو فاضل جانے۔ اور یونس کی قید اس لئے ہے کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو ارشاد فرمایا کہ تو مثل یونس ابن متی کے مت ہو کہ اُس نے صبر نہ کیا۔ اور اپنی قوم کی ہلاکت میں شتابی کی۔ پھر جب میں نے اس کی قوم کی توبہ قبول کر لی۔ اور عذاب اٹھا لیا۔ تو یونس غضبناک ہوا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں شیطان انسان کو درغلالتا ہے۔ اور وہ خیال کرتا ہے کہ میں یونس ابن متی سے فاضل تر ہوں۔ کیونکہ میں خدا کی راہ میں بدل جان مال کرتا ہوں۔ اور سر موائے کے حکم سے نجاؤں نہیں کرتا۔ اور جو مصیبت و مشقت من جانب اللہ یا من جانب خلق مجھ کو پہنچتی ہے۔



اُس پر صبر کرتا ہوں۔ اور یہ ضلالت ہے کہ کوئی شخص خصائل خیر میں خود کو انبیا سے فاضل جانے۔ کیونکہ اس سے تحقیر پیغمبر لازم آتی ہے۔ جو ضلالت و کفر میں جہل ہے۔ پس تا دینا امت کے لئے یہ حدیث فرمائی۔ اور اگر مراد اس سے حضور اقدس کی ذات ہو۔ تو معنی یوں ہونگے کہ کسی کو یہ کہنا دینا نہیں کہ میں (رسول خدا) یونس ابن متی سے فاضل تر ہوں۔ اس صورت میں یہ حدیث آنحضرت کی تواضع و انکسار پر دال ہوگی، اور سبب اس فرمائیے کا یہ ہے کہ قرآن شریف میں حضرت یونس علیہ السلام کا جو ذکر آیا ہے۔ اُس کے ملاحظہ سے امت کی نظر میں حضرت یونس کی حقارت نہ ہو۔ اس واسطے کہ رسالت کا منصب جلیلہ اس سے بلند تر ہے کہ کوئی شخص سوائے تعظیم کے اُس میں تدبیر کرے۔

## آنحضرت نے کبھی حق کو نہیں چھپایا۔

ایمان بہ رسالت میں یہ بھی داخل ہے کہ مومن اعتقاد کرے کہ ہمارے حضور علیہ السلام نے کبھی امر حق کو نہیں چھپایا۔ اور نہ کسی امر باطل کی تردید و ابطال سے اغماض کیا۔ بلکہ آپ نے ہمیشہ بیان حق پہ حق کیا۔ اور بیان باطل پہ باطل یعنی امر حق کی نسبت بلا اندیشہ فرمایا۔ کہ وہ حق ہے۔ اسی طرح باطل کی نسبت اُس کے باطل ہونے کی شہادت دی۔ اس اظہار حق اور ابطال باطل میں جہاں اجمال کی ضرورت تھی۔ وہاں بطریق اجمال فرمایا۔ اور جہاں تفصیل کی ضرورت تھی۔ وہاں تفصیل سے کام لیا۔ مجمل کا ادراک علما نے فرمایا۔ اور مفصل کا افہام عوام تک وسیع رہا حتیٰ کہ ہر ایک متفلسفی عقل اُس کو سمجھ گیا۔ غرض حضور کا بیان کَلِمُوا النَّاسَ عَلَىٰ مَدْرِهِمْ لِيَهْمُ كُمْ مَوَافِقُ تَقَابُ یہ بھی اعتقاد رکھتے کہ آنحضرت نے جس بات کے لئے فرمایا۔ یہ میرا خاصہ ہے۔ اس کو دوسرے کے لئے تجویز نہ کرے۔ اور آپ کی خصوصیات تین درجہ کی ہیں۔ ایک خصوصیت بمقابلہ جمالہ خلایق کے اور وہ مقام محمود ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے روز اس مقام پر فائز ہونگے اسی مقام کے لئے آپ نے فرمایا ہے لَا يَقُومُ أَحَدٌ غَيْرِي کہ میرے

سوا کوئی بھی اس قیام پر قیام نہیں کریگا۔ دوسرے خصوصیت بمقابل تمام انبیا کے مثل قیام دعوت اور حجت میں اِلٰی یَوْمِ الْقِیَمَةِ تَبِیْرُی خصوصیت بہ مقابلہ اُمت کے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کا اُمت پر حرام ہونا۔

## تمام نسبیا وغیرہ آنحضرت کے جاوہ و منزلت کے حاکمند ہیں

یہ بھی اعتقاد رکھے کہ انبیا اور سوا اُن کے کوئی ایسا نہیں کہ قیامت کے روز آپ کے جاہ و منزلت سے مستغنی ہو۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے روز سب نفسی نفسی پکارتے ہونگے۔ حتیٰ کہ آپ باب شفاعت کھولیں گے۔ آپ کے پہلے کوئی بھی کسی کی شفاعت کرنے کی مجال نہیں رکھے گا۔

یہ بھی اعتقاد رکھے کہ زمین آپ کے جسم اطہر کو بوسیدہ نہیں کریگی قیامت کے روز جب بن شد گافہ ہوگی۔ نو عذرا و فداہ روحی و ابی اسی کا لبد اطہر کے ساتھ قبر سے باہر تشریف لائیں گے۔ اور آپ کا دیگر انبیا کا حشر اسی طرح ہوگا۔ چنانچہ حدیث میں ہے اِنَّ اللّٰهَ حَزَمَ عَلٰی الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ یعنی اللہ تعالیٰ انبیا کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ اور حجت میں ہے۔ اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُورِهِمْ یُصَلُّوْنَ اَنْبِیاءُ اٰتِیٰی قُبُورِمْ میں زندہ ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ اور تمام انبیا سے پہلے آپ اپنی قبر سے اُٹھیں گے۔ ان تمام مذکورہ بالا باتوں میں ایمان لانا ضرور ہے۔ تاکہ حضور انوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر جو من جانب اللہ ہم پر فرض ہے۔ بوجہ اکمل و احسن بجا لائی جائے۔





# پانچویں فصل

## فرشتوں پر ایمان لانے کے بیان میں

جاننا چاہئے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کے بندہ ہیں۔ زندہ۔ دانا۔ گویا۔ اور مکلف اللہ تعالیٰ نے مثل انسان جن کے ملائکہ کو بھی نیکی کرنے اور بُرائی سے باز رہنے کا حکم فرمایا ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ مکلف بالشرع دو فرقہ ہیں۔ انسان اور جنات، پھر جنات کے دو گروہ ہیں۔ مطیعان و اہل طغیان مطیعان ملائکہ کہلاتے ہیں۔ اور اہل طغیان کو شیاطین کہتے ہیں۔ پھر مطیعان یعنی مومنین میں نیک بد دونوں قسم کے ہیں۔ بعض علما کہتے ہیں کہ وہ جن جو ساکنان ملائکہ اعلیٰ ہیں۔ اور آسمان پر رہتے ہیں۔ ان کو ملائکہ کہتے ہیں۔ اور جو زمین پر رہتے ہیں حضرت مصطفیٰ رح نے ملائکہ جن اور شیاطین کی حقیقت اور ماہیت کو نہایت سیدھے طور پر بیان کیا ہے جو اس مانہ میں مشکل سے تسلیم ہوگا۔ لیکن کیا کیا جائے کہ یہ سلسلہ ہی ایسا ہے جس کا سمجھنا اور سمجھنا ناہمت دشوار ہے اس لئے بعض فلاسفہ اسلام نے تو ان کے وجود ہی سے انکار کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ملائکہ سے مراد مذہب اسلام میں تواری مدبر عالم اور قوای ملکوتی انسانی ہیں۔ اور قرآن احادیث میں جہاں کہیں ملائکہ کا ذکر آیا ہے۔ اس سے انہیں قوای مذکورہ کی عبارت ہے۔ اسی طرح مراد شیاطین سے انسان کے قوای حیوانی نفسانی ہیں۔ اور جن کا خارج میں وجود ہی نہیں ہے۔ مراد اس سے یا تو قوای انسانی کی طغیانی ہے یا ایسی قوم جو ابھی انسانی تحقیق سے پوشیدہ ہو، تحقیق اسلام نے ان کے وجود کو ثابت کیا ہے۔ اور فلاسفہ کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حقیقت میں ان نبیوں کے وجود خارج ہیں ثابت ہیں۔ اور یہ جواہر یعنی اپنے آپ سے قائم ہیں۔ غیر متخیر اور غیر منقسم ہیں۔ باہم ان میں ایسا ہی اختلاف ہے۔ جیسے کہ گھوڑے اور انسان میں کہ حیوانات مشترک ہیں۔ یعنی جنس میں مختلف ہیں اور نوع میں مختلف ہیں۔ اور ان لوگوں کو معلوم بھی ہونے ہیں۔ جن میں اللہ تعالیٰ ان کے دیکھنے کی توت پیدا کر دیتا ہے اور وہ کبھی صورت بشری میں کھائی دیتے ہیں۔ کبھی دوسری طرح اور جب وہ اپنی مخصوص جوہریت سے دور کی صورت میں مشتمل ہوتے ہیں۔ تو اس وقت متخیر اور منقسم ہوتا ان کا امکان رکھتا ہے غرض مسئلہ میں اختلاف ثابت ہے۔ اور اس میں یادہ کریہ اور بحث کرنا ضلالت سے خالی نہیں۔ لہذا ہم مصنف کے قول کی تصویب کرتے ہوئے اس بات کے متقدم ہیں کہ اس باب میں قرآن اور احادیث صحیحہ میں جو کچھ آیا ہے۔ اس پر ہمارا ایمان ہے ۱۲ اور ہم فرشتوں کو کہا کہ آدم کیلئے سجدہ کرو۔ تو سب نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے (سجدہ نہ کیا) وہ جن سے تھا۔ پس اس نے خدا کا حکم نہ مانا ۱۳

جنات کے دو گروہ



ہیں۔ وہ جن کہلاتے ہیں۔ پھر جنہوں میں جو ساکنان زمین ہیں۔ دو فرقہ ہیں۔ مومن  
 کافر۔ جو کافر ہیں ان کو شیاطین کہتے ہیں۔ اور جو مومن ہیں۔ ان میں دونوں قسم  
 کے جن پائے جاتے ہیں۔ نیک اور بد۔ اور اس عوی پر انہوں نے چند دلائل قرآن  
 کے پیش کئے ہیں۔ جس میں دشمن تردیل یہ ہے۔ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ  
 اٰجْمَعِينَ اِلَّا ابْلِيسَ اور قرآن سے ثابت ہے کہ ابلیس قوم جن سے  
 ہے۔ چنانچہ فرمایا کَانَ مِنَ الْجِنِّ پھر وہ اگر ملائکہ سے نہ ہوتا تو اس کا استئنا  
 ملائکہ سے درست نہ ہوتا۔ اگر کوئی شخص کہے۔ آدمی سب یذنی ہیں مگر ابلیس تو  
 یہ قول درست نہ ہوگا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ خدا نے فرمایا کہ ہم نے فرشتوں  
 کو کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے نہ کیا۔ وہ جن کی قوم سے  
 تھا۔ اس نے اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی، چنانچہ فرمایا۔ وَاِذْ قُلْنَا  
 لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدْوا لِلْاٰدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّا ابْلِيسَ کَانَ مِنَ الْجِنِّ  
 فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهِ اس آیت سے ثابت ہے کہ ابلیس کے سجدہ نہ  
 کرنے کا سبب یہی تھا کہ وہ قوم جن سے تھا۔ اسی باعث اُس نے ملائکہ سے  
 علیحدگی اختیار کی۔ پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ابلیس ملائکہ سے ہوگا۔ اس لئے  
 کہ اگر سب ملائکہ جنی قوم سے ہوتے تو سجدہ آدم سے نافرمانی کرنے میں سب کے  
 سب ابلیس کے ساتھ شامل اور یکساں ہوتے۔ لیکن اس بات کا جواب کہ اگر ابلیس  
 قوم جن سے تھا۔ تو خطاب میں ملائکہ کے ساتھ اُس کو کیوں شامل کیا گیا۔ یہ ہے  
 کہ ہم کہتے ہیں کہ اُس کی سکونت آسمان پر تھی۔ وہ ملائکہ کا ہمسایہ و ہم نشین تھا۔  
 اور کثرت عبادت میں اور وفور جہاد میں فرشتوں کا ہم صحبت تھا۔ اپنی جنس سے  
 جدا ہو کر فرشتوں سے ایسا مل گیا تھا۔ کہ گویا انہیں میں کا ایک ہو گیا تھا۔ جب  
 خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کا حکم کیا۔ تو وہ بھی خطاب میں شامل ہو گیا۔  
 اگرچہ اصل حقیقت میں اُن سے جدا تھا۔

۱۔ تو ابلیس کے سوا تمام ملائکہ نے سجدہ کیا۔

۲۔ ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کے لئے سجدہ کرو۔ تو سب نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا (وہ  
 جن سے تھا۔ پس اُس نے خدا کے حکم کو نہ مانا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسو ایک عجیب شخص عرب میں آئے، اور زبان و لباس و تہذیب و تمدن میں ایسا اُن سے متحرک ہو جائے کہ انہیں میں کا ایک سمجھا جائے۔ پھر جب تمام عرب ایک کام پر متفق ہو جائیں۔ اور یہ عجیب شخص اس سے انکار کرے۔ تو کہا جائیگا کہ فلاں کام پر ہم سب متفق ہوئے۔ مگر فلاں شخص جو عجیب تھا۔ اور اُسی عجیت نے اُس کو ہمارے خلاف پر آمادہ کیا۔ اسی دلیل سے ابلیس کو بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ملائکہ جن سے تھا۔

## ملائکہ اور جنوں میں تفریق

اس امر پر ایک واضح اور روشن دلیل یہ ہے جو قرآن میں موجود ہے کہ جب بروز قیامت اللہ تعالیٰ ملائکہ کو فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ دنیا میں تمہاری پرستش کیا کرتے تھے۔ فرشتے جواباً عرض کریں گے۔ اے خدا تیری شان اس سے ارفع ہے کہ تیرے سوا کسی دوسرے کی پرستش کی جائے۔ بلکہ یہ لوگ جنوں کی پرستش کرتے تھے۔ اور یہ بات دو آیات سے ظاہر ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلْمَلٰئِكَةِ اِهْوُوا لَیَّاكُمُ کَا نُوْا یَعْبُدُوْنَ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ اَنْتَ وَلِیْنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ کَا نُوْا یَعْبُدُوْنَ الْاِلٰهَ الْکَثِرَ هُمْ یَحْمِدُوْنَ یٰۤاٰیٰتِ رَبِّیْ جِبِّیْ قِیٰمَتِیْ کے روز ان سب کا حشر کریں گے۔ پھر فرشتوں کو کہیں گے کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے۔ فرشتے کہیں گے اے خدا تیری ذات ہر نقص و عیب سے پاک ہے تو ہمارا مالک ہے، اُن کے سوا۔ بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے۔ اُن کے اکثر انہیں پر ایمان رکھتے تھے۔ اگر ملائکہ جن ہیں تو ایسا کبھی نہیں کہتے کہ کافر ہماری پرستش نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جنوں کو ہیستے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ عین مخلوق سے ہیں۔ اور وہ جن و انس کی جنس سے جدا ہیں۔

اب ہم فرشتوں پر ایمان لانے کا بیان کرتے ہیں



## وجود ملائکہ سے انکار کرنا بے دینی کھ

جاننا چاہئے کہ فرشتوں پر ایمان لانا چند باتوں پر مشال ہے۔ اول اُن کی ہستی و وجود پر ایمان لانا۔ اور اُن کا وجود جس طرح بیان کیا گیا۔ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ کفار کی ایک جماعت وجود ملائکہ سے انکار کرتی ہے۔ اور اسی طرح بعض زنادقہ کہ وہ وجود ملائکہ کا اثبات تو کرتے ہیں۔ لیکن بخلاف قول خدا اور مرسلین کے اُن کا وصف دوسری طرح بیان کرتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ آسمانی قوتوں اور فلک کی تاثیروں کو ملائکہ کہتے ہیں۔ مثلاً عزرائیل کو کہ قابض ارواح ہے۔ قوت زحل کہتے ہیں۔ اور جبریل کو جو امین وحی ہے۔ قوت مشتری کہتے ہیں اسی طرح ان ملائین نے چند باطل جمع کر لئے ہیں۔

دوم اس بات پر ایمان لانا کہ وہ بندگان خدا اُس کے آفریدہ مامو اور مکلف ہیں۔ وہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے۔ سوا اُن چیزوں کے جن پر اُن کو خدا تعالیٰ نے قدرت دی ہے۔ اور ملائکہ پر حکم موت روا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آخر دور زمانہ تک اُن کو حیات عطا فرمائی ہے۔ جب ہمدت دراز تمام ہو جائیگی۔ تو وہ بھی فوت ہو جائیں گے۔ پھر اُن کو خدا تعالیٰ حالت حیات میں لائیگا۔

ہم سے اس بیان سے تین قسم کے لوگوں کے خیالات داہیہ اور اعتقاد باطلہ کی تردید ہوتی ہے۔ فرشتوں کو مخلوق کہنے سے مشرکوں کے اس اعتقاد کی تردید ہوتی ہے۔ کہ وہ ملائکہ کو معبود جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ یہی بندوں کو اولاد عطا کرتے ہیں۔ ان کی عدم قدرت سے زنادقہ کی تردید ہوتی ہے۔ جو فرشتوں کو مدبر عالم مستقل بالذات خیال کرتے ہیں۔ اُن پر موت کا حکم قائم کرنے سے بعض اصحاب ضلال کے اس خیال کا رد ہوتا ہے۔ جو فرشتوں کے لئے موت کا حکم تجویز نہیں کرتے۔

سوم یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ بعض فرشتے انبیاء کے پاس رسالت پہنچانے پر مامور ہیں۔ اور یہی فرشتے قبل دعوت انبیاء کے قوم جن کو دعوت توحید کرتے تھے۔



چہارم یہ کہ فرشتے خدا کی نافرمانی سے معصوم ہیں۔ یعنی خدا نے اُن کو نافرمانی سے معصوم رکھا ہے۔ اگر عصمت حق تعالیٰ اُسے معصوم نہ رکھتی تو صدور نافرمانی اُن سے ممکن تھا۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے انہیں امر و نہی میں مبتلا کیا ہے اور جس کو خدا تعالیٰ کسی کام کے کرنے کا حکم کرے۔ ممکن نہیں کہ بلا توفیق خدا کے اس سے امر الہی کی مخالفت نہ ہو، اور اسی طرح جس کو خدا تعالیٰ کسی کام سے نہی یعنی منع کرے۔ ممکن نہیں کہ بے مدد الہی وہ اس مخالفت سے تجاوز نہ کرے۔ یہ امر حکمت سے بعید ہے۔ اور امر و نہی بے امکان ثواب و عقاب کے نہیں ہوتا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فرشتے خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ وَهُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُتَّقُونَ اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ فرشتوں میں جو کوئی خدا (معبود) ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ وہ ہمیشہ آتش دوزخ سے معذب ہوگا تو ثابت ہوگا کہ تہدید و عقوبت بے امکان نافرمانی کے ممکن نہیں ۛ

پنجم یہ کہ فرشتے خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ اُن کی حرمت و عظمت اُن کے فضل کے موافق ہم پر واجب ہے۔ اور یہ بحث کہ ملائکہ بشر سے افضل ہیں۔ یا بشر ملائکہ سے تیسرے باب میں بالتفصیل بیان ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہاں صرف اتنا جانا کافی ہے کہ اس امر افضلیت کے نہ جاننے سے ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ لیکن کسی کی فضیلت میں خواہ ملائکہ ہوں یا بشر اس قدر غلو کرنا جس سے دوسرے کی تحقیر مترشح ہو۔ داخل کفر ہے۔ اور اگر نادانی سے ایسا کرتا ہے تو یہ بجائے خود درست نہیں۔ پس ہر شخص کو چاہئے کہ اس بات میں احتیاط کرے۔ اور فرشتوں کے باب میں وہی کہے۔ جو کتب اہل سنت و جماعت سے استفادہ ہے ۛ

ششم یہ کہ فرشتے عبادت سے ناتروست نہیں ہوتے۔ ہمیشہ ذکر الہی میں مشغول رہتے ہیں۔ خدا نے اُن کو جن کاموں پر مقرر کیا ہے۔ وہ وہی کام کرتے ہیں۔ اور اُن میں حسب منشا الہی تصرف رکھتے ہیں۔ اُس وقت مشغول تہیج نہیں ہوتے۔ ان میں بعض حاملان عرش ہیں۔ بعض عرش کے گرد اگرد صف بستہ کھڑے ہیں۔ بعض طواف عرش میں مشغول ہیں۔ بعض خازن بہشت ہیں۔ بعض خازن

دو تریخ۔ بعض اُن میں مانا کہ رحمت ہیں۔ اور بعض ملائکہ عذابِ رحمت۔ بعض قابض  
 ارواح ہیں۔ بعض کاتب اعمال اور بعض ابرہہ تعینات ہیں۔ اسی طرح مختلف کام  
 ان کو تقسیم کر دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں  
 کو روحانی اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں روح کے سوا دوسری چیز کی آمیزش نہیں۔  
 وہ ایسے لطیف ہیں کہ اُن کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ جب کسی بندہ پر اُن کو  
 ظاہر کرنا چاہتا ہے تو انسانی شکل پر انہیں متشکل کر دیتا ہے۔ یا خود انسان کی  
 بصارت میں فرشتوں کے دیکھنے کی قوت پیدا کر دیتا ہے۔ بعض علما فرشتوں  
 کو لئے کے فتح سے روحانی کہتے ہیں۔ اس معنی سے کہ وہ ہمیشہ روح عبادت میں  
 ہیں۔ وہ آسمانوں کی فصاحت میں رہتے ہیں۔ وہ آدمیوں کی طرح مفاک خاک میں  
 محبوس نہیں۔ بعض علما ان کی دو قسمیں کرتے ہیں۔ روحانی و کروبی۔ روحانی  
 فرشتگان رحمت ہیں۔ اور کروبی فرشتگان عقوبت پہلی قسم روح سے مشتق ہے  
 اور دوسری لفظ کر کے۔ واللہ اعلم۔

## چوتھا فصل

### کتاب آسمانی پر ایمان لانے کے بیان میں

کتاب آسمانی پر ایمان لانا واجباً و صحت ایمان سے ہے۔ اس لئے  
 کہ حضرت رسول خدا نے خبر دی ہے کہ مجھ سے پہلے انبیاء اور مرسلین گزرے ہیں  
 جن پر خدا تعالیٰ نے کتابیں نازل فرمائیں۔ پس ان کتابوں پر بلا حصر و تعین  
 اعداد ایمان لانا حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق میں داخل  
 ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق خدا کی تصدیق ہے۔ اور یہ  
 دونوں شرائط صحت ایمان سے ہے۔ پس آسمانی کتابوں پر ایمان لانا صحت  
 ایمان سے ہوا۔ عام طور پر اس باب کے متعلق اتنا ہی ایمان لانا کافی ہے۔ کہ وہ



خدا کی کتب منزله ہیں۔ برحق ہیں اُن کا قبول کرنا اُن لوگوں پر جو اُن کے زمانہ میں گئے ہیں۔ واجب تھا۔ اسی طرح دوسرے انبیاء پر ایمان لانے میں صرف یکسانی ہے کہ تمام انبیاء گزشتہ برحق اور راہ راست پر تھے۔ اُن پر ایمان لانا اور اُن کے احکام کی اطاعت کرنا اُن کے اہل زمانہ پر فرض تھا۔ وہ نخطائے معصوم تھے۔ وغیرہ وغیرہ جیسا کہ اوپر کی فصل میں بیان ہوا ہے۔

## قرآن کریم پر ایمان لانے کا طریق

قرآن کریم پر ایمان لانے میں صرف اس قدر کافی نہ ہوگا۔ بلکہ بعد اُس کی تصدیق کے چند چیزیں قرآن کے متعلق ایسی ہیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اول یہ کہ قرآن کو قبول کرے۔ اور اُس کی متابعت اپنے اوپر فرض جانے دوئم یہ کہ قرآن کو ایک حجت باقی تباہ قیامت مانے۔ اور اس کو نسخ و تبدیل سے منزہ جانے۔ سوم یہ کہ قرآن کو کلام خدا جانے۔ اس کو وضع جبریل اور وضع پیغمبر سے گمان نہ کرے۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کو اپنا قول اور اپنا کلام کہا ہے۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ قرآن میں دو جگہ اس کی اضافت جبریل کی طرف کی گئی ہے کہ قرآن اُس کا قول ہے۔ چنانچہ سننا: **إِنَّا لَقَوْلُ رَسُولٍ** کسیر یحییٰ۔ جواب یہ ہے کہ اس آیت کے وہ معنی نہیں جو تمہاری غلط فہمی میں آئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ خدا نے قرآن کو کئی مقامات پر اپنا قول کہا ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی چیز قول خدا بھی ہو۔ اور قول جبریل بھی نہیں آیت کے معنی یہ ہیں **إِنَّا لَقَوْلُ قَلْقَاہُ عَنْ رَسُولٍ** کسیر یحییٰ **أَوْ سَمِعْنَا مِنْ رَسُولٍ** کسیر یحییٰ **أَوْ نَزَّلَ بِهِ رَسُولٌ** کسیر یحییٰ قرآن کریم قول الہی ہے۔ جو رسول کریم کے ذریعے پیغمبر کے اندر علیہ وآلہ وسلم کو پہنچا ہے۔ یا آپ نے اُس کو رسول کریم یعنی جبریل سے سنا۔ یا رسول کریم اُن کو روکا جس کے پاس سے نیک نازل ہوا ہے۔ چونکہ حضرت جبریل علیہ السلام قرآن پہنچاتے تھے۔ اس لئے اُن کی طرف اضافت کی گئی۔ دوسری دلیل کلام خدا ہونے کی یہ ہے کہ قرآن معجزہ ہے۔ اور معجزہ وہ ہے کہ سوائے خدا کے کوئی اُس پر قادر نہ ہو۔ قرآن اگر



جبریل یا پیغمبر کا قول ہوتا۔ تو اُس کو معجزہ کہنا درست نہ ہوتا۔ خدا نے ولید ابن مغیرہ پر اسی واسطے لعنت کی ہے کہ وہ قرآن کو قول خدا نہیں کہتا تھا۔ چنانچہ اُس کا قول یہ ہے۔ اِنْ هَذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ، چہارم یہ اعتقاد رکھئے کہ قرآن اپنی موجودہ نظم پر معجزہ ہے۔ چنانچہ اثبات رسالت کی فصل میں بیان ہو چکا کہ اگر تمام دنیا ال کر چاہے کہ اُس کی مثل ایک آیت بنا لائے تو ممکن نہیں۔ فلذا قال۔ قَلْبًا تَوَّابًا يَحْدِثُ مِثْلَهُ اِنْ كَانُوا صَادِقِينَ۔ بختم اعتقاد رکھئے کہ قرآن کریم جو مصاحف میں مکتوب ہے۔ یہ تمام و کمال وہ کلام ہے جس پر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی۔ اس میں سے کچھ کم نہیں ہوا۔ اور اس میں سے کسی نے اپنی جانب سے کچھ زیادہ نہیں کیا۔ یہ پورا قرآن ہے۔ بے کم و بیشی جتنا آنحضرت پر نازل ہوا تھا۔ سب کچھ موجودہ قرآنوں میں موجود و مکتوب ہے۔ اور جس وضع پر قرآن نازل ہوا۔ اُسی نظم اور وضع پر قائم و موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کو ان تمام خللوں سے محفوظ رکھا ہے اُس نے اس بارہ میں اپنے پر وعدہ کر لیا ہے۔ اُس کا وعدہ سچا اور حق ہے چنانچہ اُس نے فرمایا۔ اِنَّا نَحْنُ نُنَزِّلُ الْقُرْآنَ وَ اِنَّا لَكُمُ لَحَافِظُونَ اور فرمایا۔ وَاِنَّا لَكُنَّا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ لَا مَنُ خَلْفِنَا۔ یہ تمام چیزیں جو قرآن پر ایمان لانے کے متعلق بیان ہوئیں۔ اُن میں سے کسی ایک چیز کی نفی کرنے سے خدا کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اور نیز خدا کے رسول کی تکذیب اگر قرآن جیسا بیان ہوا۔ ویسا نہ ہوتا۔ تو کسی طرح اُس سے تسک و امان نہ ہوتا۔ اور نہ اُس پر یقین لانا درست ہوتا۔ قرآن پر ایمان لانے کے یہ معنی ہیں۔ جو اوپر بیان ہوئے۔

## بحث نسخ و منسوخ

توابع ایمان بہ قرآن سے ایمان بناسخ و منسوخ ہے۔ اور نسخ وہ ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کام کی بابت ایک حکم فرمائے۔ پھر اُس کے بعد دوسرا حکم کرے جس سے پہلا حکم منسوخ ہو جائے۔ دینی دوسرے حکم پر عمل کرنا واجب ہو جائے

اور پہلے حکم کا عمل اٹھ جائے، چنانچہ خدا تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا  
 وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ یعنی مشرکین سے روگردانی کرو۔ پھر فرمایا مشرکین  
 کے ساتھ قتال کرو، تو پہلا حکم اس دوسرے حکم سے منسوخ ہو گیا۔ اور اس قسم کے  
 احکام قرآن میں بہت ہیں۔ اور معلوم رہے کہ نسخ احکام ہی میں ہوتا ہے واقعتاً  
 یا قصص حکایات میں نہیں ہوتا۔ اور احکام میں نسخ واقع ہونا یہ خدا تعالیٰ کی  
 حکمت محض ہے۔ اس سے اس کے علم میں تفاوت یا نقص عائد نہیں ہوتا۔ تعالیٰ  
 اَللّٰهُ عَن ذٰلِكَ جَبَّ اُسُ نِے ایک حکم فرمایا۔ تو اُس وقت اس کی حکمت بالغہ  
 اس امر کی مقتضی تھی۔ اور پھر اُس کو رد کر کے دوسرا حکم فرمایا۔ تو اُس وقت اسی کی  
 ضرورت تھی۔ اور یہی دوسرا حکم بندوں کے حسبِ حال تھا۔ نسخ یا تو ایک حکم کے  
 بالکل اٹھا دینے پر بولا جاتا ہے۔ یا اُس میں تبدیلی واقع ہونے پر۔ یہ نسخ و تبدیل  
 ایسی ہے۔ جیسے کوئی طبیب مریض کے لئے آج ایک دوا تجویز کرے۔ پھر دوسرے  
 روز مریض کی حالت کو دیکھ کر یا اُس دوا کو بالکل ہی بند کر دے۔ اور بجائے اس کے  
 دوسری دوائے۔ یا اسی دوا میں ضروری تغیر و تبدیل کرے، پھر جس طرح طبیب کے  
 دوا کو بدل دینے میں اُس کے علم طبابت میں کوئی تفاوت پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ  
 اس کا رد و بدل مریض کی موجودہ حالت پر منحصر ہے۔ اسی طرح جناب باری کے علم  
 میں کسی حکم کے رد و بدل سے کوئی نقص عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ بندوں کے حال کے  
 مناسب وقت ہوتا ہے۔

نسخ کا انکار یہودی کرتے ہیں۔ جس سے اُن کی بڑی غرض یہ ہے کہ حضرت  
 موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو شریعتیں ظاہر ہوئیں۔ اُن کی تکذیب کی جائے کہ نسخ  
 احکام الہی میں ممکن نہیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو شرائع ظہور میں آئیں۔ وہ  
 سچی نہیں ہیں۔ ان ظالمین کے عقائد سے تعجب ہے کہ انہوں نے باوجود اس علم کے  
 کہ موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں اُن کے پہلے انبیاء جو گزرے ہیں۔ ان کی شریعتوں  
 میں نسخ ہو گیا۔ پھر بھی نسخ سے انکار کیا۔ اکثر ایسے احکام تھے جو موسیٰ کے قبل  
 جاری تھے۔ اور موسیٰ کی شریعت میں ان میں تبدیل و نسخ واقع ہوئی۔ مثلاً حضرت  
 یحییٰ علیہ السلام کی شریعت میں دوسرا ایسا حکم کرنا جائز تھا۔ مثلاً ان کی شریعت



میں حرام ہو گیا۔ اور بہت سے احکام بدل گئے، مثلاً بیت المقدس کے قبل بنی اسرائیل کا قبلہ مصر تھا۔ پھر حکم ہوا کہ بیت المقدس کی طرف منہ کیا کرو۔ اسی طرح حضرت موسیٰ کے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ کعبہ تھا۔ یہ اور اس کے سوا سب باتیں نسخ نہیں تو کیا ہے۔ رد الفتن کی ایک جماعت بھی نسخ کی منکر ہے۔ اور ان کا یہ انکار خلاف عقل و نقل ہے۔ (چنانچہ آگے بیان ہوگا) \*

اس مقام پر یہ بھی یاد رکھو کہ قرآن کے سوا جو کتابیں اس وقت یہود و نصاریٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ ان کی تصدیق ہم پر لازم نہیں ہے۔ ان کتابوں کے متعلق صرف اتنا کہنا چاہئے کہ ہم خدا کی تمام منزلہ کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کی کتابوں کا اصلی حالت پر نہ رہنا خاص قرآن سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو خیانت سے منسوب کیا۔ اور فرمایا کہ یہ لوگ اپنے پاس سے چند باتیں فراہم کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے ہیں۔ اور بات کو اپنے موقع و محل سے پھر دیتے ہیں۔ اور حق بات کو چھپا لیتے ہیں۔ پس ان باتوں کی تصدیق جو ان کے طریق سے ہم کو پہنچی ہیں۔ روا نہیں۔ بالخصوص جب یہ کفار ہیں۔ اور کفار کی گواہی جب ہمارے حق میں مقبول نہیں۔ تو خدا اور رسول کے حق میں بطور اولیٰ نامقبول ہوگی۔ علما کی ایک جماعت بیان کرتی ہے کہ یہ بات اب صاف درویشان ہو چکی ہے کہ یہود لوگ جو اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے پاس توریت ہے۔ تو مسلمانوں کو اس پر اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ ہم اُس میں منافی موعظے اور قصہ فرعون اور موسیٰ کے حالات اور ان کی مدت قیام درمیان بنی اسرائیل کے سوا کچھ نہیں پاتے۔ اور موعظے کی خبر و فاسد میں بھی اختلاف پاتے ہیں۔ پس کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں کہ اس قسم کی کتاب کبھی توریت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کو موعظے علیہ السلام اور ان سے مانہ ماقبل کی جھوٹی یا سچی تائید کتنا زیادہ تر قرین مصلحت ہے۔ اور اس میں ہی حصہ ماننے کے قابل ہے۔ جس کی تصدیق ہمیں قرآن کے ذریعے ہو گئی ہے۔ یہی انجیل تو اُس میں بھی آسمانی کتاب ہونے کی کوئی صلاحیت نہیں۔ بلکہ اُس میں ایسے الفاظ ہیں۔ جس سے کفر صریح پایا جاتا ہے۔ مثلاً باسم الابن وروح القدس۔ یعنی اس کتاب کی باپ۔ بیٹے اور روح القدس کے نام سے ابتدا کرتا ہوں۔

موجودہ توریت و انجیل قابل اعتبار نہیں۔



اور جیسا یا تا لوٹا۔ پس ان عبارتوں اور اسی قسم کی دوسری باتوں سے ظاہر ہے کہ ایسی کتاب قابل اعتناء نہیں۔ بالخصوص جب علمائے نقل نے پوری تلاش و تحقیق کر کے اس پر اجماع کر لیا ہے کہ یہ مروجہ انجیل اصلی انجیل نہیں ہے۔ اہل انجیل بخت نصر کے اور نیز دیرانی بیت المقدس کے وقت عیسائیوں کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ پھر ترسیا یوں کی ایک جماعت نے اپنی یاد و خیال سے ایک کتاب ترتیب دے کر اسی کا نام انجیل رکھ لیا۔ تاکہ لوگوں کی رغبت مست نہ ہو۔ اور تقلیداً اسی کتاب کو انجیل مان لیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پس ظاہر ہے کہ ایسی کتاب کس طرح قابل تصدیق ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس کا لکھنا پڑھنا بھی کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطریق درست ثابت ہوا ہے کہ جب آپ نے امیر المومنین حضرت فاروق عظمیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں قرآن مجید کا ایک صحیفہ دیکھا۔ تو مائے غصہ کے آپکے رنگ متغیر ہو گیا۔ اور بطریق توہین فرمایا کہ کیا تم لوگ جسٹین پاک اور ملت حقہ پر ہو۔ اس کے متعلق تمہیں کچھ حیرت ہے۔ امتمہو کون انتم فی الدلالة لقد بھت کتم بہا بدیصنا۔ نقیتہ ولو کان موسیٰ حیاً ما وسعہ الا اتباعی یعنی کیا تم لوگ غفلت میں حیرت زدہ ہو۔ میں تو تمہارے پاس ایک پاک دین بیکر آیا ہوں۔ اور اگر تم بھی زندہ ہو۔ تے تو انہیں میری پیروی بغیر چارہ نہ ہوتا۔

## ایک اعتراض کا جواب

اگر اعتراض کیا جائے کہ جب ایسا تھا تو آنحضرتؐ نے ان یہود کو حد زنا میں سنگسار کرنے وقت تو ریت کس واسطے طلب کی۔ جواب یہ ہے کہ تو ریت اس لئے نہیں منگو الیٰ تھی کہ آپ کو تو ریت میں حکم جسم ہونے کا علم نہیں تھا۔ بلکہ بات یہ تھی کہ جب آپ نے یہودی کی عورت کو جسم کا حکم دیا۔ تو یہودی جھوٹ بکنے لگے کہ تو ریت میں جسم کا حکم نہیں ہے۔ عبد اللہ ابن سلام نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ تو ریت میں حکم جسم۔ اس واسطے آپ نے اقامت جنت کے

خیال سے تورات منگوائی۔ اور یہودیوں کو آیت رحم دکھائی۔ تاکہ اُن پر ظاہر ہو جائے کہ وہ دہشتہ اخلاقیات سے حق کرتے ہیں۔ اور آپ پر بذریعہ وحی یہ بات روشن تھی کہ تورات کی فلاں آیت منزل من اللہ ہے۔ اور فلاں آیت محرف یا خود ساختہ آپ کے سوا دوسرے کا یہ مرتبہ نہیں کہ وہ اصل بات معلوم کر سکے۔ اگر ہم ان کی کسی چیز کو قبول کر لیں۔ تو کو رائے تقلید متصور ہوگی۔ اور یہ وہ نہیں کہ پس ان کی مروجہ موجودہ تورات کی تصدیق کسی طرح درست نہیں۔ اور اس کو خدا کی طرف سے سمجھنا جائز نہیں۔

## ساتویں فصل

### روزِ آخرت پر ایمان لانے میں

ہم نے روزِ آخرت اور احوالِ عقبی کا بیان کتب سماوی اور پیغمبروں پر ایمان لانے کے بعد اس لئے کیا کہ مقدم اُن دونوں چیزوں کا ہے۔ پھر آخرت پر ایمان لانا ضرور ہے۔ اور اُمت کو انبیاء علیہم السلام نے توحید کے بعد ہی روزِ آخرت سے آگاہ کیا ہے کہ مدتِ عالم کو نقطہ قطع ہوگا۔ اور میرے پیچھے مخلوق پھر زندہ ہوگی۔ وہاں اُس کو اعمال کی جزا سزا ملے گی۔ اور دنیا کے کاموں سے باز پُرس ہوگی۔ تمام ادیانِ حقہ اس امر پر متفق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں خدا پر ایمان لانے کے ساتھ ہی یومِ آخرت پر ایمان لانے کا بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَتَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ فرمایا کہ جو لوگ خدا پر اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ اُن کے ساتھ قتال کرو۔ اسی کے مثل اکثر آیات ہیں۔ ہم پہلے روزِ باز پُرس کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ کیا ہے۔



## یوم آخرت سے مراد کیا ہے

یاد رکھو کہ آخرت سے مراد دنیا کا آخری دن ہے۔ اور دنیا کہتے ہیں۔

اس عالم کی صفت زندگی کو چنانچہ **زَهْرَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا** اور **مَالِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا**۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کی پہلی زندگی کو دنیا فرمایا۔ دنیا کے معنی نزدیک تر کے ہیں۔ اور نزدیک تر سے یہ اشارہ ہے کہ وہ اول ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اُس کا زمانہ بقا قلیل اُس کے اور ایام بمقابلہ آخرت کے اندک ہیں۔ اور حشر بعد کی زندگی کو آخرت کہتے ہیں۔ کہ وہ مقابل اول کے ہے۔ اور نیز اس لئے کہ آخرت کے بعد کوئی دن نہ ہوگا۔ جیسا کہ دنیا کے بعد یوم آخرت کا ظہور ہوگا۔ اور یہ اُس کے عدم زوال کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی آخرت کبھی نہ پے زوال و انتقال نہ ہوگی۔ کہ اُس کے پیچھے کوئی دوسرا دن ظہور کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس جہان میں پیدا کیا۔ اور اس کو **نَشْأَةً اُولٰٓئِی** فرمایا۔ پھر اُس جہان میں قدرت کاملہ سے جب انسان کے کابل خاکی کے ریزہ پڑے اور پوسیدہ اجزا کو ایک جگہ جمع کر کے اُس میں روح ڈالیں اور بالکل دنیاوی صُوت پر اٹھائے گا۔ تو اس پیدائش ثانیہ کا نام **نَشْأَةُ الْاٰخِرَةِ** رکھا گیا۔ اور اس لحاظ سے کہ دنیا اس جہان کی حیات و زندگی کا نام ہے۔ اُن لہذا اُن اور نعمتوں کو بھی دنیا کہتے ہیں۔ جو اس جہان میں پیوستگی و ملائمت رکھتی ہیں۔ اور جن سے انسان اپنی زندگی میں کامیاب اور رُخوردار ہوتا ہے۔ پھر روز آخرت وہ ہے۔ جہاں لہذا اور دنیوی نعمتیں کچھ نہیں رہیں گی۔ اور سب آخر اور تمام ہو جائیں گی۔

بعض کہتے ہیں۔ روز آخرت وہ ہے کہ اُن ن آسمان پھٹ جائیگا

آفتاب لپیٹ لیا جائے گا۔ اور شرف روز کا وجود نہیں رہے گا۔ لیکن علمائے اہل سنت کے نزدیک جو بات کتاب و سنت سے بالاتفاق ثابت ہے اُس پر نظر کرتے ہوئے مذکورہ بیان درست نہیں معلوم ہوتا۔ اُن کا قول یہ ہے کہ روز بازپیشہ دن ہے کہ جب مخلوق مرکز زندہ ہوگی۔ اُس وقت دنیا کچھ باقی نہ رہے گی



اس واسطے کہ دنیا اس جہان کی صفات حیات کا نام ہے۔ جب حیات ہی باقی نہ رہی۔ تو دنیا کہاں اور اہل حق کا اجماع ہے کہ انسان دنیا میں ایک ہی مرتبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور جب مرجاتا ہے۔ تو پھر کبھی دوبارہ دنیا کی زندگی حاصل نہیں ہوتی۔ جب حشر اموات ہوگا۔ تو اُس کے قبل دنیا کی ضروریات اور تمام وہ چیزیں جو دنیا میں ہیں۔ فنا ہو جائیں گی۔ اور انتہائے ایام کے بعد حشر ہوگا۔ پس ہی روز آخرت ہے۔

## یوم آخر کی تفسیر

یوم آخر کی تفسیر آخر ایام دنیا پر نہ کریں۔ بلکہ اُن ایام پر چل کریں۔ جن میں ترکیب عالم برقرار ہے۔ اور جب ترکیب عالم ٹوٹ جائے اُس کو روز آخر کہیں اس صورت میں بھی یوم آخر اس معنی سے نہیں کہتے کہ اُس کے بعد دوسرا روز نہیں۔ بلکہ اُس معنی سے کہتے ہیں کہ اُس کے بعد کوئی روز ایام دنیا کی وضع پر نہیں ہوگا۔ اور اگر یعنی آدم کے آخر ایام کے لحاظ سے کہیں تو پہلے معنی ٹھیک ہیں۔ بہر نوع روز آخرت کی تصدیق و اعتراف داخل ایمان ہے۔

اب معلوم کرو کہ یہ دنیا فانی ہے۔ اور اس کی بنیاد آمادہ خرابی و زوال اور اعتقاد کرو کہ دنیا کی ابتدا ہے۔ کیونکہ قدیم کی نہایت نہیں ہوتی۔ اور وہ تغیر پذیر بھی نہیں ہوتا۔ اور یاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول گرامی کی زبانی ہمیں خبر دی ہے کہ اُس دن آسمان پھٹ جائیں گے۔ سورج لپیٹ لیا جائیگا۔ ستارے جھڑ جائیں گے۔ زمین کو بدل دیا جائیگا۔ اور پہاڑ روٹی کے گلے کی طرح اڑتے پھریں گے۔ اور دریا مثل آگ کے گرم کئے جائیں گے۔ یہ اور ان کے سوا جو کچھ خدا نے اور اُس کے رسول برحق نے فرمایا ہے سب درست اور سچا ہے حقیقت میں ایسا ہی ہوگا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے وعدے میں خلاف نہیں ہوتا۔ پھر جو شخص اُس کے حقیقی معنی کو مجاز پر حمل کرے۔ اور ان علامات کے متعلق اپنی رائے و قیاس سے ظاہری معنی کے خلاف تاویل کرے۔ وہ اور جو شخص مطلق ان باتوں سے انکار کرے۔ دونوں کفر ہیں برابر و

یکساں ہیں۔ اور ریز آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ ان چیزوں پر بھی ایمان ضرور ہے۔ جو اُس وز ظاہر ہونگی۔ اور جو قرآن حدیث میں بالتفصیل مذکور ہیں۔

## ساعت کا استعمال دو معنوں میں ہوتا ہے

قرآن میں ساعت دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک تو دنیا کے آخر دن پر۔ چنانچہ یَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُسْبِهَاتُهَا دُوسرے آخرت کے پہلے دن پر جیسے یَوْمَ يَقُومُ السَّاعَةَ يَقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ ط اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ جب ترکیب عالم ٹوٹ جائیگی۔ تو دنیا کی حالت ڈرگوں ہو جائیگی، اس کے بعد دنیا کی موجودہ چیزیں بکلی نیست ہو جائیگی۔ یا انہیں خدا تعالیٰ اسی حال میں چھوڑ کر دوسرے رنگ میں ظاہر کریگا۔ اس کے متعلق کلام کرنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ ہمیں اس باب میں کوئی خبر نہیں پہنچی۔ اور اُمویہ میں بدوں علم کے گفتگو کرنا حرام ہے۔ بلکہ یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ ان چیزوں کو نیست کرے۔ چاہے انہیں اعلیٰ حالت پر چھوڑے۔ اور تبدیل حالت کرے۔ فی الجملہ وہ قادر ہے۔ اس دن جو کچھ وہ چاہے کرے۔ اس کو ہر طرح اختیار ہے۔ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَاءُ وَ یُحْکِمُ مَا یُشِیْدُ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط

## فصل آٹھویں

### موت کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لانے میں

ہر زمانہ اور ہر قرن کے اہل حق کا بالاتفاق اس بات پر اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ بوسیدہ ہڈیوں اور ریزیدہ کالبد کے اجزا کو جہاں کہیں وہ



ہوں گے۔ زیر زمین۔ قعر دریا۔ اور شکم حیوانات سے جمع کر کے اُن کو دنیوی  
کا لبد کی صورت میں جمع کرے گا۔ اور کا لبد ٹٹے اموات میں اُن کی وہی روحیں  
جو اُن کو دنیا میں حاصل تھیں ڈالینگا۔ پس تمام لوگ بامر الہی قبروں سے اور  
نیز اپنے اپنے مقامات سے اٹھیں گے۔ اور چھوٹے بڑے حتیٰ کہ وہ بچے  
بھی جو شکم مادر میں روح سے بہرہ یاب ہوئے۔ اٹھ کھڑے ہونگے۔ بعث پر  
ایمان لانے کے یہی معنی ہیں کہ ان تمام باتوں کی تصدیق و اعتراف کیا جاوے  
یہ باتیں قرآن کریم کی متفرق آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
سے مستفاد ہیں۔ اور ہر عصر میں علمائے ربانی کا اجماع اس پر منعقد ہو گیا ہے  
اور ان علمائے بالاتفاق منکران بعث کی تکفیر کی ہے۔

## دلائل بعث

بعث بعد از مرگ کے دلائل قرآن و حدیث میں کثرت سے موجود  
ہیں۔ ایک جگہ فرمایا۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَا  
الْاَرْضَ وَاَلَمْ يُعْيِيْ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٌ عَلٰى اَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتٰى  
بَلٰى اِنَّ شَيْءًا عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کیا جس خدا نے پاک نے آسمانوں  
اور زمین کو پیدا کیا۔ اور اُن کے پیدا کرنے سے عاجز نہ ہوا۔ وہ مردوں کے  
زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔ ہاں وہ تمام چیزوں پر قادر ہے۔ ایک جگہ فرمایا  
اَفَعَيْنَا مَخْلُوْقًا اَوَّلَ۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہم پہلی مرتبہ مخلوق کے پیدا  
کرنے سے عاجز اور درماندہ نہیں ہوئے۔ تو کیا دوبارہ اسی خلق کے پیدا کرنے  
سے عاجز ہو سکتے ہیں۔ جب ایک چیز کا عدم سے ظہور میں لانا ہم پر آسان ہوا  
تو اُسی کا اعادہ کیونکر دشوار ہو سکتا ہے۔ ایک جگہ فرمایا۔ قَالَ مَنْ يُحْيِي  
الْعِظَامَ وَهُوَ رَمِيْمٌ مِّثْلُ نُحْيِيْهَا الَّذِيْ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ  
بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ۔ یعنی کا فر کہتے ہیں کہ بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا  
اے پیغمبر کہہ دو اُن کو وہ خدا ہے تعالیٰ زندہ کرے گا۔ جس نے ان کو پہلی مرتبہ  
پیدا کیا۔ اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ قرآن شریف میں لائل بعث بہت



ہیں۔ سب کا نقل کرنا موجب طوالت ہے۔ اور ایہاں داروں کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ اس واسطے کہ اس بیان سے ایسی حجتیں لازم آتی ہیں۔ جو جواب بدشائبہ کافی ہیں۔

## پہلی حجت

پہلی حجت یہ کہ آدمی ایک ارضی حیوان ہے۔ اور ظاہر ہے کہ زمین اور آسمان جو زمین کو محیط ہے۔ وہ آدمی سے بزرگ تر ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ اتنی بڑی جسامت والی چیزوں کے پیدا کرنے سے عاجز نہ ہوا۔ تو کیا آدمی کے پیدا کرنے اور اس کے اعادہ سے عاجز ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فرمایا **خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ** یعنی بیشک آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا آدمی کے پیدا کرنے سے بڑا کام ہے۔ تو جو خدا کے قادر اتنا بڑا کام کر سکتا ہے۔ وہ انسان کے پیدا کرنے اور اس کو دوبارہ جلا کر اٹھا دینے پر قدرت نہیں رکھتا۔

## دوسری حجت

دوسری حجت یہ کہ کسی چیز کا اعادہ نشاۃ الاخریٰ میں اس چیز کی ابتداء سے زیادہ عجیب نہیں۔ کیونکہ ابتداء سے عدم محض سے ہوئی۔ اور وہ شے موجود کا ہوتا ہے۔ جس کے اجزاء و ذرات و روح وغیرہ پہلے سے موجود ہیں۔ اور جب امر جائز ہے کہ حق تعالیٰ آدمی کو مٹی سے پیدا کرے۔ پھر اس کے خشک ہونے پر اس میں روح ڈالے۔ اور نفخ روح کے بعد اس گلی سفال کو گوشت پوست، خون، استخوان اور رگ و پے بنائے۔ تو یہ بھی بطور اولیٰ جائز ہے کہ وہی کالبد جب مرنے کے بعد خاک ہو جائے۔ تو اسی کالبد کو دوبارہ خاک سے پیدا کرے۔

قرآن میں اس قسم کی بہت دلائل ہیں جیسے مردہ زمین کا زندہ کرنا اور درختوں، روئیدگیوں وغیرہ کا لبدان کے خشک اور بے برگ دوبارہ ہونے

کے بعد سبز و شاداب اور برومند کرنا۔ یہ تمام باتیں بعث و نشور کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ ایک جگہ فرمایا۔ فَانْظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَةِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ ذَٰلِكَ لَحِثِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ خدا کی آثارِ رحمت کی جانب نظر کرو۔ وہ مردہ زمین کو کس طرح زندہ کرتا ہے۔ بے شک خدا مردہ کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اس پر مردہ کا زندہ کرنا کوئی دشوار نہیں ایک دوسرے مقام پر انسانی خلقت کی تفصیلی حالت بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے بعث و نبی و دلیل قائم کی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ وَغَيْرِ مُخْلَقَةٍ مُّخْلَقَةٍ لِّسُبْحٰنَ كَعْبٍ وَ لِقُرْ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاءُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ خَرَجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لَتَبْغُوْا اَشَدَّ كُفْرًا فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّتَوَقَّىٰ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّسْرِ اِلٰى اَزْدٍ اِلَ الْعُمْرِ يَكِيْلًا يَعْلَمُ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا وَ تَرٰى الْاَرْضَ هَآئِلَةً فَاِذَا اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْبَتْ مِنْ كُلِّ ذَوْبٍ يَهْبِطُ ذَٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتٰى وَاَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنَّ السَّاعَةَ اَتِيَتْ لَا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ

ترجمہ۔ لوگو! اگر تم مرنے کے بعد جی اٹھنے میں شک کرتے ہو تو تحقیق ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے مٹی سے۔ پھر نطفہ سے۔ پھر لہو جمے ہوئے سے۔ پھر بونی صورت بنی ہوئی سے۔ اور بن بنی ہوئی سے۔ تاکہ بیان کریں ہم تمہارے واسطے اور بھیراویں تم کو رحموں میں جب تک چاہیں ایک وقت مقرر نہ کیا۔ پھر نکالتے ہیں ہم تم کو بچہ۔ تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو۔ اور تم میں سے بعض وہ شخص ہیں کہ قبض کیا جاتا ہے۔ اور بعض تم میں سے وہ ہیں کہ پھیرا جاتا ہے۔ طرف تا کارہ عمر اپنی کے۔ تاکہ نہ جانیں علم کے بعد کچھ اور دیکھتا ہے تو زمین کو خاک۔ پھر جب اتارنے ہیں اُس پر پانی۔ بہتی ہے اور پھولتی ہے



اور اگاتی ہے۔ ہر قسم کی نفیس چیزیں یہ (تمام باتیں) دلیل ہیں۔ اس امر کی کہ اللہ وہی ہے۔ حق اور یہ کہ وہی جلاتا ہے۔ مردوں کو اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے۔ اُس میں کوئی شک نہیں۔ اور یہ کہ خدا اٹھاوے گا۔ اُن لوگوں کو جو قبروں میں ہیں۔

اس آیت میں کئی طریق پر جواز بعث و نشور پر حجت قائم کی گئی ہے جو اہل عقل کے لئے کافی و دافی ہے۔ ایک جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے بعث پر استدلال کیا گیا ہے کہ انہوں نے خدا سے عرض کی

رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى اَسْأَلُكَ عَلَيْهِمْ

طرح زندہ کریگا۔ (آخر قصہ تک) ایک دوسری جگہ حضرت عزیز یا کسی دوسرے شخص کا قصہ بیان کیا ہے کہ وہ ایک ویران گاؤں سے گزے جو ڈکھیا تھا۔ اور وہاں کے لوگ مردہ پڑے تھے۔ انہوں نے یہ دیکھ کر براہ تعجب کہا۔

اِنِّیْ یُحْیِیْ ہٰذِیْہٖ اِنَّہٗ بَعْدَ مَوْتِہَا اِنِّیْ اَسْأَلُكَ اَصْحَابِ کَافٍ

اور نبی اسرائیل کی ایک قوم کا قصہ کہ موت کے ڈر سے اپنے شہر سے نکلے جب اُن کے بادشاہ نے اُن کو جہاد کی دعوت دی اور اُن کے باہر آنے کے سبب میں زمین اہل تاریخ کے اختلاف سے غرض حبیب یہ لوگ باہر آئے تو خدا نے انہیں مردہ کر دیا۔ اس کے بعد پھر زندہ کیا۔ چنانچہ فرمایا

فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مَوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاہُمْ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ اَصْحَابِ کَافٍ

قرآنی سے دلائل بعث روشن ظاہر ہے۔ جو لوگ وجود صانع کے معتقد و معترف ہیں۔ اُن کے لئے یہ حجتیں کافی اور مسکت ہیں۔ مگر وہ لوگ جو صانع جل جلالہ کے وجود ہی سے انکار کرتے ہیں۔ اُن کے لئے کوئی بھی دلیل اطمینان بخش نہیں۔ اور اُن کے جہل اور وقاحت کا کوئی بھی علاج نہیں۔

## منکرین بعث کا خیال فاسد

منکران بعث سے ایک فرقہ ملاحدہ کا ہے۔ جو کہتے ہیں بعث بعد الموت عقلاً محال ہے۔ یہ لوگ تناسخ کے قائل کہتے ہیں کہ بعث کے یہ معنی ہیں



کہ دنیا ہی میں روح ایک کالبد سے دوسرے کالبد کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اور وہ بھی جانداروں اور حیوانات لا یعقل کی جنس میں پس جو جانور ان کی روح کے مناسب حال ہوتا ہے۔ اسی کے کالبد میں انسانی روح حلول کرتی ہے۔ اگر اس کالبد میں اس کو راحت نصیب ہوئی۔ تو یہ اس کی سعادت کا بدلہ ہے۔ اور اگر رنج ہوا تو شقاوت کا معاوضہ یہ سخن ایسا رکیک ہے کہ اسکی جواب کی طرف توجہ کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔ ہمارے مذکورہ بیان میں ہی ان ظالمین کا جواب موجود ہے۔ مگر ان میں سے ایک گروہ خود کو دائرہ اسلام میں داخل کرنا اور اس آڑ میں مسلمانوں کو فریب دیتا ہے۔ ضعیف اسلام ان کے پیچھے فریب میں آکر راہ حق چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ ان کا قاعدہ ہے کہ یہ اسلام ہی کے بدلہ میں چھپ کر قرآنی آیات اور احادیث میں اس شتم کے شبہات ڈالتے اور ایسی تاویلات لایعنی کرتے ہیں جن سے ان کا مطلب اور ان کے عقائد باطلہ کی سچائی ثابت ہو۔ ان کا قول ہے کہ آخرت ایک عالم روحانی ہے۔ اور اسی طرح بہشت کی لازوال نعمتوں اور دوزخ کے دردناک عذاب کی تاویل کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا فساد دین اسلام میں ان لوگوں کے فساد سے زیادہ اہم اور نقصان رساں ہے۔ چونکہ ہر مخالف اسلام گفتگو کرتے ہیں۔ ان کا خون بہانا اور ان کے اموال کو مسلمانوں کے لئے غنیمت کرنا واجب ہے۔ اور ان کے مکائد و فریب کا رفع کرنا مخالفین اسلام کے اعتراضات اور شکوک کے دفع کرنے سے زیادہ افضل اور باعث تائید دین حقہ اسلام ہے۔

## اہل اسلام کی ایک جماعت جو منکرین بعث

### کی جانب میل رکھتی ہے۔

اہل اسلام کی ایک اور جماعت ہے جو منکرین بعث کی جانب میل رکھتی ہے وہ بعث بعد الموت کی قائل تو ہے۔ لیکن ان کا قول ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ بعث امتیات انہیں نبوی کالبدوں میں ہو۔ بلکہ ممکن ہے کہ ایک

روح کے متعدد قالب ہوں۔ اس قول میں بھی انکار بعث اور ثبوت تناسخ کا  
 شائبہ پایا جاتا ہے۔ اور یہ قول بھی مخالفین بحث کے موافق اور عامیہ اہل اسلام  
 کے عقائد کے خلاف ہے۔ قرآن کریم کی تمام آیات سے یہی ظاہر ہے۔ کہ  
 بعث اسی دنیوی کا لبد کے ساتھ ہوگا۔ اسی کا لبد اور اسی روح کا اعادہ  
 کیا جائیگا۔ چنانچہ فرمایا۔ قَالُوا اِئْتِنَا بِاٰیٰتِنَا وَ كُنَّا شُرَآءُا وَ حِطَّامًا  
 اِئْتِنَا لِمَبْعُوْثُوْنَ اَوْ اٰبَاءُنَا اِلَّا وَاَلُوْنَ قُلْ نَعْمَ وَاَنْتُمْ  
 دَاخِرُوْنَ ط کافر کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے۔  
 تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے۔ یا ہمارے باپ و اسے؟ لے بنی کہہ دو ہاں۔ او  
 تم سب جمع کئے جاؤ گے۔

جناب نبی کریم علیہ التحیہ و التسلیم کے زمانہ میں منکرین محض اسی جس سے  
 بعث کا انکار کرتے تھے کہ وہ اسی دنیوی کا لبد کے ساتھ اعادہ کو محال جانتے  
 تھے۔ چنانچہ ان کا قول یہ تھا۔ وَ یَقُوْلُوْنَ اِئْتِنَا لِمَسْرُوْ دُوْنَ رِیْفِ  
 الْحَافِرَةِ اِئْتِنَا کِتَابًا مِّنْ خِیْرَةٍ کافر کہتے ہیں کیا ہم پھر پچھلے پاؤں  
 لوٹائے جائیں گے۔ کیا جب ہم کھوکھلی ہڈیاں ہو جائیں گے؟ آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جواب میں اس قدر ان باتوں کا کشف فرمایا کہ  
 تاویل کی گنجائش نہیں رہی۔ اور جس نے آپ کے ثبوت کی تصدیق کی۔ اس  
 کے دل میں اس کے متعلق بھی کوئی شک نہیں رہا۔

اللہ تعالیٰ نے حوازیہ بحث کے سبب میں کثرت سے دلائل قائم کئے  
 ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ اٰیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یَّشْرُکَ سُدًیٰ کَیَا اِنْسَان  
 گمان کرتا ہے کہ وہ مہل چھوڑ دیا جائیگا؟ پھر بعث کے باب میں حجت قائم  
 فرمائی۔ اَلْحَرٰیكَ نُّطْفَتٌ مِّنْ مَّرِّیٍّ یُمْنٰی شَرَّ کَانَ عَلَقَةً  
 فَخَلَقَ فَسَوّٰی کَیَا اِنْسَانٌ گری ہوئی مٹی کا لطفہ نہ تھا۔ پھر مٹی سے علقہ  
 یعنی پھٹکی ہوا۔ پھر اس کو پیدا کیا۔ اور پورا انسان بنایا۔ یہ تمام  
 باتیں اس امر کی دلیل ہیں۔ کہ وہ خدا مردہ کو زندہ کریگا۔ وہ بعثت اموات  
 پر پورا قادر ہے۔ ایک جگہ فرمایا۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنْتُمْ اَخْلَقْنَا کُمْ عِیْنًا



وَأَتَكُمُ الْيَتَامَا لَا تُجْعَلُونَ کیا تمہارا گمان ہے کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کیا۔ اور یہ کہ تم ہمارے پاس لوٹ نہ آؤ گے۔ ایک جگہ فرمایا کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ یعنی جس طرح ہم نے ابتداء میں پیدا کیا۔ اسی طرح اعادہ کریں گے۔ یہ ہم پر وعدہ ہے۔ بے شک ضرور ہم ایسا کرنے والے ہیں۔ ان آیات سے ثابت ہے کہ بعث اس کی حکمت میں واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے انسان کو پیدا کیا۔ پھر بعض کو محاسن، اخلاق اور عبادت الہی میں مصروف و متفاد فرمایا۔ وہ مومن کہلائے۔ بعض اپنے اخلاق و مہمہ اور عصیان کاری کے باعث کافر ہوئے۔ پس اگر معاد نہ ہوتا۔ تو عابد و فاسق شاکر و کافر کے درمیان کیا تفریق تمیز ہوتی۔ اور یہ بات حکمت الہی سے بعید ہے۔ کہ وہ مومن و کافر مطیع و سرکش عابد و مذنب ہیں کوئی فیصلہ نہ فرماے۔ اور یہ کہ عابد کو ثواب کے اور غیر عابد کو عقاب سے کوئی تعلق ہی نہ ہے۔

دوسری صورت سے بچوں سمجھو کہ انسان مختلف الاحوال ہے۔ بعض حالت اسلام میں سچ و مشقت محنت و غم میں عمر بسر کرتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو حالت کفر میں تو انکار اور بغایت خوش و خرم ہیں۔ پس ایک و زمیعا و ضرور چاہئے کہ ہر ایک کے حق میں جزا و سزا کے مسئلہ کو محقق کرے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے حضرت رسول کریم کی زبانی اس بات سے خبر دی ہے۔ وَأَشَدُّ زُهْمًا يَوْمَ الْآزِفَةِ۔ وَأَشَدُّ زُهْمًا يَوْمَ الْحُسْرَىٰ اور يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ يَوْمَ الْجَمْعِ اور يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِسَبِّ الْعَالَمِينَ اور یہ جائز نہیں کہ روح انسانی اس کالبد سے الگ ہو کر دوسرے کالبد میں ثواب و عقاب پائے۔ اس واسطے کہ کوئی روح بدوں کالبد کے کوئی اچھا یا بُرا کام نہیں کر سکتی۔ تو سزا و جزا کا اسی کالبد میں ہونا ضرور ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح کالبد کا کالبد بے روح سے امر و نہی اور وعد و وعید کا خطاب نہیں کیا ہے۔ بلکہ خطاب

انسان اسی کالبد میں اٹھایا جائے گا۔



دونوں پر وارد ہے۔ تو یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ فعل و خطاب میں دونوں شریک ہوں۔ اور مکافات ایک ہی پر صادر ہو۔ اسی واسطے یہ معلوم ہو گیا کہ ثواب عقاب کا تعلق بھی اسی روح اور اسی کالبد سے متعلق ہے۔ جو انسان کو دنیا میں حاصل ہے۔

اس قدر بیان اہل اسلام کے رفع شبہات اور دفع دسوسہ کے لئے کافی ہے۔ اور جو شخص تصدیق رسالت کرتا ہے۔ اس پر واجب ہے کہ وہ نبی کریم کی عام اخبار کی بھی تصدیق کرے۔ اگرچہ عقل و حس اس کی حقیقت کے ادراک سے عاجز و قاصر ہو۔ اگر وہ قبول نہ کریگا۔ تو دارالسلام سے قیاح ہوگا۔ لیکن وہ لوگ جو توحید و نبوت کے منکر ہیں۔ اور مانتے ہیں کہ ہمارا خدا کا انکار کرتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں سے توحید و نبوت کے باب میں بحث کرنا چاہئے۔ جب اس میں ملزم ہو جائیں۔ تو حشر اجداد و اموات کو خود بخود قبول کریں گے۔

## نویں فصل

### آخرت کے احوال میں

قرآن و حدیث و اقوال علمائے سلف سے یہ بات بتواتر ثابت ہو چکی ہے کہ دنیا کی زندگی صورتِ اسرافیل کے نفخہِ امانت کے بعد تمام ہوگی۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے اس نفخہ کو اتمامِ حیات و نبوی کا سبب قرار دیا ہے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام کے صورتِ پھونکتے ہی زمین و آسمان اور ان میں جو کچھ ہے اُس کی ہدیت اور سختی سے سب فنا ہو جائیں گے۔ اَلَا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ لَنُفِخَنَّ فِي الصُّوْرِ فَصَاحِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ۔ یعنی جب نفعِ صورتِ ہوگا۔ تو زمین و آسمان کے تمام رہنے والے مر جائیں گے۔ مگر جس کو خدا چاہے وہ اس نفخہِ امانت کے

اَلَا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ سے مراد کون ہے۔

اثر سے مستغنی ہے گا۔ لفظ مَن شَاءَ اللہ کی تفسیر میں علما کا اختلاف ہے کہ اس سے مراد کون ہے۔ بعض کہتے ہیں شہدا ہیں۔ چنانچہ خدا نے فرمایا  
وَلَا تَحْسَبَنَّ الْكَافِرِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالًا بَلْ أَعْيَاءٌ  
عِنْدَ رَبِّهِمْ يُؤْتُونَ - فَمَنْ حَيَّيْنَا مِنْهُمْ لَمْ يَمُوتْ - اَللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ  
یعنی جو لوگ خدا کی راہ میں قتل ہوئے۔ انہیں مردہ گمان نہ کرو۔ بلکہ وہ زندہ  
ہیں۔ اپنے رب کے پاس رزق پائے جاتے ہیں۔ خوش ہیں۔ اُس پر جو اللہ تعالیٰ  
ان کو اپنے فضل سے پہنچاتا ہے۔

مراد اس سے یہ ہے کہ وہ قیم بہشت سے مخلوط و متمتع ہیں۔ اور اندر  
مرگ سے وارستہ نہ یہ کہ وہ مردہ نہیں ہیں۔ اور جب اموات میں شامل ہیں۔ تو  
ضرور وقت بعثت تک زندہ نہ ہوں گے۔ ممات میں رہیں گے۔ اگر یہ تاویل کی جائے  
کہ شہدا کی روحیں نفخہ امانت سے فناء نہ ہوں گی۔ تو یاد رہے کہ شہدا اس فضیلت  
میں انبیاء سے اولیٰ تر نہیں ہیں۔ بلکہ انبیاء ان سے اولیٰ ہیں کہ زمین ان کے کالبد  
کو نہیں کھاتی چنانچہ حدیث میں ہے اِنَّ اللّٰهَ حَزَمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادُ  
الْاَنْبِيَاءِ بے شک اللہ نے نبیوں کے جسموں کو زمین پر عرام کر دیا ہے۔ اور  
حدیث میں ہے۔ اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءُ فِيْ قُبُورِهِمْ يُصَلُّوْنَ انبیاء اپنی  
قبروں میں زندہ ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ مراد اِلَّا مَن  
شَاءَ اللّٰہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ چونکہ دنیا میں ان کو صعقہ یعنی  
کوہ طور پر بے ہوشی ہو چکی ہے۔ تو نفخہ امانت کے وقت وہ اس سے مستغنی  
رہیں گے۔ اور قافلین کا یہ سہو ہے۔ کیونکہ نفخہ اول کے وقت جو صعقہ ہو گا  
وہ صعقہ موت ہے۔ اور جس شخص کی موت نفخہ اول کے پہلے واقع ہوئی۔  
وہ اس استثنا میں داخل نہیں ہے۔ اور یہ جو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام  
نے فرمایا ہے کہ سب کے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ  
موسیٰ عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں۔ تو واضح ہو کہ یہ واقعہ بعثت کے بعد  
ہو گا۔ اور وہ نفخہ فرع ہے۔ اور یہ تو آنحضرتؐ نے فرمایا نہیں کہ موسیٰ کو  
صعقہ نہیں ہو گا۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ موسیٰ کو صعقہ نہیں



ہوایا مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے۔ اور اگر مراد اس سے صغۃ امانت ہیں۔  
تو مراد مولائے سے اُن کی رُوحانیت ہوگی۔

بعض علما کہتے ہیں۔ کہ مراد اِلَہ مَن شَاءَ اللہ سے ولدان حور و  
غلمان ہیں۔ اور نیز خازنان بہشت۔ اس دلیل سے کہ وہ سرور و لذت  
ہے۔ وہاں اندوہ رنج و غم مرگ سے کیا تعلق۔ لیکن یہ تاویل جب ٹھیک  
ہوتی کہ بہشت زمین و آسمان میں کہیں ایک جگہ ہوتی۔ اور جب خدا فرماتا ہے۔  
وَجَنَّةٌ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضُ ہٰذَا اَسْمٰوٰتِہٖ اُتٰہَا کُلُّ شَیْءٍ حَیٍّ اِذَا  
عُرِضَ لَہَا اَسْمٰوٰتِہٖ وَرِیْضَہٗ اُتٰہَا کُلُّ شَیْءٍ حَیٍّ اِذَا عُرِضَ لَہَا اَسْمٰوٰتِہٖ وَرِیْضَہٗ اُتٰہَا کُلُّ شَیْءٍ حَیٍّ اِذَا  
طرح سما سکتی ہے۔ خصوصاً جب کہ ایک جنت کی یہ صفت ہو۔

بعض علما عالمانِ عرش مراد لیتے ہیں۔ اور جبریل و میکائیل اور وہ  
ملائکہ جو گردِ عرش کے صفِ باندھے بکھڑے ہیں۔ وہ نہ آسمانوں میں ہیں  
اور نہ ساکنانِ زمین سے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ عرش بھی ایک فلک ہے جو تمام  
آسمانوں کو محیط ہے۔ پس عالمانِ عرش اور جو گردِ عرش کے ایستاد ہیں۔  
کس طرح ساکنانِ عرش سے خارج ہو سکتے ہیں۔ غرض یہ تاویل امانت و مرادات جلیا  
کہ اُن کی تردید سے ثابت ہوا۔ اس قابل نہیں کہ اُن میں سے کسی ایک پر قطع او  
یقین کر لینا چاہئے۔ اور ہم نے اسی واسطے اس تقریر کو وسعت دی ہے کہ  
لوگ اِلَہ مَن شَاءَ اللہ کی تعین نہ کریں۔ اور صرف یہ اعتقاد رکھیں۔ کہ  
کوئی بھی ایک ایسا شخص ہوگا۔ جو نفوزِ امانت کے وقت صغۃ موت سے  
محفوظ رہیگا۔ اس کا صحیح علم خدا تعالیٰ کو ہے۔ اور یہ بھی یقین رکھیں کہ وہ  
شخص ساکنانِ آسمان و زمین سے ہوگا۔ کیونکہ استثنائاً اس امر کو ظاہر کرتا ہے  
تعین کے متعلق حضرت نبی کریمؐ سے کوئی نفس عرضِ وار و نہیں ہوتی۔ اور  
تاویل کی بھی ضرورت نہیں۔ ہمیں اس کا علم نہیں ملا کہ وہ شخص ششم ملائکہ سے  
ہے یا جن یا نوع انسان سے۔ پھر یہ بھی یقین نہ کرنا چاہئے کہ وہ شخص موت  
بالکلیہ بچا رہیگا۔ اور حکمِ فنا اُس پر جاری نہ ہوگا۔ بلکہ اگر نفوزِ امانت سے  
اُس کی موت مقدور نہیں تو کسی دوسرے سبب سے یا بلا سبب اُس پر موت وارد



ہوگی، بات یہ ہے کہ نفی مرگ سوائے خدا کے کسی پر روا نہیں ہے۔ اور اس کو کسی مخلوق کے حق میں مستحیل کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس پر بھی اگر خدا تعالیٰ کسی خلق کو موت سے محفوظ رکھنا چاہے۔ تو وہ اس پر قادر ہے۔ مگر اکثر علما کا اس پر اتفاق ہے کہ کوئی متنفس اور مکلف موت سے دستگاہ نہیں۔ اور موت ایک رعبہ اور سبب ہے۔ اس جہان سے اس جہان کی طرف انتقال کرنے کا (صوفیہ کہتے ہیں کہ موت حبیب کو حبیب کی طرف پہنچاتی ہے)۔

حدیث شریف میں کہ موت سے کوئی محفوظ نہیں۔ ملائکہ ہوں یا اور کوئی قسم، بلکہ الموت اور میکائیل وغیرہما کی روح بھی قبض کی جائیگی۔ اور سب کے بعد جبریل علیہ السلام کی وفات ہوگی۔ اور یہ سب اسی وقت زندہ ہوں گے۔ اس خبر میں اگر شرط صحت پائے جائیں۔ تو کسی مسلمان کو اس میں تردد کرنا درست نہیں۔ بہر حال اعتقاد رکھے کہ موت سب کے لئے اور نیز فرشتوں کے لئے روا ہے۔ اور اگر کوئی شخص ملائکہ سے نفی مرگ کرے۔ تو وہ ضلالت پر ہے۔

نفخہ امانت کے بعد نفخہ احیا ہوگا۔ جس کے سبب تمام مردے جی اٹھیں گے ان دو نفخوں کی درمیانی مدت یعنی فاصلہ کو رنج کہتے ہیں۔ اور رنج نہ دنیا سے ہے نہ عقبی سے۔ بلکہ وہ ایک فاصلہ ہے درمیان دونوں نفخوں کے۔ (قبض روح کے بعد سے ہر انسان نفخہ احیا تک رنج میں ہے۔ خواہ قبر میں ہو یا کسی دوسری حالت میں)۔

## سوال منکر و نکیر

رنج میں جو بات سب سے پہلے پیش آتی ہے وہ سوال منکر و نکیر ہے یہ اس وقت ہوتا ہے۔ جب مردہ کو قبر میں رکھتے ہیں۔ اور روح انسانی پھر اپنے کالبہ خاک کی طرف عود کرتی ہے۔ تو منکر و نکیر دونوں فرشتے بحکم رب جلجل قبر میں آکر اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔ تیرا دین کیا ہے۔ اور اس مرد یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باب میں کیا کہتا ہے۔

ان سوالات کے جواب میں اگر بندہ کامیاب ہوا تو عذاب قبضہ محفوظ رہتا ہے۔ اور اُس کی رُوح کو بہشتِ بریں میں لیجاتے ہیں۔ اور اگر بندہ اہل شقاوت سے ہے۔ اور ٹھیک جواب اُس سے نہ پڑا تو اُس پر عذاب گوارہ ہوتا ہے۔ سوال نکیر بن صغطہ قبر اور عذاب قبر حق ہے۔ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور یہ آیت اَلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا عَذَابُ قَبْرِہِیْ طَرَفَا شَارِہِیْ طَرَفَا ہے۔ ان سب پر ایمان لانا واجب ہے اور جو شخص مر گیا۔ وہ زمانِ بعثت تک برنج میں ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ وَ مِنْ دَرَاءِہِمْ بَنُ ذَرِّیٍّ اِلٰی یَوْمِ یُدْعَوْنَ اَسْیٰی ہے۔ لیکن وہ زمانہ جس کو مطلقاً برنج کہتے ہیں وہ زمانہ بین النفتین ہے۔ اُس کی مدت کے متعلق حدیث میں لفظ چیل واقع ہے۔ بدوں تشریح اس مر کے کہ مراد اُس سے چیل روز ہیں۔ یا چیل ماہ یا چیل سال۔ اکثر علما اس سے چیل سال مراد لیتے ہیں۔ شاید اُن کی نظر سے کوئی حدیث گزری ہو۔ یا کتب انبیاء سے انہیں یہ بات جو اُن کی نظر میں قابلِ اعتماد ہو۔ معلوم ہوئی ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے دونوں نفخوں کی درمیانِ قدرت میں بوسیدہ ہڈیوں اور گرے پڑے خاک میں ملے ہوئے اجزائے جسم کو ہر جگہ سے جمع کرے گا۔ خواہ وہ آگ میں جلا ہوا یا پانی میں غرق ہوا ہو یا ہوا میں اڑ گیا ہو یا آفتاب میں خشک ہو گیا ہو یا خاک میں گل سڑ کر مل گیا ہو، یا شکم حیوانات میں ہضم ہو گیا ہو، یا غرض تمام اجزاء کو فراہم کرے گا۔ حتیٰ کہ ہمیں سے ایک ذرہ نہ چھوڑا جائے گا۔ پھر انسانی کالبد کو اُسی وضع و ہیئت نخستین پر جو اُس کو دنیا میں حاصل تھا۔ ترکیبِ ترتیب یا جائے گا۔ اگر کسی کالبد کا عضو یا حصہ دنیا میں قطع ہو گیا ہو تو اُس کے ہمراہ اعادہ کیا جائے گا۔ انسان جب اٹھیں گا۔ تو غیر محتون اٹھیں گا۔ پھر جب زمانہ برنج کا گذر جائے گا تو حضرت اسرافیل بحکم ربِّ جلیل دوبارہ صور پھونکیں گے۔ اور پھر اُسیا ہوگا۔ ارواح سب کی سب صور اسرافیل میں جمع ہوں گی۔ نفخِ صور کے ساتھ ہی تمام روحیں نکل پڑیں گی۔ اور اپنے اپنے کالبدوں میں اہل ہوں گی۔

موتوں کے بعد ان کی حالت کیا ہوگی؟



اُس وقت ہمارا الہی سب لوگ زندہ ہونگے۔ چنانچہ **شَرَّ مَا شَرَّ نَفْسُهُ فِیْہِ** اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یُنْظَرُوْنَ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ وحوش کا حشر کیا جائے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حیوانات کے درمیان حکم قصاص جاری کرے گا۔ حتیٰ کہ اگر کسی شاخدار جانور نے حیوان بے شاخ کو مارا ہوگا۔ تو اُس کا قصاص بھی دلایا جائیگا۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ وحوش و بہائم کا بھی حشر ہوگا۔ لیکن حیوانات کا حشر اس لئے کہ وہ مکلف نہیں ہیں بقایا ثواب و عقاب کی غرض سے نہ ہوگا۔ بلکہ صرف قصاص کے لئے ہوگا۔ جب یہ ہو لیگا تو بلا شدت موت اور سختی جان کنی کے اُن پر حکم موت صادر ہوگا کہ خاک ہو جاؤ۔ وہ سب کے سب خاک ہو جائیں گے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ **لَا یَقَالُ لَهَا کُوْنُوْا شَرَّ اٰیًا** اور ممکن ہے کہ وحوش کے حشر میں اس کے سوا کوئی دوسری حکمت الہی ہو \*۔

## ساہرہ کی تفسیر

بعث کے بعد اللہ تعالیٰ خلق کو ہر جگہ سے اٹھائے گا۔ اور حشر میں جو موقف عرض و حساب ہے۔ سب کو جمع کریگا۔ اس موقف کا نام ساہرہ ہے چنانچہ فرمایا۔ **فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ** لغت میں ساہرہ روئے زمین کو کہتے ہیں۔ اور شاید اس سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ شکم زمین سے سب کو روئے زمین پر جمع کریگا \*۔

بعض علما کہتے ہیں کہ ساہرہ بیت المقدس کے پاس ایک جگہ ہے کہ محشر وہیں ہوگا۔ اور حدیث میں آیا ہے **عَلٰی کُمْ بِالسَّاهِرَةِ اَرْضُ الْمُحْشَرِّ** اگر اس حدیث میں شرائط صحت پائے جائیں۔ تو اس کی وجہ یہ ہوگی۔ کہ اللہ تعالیٰ اُس زمین کو محشر کے واسطے فراخ کرے گا۔ یا زمین کو کھینچنے کی وہیں سے ابتدا ہوگی۔ حشر میں بھی آبلہ ہے کہ قیامت کے دن زمین کھال کی طرح کھینچ جائیگی۔ اور حدیث میں ہے کہ حساب عرض کے روز خلائیق کو جس زمین پر جمع کریں گے۔ وہ زمین چاندی کی ہوگی۔ اُس زمین پر کوئی گناہ نہیں ہوا ہوگا۔ لیکن بیت المقدس کی زمین تو



اس صفت کی نہیں۔ اور نہ اُس میں خلق اولین و آخرین کے جمع ہونے کی گنجائش ہے۔ پس صیباہم نے بیان کیا۔ اُس کے معنی وہی لینا چاہئے۔ اور شاید کہ آنحضرت نے ارض محشر کو ارض مقدس فرمایا ہو۔ اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو کفر و معاصی کی آلودگی اور شرک کی نجاست سے پاک فرما کر دوسری ہیئت پر نمودار کرے گا۔ چنانچہ فرمایا۔ **وَيَوْمَ تَبْدُلُ الْأَرْضَ عِلِينَ الْأَرْضِ** یعنی قیامت کے دن زمین کی موجودہ ہیئت بدل دی جائے گی۔ تفصیل اُس کی یہ ہے کہ اُس روز پہاڑ اور زمین شکستہ ہو جائیں گے۔ **وَحَمَلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ** **قَدَ كُنَادَكْتَهُ وَاحِدَةً** پس پہاڑ پنبہ حلاج کی طرح ہو جائیں گے۔ **وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ** اور مثل مہیا منشورہ کے ذرہ ذرہ ہو جائیں گے۔ **وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بُسًا وَكَانَتْ هَبَاءً مُبَثَّتًا** پھر اپنے حال سے پراگندہ ہو جائیں گے **وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا**۔ پھر غبار کی طرح ہوا میں اڑیں گے۔ اور چونکہ یہ غبار نہایت کثیف اور بہیم شستہ ہوگا لہذا لوگ پہاڑوں کو دیکھ کر خیال کریں گے۔ کہ یہ اپنی اصلی حالت پر کھڑے ہیں **وَشَرَى الْجِبَالُ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ كَالَّذِي تَفْتَتِي السَّحَابِ** یعنی ایسے ہو جائیں گے کہ دیکھنے والا دُور سے گمان کریگا۔ کہ یہ اپنی پہلی حالت پر کھڑے ہیں۔ حالانکہ وہ ابر کی طرح اُڑتے ہوں گے۔ جیسے سراب کہ دُور سے پانی خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن قریب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ریت ہے چمکتا ہوا۔ **وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا** کے یہی معنی ہیں۔

پہاڑوں کی ترکیب و انقلاب کی بابت جو بیان کیا گیا۔ ظاہر اقرآن و حدیث سے ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ مختلف پہاڑوں کی مختلف صفات ہوں۔ یعنی بعض پہاڑ خوردہ ہوں۔ اور بعض مثل غبار کے اڑیں علیٰ ہذا القیاس صیباہ آیات بالا میں مصرح ہے سمجھنا چاہئے۔ اور یہ اس لئے کہ بعض اصحاب کو جبال کی نسبت اشکال پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن پہاڑوں کے انقلاب میں یہ ترکیب کیسے ہوگی۔ لہذا ہم نے دونوں باتیں بیان کر دیں۔

انقلاب جبال کی ترتیب

جب پہاڑوں کی یہ کیفیت ہوگی۔ اور گرہوں کو بھر دیا جائے گا۔ اور  
 ٹیلوں کو پست کر کے زمین کو باموں کی طرح ہموار و برابر کر دیا جائے گا۔ اُس میں  
 کوئی تشدیب و فراز نہیں رہے گا۔ چنانچہ فرمایا غَیْدٌ ذُھَا تَا عَا صِفْصَفًا  
 لَا شَرْحَی فِیْہَا یَعْرِجُوْنَ وَلَا اَمْتًا۔ اور زمین کے اوزیر و وزخ پر کے حجاب اُٹھا دیئے  
 جائیں گے۔ اور دوزخ ظاہر ہو جائے گی۔ وَبُرْزَتِ الْجَبَّیْنِ لِمَنْ یَسٰی مَا  
 اور ایسا ہوگا کہ آسمان پھٹ جائیں گے۔ افلاک نیست و نابود ہو جائیں گے  
 آفتاب لپیٹ لیا جائیگا۔ اور آسمان طے کر لیا جائیگا۔ تو مخلوق موقف عرض میں  
 کھڑی ہوگی۔ جب اس طرح کھڑے کھڑے ایک عرصہ دراز گزر جائے گا۔ اور لوگ  
 عاجز آ جائیں گے اور تشنگی و تپش اُن میں پوری طرح سرایت کرے گی تو خلایق بعجز  
 و اہلح تمام حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض حال کریں گے۔  
 اور اُن کو اپنا شفیع بنائیں گے۔ تاکہ درمیان خلایق کے حکم کیا جائے۔ آدم حضرت  
 نوح کی طرف بھیجیں گے۔ اور نوح حضرت ابراہیمؑ کی طرف اور ابراہیمؑ حضرت  
 موسیٰؑ کی طرف اور موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ کے حوالہ کریں گے۔ اور حضرت عیسیٰؑ  
 علیہ السلام ہمارے نبی مختار حبیب کہ دگار شافع المذنبین رحمۃ اللعالمین حضرت  
 احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم وَاَعْلَیٰہِمْ وَاَسْلَمُ  
 الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ کے حوالہ شفاعت خلایق کا کام کریں گے۔ پس حضور  
 نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام خلایق کی شفاعت فرمائیں گے۔ اور انہیں تپش و  
 حرارت روز قیامت سے نجات دلائیں گے۔ چنانچہ حدیث درست سے ایسا  
 ہی ثابت ہے۔ پھر ناحائے اعمال خلایق دائیں اور بائیں طرف سے واپس ہوں گے  
 اہل سعادت کے دائیں ہاتھ میں ناحائے اعمال دیئے جائیں گے۔ اور اہل شقاوت  
 کے بائیں ہاتھ میں پھر ہر ایک کو اپنے اعمال نامہ کے پڑھنے کا حکم ہوگا۔ کہ  
 اِقْرَاْ ذٰلِکَ تَا بَاکَ کَفٰی بِنَفْسِیْکَ الْیَوْمَ حَسِبْنَا اَعْمَالَکَ  
 پڑھنے میں یہ حکمت ہے کہ لوگ جب زندہ ہوں گے تو اپنے دنیوی اعمال کو  
 فراموش کر جائیں گے۔ انہیں معلوم نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعمال کا  
 حصہ کیا یا نہیں۔ جب تک نہیں روز قیامت کی تکلیف و حرارت محسوس ہوگی۔ تو

شفاعت قائم نہیں



حیران و متعجب ہوں گے کہ اس شدت مصائب باعث ہے اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال نامے اُن کے ہاتھ میں لگا۔ کہ وہ پڑھ کر خود معلوم کر لیں کہ انہوں نے دنیا میں کیا کچھ کیا ہے۔ نیک لوگ اپنے اعمال پڑھ کر خوش ہونگے۔ اور بد لوگ رنجیدہ اور ترسناک نیکوں کے لئے شگون نیک ہوگا۔ اور بدوں کے لئے فال بد یہی اعمال نامے ثواب عقاب کی ایک علامت ہوگی۔ اور یہ بات بھروسے قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ خلائق کے نامائے اعمال ظاہر کئے جائیں گے۔ انہیں مخلوق کے اعمال نیک و بد تحریر ہونگے۔ لوگ پڑھ کر خود ہی اپنے اعمال سے واقف ہو جائیں گے۔

اصل حقیقت یہ ہے جو مذکور ہوئی۔ اس کے سوا ظاہر آیات و احادیث کو حقیقت سے مجاز پر لے جانا درست نہیں۔ اگر کوئی شخص ان نصوص کی تاویل مجاز پر کرے۔ تو اُس کو گمراہ و مبتدع سمجھنا چاہئے کہ ایسا آدمی منکرانِ حشر و اجساد کی تائید کر رہا ہے۔ اُس کو حقیقت اسلام سے کوئی حس نہیں۔

## نامہ اعمال پڑھنے کے بعد محاسبہ ہوگا

نامائے اعمال کے بعد محاسبہ ہوگا۔ اُس کی دلیل یہ آیت ہے۔ وَ  
أَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابًا بِرِيمَيْنِ ۖ فَمَسُوفٌ يُّحَاسِبُ ۖ حِسَابًا يَسِيرًا ۖ  
یعنی وہ شخص جس کا نامہ اعمال اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اُس سے  
آسان طریق پر حساب لیا جائیگا۔ اور حساب کے وقت انبیاء علیہم السلام اور نیز  
شہدا حاضر و موجود ہونگے، وَجِئْتِ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ ۖ وَرَأَوْا شَهِدًا  
سے کاتبانِ اعمال خلائق ہیں۔ اُس دن فرشتے لوگوں پر آشکارا ہونگے۔ يَوْمَ  
يَرَوْنَ السَّمَاءَ تَنفُثًا مِّنْ سُحُبٍ مُّحْضَةٍ يُّسْفِكُونَ إِلَٰهًا ۚ ذَرَبُ الْوَقْدِ عَلَيْهِمْ  
کہیں گے کہ خدا کی جانب سے جو کچھ ہم پر نازل ہوا۔ ہم نے تم کو پہنچا دیا۔ اور فرشتے  
خلائق کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ چنانچہ فرمایا يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنُهُمْ  
أَلْسِنَتُهُمْ وَآيَاتُ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَآيَاتُ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ  
لِيُؤْذِيَهُمْ شَهِدًا ۖ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَآيَاتُ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ  
لِيُؤْذِيَهُمْ شَهِدًا ۖ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَآيَاتُ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ



کُلَّ شَيْءٍ بِإِذْنِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ یعنی اُس نے انسان کی زبانیں ہاتھ اور پاؤں انسان کے کسبِ متعلق گواہی دیں گے۔ انسان کہیں گاتم نے ہم پر کیوں گواہی دی۔ وہ کہیں گے خدا نے ہم کو گواہی بخشی جو ہر چیز کو گواہی بخشنے والا ہے۔ یہ گواہی اُن لوگوں کے حق میں ہوگی۔ جو کاتبانِ اعمال کی گواہی کا اعتراف و تصدیق نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں کے اعضاء سے اُن کے اعمال کے متعلق گواہی دلوئے گا۔ پھر تو اُن کو کوئی چارہ کار باقی نہیں رہے گا۔ اور ممکن ہے کہ گواہی اعضاء اُن لوگوں کے حق میں ہو جو بلا اذیتِ عقوبت بد اعمالیوں میں مبتلا رہتے تھے۔ اور اعمالِ با-آشکارا اور بدوں خفا کرتے تھے۔ لہذا خدا تعالیٰ اُن کی زیادتیِ عقوبت کو اُن کی اعضاء کی گواہی سے آشکارا کرے گا۔ اور اُن کے افعالِ فواحش کو اس طرح فرمائے گا کہ اُن کے اعضاء ہی اُن کی بد اعمالی کی شہادت دیں گے۔

## محاسبہ معنی و تفصیل

محاسبہ معنی ہیں کہ بندہ کو اس کے اعمال پر مطلع کیا جائے۔ اور اُس پر روشن کر دیا جائے کہ اُس نے اپنی مدتِ حیات میں کیا عمل کئے ہیں۔ غرض مخلوق کے اعمالِ نیک و بد سے ایک ذرہ فرو گذاشت نہ ہوگا۔ چنانچہ فرمایا دَانَ كَانَ مِثْلَ حَبِثَةٍ مِنْ خُزْدٍ اَوْ كَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ یعنی اگر رات کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو ہم اُس کا حساب لیں گے۔ اور ہمارا حساب لینا کافی ہے۔ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ حساب تمام خلائق کا اُس کے علم میں ایسا ہے جیسا ایک آدمی کا حساب جس طرح تمام مخلوق کی خلق و بعثت اُس کے نزدیک ایک آدمی کی خلق و بعثت کے مانند ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ مَا خَلَقَكُمْ وَلَا يَعْشَكُمْ اِلَّا كَتَفِّيسٍ وَاحِدٌ تَمَارِي سَبِّحْ بِحَمْدِ اللَّهِ رَبِّكَ الْحَمْدُ لَكَ يَا اَرْحَمَ الرَّحِمِينَ کی خلق و بعثت کے ہے۔ اور محاسبہ کی صفت کے متعلق قطع کرنا ٹھیک نہیں کہ کس طرح ہوگا۔ لیکن بعض علما فرماتے ہیں کہ تمام مکلفین کا حساب ہوگا جیسا ہم نے بیان کیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حسب امر الہی فرشتے خلق کا حساب کریں گے اور ہر ایک کے حساب مقرر کیا جائے گا۔ اس طرح تھوڑی سی

مدت میں سب کا حساب طے ہو جائے گا۔ بعض علما کہتے ہیں کہ جب قرآن سے یہ امر ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ اُن لوگوں سے جو مستوجب سخط و عذاب ہیں۔ بات نہیں کریگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ اُن اصحاب سے جو مستحق ثواب ہیں۔ خوشنود ہوگا۔ اور پروز قیامت اُن سے باتیں کریگا۔ اور بندہ اور خدا کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا۔ پس مستوجبین سخط و غضب کا حساب فرشتوں کو تفویض ہوگا۔ ان صوئے نہائے مذکورہ بالا میں کوئی تعلق و منفص نہیں ہے۔ تاہم کسی ایک بات پر قطع کرنا درست نہیں۔ یعنی تعین کے ساتھ کہنا درست نہیں۔ کہ محاسب اسی طرح ہوگا۔ دوسری طرح اُن میں۔ اور قرآن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک گروہ بے حساب بہشت میں جائے گا۔ یہ متوکلین کا گروہ ہے۔ ایک دوسرے گروہ کا حساب نہایت آسان لیا جائے گا۔ اور بعض کا حساب سختی اور ازو یاد عتاب کے ساتھ ہوگا۔ اور بعض کے حساب میں نہایت شدت کی جائیگی۔ اس فریق میں بعض فساق اہل ایمان بھی شامل ہوں گے۔ اور اکثر کفار۔ پس حساب میں تین قسم کے لوگ ہونگے۔ مومن، فساق، کفار، اگرچہ فاسقوں کے حساب میں شدت ہوگی لیکن کفار کے برابر نہیں۔

## جنت دوزخ میں مومنین و کفار کا حساب داخل ہونا

بعض علما یہ بھی کہتے ہیں کہ جس طرح خاص مومنین کا بے حساب داخل بہشت ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ بعض کفار جو غضب الہی سے قریب تر ہیں بے حساب دوزخ میں ڈالے جاویں۔ لیکن اُن آیات سے جو وزن اعمال کے باب میں آئی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام کفار کا حساب یکبارگی ہوگا۔ ایک آیت میں ہے **فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ** عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ یعنی تیرے رب کی قسم تمام لوگوں سے اُن کے اعمال کی بابت سوال ہوگا۔ دوسری جگہ فرمایا۔ **وَفِقْوَهُمْ انْتِمْ مَسْئَلُونَ**



مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ مَاعْنَىٰ اُنْ كُوْطْبِرَاؤُ۔ وہ سوال کئے جائیں گے۔  
 تم کو کیا ہو گیا کہ ایک دوسرے کی یاری نہیں کرتے، اور بعض علما جو بے حساب  
 بعض کفار کے دخول جہنم کے قائل ہیں۔ اُن کا استدلال اس آیت سے ہے  
 وَلَا يُنْصَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمْ الْجَنَّةُ يُنْصَلُونَ یعنی مجرم لوگ ان کے گناہوں  
 سے سوال نہیں کئے جائیں گے۔ وہ بے حساب اہل جہنم ہونگے۔ ان دونوں  
 آیتوں میں مطابقت یوں ہو سکتی ہے کہ جس جگہ فرمایا کہ مستول ہیں۔ تو مراد اس  
 سے یہ ہے کہ وہ خدا اور رسول کی بابت سوال کئے جائیں گے۔ اور جہاں فرمایا  
 کہ اُن سے سوال نہ ہوگا۔ تو مراد یہ ہے کہ دوسرے گناہوں کے متعلق سوال نہ  
 ہوگا۔ کیونکہ جب اہل کفر ثابت ہو گیا۔ تو عذاب و نزع کے مستوجب ہو چکے۔  
 اور شاید یہ مراد ہو کہ فرشتے کفار کی پیشانی سے معلوم کر لیں گے کہ یہ کافر ہیں۔ پھر  
 سوال کی حاجت نہ ہوگی۔

## وزن عمل کا بیان

محاسبہ بعد وزن اعمال ہوگا۔ اور اس سے یہ غرض ہے کہ اندازہ عمل  
 ظاہر ہو جائے۔ اور نیکی و بدی میں تفاوت معلوم ہو جائے کہ زیادتی کس میں ہے  
 اس واسطے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن میں حسنات کی صفت گردانی اور سیئات کی  
 صفت سبکی کے ساتھ کی ہے۔ چنانچہ فرمایا فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ  
 هُمُ الْمُفْلِحُونَ اور جن لوگوں کی میزان عمل خیر بالکل خالی ہوگی۔ وہ  
 ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ چنانچہ فرمایا وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ  
 الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ احادیث  
 صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دو گروہ کے سوا تیسرا گروہ بھی ہوگا۔ جو صرف اہل  
 ایمان رکھتا ہوگا۔ اور تمام عمر معصیت میں مبتلا رہا ہوگا۔ اس واسطے وہ مستوجب  
 عذاب ہوگا۔ کہ اس سے اعمال حسنہ چھوٹ گئے۔ اور جب خدا تعالیٰ نے فرمادیا  
 ہے کہ ذرہ برابر نیکی اور ذرہ برابر بدی کا بھی وزن ہوگا۔ اور نیکی و بدی سے کچھ  
 بھی بدوں وزن نہیں چھوڑا جائے گا۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ اس تیسرے



گروہ کے اعمال کا بھی وزن ہوگا۔ اس طرح وزن اعمال میں تین قسم کے لوگ داخل ہیں۔ سابقین، مختلطین اور کفار اگر کوئی معتزض ہو کہ جب کفار قیامت میں حمت سے بے نصیب ہیں۔ اور ان کے پاس سرائحسنات بھی نہیں تو وزن سے کیا فائدہ؟

جواب یہ ہے کہ چونکہ کفار بھی حالت کفر میں ایسے اعمال مثل صلہ رحمی، ہمدی، رحم اور سخاوت وغیرہ کرتے ہیں جو اگر حالت اسلام میں کرتے۔ تو موجب تقرب ہوتا۔ لہذا وہ اپنے ان اعمال حسنہ کی نسبت خیال کرتے ہوئے۔ کہ انہیں ان کے اعمال کا اجر ملے گا۔ پس اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے تمام اعمال صالحہ کو میزان کے ایک پلٹے میں ان کے کفر کو دوسرے پلٹے میں رکھ کر وزن کرے گا۔ تو کفر کا پلٹا جھک جائیگا۔ اور اعمال مذکورہ کا پلٹا انہایت خفیف اور سبک ہو جائے گا۔ جو صاف دلیل اس امر کی ہے کہ حالت کفر میں اعمال حسنہ مطلقاً مفید نہیں ہو سکتے۔ یہی بات کافروں کے جتانے کے لئے ان کے اعمال کا وزن ہوگا۔ تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ انہوں نے دنیا میں جو اعمال یہ گمان اجر کئے تھے۔ وہ آج ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ وَتَنَالُوا إِلَى مَا عَمِلْتُمْ مِنْ عَمَلٍ نَجَعَلْنَاكُمْ هَبَاءً مَّنْثُورًا۔ دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ کفار حسنات تو رکھتے ہی نہیں البتہ عذاب میں متفاوت درجہ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں ارہے۔ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَجَةِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ یعنی منافق و درجہ کے ذریعہ تر گڑھی میں ہونگے۔ اور اس معنی سے بھی کہ بعض کفار ایسے ہیں۔ جو صانع عالم کا انکار کرتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ صانع عالم کا اثبات تو کرتے ہیں۔ لیکن توحید کی راہ سے نہیں۔ بلکہ بطریق کفر و شریک پس یہ دونوں گروہ باہم برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح بعض بت پرست ہیں۔ بعض توحید کے معتقد ہیں۔ مگر انکار رسالت کرتے ہیں۔ یہ بھی یکساں نہیں ہو سکتے۔ پھر جب اعمال و اعتقاد میں یکساں نہیں ہیں۔ تو عذاب میں کیونکر برابر ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح وزن اعمال ہوگا۔ تاکہ ان کے عذاب کا درجہ بقدر ان کے اعتقاد کے ظاہر

روشن ہو جائے ۔

نیز ان پاک نفوس کے وزن اعمال میں بھی یہی فائدہ متصور ہے جنہوں نے عمر بھر کوئی بے کام نہیں کیا ہوگا۔ اور ہمیشہ نیکی اور تقرب الی اللہ کی جانب جھکے رہے ہونگے ۔

لیکن اس باب میں کہ وزن اعمال کیونکر اور کس طرح ہوگا۔ علمائے کرام نے بہت کچھ بیان کیا ہے۔ اور جو کچھ قرآن و حدیث سے مستفاد ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ قیامت میں حقیقتاً وزن اعمال کے لئے ایک میزان ہوگی جس کے حسب معمول دو پڑے ہونگے۔ ایک نورانی۔ دوسرا ظلماتی۔ پہلا حسنات کے لئے اور دوسرا سیئات کے لئے۔ کیفیت وزن کے متعلق دو وجہیں بیان کی جاتی ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اعمال کو بمقدار ان کے درجات ثواب و عقاب کے ایک ہی سنجشے گا۔ اعمال خواہ نیک ہوں یا بد سب محسب ہونگے، اور اس طریقے سے نیکی اور بدی کا وزن بڑی آسانی سے ہو جائیگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حسنات کو باندازہ حسنات گراں کر دیا جائے گا۔ اور سیئات کو بقدر سیئات خفیف۔ یہ وجہ پہلی وجہ سے اولیٰ تر اور قرین قیاس ہے۔ اور نیز اس وجہ سے کہ اس بارہ میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث درست و صحیح وارد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن بتانے پر ذلے میزان کے ایک پڑے میں رکھینگے۔ اور صرف ایک چھوٹا سا پڑا جس پر کلمہ شہادت **أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ** لکھا ہوگا۔ دوسرے پڑے میں رکھیں گے تو یہ صحیفہ شہادت وزن میں ان تمام سجدات پر غالب اور سب پروانوں پر۔ راجح ہوگا۔ اور وہ تمام سجدات خفیف اور سبب ہو جائیں گے ۔

بعض دوسرے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ وزن اعمال کا ذکر جو قرآن و حدیث میں آیا ہے۔ اُس سے مراد یہ ہے کہ بعض اعمال کو بعض دوسرے اعمال کے ساتھ برابر کریں گے۔ اور ان کی زیادت و نقصان اس طرح معلوم کر لیں گے، یہی برابر کرنے اور اعمال کے برابر جانچنے اور نیکی و بدی میں سے ایک کو دوسرے



پر غالب سمجھنے کی کیفیت تو آج ہم کو اُس کے جاننے کی کوئی سبیل نہیں۔ خدا ہی جانتا ہے کہ وہ کس طرح اعمال طالع و صالح میں حساب فرمائے گا۔ یہ تاویل اگرچہ احتمال قبول رکھتی ہے۔ لیکن ہمیں زیبا نہیں کہ بے دلیل قاطع اور حجت ساطع کے خدا اور رسول کے کلام کی اس طرح تاویل کریں۔ کیونکہ ہماری عقلیں اُس کی کیفیت جاننے سے محض عاجز و درماندہ ہیں۔ اور اس قسم کی تاویلات کے جواب میں ہمیں علمائے اسلام کے اس فرمان پر بلا حجت عمل کرنا چاہئے۔ کہ جو کچھ ہم کو خدا کے رسول کی طرف سے بطریق صحیح پہنچے۔ ہم اس کو بلا چون و چرا قبول کر لیں۔ اگرچہ انسانی عقول اُس کی دریافت ماہیت اور کما ہی حقیقت سے عاجز ہوں اور اگر اس باب میں کوئی شخص مخالف ملت اسلام گفتگو کرے۔ تو پہلے اُس کے ساتھ توحید و نبوت کے باب میں کلام کرنا چاہئے۔ جبکہ توحید و نبوت کا اعترا کر لیگا۔ تو اسلام کے تمام مسائل کا معتقد ہو جائے گا۔

اور یہ بھی یاد رکھو کہ وزن حسنات کا اعتبار رضائے باری تعالیٰ اور وزن سیئات کا اعتبار سخط باری تعالیٰ کے لحاظ سے ہوگا۔ مثلاً ایک مومن ہے کہ نیکیاں کرنے میں اُس کی غرض محض جناب باری تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی ہے۔ اور اُسی کی دوستی کو وہ اپنا غایت مقصود سمجھتا ہے۔ اور جملہ شرائط دوستی اور اطاعت و متابعت رسول کو بوجہ حسن اکمل بجا لاتا ہے۔ پھر باوجود اس کے اُس کے عذاب سے اور عدم قبول طاعات و عبادات سے ترساں و لرزاں رہتا ہے۔ دوسرا مومن ایسا ہے جو ترس عقوبت و رعایت آدابِ سنن سے عبادت تو کرتا ہے۔ لیکن وہ حضور دل سے غافل ہے۔ اور اس سے بھی اندیشناک ہے کہ شاید اُس کے اعمال مقبول نہ ہوں۔ پس ظاہر ہے کہ ان دونوں شخصوں کے عمل صحت میں یکساں ہیں۔ لیکن ایک کا عمل محض رضا جوئی خدا تعالیٰ سے ہے اور دوسرے کا عمل حضور دل سے خالی اور وہ بھی بخوف عذاب الہی۔ پس ان کے اعمال میں فرق بین ہے۔ تو ثواب میں بھی تفاوت ضرور ہے۔ اسی لحاظ و اعتبار سے ان کا وزن اعمال بھی ہوگا۔ کیونکہ وزن بحسب ظاہر اعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ بحسب محل و موقع رضائے الہی بل جلالہ۔



اسی طرح سیئات میں مثلاً ایک شخص گناہ کرتا ہے اور اُس سے محبت پکڑتا ہے۔ اور معاصی کی جانب لہر ہے۔ اور نبی خدا تعالیٰ سے غافل اور عقوبت الہی سے منڈر ہے۔ اور عاقبت سے خوف نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے بڑے اعمال پر شاد و خرم ہے اُس کے مقابل دوسرا شخص ایسا ہے جو گناہ کرتا ہے اور جانتا ہے کہ میں بُرا کرتا ہوں اور اُس سے ڈرتا ہے۔ اور توبہ کرتا ہے۔ اور دل تنگ ہوتا ہے۔ اور اُس حال میں بکا میلان طبع توبہ کی طرف ہوتا ہے۔ تو ضرور اس دوسرے کے گناہ سزا اور عقوبت میں پہلے کی نسبت کمتر ہیں۔ پس اس کا وزن سیئات بھی اسی اعتبار سے ہوگا۔ اسی پر دوسری صورتیں قیاس کر لینا چاہئے۔

### صراط کا بیان

وزن اعمال کے بعد صراط پر گزرنے کا موقع پیش آئے گا۔ اور صراط ایک راستہ ہے۔ جو موصوع عرصات و حساب کی زمین پر نظر ہر ہوگا۔ یہ راستہ حقیقت میں ایک پل کی صورت میں خط ہر ہوگا۔ جو دونوں پر رکھا ہوگا۔ جلتی حیرت میں اسی پل کے ذریعہ پہنچیں گے۔ اور اسی پل کے تحت میں دوزخ ہوگی۔ اسی واسطے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صراط کو جس جہنم فرمایا ہے۔ یعنی دوزخ کا پل۔ اور قرآن نے ہم کو خبر دی ہے کہ بہشت سدۃ المنتہی کے نزدیک ہے۔ اور حدیث سے معلوم ہوا کہ سدرۃ المنتہی آسمان پر ہے عرش کے نیچے پھر قرآن و حدیث سے روشن ہوتا ہے کہ دوزخ اس جہان کے نیچے ہے۔ جس طرح جنت اوپر ہے۔ قیامت کے دن جب آسمانوں کو لپیٹ لیں گے۔ تو جنت آشکارا ہو جائے گی۔ اور جنت کے درجات ہیں۔ ایک کے اوپر دوسرا موافق درجات اہل بہشت کے۔ جو ان کی طاعت و عبادت کے لحاظ سے ان کو ملیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ بروز قیامت جنت کو اہل جنت کے قریب کرے گا۔ چنانچہ فرمایا۔ وَأَزْلِفَتْ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعْدٍ اسی طرح جب زمین کی موجودہ صورت و شکل بدل دی جائیگی۔ اور اُس کے حجابات جس کے سبب اُس میں نشیب و فراز پایا جاتا ہے۔ اٹھائے جائیں گے۔ تو دوزخ ظاہر ہو جائیگی۔ چنانچہ فرمایا۔ وَبُشِّرَاتِ الْجَنَّةِ لِمَنْ يَرَىٰ اُس وقت لوگ موقوف عرص

حساب میں مجتمع ہوں گے۔ در آنجا بیکہ جنت اُس کے اوپر اور دوزخ اُن کے نیچے ہوگی، پھر لوگوں کو صراط پر سے گزرنے کا حکم ہوگا۔ جس کے ذریعہ جنتی جنت میں پہنچیں گے، اور دوزخی دوزخ میں گریں گے۔

اور واضح ہے کہ صراط پر سے ہر ایک شخص گزرے گا۔ خواہ کسی درجہ کا انسان ہو۔ کسی کو اس سے چارہ نہیں۔ جیسا قرآن کریم میں وارد ہے۔ وَلَا تَمْنُنْ مِنْكَ الْإِلَٰهَ وَآرِئْهَا كَانَتْ عَلَىٰ ذِيكَ حَثْمًا مَّقْضِيًّا پس جو لوگ پاک ہیں اور قلب سلیم بے آلائش گناہ کے خدا کے پاس بیکر آئے ہیں۔ انہیں جہنم سے کوئی آسیب گزند نہیں پہنچے گا۔ اور جو لوگ گناہگار اور مستوجب عقوبت و سخط الہی ہیں۔ وہ جہنم میں گریں گے۔ پھر اُن میں وہ لوگ جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے دوزخ سے نجات پائیں گے، اور اہل شرک ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اور صراط پر گزرنے کا بلحاظ طاعت و عبادت کے ہوگا۔ جیسا حدیث شریف میں آیا ہے۔ بعض بجلی کی طرح طرفۃ العین میں گزریں گے بعض مثل ہوا کے۔ بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح۔ بعض مانند تیز و تند انسان کے۔ بعض بصوت تیر سربس اسیر۔ غرض گزرنے کی حالتیں مختلف ہوں گی۔

حدیث میں صراط کی صفت اس طرح آئی ہے کہ اس کا اوپر کا سرا جنت کی طرف ہوگا۔ اور نیچے کا سرا جہنم کی طرف۔ یہ ہمارے اس بیان کی دلیل ہے کہ صراط ایک سستہ پستی سے بلندی کی جانب کھنچا ہوا ہے۔

اہل حق کا مذہب ہے کہ صراط کا راستہ محسوس ہوگا۔ لوگ اُس کو بحسب ہر دیکھیں گے۔ ادیانِ حقہ سابقہ بھی اس کے مؤید ہیں۔ اور پیغمبروں نے اسی طرح اپنی امت کو خبر دی ہے۔ پھر سب کے بعد حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صراط کے متعلق ہمیں یہی خبر پہنچائی ہے۔ اور اس خبر کو ایسا صاف و صریح بیان فرمایا کہ اُس میں شک و شبہ کی مطلق گنجائش نہیں رہی۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ یہ اور تمام احوالِ آخرتہ اعیانی و حسیاتی ہیں۔ نہ خیالی و مجازی آنحضرت کا فرمانا بجا اور حق ہے۔ اور اُس کا قبول کرنا حقیقت کے طور پر تمام امتِ مرحومہ پر فرض و واجب ہے۔



## صراط کے متعلق ایک لطیف بیان

اور یہ جو ایک حدیث میں ہے کہ صراط ایک پل ہے۔ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز آذقۃ من الشّعیر و اَحَدٌ مِنَ السَّيْفِ اگرچہ بعض علما نے اپنے اعتقاد ناموں میں اس کو اسی طرح یاد کیا ہے۔ اسی طرح دوسری حدیثوں کو جو اس باب میں اوپر بیان ہوئیں۔ لیکن حقیقت امور عقوبی کا جاننا آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان و نقل پر موقوف ہے۔ تو اس معاملہ میں ایسی حدیثوں پر یقین و اعتماد کرنا چاہئے۔ جو روایت و درایت کے لحاظ سے صحت کو پہنچی ہوں۔ اور ان احادیث کو جن کی صحت میں علما کا اختلاف ہے۔ احادیث متفقہ کے ہم مرتبہ نہ سمجھنا چاہئے۔ پس آئمہ حدیث و حفاظ نقل کرتے ہیں کہ آذقۃ من الشّعیر الی حدیث و صف صراط میں ثابت نہیں ہے۔ نیز حدیث میں ایسا آیا ہے کہ ملائکہ صراط کے دونوں جانب کھڑے ہونگے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ صراط کے بین و بیار قلابیں ہوں گی۔ جن سے لوگوں کو پکڑینگے۔ بعض لوگ صراط سے اسی طرح گذر جائیں گے کہ انہیں کوئی آسیب نہیں پہنچے گا۔ اور بعض اُن قلابوں سے خستہ و زخمی ہو جائیں گے۔ تاہم دوزخ میں گرنے سے محفوظ رہیں گے، لیکن بعض ایسے ہوں گے جو قلابوں سے کھینچ کر دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ اور حدیث میں ہے کہ بعض لوگ قدموں تک نور میں غرق ہوں گے۔ بعض صراط پر سے زندہ و سلامت گذر جائیں گے پس پلٹ کے بل چل کر پار ہوں گے۔ یہ تمام باتیں حدیثوں میں ہیں جن سے صراط کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ اب ان احادیث کے ہوتے آذقۃ من الشّعیر والی حدیث کہاں تک تسلیم کی جاسکتی ہے۔ لہذا ہمیں یوں تاویل کرنا چاہئے کہ مراد اس حدیث سے یہ کہ صراط پر سے گذرنا اس قدر مشکل ہے جیسے کسی ایسی چیز پر سے گذرنا جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہو۔ اور اس کی تنگی و وسعت بقدر طاعت و معصیت کے ہوگی۔ اور یہ جو کہا کہ تلوار سے تیز ہے۔ یعنی اُس پر سے گذرنا اہل سعادت کے لئے آسان ہے۔ مگر اہل شقاوت



کے لئے تلوار سے تیز ہے۔ اگر عوام مسلمانوں کی فہم اس اور اک سے قاصر ہو تو انہیں اعتقاد رکھنا چاہئے کہ اگر یہ حدیث حضرت رسول خدا سے بطریق صحت مروی ہے تو بلا چون و چرا اُس کو تسلیم کرتے اور اُسے حق جانتے ہیں۔ اور اگر ہماری فہم میں آنحضرت کے بیان میں کچھ اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ تو یہ ہماری کوتاہی فہم سے ہے۔ آپ کے بیان میں حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔

## جنت و دوزخ کی تعریف

صراف کے بعد دوزخی دوزخ میں جائینگے۔ اور جنتی جنت میں۔ بہشت ایک عالم روحانی ہے۔ خرم و نشاط و اباحت و آرام سے بھرا ہوا۔ اُس کی روحانیت اور جسمانیات غایت لطافت و کمال و لاویزی پر ہوگی۔ وہاں پر کامرانی و عیش کے تمام اسباب مہیا و آمادہ ہوں گے۔ اور تمام جسمانی و روحانی لذتیں وہاں میسر ہونگی۔ جنت کے ساکنین کو کسی قسم کا رنج و الم نہیں ہوگا۔ اہل جنت اور نعمت مائے جنت کو کبھی زوال و فنا نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں اور طاعت گزاروں کے لئے بہشت کو آمادہ و مہیا کر رکھا ہے۔ وہ اس وقت موجود و مخلوق ہے اُس کے درجات بہت ہیں۔ بعض درجات بعض سے ارفع و افضل ہیں۔ یہ درجات باندازہ طاعت و عبادت کے اہل جنت کو فیض ہونگے۔

اور دوزخ عالم ظلمانی کا نام ہے۔ جو آتش سوزاں سے بھری ہوئی ہے اور جہاں مصائب و ناخوشی کے تمام اسباب مہیا و موجود ہیں۔ اور ترقی کے عذاب جسمانی و روحانی اہل جہنم کو پہنچیں گے، مثل جنت کے دوزخ کے بھی درجات ہیں درکات وہ درجے ہیں۔ جو پستی کے لحاظ سے ہوں۔ ایک کے نیچے ایک جس طرح درجات وہ درجے ہیں۔ جو بلندی کے لحاظ سے ہوں۔ ایک کے اوپر ایک۔ دوزخ میں سخت ترین اور صعب ترین عذاب ہوگا۔ وہاں کے ساکنین کو کبھی اور کسی وقت آسائش و راحت کی صورت نہ دکھائی دیگی۔ اور کبھی عذاب میں تخفیف نہ ہوگی اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو دشمنانِ خدا و رسول اور منکرانِ توحید و رسالت کے لئے ساختہ و آمادہ کیا ہے جس آدمی کی موت کفر و شرک پر ہوئی۔ وہ کبھی عذاب دوزخ

سے نجات نہیں پائے گا۔ لیکن عصات گناہ گاران ایمان سے جو لوگ اپنے گناہوں کے سبب دوزخ میں ڈالے جائیں گے، اگرچہ ان کے گناہ کتنے ہی زیادہ ہوں لیکن ایک مدت معین کے بعد آخر کار دوزخ سے نجات پا کر جنت میں ہمیشہ ہمیشہ آرام و طہینان تمام رہیں گے۔ آخرت کے یہ تمام حالات قرآن و حدیث سے مستفاد ہیں۔ جن پر تمام اہل حق کا اجماع و اتفاق ہے۔ ان پر ایمان لانا اور اعتقاد رکھنا ہر ایک مومن پر فرض ہے۔ ورنہ ناقص ہے گا۔

## دسویں فصل

### قیامت کی شرطوں کے بیان میں

ہم نے اس فہرست میں قیامت کی شرطیں اور وہ نشانیاں جو قیامت کے پہلے ظاہر ہونگی تفصیلاً بیان کرنا اس لئے مناسب جانا کہ آیات قیامت میں سے بعض ایسی ہیں جو معمود و معتاد خلق نہیں پس وہ لوگ جو ایمان بالغیب لائے ہیں۔ اور ان سے یہ آیات محبوب و مخفی ہیں۔ وہ جب ان آیات کا ذکر سنتے ہیں تو یا تو قطعاً ان کے وقوع سے انکار کرتے ہیں۔ یا ایسی تاویل کرتے ہیں جس سے حقیقت الامر پوشیدہ ہے۔ اور مجاز پر حل کیا جاسے۔ اس تاویل فاسد سے ان لوگوں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ عوام مسلمانوں کو راہ حق سے بہکا دیں۔ اور خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کے متعلق ان کے دلوں میں شبہات پیدا کر دیں۔

ایک بات یہ ہے کہ اکثر اصحاب اشراط ساعت کی تفصیل نہیں جانتے، اور اگر وہ علماء سے ان آیات کا تذکرہ سنتے بھی ہیں تو ان آیات میں جن کا قبول کرنا واجب ہے اور ان آیات و اشراط میں جن کے وقوع میں ایک گونہ تردید ہے کوئی فرق نہیں کر سکتے۔ پس صحیح و غیر صحیح اور ضروری و غیر ضروری سب پر یکساں



ایمان و اعتقاد رکھتے ہیں۔ وہ نہ تو مراد خداوندی اور بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھتے ہیں۔ اور نہ ان کے اخبار میں تمیز و شناخت کر سکتے ہیں کہ قابل قبول کون ہیں۔ اور قابل رد کون۔ انہیں صرف سُنی سنائی رطب و یابس باتوں پر تقلید و اعتقاد اُیا ان لانا آتا ہے۔ اور بس۔ لہذا ہم نے ان وجوہات مذکورہ کی بنا پر محض مصلحت مسلمانوں پر نظر کرتے ہوئے اشراط و آیات ساعت کو تفصیل اس طریقہ پر بیان کر دیا۔ جس سے غٹ و سمین اور صحیح و غیر صحیح میں صاف طور پر فرق ظاہر ہو جائے۔ اور عامہ مومنین عامیانہ اعتقاد کی خرابی کے سبب گمراہی میں نہ پڑیں وَاللّٰهُ الْمَوْفِقُ وَالْمُعِينُ ۝

## قیامت کی علامتیں بہت ہیں

قیامت کی علامات بہت ہیں۔ اُن میں سے بعض ظاہر ہو گئیں جن میں حضرت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور سب سے بڑی اور بین علامت قیامت کی ہے۔ پھر معجزہ شق القمر۔ اور بعض ایسی ہیں جو قرن بعد قرن ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ جیسے نقصان علم، کثرت جہل، رفع امانت، ظہور فتن، غلبہ جہلاد گناہ گاراں، اشاعت مزامیر و معازف، شراب نوشی، امارت حمقا و کو دکاں، طوائف الملوک، پچھلے لوگوں کا اگلوں پر لعنت کرنا۔ اور اُن کے سوائے جو کچھ احادیث صحیحہ میں بیان ہوئی ہیں۔ سب رست و بجا و حق ہیں۔ اُن میں سے اکثر ظاہر ہو گئی ہیں۔ اور باقی وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ اور ہوتی رہیں گی، لیکن ہمارا قصد اس فصل میں ان چھوٹی چھوٹی علامات کا گناہا نہیں ہے۔ ہم یہاں علامات عظیمہ اور بڑی بڑی نشانیوں اور شرطوں کا بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جن کی نسبت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ قرب قیامت کے وقت ظاہر ہونگی۔ جیسے خروج و جال و یاجوج و ماجوج، وغیرہ۔ اور ان کو اشراط ساعت کہتے ہیں۔ اس جہ سے کہ جب تک یہ باتیں ظاہر نہ ہو جائیں۔ مدت حیات دنیا تمام نہ ہوگی، اور ہم نے اس سے

لے مزامیر و معازف کے بیان ایک لطیف بحث دیکھو تکمہ



قبل کی فصل میں بیان کر دیا ہے کہ قرآن میں ساعت کا استعمال دو معنی پر ہوا ہے۔ ایک دنیا کی آخری ساعت پر جب نفخہ امانت پھونکا جائے گا۔ اور شراط اسی ساعت سے متعلق ہیں۔ دوسرے ساعت کا اطلاق اُس وقت پر ہوا ہے۔ جب حضرت اسرافیل نفخہ اچھا پھونکیں گے، اور نام خلق زندہ ہوگی۔ اور جملہ اشرط ساعت سے

ظہور حضرت مہدی علیہ السلام کا ہے۔

مہدی ایک مرد ہوگا۔ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و ذریت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اُس کا نام محمد اور اُس کے باپ کا نام عبد اللہ ہوگا۔ دنیا کو عدل سے بھر دیگا۔ جس طرح وہ اُس سے پیشتر ظلم و ستم سے بھری ہوگی شرع محمدی اور طریق و آئین احمدی علیہ السلام کے مطابق خلق اللہ کی وادری کرے گا۔ اور دین حنیفی کا سچا نمونہ ہوگا۔ اور حدیث میں آیا ہے۔ لَا مَهْدِي إِلَّا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ مَرَادُ اس حدیث سے نفی مطلق نہیں ہے بلکہ نفی فضیلت مراد ہے۔ معنی یہ ہیں کہ کوئی مہدی فضیلت میں مثل عیسیٰ ابن مریم کے نہیں ہو سکتا۔ جس طرح کہتے ہیں۔ لَا فَتَى إِلَّا عَلِيٌّ یعنی کوئی جو ان شجاعت میں علیؑ کے برابر نہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ علی ہی صرف ایک جوان ہے دنیا میں کوئی جوان ہی نہیں۔ اسی طرح فارسی میں کہتے ہیں۔

”مرو نیست الا فلاں و شہر نیست الا بغداد“

پس انہی اعتبارات سے اوپر کی حدیث کے معنی کرنے چاہئیں کہ کوئی مہدی فضیلت اور بڑائی میں عیسیٰ ابن مریم کے برابر نہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قواعد شریعت منسوخ ہو گئے۔ اور ان کا زمانہ نبوت منقض ہو گیا ہے۔ اور وہ جناب نبی کریمؐ کے دین و آئین اور شریعت حق کے مطابق کام کریں گے۔ اور اسی دین کے ایک پیرو اور مقلد کی حیثیت میں آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ پس اُن کا طریق اس دین میں خلفائے اُمّت کی صرح ہوگا۔ جن کو خدا نے راہ حق بتا دی ہے۔ اور وہ عامہ مسلمین کو خدا کی طرف بلا تے ہیں۔ یہ امر اس حدیث سے روشن ہو گیا کہ اس اُمّت کے مدیو

ظہور امام مہدی علیہ السلام

ام مہدی الا عیسیٰ ابن مریم کے معنی

میں جو اتباع سنت و سیرت نبوی میں اور مہمات خلافت کے سدا انجام میں  
یہ وہ وجوہ کمال ہیں۔ کوئی مہدی حضرت عیسیٰ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ  
وہ پیغمبر مرسل ہے (اگرچہ اس وقت خلائے اُمرت کی صورت میں نازل ہوا  
ہے)۔

ہمیں لازم ہے کہ حدیث کلامِ مہدیؑ کی تاویل اسی طریق پر کریں  
تاکہ مہدی کے باب میں جو احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ وہ فرزند ان فاطمہ سے  
ہوں گے، اور اس حدیث میں تعارض و اختلاف واقع نہ ہو (اور یہ نہ سمجھ لیا  
جائے کہ مہدی و عیسیٰ ایک ہی شخص ہے۔ دو شخص جدا جدا نہیں جیسا کہ  
مرزائیوں نے سمجھ رکھا ہے۔ دیکھو حاشیہ) اس لئے کہ مہدی کی ہر  
فاطمہ سے ہونے کی حدیث درست اور بطریق معتد وہ مہدی ہے حتیٰ کہ اُس  
کے جنس میں تو اثر ثابت ہے۔ پس اس طرح تاویل کرنے سے دونوں حدیثیں  
اپنی اپنی جگہ پر قائم رہ سکتی ہیں۔

حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے باب میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں  
ایک یہ ہے کہ اُن کا ظہور مکہ میں ہوگا۔ دوسرے یہ کہ شام کی طرف سے ایک  
شکر مہدی سے لڑنے کو آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کو موعوع بیدار میں زمین میں  
دھنسا دیگا۔ اور حدیث میں ہے کہ قسطنطنیہ کی فتح مہدی کے ہاتھ سے ہے  
اور نیز جبل الدیم جو مسکینوں کا مسکن ہے آپ ہی فتح کریں گے، اور حدیث  
میں ہے کہ مہدی فرزند ان حسنؑ سے ہوگا۔ اور یہ بھی آیا ہے کہ زبیر نامی ایک  
گاؤں میں جو مضائقہ میں سے ہے اُس کا ظہور ہوگا۔ اس وقت علاقہ بین میں  
اس نام کا کوئی گاؤں نہیں ہے۔ شاید کسی زمانہ میں ہو۔ لوگ اُس کا اصل نام  
بھول گئے ہوں اور بجائے اُس کے بکشتہ کہنے لگے ہوں یا آئندہ اس نام کا  
کوئی گاؤں آباد ہو جائے۔ اور یہ بھی آیا ہے کہ ایک ابر کا ٹکڑا اُس کے سر پر  
سایہ کئے ہوگا۔ اُس ابر میں سے ایک فرشتہ نڈا کرے گا۔ ہذا اولی اللہ  
المہدیؑ فاتبعوہ یہ مہدی خدا کا ولی ہے اس کی متابعت کرو۔ ایک

لے تفصیل کے لئے دیکھو جگہ ص



حدیث میں آیا ہے کہ اُس کی پیشانی پر ایک نشان ستارہ درخشاں کی طرح چمکتا ہوگا \*

## اس باب میں اخبار منقولہ کا درجہ

یہ اخبار جو ہم نے نقل کئے صحت و شہادت میں اس درجہ کے نہیں کہ اُن پر اعتماد کلی کیا جائے۔ مگر ایسے بھی نہیں کہ اُن میں طعن درست ہو۔ پس ان میں جو درست ہیں۔ اُن پر ایمان و اعتقاد واجب ہے۔ اور جن اخبار میں کسی قسم کا وہن یا شبہ ہے ان کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ اگر حدیث ہے تو اس پر ہمارا اعتقاد ہے۔ اسل حدیث میں شبہ نہیں۔ اگر غلطی ہو تو ناقص کی جانب سے ہے \*

ظہور مہدی اگرچہ خوارق و عادات کے لئے جیسی مغرب سے طلوع آفتاب لیکن ہم نے اس خیال سے بیان کر دیا کہ اشرار و ساعت جاننے کے بعد لوگوں کو اخبار مہدی کے متعلق غلطی نہ ہو۔ اور اگر اشرار و ساعت کے پہلے کوئی داعی دعویٰ مہر و بیت کرے تو اُنہی کا دعویٰ ناقابل قبول ہو، اور مسلمان اُس کے فتنہ سے محترز رہیں۔ کیونکہ زمانہ گذشتہ میں چند مرتبہ ایسا ہی فتنہ اٹھا ہے کہ فتنہ پروازوں اور ریاست خواہوں نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور چند جہلا اور نادان مسلمانوں کو اپنا پیرو بنا کر امن عامہ میں خلل ڈالا۔ آخر بڑی خواری کے ساتھ واصل جہنم ہوئے \*

## مہدی کے باب میں شیعہ کا خیال

دوسرے یہ کہ عام مسلمان اباطیل اہل تشیع کے فریب میں نہ آجائیں جنہوں نے سامان جہالت و عصبیت جمع کر رکھا ہے۔ نیز باطنیہ فرقہ کی ضلالت و گمراہی میں نہ پڑ جائیں۔ جو غایت درجہ بد باطن اور فریبندہ فرقہ ہے \*

متشبیہ کہتے ہیں کہ مہدی محمد عسکری ہے۔ اُنہوں نے اُس کا نام



صاحبِ زمان رکھتا ہے۔ وہ دو سال کا تھا کہ وفات پائی، کوئی عالم بلکہ کوئی عقل اس بات پر یقین نہیں کریگا۔ بھلا اہل اسلام سے ممکن ہے کہ ایسی جانناہ باتوں پر التفات کریں۔ اور سمع قبول میں ان کی مزخرفات کو جگہ دیں۔ اس قسم کی باتیں ندیفوں کی خرافات اور متواترات سے ہیں۔ جیسے میمون قداح اور ابو سعید حرانی اور اس کا بیٹا وغیرہم، ان کا ارادہ اس سے یہ تھا۔ کہ عام مسلمانوں میں تفرقہ و جدائی ڈالیں۔ اور سادہ دل کمینہ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنائیں۔ اور احکام شرع کو اس اہی طریقہ پر ان میں پھیلائیں، اور اہل علم کو مسلمانوں کی نظر میں متہم اور بے وقور کریں۔

میں نے دنیا میں اس قسم سے بدتر اور نادان کوئی فرقہ نہیں پایا۔ جو ایسے بے جا اور بہبودہ افسانوں سے اپنا مطلب ثابت کرنا اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔ اور منشا دعوت باطنیوں کا یہی خرافات ہیں۔ پس بندہ کو ان باتوں پر کوئی توجہ نہ کرنی چاہئے، اس واسطے کہ ان کی باتوں میں سولے مخالفتِ احادیث صحاح اور اجماعِ اُمت کے دھرا ہی کیا ہے۔

اب ہم دوسرے احوال کا بیان کرتے ہیں۔ جو نو اور حالات اور معظمتِ وقائع سے ہیں۔ اور ان میں اکثر خوارق و عادات سے ہیں۔ میں نے ان حالات کو حدیث ابوسیرجہ اور حدیث حذیفہ ابن اسد رضی اللہ عنہم میں یکساں پایا ہے، ان کی حدیث درست حدیث ہے، اور دوسرے احادیث میں متفرق آیا ہے۔ ان آیات میں سے بعض وہ ہیں۔ جو قرآن سے ثابت ہیں۔ اور بعض دوسری حقیقیوں کے ذریعہ تواتر کو پہنچے ہیں۔ بایں وجہ کہ تواتر ان کی جنس میں ثابت ہوا ہے، ابوسیرجہ کی حدیث اسی طرح ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزہ سے ہماری باتوں پر اطلاع پائی۔ اور ہماری طرف نظر کی۔ اور فرمایا۔ مَا تَذَكَّرُونَ وَمَا تَقُولُونَ كُنْ بَاتُونَ كَمَا تَذَكَّرْتُمْ هُوَ، اور کیا کہہ رہے ہو، قُلْنَا الْمُسْلِمَاتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، ہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں۔ فرمایا۔ اِنْهَا لَنْ تَقُومَ حَتَّى تَرُدَّ اَعَشَرَ اَيَّاتٍ خَسَفًا بِالشَّمْسِ رَاقٍ وَخَسَفًا بِالْمَاءِ خَرِبٌ وَخَسَفًا

قیامت کی دس بڑی علامتیں۔

بجزیرۃ العرب ویا جوج و ما جوج و دابة الارض والدخان  
والدجال و نزول عیسیٰ ابن مریم و طلوع الشمس من مغربها  
و ناراً تخرج من قعر عدن۔ یعنی قیامت قائم نہ ہوگی۔ جب تک اس  
کے پہلے دس علامتیں نہ دیکھ لو، مشرق و مغرب کی زمین کا دھنسا۔ اور  
جزیرہ عرب کا دھنسا۔ اور یا جوج و ما جوج کا۔ اور دابة الارض کا ظاہر ہونا۔ اور  
دخان اور دجال کا ظہور، اور حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نزول اور آفتاب مغرب  
کی جانب سے طلوع ہونا۔ اور قعر عدن سے آگ کا نکلنا۔ اس حدیث میں  
ان دسوں علامتوں کو اسی ترتیب سے میں نے پایا ہے۔ اور صحاح میں دوسری  
ترتیب ہے۔ لیکن نفس آیات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اور یاد رہے کہ اس حدیث میں جو دس آیتیں مذکور ہیں۔ ان کا ظہور  
اسی ترتیب سے نہیں ہوگا۔ اس واسطے کہ احادیث صحاح سے معلوم ہوا ہے کہ  
یا جوج و ما جوج کا خروج نزول عیسیٰ کے بعد ہوگا۔ لیکن ہم ہر ایک میقات او  
اس کی کیفیت کا بیان بوضوح تمام کئے دیتے ہیں۔ جن کا ذکر اس حدیث میں  
آیہ ہے۔ تاکہ اہل ایمان کے اعتقادات اس باب میں راسخ ہو جائیں اور  
ان کے قدم جاوہ اعتدال سے نہ ڈل گائیں۔

## دجال کا بیان

خسوف ست گانہ جو حدیث میں مذکور ہے۔ ان کی بابت احادیث سے  
معلوم ہوا۔ کہ ان کا وقوع ظہور مہدی کے بعد ہوگا۔ یعنی اس وقت جب شام کا  
شکر حضرت مہدی کے ساتھ جنگ کرنے آئیگا۔ جس طرح اوپر ذکر ہوا۔ اور بعد  
ظہور حضرت مہدی علیہ السلام کے اور فتح قسطنطنیہ کے خروج دجال ہوگا۔  
دجال بنی آدم کی قسم کا ایک مرد ہے۔ جو جہنم سے نکلے گا۔ اس کی ایک آنکھ  
میں ٹینٹ نکلا ہوگا۔ مثل دائرہ انگور پختہ کے، اور اس میں اختلاف ہے۔ کہ  
اس کی سبیدھی آنکھ کافی ہوگی یا لٹی، اس باب میں کسی ایک پر قطع کرنا جائز  
نہیں۔ صرف یہ اعتقاد رکھنا کافی ہے کہ وہ عورتی کسی بھی ایک آنکھ سے



اندھا ہوگا۔ حدیث میں اختلافِ اویان حدیث کی غلطی سے واقع ہو گیا ہے حدیث کو راویوں نے خوب ضبط نہیں کیا ہے۔ اسی واسطے راست چسپ کے قرار دے میں غلطی واقع ہوئی۔ ورنہ بیان نبوت ایسی متضاد باتوں سے پاک ہے۔ حقہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے لئے اُس کی صفت بیان کر دی ہے۔ لیکن اُس کے وقت خروج کو کسی تاریخ کا مقید نہیں کیا ہے اس سبب سے کہ وہ اُس کے لئے مامور نہیں تھے۔ تاہم اُس کے خروج کے آثار و قرائن بتا دیتے ہیں اور فرمایا ہے کہ لوگ اُس کے خروج کے قبل تین خشک سالیوں میں مبتلا ہونگی پہلے سال معمول سے ایک ثلث کم بارش ہوگی۔ اور غلہ وغیرہ بھی ایک ثلث کم پیدا ہوگا۔ دوسرے سال دو ثلث کمی واقع ہوگی۔ اور تیسرے سال نہ بارش ہی ہوگی۔ اور نہ نبات ہی اگیگی۔ پس اس حال میں دجال خروج کرے گا۔ اُس کے ساتھ ہمت سے شبہات اور سحر مائے عظیم ہوں گے۔

اور حدیث میں یوں آیا ہے کہ دجال ایک قوم کو دعوت کریگا۔ تو وہ اُس کی خدائی پر ایمان لے آئے گی، اور حدیث میں ہے فیما من السماء فیطر دالہ مرض فیذبت یعنی بارش کا حکم کرے گا تو پانی برسیدگا۔ اور زمین کو سبزہ اگلے گا حکم کرے گا۔ تو سبزہ پیدا ہوگا۔ چونکہ قوم اُس وقت قحط عظیم میں مبتلا ہوگی۔ پس چال دیکھ کر اُس پر ایمان لے آئے گی، اور حدیث میں ہے کہ دجال چالیس روز کی مدت میں تمام زمین کو طے کرے گا۔ اور تمام شہروں اور دیہاتوں میں گھوم آئے گا۔ مگر مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ دجال کا مقام خروج مغرب ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ وہ مشرق سے نکلیگا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ قحط کی تکلیف سے چار پائے ہلاک ہو جائیں گے۔ وہ وہاں پر آکر کئے گا کہ اگر میں تمہارے اونٹوں کو زندہ کر دوں۔ تو تم مجھے اپنا پروردگار اور خدا یقین کرو گے۔ لوگ کہیں گے ہاں پس شیاطین کو اُن کے اونٹوں کی صورت پر متشکل کر دیگا۔ پھر ایک دوسری آدم پر آئے گا۔ جن کے باپ بھائی ہلاک ہو گئے ہونگے، اُن سے بھی ہی کہے گا۔



جس کا جواب اُس کے موافق ملے گا۔ پس وہ شیاطین کو اُس کے باپ، بھائیوں کی صوٹ پر متشکل کریگا۔ اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص دجال کی صفت کا مدینہ میں ظاہر ہوگا۔ وہ لوگوں سے کہیگا کہ اگر میں ایک شخص کو قتل کر کے زندہ کروں۔ تو تم مجھے پروردگار یقین کرو گے، لوگ کہیں گے ہاں۔ پس وہ ایک شخص کو قتل کر کے زندہ کریگا۔ تو وہی شخص جو اُس کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ دجال سے کہیگا کہ میں تجھے خوب جانتا ہوں ایسا کہ اس سے پہلے آگاہ نہ تھا۔ وہ پھر اس کو مار ڈالنا چاہے گا۔ تو اُس وقت اُس کے قتل پر قادر نہ ہوگا۔ اور یہ ملامت ہوگی اُس کے کذب و عویٰ خدائی کی۔ اور حدیث میں ہے کہ دجال کے ہمراہ بہشت و دوزخ ہوگی۔ لیکن اس کی بہشت حقیقت میں دوزخ ہوگی۔ اور اس کی دوزخ حقیقت میں بہشت۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ اُس کے ساتھ آگ اور پانی ہوگا۔ لیکن لوگ جس کو پانی گمان کریں گے، وہ آتش سوزاں ہوگی۔ اور جس کو آگ تصور کریں گے، وہ حقیقت میں آب سرد ہوگا۔

## دجال کے متعلق احادیث اور ان کا مرتبہ

دجال کی صفات و وقائع کے باب میں جو احادیث اور پر مذکور ہوئیں۔ ان میں بعض ایسی ہیں جن میں خلاف ہے۔ اور بعض ایسی ہیں جن میں کوئی اشکال نہیں۔ پس ان ہر دو قسم کا بیان ضروری ہے۔ تاکہ خصمانہ شریعت اور مجوسانہ مطورہ طبیعت عوام مسلمانوں کے اضلال کے لئے ایک دستاویز بنالیں۔ اور دعویٰ تناقض اور عدت شہرت سے اخبار غیب کو جو صاحب عالم غیب صلوٰۃ اللہ وسلم نے پہنچائے ہیں۔ رد نہ کریں۔ کیونکہ ملاحدہ جو دین حق کے دشمن ہیں۔ اور فلاسفہ جو منکران اخبار غیب ہیں۔ ہمیشہ ایسے موقع کے منتظر رہتے ہیں۔ وَاللّٰہُ نَاصِرُ دِیْنِہٖ وَمُظْہِرُ حُجَّتِہٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُونَ

لیکن ان احادیث میں سے جن میں نقل طریق سے اختلاف ہے۔ ایک حدیث یہ ہے کہ اُس کی چشم راست اعمور ہے۔ اور دوسری حدیث میں

و جال کی چشم چپکا اعور ہونا مذکور ہے۔ پھر بعض نے بے تعین اس کی آنکھ کے اعور ہونے پر اقدام کیا ہے۔ پس ان ہر سہ بیانات میں صرف ایک ہی درست و صحیح ہو سکتا ہے۔ باقی غلط۔ اور چونکہ سیدھی آنکھ کے اعور ہونے کی طرف اکثر اصحاب گئے ہیں۔ لہذا ہم اسی پر اعتبار کرتے ہیں کہ وہ اعور ہے۔ اور راست یا چپ پر قطع نہیں کرتے۔ کیونکہ چہرہ اختلاف سے اصل بات پر جرح لازم آتی ہے۔

دوسری اختلافی بات یہ ہے کہ اُس کی مدت قیام چالیس روز ہوگی اور حدیث اسماء بنت زید بن الاسلم الانصاری میں چالیس سال مذکور ہیں۔ لیکن اسماء بنت زید کی حدیث صحت و شہرت اور اتفاق روایات عدول میں چالیس روز والی حدیث کے برابر نہیں۔ اس کو اصحاب بزرگ کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے۔ اور ضروریہ اصحاب ضبط و حفظ اور احتیاط میں ایک عورت سے اولیٰ تر ہیں۔ اس سبب حقیقت میں اس کی مدت قیام چالیس روز ہی ہوگی۔ چالیس سال کا ذکر ایک دہن اور بے بنیاد بات ہے۔

تیسری بات یہ کہ ایک حدیث میں ہے کہ وہ دیار مغرب میں ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ وہ مشرق کی جانب سے غروب کرے گا۔ اس میں کوئی تناقض نہیں۔ کیونکہ وہ مغربی جزیرہ سے جو اُس کا محسوس ہے۔ مخلصی پاکر مشرق میں آئے گا۔ اور خراسان کی طرف سے ظاہر ہوگا۔ اور اس کی وجہ یہ کہ فرمایا وہ دریائے مغرب بلکہ دریائے یمن میں ہے۔ یہ ہے کہ وہ جزیرہ بحرین میں بحال مغرب ہوگا۔ اس سے مراد حضرت رسول خدا کی صرف تعبیر و جال ہے۔ اس کے ظاہر کرنے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مصلحت نہ دیکھی ہوگی یا اُس کے پوشیدہ رکھنے میں مصلحت ہوگی۔ کشف و اظہار کو خلافت مصلحت سمجھا ہوگا۔

## و جال کی صفت میں ایک اشکال

و جال کی صفت میں ایک بڑی اشکال یہ ہے کہ حدیث میں زندہ کرنے



کی اضافت اُس کی طرف ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ دجال ایک شخص کو قتل کر کے پھر زندہ کرے گا۔ حالانکہ زندہ کرنا صرف خدا تعالیٰ کا ہی فعل و قدرت ہے۔ جواب یہ ہے کہ ہم نے قطعی دلائل سے سمجھ لیا ہے کہ محیی و ممیت یعنی زندہ کرنے والا اور مارنے والا صرف خدا تعالیٰ ہے جل جلالہ۔ اس کی اضافت دوسرے کی طرف محض سبب کے لحاظ سے ہے جس طرح احیاء مردگان کی اضافت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰ کی دعا احیاء کا سبب واقع ہوتی تھی، پس جب حکمت الہی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اُس مقتول کے زندہ کرنے میں دجال ملعون کی مراد حاصل ہو جائے۔ اس واسطے احیاء کی اضافت مجازاً اُس کی طرف کی گئی۔ پھر بھی خدا تعالیٰ نے باوجود اس کے قصے حاجت کے مردہ کو زندہ کرنے میں بھی ایک دلیل اُس کے بطلانِ دعویٰ پر قائم کر دی۔ وہ یہ کہ سببِ دجال اسی شخص کو جس نے اُس کو زندہ کیا۔ ہو گا۔ پھر مار ڈالنا چاہیگا تو اُس وقت اُس کے قتل پر ہرگز قادر نہ ہو گا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ جب دجال مار ڈالنے پر جو قدرت بشر سے ہے۔ قادر نہ ہوا تو احیاء پر جو خاص خدا کے تعالیٰ کا فعل ہے۔ مستعداً کس طرح قادر ہو سکتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ احیاء موتی اُس کے اختیار و قدرت سے ہرگز نہ ہو گا۔ لہذا احیاء کی اضافت اس کی طرف مجاز ہے۔ ورنہ حقیقت میں وہ اُس پر قادر نہیں ہے۔

## ایک اور شکل

ایک اور اشکال یہ ہے کہ جب عاجز نہیں کہ اللہ تعالیٰ مدعی نبوت کی کسی ایسے فعل سے جس کی مثل سے مخلوق عاجز ہو۔ مدد کرے۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ احیاء مردہ سے مدعی ربوبیت کی مدد کرے، اور مردہ کا زندہ کرنا اُس کے اختیار میں دے۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ مدعی نبوت کا دعویٰ ایسے امر کے متعلق ہوتا ہے جس کا وجود بشر میں ممکن ہے۔ اُس کے صدق و کذب کا علم خدا کو ہی ہوتا ہے۔ بظاہر اس کے دعویٰ کو چھوٹا کرنے کی دلیل نہیں ہوتی



پس اگر کوئی دلیل مدعی نبوت کے سچا یا جھوٹا کرنے کی ہے۔ تو یہی کہ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی ایسی دلیل یا ایسا فعل خارق عادت پیش کرے جس کے جواب اور مقابلہ سے اُس زمانہ کے لوگ یا تمام خلق عاجز و درماندہ ہو۔ پس اگر مدعی نبوت کی دلیل یا فعل اُس کے کہنے کے مطابق ظاہر ہو۔ تو اس کی نبوت کے برحق ہونے میں کلام نہیں۔ اور اگر اُس کے خلاف ثابت ہو۔ تو مدعی نبوت کا ذی سبب بھاجائے گا۔ جب دلیل ہی شناخت و تمیز نبی صادق و کاذب کا ذریعہ ٹھہری۔ تو ظاہر ہوگا کہ جھوٹے مدعی نبوت کی امداد اُس کی فحمت میں منجانب اللہ کبھی نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہو تو اُس کی نبوت کے سچا ہونے میں کوئی شک نہ ہے۔ اور جھوٹے نبی کو جھوٹا سمجھنے میں بڑی سخت و قہر پیش آئے۔ اور داعی ایمان کی داعی کفر سے تمیز نہ ہو سکے۔ اور یہ اقتضائے حکمت الہی سے بعید ہے۔ تو یاد رہے کہ جھوٹا مدعی نبوت کی امداد معجزہ کے ذریعہ ہرگز اور کسی نوع جائز نہیں ہے۔

اور یہ بات مدعی ربوبیت میں نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ایسے امر کا دعویٰ کرتا ہے جس کی نظیر اُس کے امثال میں مستحیل ہے۔ اگر مدعی محدث ربوبیت کی قابلیت رکھتا تو تمام محدثات بھی اس قبیل سے ہوتے، اور محدث فی نفسہ دلائل حدوث اور امارت ضعف سے کسی وقت منقار نہیں ہے۔ پس یہی حالت اُس کے کذب دعویٰ کی نشاہد ہے۔ بالخصوص حال میں تو یہ بات بطور اولیٰ موجود ہے۔ اس لئے کہ وہ مرتب بشریت میں بھی نقصان رکھتا ہے۔ اور کسی ذی نعم سے پوشیدہ نہیں کہ وہ اگر اپنے دعویٰ ربوبیت میں صادق ہوتا۔ اور درحقیقت امیا نفس اس کی قدرت میں ہوتا۔ تو بطریق اولیٰ اپنی چشم کور کے روشن کرنے پر قادر ہوتا۔ چنانچہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں وصال کے باب میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کرتا ہوں۔ جو انبیائے سابقین میں سے کسی نے بیان نہیں کی۔ اَلَا لَشَاءُ اَعْلُوْا۔ وَاِنَّ رَبَّكُمْ لَیْسَ بِاَعْلُوْا۔ یاد رکھو کہ وہ آعور ہے۔ اور تمہارا پروردگار عور نہیں ہے۔ اس حدیث میں اس جانب اشارہ ہے کہ ایک ایسا بشر جو مرتب بشریت میں بھی کمال و تمیز

نہیں رکھتا۔ رب ہونے کی کیونکر قابلیت رکھ سکتا ہے۔ رہی دجال کی تسلیط و تمکین۔ تو اس میں یہ حکمت ہے کہ انسان اپنی عقل سے جان لے کہ وہ کاذب ہے۔ اور اُس کے فتنہ سے سالم و سلامت رہے۔

ہماری اس تقریر کے بعد مخالفین و منکرین کو ہرگز عوام مسلمانوں کو فریب دینے کی جرأت نہیں رہے گی، ہم نے دلائل قاطعہ اور حدیث نبوی سے ثابت کر دیا ہے کہ دجال کے باب میں جو اشکال وارد کی جاتی ہیں۔ وہ چنداں پائدار و مستحکم نہیں ہیں۔ اور یہ کہ اُس کے جواب نہایت آسان ہیں۔ بات یہ کہ خرمج و دجال اور اُس کے تسلط میں خدا کی جانب سے بندوں پر ایک ابتلاء عظیم ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس میں اُس کی کیا حکمت ہے۔ انسان کو کیا مجال کہ بدوں اس کی توفیق کے اُس کی عمیق اور پوشیدہ حکمتوں کے راز کو معلوم کر سکے۔ وَاللّٰہُ یَحْکُمُ فِی خَلْقِہٖ بِمَا یَشَآءُ۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول

دجال لعین کے خرمج اور اُس کے فساد فی الارض کے بعد حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ افضل الصلوٰۃ آسمان سے نزول فرمائیں گے، جناب نبی کریم سے بسند صحیحہ ثابت ہے کہ قریب ساعت کے وقت جناب عیسیٰ آسمان سے نزول فرما کر دجال کو قتل کریں گے، اور زمین کو دجال اور اُس کے متبعین کی خباثت و فساد سے اور یہودیان بے دین کی ناپاکیوں اور گندگیوں سے جو حضرت عیسیٰ کے قتل کرنے اور مصلوب ہونے کے مدعی ہیں۔ پاک کریں گے۔

حضرت عیسیٰ کے نزول میں ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ جب انقرض عالم کی مدت قریب ہوگی تو چونکہ عیسیٰ نبی آدم سے ہیں۔ (اُن کو خدا نے کفار کے شر سے بچا کر ایک مدت معین کے لئے آسمان پر اٹھا لیا ہے) اور کوئی انسان آسمان پر فوت نہیں ہوگا۔ بلکہ زمین پر مرے گا۔ چنانچہ فرمایا: مِنْہَا خَلَقْنَاکُمْ

لہٰذا ہم نے اس مٹی سے تم کو پیدا کیا۔ اور اس مٹی میں تم کو پٹائیں گے۔ اور دوسری بار اسی مٹی سے تم کو نکالیں گے۔



وَفِيهَا نَعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نَخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ هِیَ جِبِ حَضْرَتِ عِیْسٰی کی اہل مقررہ اختتام کو پہنچے گی، تو اللہ تعالیٰ اُن کو زمین پر نازل کریگا تاکہ موت انہیں زمین پر پالے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کی تکذیب کی۔ انہیں ساحر و جادوگر بتایا۔ اور اُن کے قتل کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ نصّ قرآنی سے یہ امر ثابت ہے، اللہ تعالیٰ اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجے گا اُن کے صفوہ حال پر رستم مذلت کھینچے گا۔ اور حضرت عیسیٰ کے نزول کے ذریعہ دین حق کو عزیز فرمائے گا۔

یہودیوں کی سلطنت زمین کے کسی حصہ پر نہیں، وہ ہمیشہ ذلیل و خوار رہے۔ اور اس امر کے منتظر کہ انہیں فرصت ملے۔ سچا اللہ کہ انہیں کبھی فرصت و فراغت امور دینی میں نصیب نہ ہوگی، حتیٰ کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے۔

جب قال لعین ظاہر ہوگا۔ تو یہ خبیث اُس کی متابعت کریں گے۔ اور شومی تکذیب مسیح مادی کے سبب جس کی تصدیق واجب ہے۔ اور اُس کے معجزہ کو سحر کے ساتھ تعبیر کرنے کی بدبختی کے بدلہ میں سحر و جال کو قبول کرینگے پس اللہ تعالیٰ اُسی برگزیدہ بندہ کو جس کی یہ تکذیب کرتے تھے۔ ایسے وقت میں جب اُن کا خیال تھا کہ اب ہم نے فرصت حاصل کر لی۔ اب ہمیں چاہئے کہ مسلمانوں اور دینداروں سے انتقام لیں۔ یہودیوں کی تخریب اور ہلاکت کے لئے بھیجے گا۔ اور اس طرح وہ اس کی ذات مقدس کی ہلاکت کا دعویٰ کرتے تھے۔ اُس کے ہاتھ سے اُن کو ہلاک کرا دیگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موافق نصّ قرآنی اور احادیث نبوی کے ایمان لانا چاہئے، اور یہ بھی اعتقاد رکھنا چاہئے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول کریں گے۔ تو وہ احکام شریعت غزائے محمدی کے تابع ہونگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام خلافت کی طرف مبعوث کیا ہے۔ پس واجب ہے کہ اُس وقت حضرت عیسیٰ اپنی شریعت



سے درگزر کر کے شریعت محمدی کے تابع ہوں۔ اس معنی سے حضرت عیسیٰ کی نبوت اُن کے رفع الی السماء تک محدود تھی۔ اس کے بعد جب شریعت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اشاعت ہوئی۔ تو تمام انسان جن پر آپ کی شریعت کی متابعت و اطاعت واجب ہو گئی۔ کیونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ کے بعد کسی نبی کا ہونا ممکن نہیں۔ اگر کوئی مدعی دعویٰ کرے تو باطل ہے۔ آپ نے خود فرما دیا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ خُتِیَ بِالنَّبِیُّوْنَ الْحَقِّیْنَ تو واضح ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اُس وقت نبی نہ ہوئے، اُن کا عمل کتاب و سنت پیغمبر آخر الزمان کے موافق ہوگا۔ اور اسی معنی میں فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لو کان مَوْسٰی حیا ما دسعا الا اتباعی ؑ کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری متابعت کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔

اگر سوال کیا جائے کہ حدیث نو اس بن معان میں بعد وصف دجال اور اُس کے ہلاک ہونے کے آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کی بابت فرمایا۔ یَقْتَحِمُ بَابَ الدَّارِ کہ وہ انصاف کا دروازہ کھولیں گے۔ کَمَا فِیْ اَصْلِ الْحَدِیْثِ اور اسی حدیث میں حضرت عیسیٰ کو نبی اللہ کہا۔ اور دوسری جگہ فرمایا فِیْ خُبْرِ نَبِیِّ اللّٰهِ اس پر حضرت عیسیٰ کی نبوت ثابت ہے۔ اور تم اُن سے نفی نبوت کرتے ہو۔

جواب یہ ہے کہ ہم وحی شریعت کی نفی کرتے ہیں نہ الہام الہی کی۔ اور ہم آخر زمانہ میں ایسے آنحضرت کے بعد حکم نبوت کی نفی کرتے ہیں نہ اہم نبوت کی۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کو نبی اللہ کہتے ہیں۔ اور نیز دوسرے انبیاء کو باعتبار شرف کے نبوت کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس معنی سے حضرت عیسیٰ کو بھی نبی اللہ کہا گیا۔ کیونکہ وہ واقعی نبی ہیں۔ اگرچہ اُس وقت اُس کی نبوت کا حکم منقطع ہو گیا ہے۔ اسی اعتبار سے دوسرے انبیاء کو بھی نبی اللہ کہتے ہیں۔ اس میں عیسیٰ علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے۔

## خروج یا جوج و ماجوج

بعد نزول عیسیٰ و ہلاکت دجال اور اُس کے تابعین کے خروج یا جوج و ماجوج ہوگا۔ اور یہ نسل بنی آدم سے دو قسم کے لوگ ہیں۔ جن کی تعداد کی کوئی حد نہیں۔ اُن کی زیادتی سے کُئے زمین کا کوئی حصہ بلکہ کوہ و دھاموں تک خالی نہ ہوگا۔ چنانچہ اس آیت کریمہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ حَتَّىٰ اِذَا فُتِحَتْ يَابْجُوجُ وَ مَاجُوجُ وَ هُمْ مِنْ كُلِّ حَنْدَابٍ يَنْسِلُونَ مراد فتح یا جوج و ماجوج سے اُن کی دیوار کا کھلنا ہے جس میں وہ محصور ہیں اور جس کو فوالقرنین نے اس لئے بنایا تھا۔ کہ خلق خدا اُس کے فساد و فتنہ سے محفوظ رہے۔ یا جوج و ماجوج کی اصل حقیقت یہی ہے۔ اس کے خلاف تاویل کرنا گمراہی و ضلالت ہے۔ یا جوج و ماجوج کے خروج کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام مومنین کے ہمراہ کوہ طور میں مستحضر ہونگے۔ جس وقت آپ کو ان کے فساد کی خبر پہنچے گی۔ تو آپ اور آپ کے ہمراہی جملہ اہل ایمان یا جوج و ماجوج کی ہلاکت کے لئے جناب باری میں دعا کریں گے۔ اَللّٰهُ تَعَالٰی بِرِکْتِ دَعَائِ عِیْسٰی اَدْر اُن کے ہمراہین کے سب کو عارضہ طاعون میں نثار کرے گا۔ طاعون ایک مرض ہے جس میں مریض کو شدت کا بخار چڑھتا ہے۔ اور اکثر وقت بن گوش زبر بغل اور بن ران میں سے کسی ایک جگہ یا سب جگہ گامٹیاں نمودار ہوتی ہیں۔ یہ مرض نہایت مہلک لا علاج اور خلق خدا پر ایک عام مصیبت ہے اَعَاذَنَا اللّٰهُ وَ جَمِیْعُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنَ الطَّاعُوْنَ بِحَسْرَةِ النَّبِیِّ وَ اِلَیْهِ الْاَفْجَادُ۔ (امین) ۵

## مغرب سے طلوع آفتاب

اشرراط ساعت میں سے ایک بڑی شدہ ط آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع ہوتا ہے۔ اور مراد اس آیت سے یہی ہے۔ هَلْ يَنْظُرُونَ اِلَّا اَنْ يَأْتِيَهُمُ الْمَلَاةُ مِنْكُمُ ادْنٰی بَعْضُ الْاٰیٰتِ کَمَا یَہْدِیْہُمْ لُکِ



اس بات کے منتظر ہیں کہ اُن کے پاس فرشتے یا تیرے پروردگار کی بعض آیات آئیں۔ مراد بعض آیات زبک سے آفتاب کا جانب مغرب سے نکلنا ہے۔ اور یہ امر احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا۔ اُمت کو جناب نبی کریم سے ایسا ہی پہنچا ہے۔ اس کا منکر کا فر ہے۔ اس لئے کہ اس سے قول پیغمبر کی تردید پائی جاتی ہے۔ اور تصدیق اُن تمام باتوں کی جو نبی صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہیں پہنچیں ہم پر واجب ہے۔ اگرچہ وہ مخالف عقل اور خلاف معقول و معبود ہوں۔ اور یہ نشانی بھی انہیں امور سے ہے، اس پر بھی جو شخص اس بات کو مستبعد جانے۔ اگر وہ دیندار ہے تو اس کو اپنے دین کی جانب رجوع کرنا چاہئے۔ جب اپنے دین میں دیکھے کہ بعد شہر خلالتق کے آفتاب کو بلندی سے بستی کی طرف پھینک دیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ جب آفتاب کو مع تمام افلاک کے پیٹ لیٹے۔ تو اسے چاہئے کہ طلوع آفتاب از جانب مغرب کو بھی مستبعد خیال نہ کرے۔

انسان جب پانچ ستاروں، زہرہ، مشتری، عطارد، مریخ اور زحل کی طرف نظر کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے سیر و رفتار کی ایک حد اور وضع مقرر فرمادی ہے کہ وہ کسی حالت میں اپنی حد اور وضع سے تجاوز نہیں کرتے، پس اسی طرح خدا تعالیٰ قیامت کے قرب میں آفتاب کی حرکت و سیر کو پھرا دیگا۔ اور بجائے مشرق کے مغرب کی جانب سے طلوع فرمائے گا۔ لیکن یہ بات اتنی ہے کہ ستاروں کی رفتار و سیر کا علم لوگوں پر اس وقت ظاہر ہے، اور اقتراب ساعت کے وقت طلوع آفتاب از جانب مغرب کا حال و علم اس نے کسی حکمت سے بندوں پر ظاہر نہیں فرمایا۔

آفتاب کی رفتار بدل دینے میں منجملہ بہت سی پوشیدہ حکمتوں کے ایک حکمت یہ ہے کہ جب انتظام ترکیب عالم فساد کو پہنچے گا۔ اور لوگ بُرائی و بدی پر مصر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اس بڑی آیت کے ذریعہ مخلوق کو متنبہ فرمائے گا کہ نقص ترکیب عالم اس پر آسان و اکلون ہے۔ اور یہ کہ دنیا کا کام انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ اور یہ کہ قیامت کے باب میں جو کچھ انبیاء علیہم السلام نے خلق



خدا کو پہنچا یا ہے۔ تمام درست و بجائے۔ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جب اشراط  
شاعت ایک ایک آخر زمانہ میں ظاہر ہوتی گی۔ اور لوگ اسی طرح باری و ملائکات  
پر قائم رہیں گے، تو یہ آیت کریمہ برای العین اُن پر ظاہر ہوگی۔ اس عقوبت میں کہ  
جب ایمان بالغیب جائز نہیں رکھتے۔ تو اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ لیکن  
اس وقت کا ایمان مطلق مفید نہ ہوگا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ یَوْمَ يَأْتِي  
بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ  
مِنْ قَبْلُ یعنی جس دن تیرے رب کی بعض آیات ظاہر ہوں گی۔ تو کسی  
شخص کو اُس کا ایمان لانا اُس وقت نفع نہ دیگا۔ جو اس سے پہلے ایمان  
نہیں لایا۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ رات جس کی صبح کو آفتاب مغرب سے  
طلوع کریگا۔ نہایت دراز ہوگی۔ لیکن اُس کی درازی سولے تہجد گزاروں اور  
اصحاب اوراد کے کسی کو محسوس نہ ہوگی۔ جب یہ لوگ اپنی عبادت و اوراد سے  
فارغ ہو کر منتظر صبح کے ہونگے، مگر صبح نمودار نہ ہوگی۔ اُس وقت اُن کی حیرت  
کی کوئی انتہا نہ ہے گی۔ اور گھبرا کر پھر طاعت و وظیفہ میں مشغول ہو جائیں گے۔  
پھر صبح کا انتظار کریں گے۔ اور جب صبح کا طلوع نہ ہوگا۔ تو خیال کریں گے کہ  
کوئی امر عظیم اور حادثہ جہیم ظاہر ہونے والا ہے۔ لہذا دعا و استغفار میں  
سر بسجود مصروف ہونگے کہ اتنے میں جانب مغرب سے آفتاب طلوع کریگا۔ اس  
حال میں کہ نور و روشنی سے بالکل خالی ہوگا۔ اور تمام لوگ اُس کو مشاہدہ کریں گے  
یہی وہ وقت ہوگا کہ کفار کا ایمان اُن کو مطابق مفید نہ ہوگا۔ اور حدیث  
کے مطابق آفتاب صرف ایک وز مغرب سے نکلے گا۔ یہی درست ہے  
اس میں شک نہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ آفتاب متواتر تین وز تک  
مغرب سے نکلیگا۔ پھر اپنی عادت معمود کے مطابق مشرق سے نکلتا رہیگا۔  
اور باقی ایام دنیا تک اُس کا طلوع و غروب اسی طرح معمول ہوگا۔  
رات کے دراز ہونے کا بظاہر سبب یہ ہے کہ جب مغرب سے  
آفتاب کے طلوع ہونے کا وقت قریب ہوگا۔ تو آفتاب خالص مستوری

اس وقت کا ایمان لانا مفید نہ ہوگا

چاہے گا۔ اُس کو اجازت نہیں دی جائے گی۔ اور حکم ہوگا کہ جس رستہ سے آیا ہے اسی رستہ سے پلٹ جا۔ اور آیت یَوْمَ یَأْتِیُ بَعْضُ الْآیَاتِ ذِیْلَہِ کی تائیل میں علمائے اُمت کا اختلاف ہے۔ بعض ظاہر آیت پر تمسک کر کے کہتے ہیں کہ مغرب سے طلوع آفتاب کے وقت کسی فرد بشر کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِہَا تَابَ اللہُ عَلَیْہِ یعنی جو شخص مغرب سے آفتاب طلوع ہونیکے پہلے توبہ کر چکا۔ اللہ اُس کی توبہ قبول فرمائے گا۔

دوسری حدیث میں ہے۔ لَا یَنْقَطِعُ التَّوْبَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِہَا توبہ منقطع نہ ہوگی۔ جب تک آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع نہ کرے، ان کے سوا اس معنی میں اور بھی احادیث وارد ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں یہ حکم اُن لوگوں کے لئے وارد ہے۔ جنہوں نے اس آیت کا مشاہدہ کیا۔ اور بعد مشاہدہ کے ایمان لائے۔ لیکن وہ اصحاب جو اس آیت کے ظہور کے بعد پیدا ہوئے۔ یا اس آیت کے وقت مکلف نہ تھے۔ اور حدیث کو نہیں پہنچے تھے۔ اس آیت کے حکم سے خارج ہیں۔ (یعنی توبہ اُن کے حق میں مفید ہے) اور اصول دین کا اقتضا بھی یہی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بتدوین کو ایمان کی طرف دعوت کرے۔ اور وہ قبول کر لیں۔ تو اُن کا ایمان اعتدالی نہ ہوگا۔ ضرور مقبول ہوگا۔ مگر جب یہ کہیں کہ اس آیت کے بعد دنیا کی مدت مقتضی ہو جائیگی) اور میں نے ایک حدیث میں دیکھا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے جو عمر رسیدہ اور بوڑھا ہوگا۔ سوال کرے گا کہ تم کب پیدا ہوئے۔ تو وہ جواب میں کہے گا۔ اُس وقت جب آفتاب مغرب کی طرف سے نکلا تھا۔

اور اس امر کی دلیل کہ یہ حکم انہیں لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو اس وقت بحالت بلوغ مکلف بالشرع تھے۔ اور باوجود اس کے ایمان نہیں لائے۔ یہ ہے کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قیامت کی پہلی علامت مغرب سے طلوع آفتاب ہے۔ تو لامحالہ خروج و قیال اس کے بعد ہوگا۔ اور حضرت علیؓ



کا نزول خروج و جال کے بعد ہوگا۔ اور زمان عیسیٰ علیہ السلام میں ایمان مقبول ہے۔ بدیل اس آیت کے **وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنُوا بِهِ** قبل موت پہ اور کوئی اہل کتاب سے نہ ہوگا جو عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے پہلے ایمان نہ لائے۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ ایمان تو لا یمینکے مگر مقبول نہ ہوگا تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کو موقوف کریں گے۔ **يَهْنَمُ الْجَزِيَّةَ** اور اس کے یہ معنی ہیں کہ لوگ ایمان لانے پر راضی ہونگے۔ جزیہ دینے پر راضی نہ ہونگے۔ پھر اگر اعتراض کیا جائے کہ مراد اس آیت سے کہ آیات سماوی میں سے پہلی آیت مغرب سے آفتاب نکلتا ہے یعنی پہلی آیت جو اختلال نظام افلاک و ستارگان سے مشاہدہ ہوگی۔ وہ یہ آیت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ بیشک اس کا احتمال ہے۔ لیکن حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں آیا ہے کہ تین چیزیں ہیں۔ جب وہ ظاہر ہو جائیں گی۔ تو کافر کے لئے ایمان لانا مفید نہ ہوگا۔ اول مغرب سے آفتاب نکلتا۔ دوسرے خروج و جال کا خروج۔ تیسرے دابة الارض کا پیدا ہونا۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ خروج و جال نزول عیسیٰ سے قبل ہوگا۔ اور ہم بدلائل یہ بیان کر آئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں ایمان مقبول ہوگا۔

اگرچہ یہ پہلی وجہ پر ترجیح رکھتی ہے۔ تاہم کسی ایک بات پر جزم اور قطع کر لینا درست نہیں۔ کیونکہ اس باب میں کوئی بھی ایک نقل جو موجب علم ضروری ہو نہیں دیکھی گئی۔ خدا ہی جانتا ہے کہ پہلے کس آیت کا ظہور ہوگا۔ صرف اتنی بات احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ آخر زمانہ میں آفتاب مغرب سے طلوع کریگا۔ اس وقت ایمان مقبول نہ ہوگا۔ مگر اس کے وقت کے متعلق ہم کو یقینی علم نہیں۔ احتمال ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے پہلے ہو یا ان کے بعد جب ان کے تمام ہمراہین اور مطیعین وفات پا جائیں۔ اور خلق سے نائرہ فساد و فساد منطفی نہ ہو۔ بلکہ لوگ اسی طرح فساد و عناد پر ستم رہیں۔ تو غضب الہی جوش میں آئے۔ او ان کو عذاب دینا ضرور ہو۔ اس وقت آفتاب مغرب سے طلوع کرے۔ پھر ان کا ایمان مقبول نہ ہو جس طرح دوسری امتوں کو ایمان باس مقبول نہیں





جس سے کفار زمین پر دھواں دیکھتے تھے، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وُیِّلُہٗ ۔

## آگ نکلنا

ایک اور نشانی قصر عدن سے آگ کا نکلنا ہے جس کی روشنی موانع شام تک پہنچے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ آگ لوگوں کو مقام رست خیز میں لے جائیگی۔ ایک روایت میں قیامت گاہ کا ذکر ہے۔ اور جہاں کہیں لوگ رہیں گے۔ یہ بھی اُن کے ساتھ رہے گی۔ رات من میں کسی وقت اُن سے جدا نہ ہوگی۔ احادیث درست سے اُس پر ایمان لانا ثابت ہے۔ لیکن یہ حدیث چند طریق پر مروی ہے کہ اُس کے بعض حصوں پر اشکال وارد ہوتی اور بظاہر تناقض معلوم ہوتا ہے۔ لہذا اُس پر صحیح طریق پر تقریر کرنا درست ہے۔ تاکہ کوئی مبطل عام مسلمانوں پر کوئی شبہ پیدا نہ کرے۔ اور اپنے عقائد فاسدہ کے پھیلانے میں اس کو ایک وسیلہ نہ گردانے ۔

## احادیث خرج نار میں ایک اشکال

اشکال یہ ہے کہ ایک حدیث میں قصر عدن کی آگ کو آخر آیت کہا گیا ہے ایک روایت میں بین سے اُس کا نکلنا بیان ہوا ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں ہے۔ اَوَّلُ اشْرَاطِ السَّاعَةِ نَارًا تَخْشُرُ النَّاسَ مِنْ الْمَشْرِقِ اِلَى الْمَغْرِبِ۔ یعنی قیامت کی شرط وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لیجائے گی۔ اگرچہ لفظ اول و آخر میں روایت سے غلطی واقع ہونا مستبعد نہیں ہے (یعنی ممکن ہے کہ راوی اول کی جگہ آخر یا آخر کی جگہ اول کہہ گیا ہو) لیکن چونکہ دونوں حدیثیں درست ہیں۔ اور ایک ہی خبر میں جناب نبی کریم سے اختلاف واقع ہونا روا نہیں پس صواب یہ ہے کہ دونوں حدیثوں کو اس طور سے صاف کر دیا جائے کہ اُن میں تناقض نہ رہے۔ لہذا۔۔

ہم کہتے ہیں کہ دونوں حدیثوں میں دو واقعات علیحدہ علیحدہ بیان کئے گئے ہیں۔ یعنی وہ آگ جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف اٹھایا جائے گی



اور جس کو اشرط ساعت کی پہلی شرط فرمایا ہے۔ یہ دوسری آگ ہوگی۔ اور وہ آگ جو قعر عدن سے نکلے گی۔ اور جس کو آخر آیات فرمایا ہے۔ یہ دوسری آگ ہوگی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوتق کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ میں سے نکلنے والی آگ جو آخر آیات ہے حقیقت میں آگ ہوگی۔ اور دوسری آگ جو اول اشرط ساعت ہے۔ مراد اس سے فتنہ اتراک ہوگا۔ کہ ہمارے زمانہ میں ظہور کریں گے، اور لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف کھینچ لے جائیں گے غایت شدت فتنہ اور خلق کے ہلاک ہو جانے اور شہروں کے متاصل ہو جانے کے سبب اس کو آگ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ چنانچہ قاعدہ ہے کہ عرب حرب کو آگ سے تشبیہ کرتے ہیں۔ اور پھر اس قوم کا فتنہ تو حقیقت میں آگ کی طرح شہروں کو خراب کرنے والا اور مخلوق کو تباہ کرنے والا ہوگا۔ جس سے دنیا چیخ اٹھے گی ❖

اگر سوال کیا جائے کہ انشتقاق قر اول اشرط ساعت ہے اور وہ زمانہ رسول میں ظاہر ہو گئی۔ اور تم حدیث ابن مسعود سے تسک کرتے ہوئے کہتے ہو۔ کہ دخان کا واقعہ زمانہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گذر گیا۔ تو قیامت کی پہلی شرط یہ ہوئی۔ پھر وجہ اس حدیث کی کہ اوّل اشرط السّاعة ناداً یحشر الناس من المشرق إلى المغرب کس طرح ہوگی ❖

جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اشرط ساعت متعدد ہیں۔ بعض ان میں سے وہ ہیں۔ جو زمانہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک ظاہر ہو گئیں۔ بعض وہ جو آپ کے بعد ظاہر ہوں گے۔ اور آخر زمانہ میں جب اُمرت کے احوال میں تغیر و تبدل اور فساد و خرابی واقع ہوگی۔ اُس وقت متعاقب اور متوالی ظاہر ہوں گی۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ وایات یتتابع کتتاب النظم قطع سلسلہ کہ تو اس آگ کی علامت کہنا اس لحاظ سے ہے کہ یہ پہلی آیت ہوگی، ان آیات سے جو آخر زمانہ میں وقت تغیر و تبدل احوال خلایق کے ظہور کریں گی ❖



اور اس حدیث میں کہ ایک آگ بین سے ظاہر ہوگی۔ اس جہت سے اشکال یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا ہے۔ جب تک اس آیتیں ظاہر نہ ہوں۔ قیامت قائم نہ ہوگی، ان میں سے ایک خرچ آتش ہے۔ قعر عدن (بین) سے پھر اس حدیث میں فرمایا کہ یہ آگ خلق کو مقام حشر میں لیجائے گی۔ ثقیل معہم حیث ما قالوا و بآت معہم ایما بآلوا یہ حالت تو حشر کے بعد ہوگی۔ اور حشر بعد قیامت کے ہوگا۔ پس اس آگ کو اشرط ساعت سے کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ شرط کا ساعت پر مقدم ہونا ضرور ہے۔ ہم کہتے ہیں احتمال ہے کہ وہ آگ بین سے ظاہر ہو جائے اس کے بعد حشر قائم ہو۔ اور آگ حشر کے بعد تک اپنی حالت پر رہے۔ پھر اسی آگ کو اہل شقاوت کا سائق کر دیا جائے کہ انہیں دوزخ میں لے جائے۔ اور زمین حشر تک کسی جگہ ان سے جدا نہ ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ وَ تَحْشَرُ بَقِیَّتُهُمُ النَّارَ وَ ثَقِیْلٌ مَعَهُمْ حِیْثُ مَا قَالُوا وَ بَآئَتْ مَعَهُمْ اَیْمَانُ بَاتُوا وَ تَصْبِعُ مَعَهُمْ حِیْثُ اصْحَبُوا وَ تَمْشِیْ مَعَهُمْ حِیْثُ مَشُوا۔

اشرط ساعت کے یکے بعد دیگرے ساعت بعد ساعت اور نزول بعد نزول ظاہر ہونے کی مثال ایسی ہے۔ جیسے امارات و آثار مرگ کہ دمیدم بیمار پر ظاہر ہوتی ہیں۔ تاکہ وہ توبہ کرے۔ اور خدا کی طرف رجوع لائے اور افعال بے تائب ہو۔ اور استعداد موت حاصل کرے۔ اور حق و حقیقت سے بچا لائے۔ یہی حال اشرط ساعت کا ہے۔ تاکہ لوگ علامات قیامت دیکھ کر توبہ کریں۔ اور اپنی باقی زندگی میں استعداد تقائے ربانی ہوں۔ اور امید اپنی اس وارفتا سے اٹھادیں۔ اور اہل ایمان یہ آیات دیکھ کر مؤید بزیا و تلی یقین ہوں۔ اور جو کچھ بحکم خدا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اور منکران بعدت نشور

سے جہاں وہ اوپر کو آرام کریں گے۔ وہ بھی وہیں طہر یگی۔ اور جہاں وہ رات کو سوئیں گے۔ تو وہ بھی وہیں رات گزائے گی۔

پَر حِجَّتٍ قَاطِعَةٍ قَائِمٌ هُوَ - وَادَّبَهُ يَحْكُمُ فِي خَلْقِهِ مَا يَشَاءُ وَيَفْعَلُ مَا  
يُرِيدُ وَهُوَ حَسْبُنَا وَنَعْمَ الْوَكِيلُ ❖

~~~~~

تیسرا باب

اعتقادی مسائل کے بیان میں بحسب کتاب و سنت و جمیع اُمت

اس باب میں چند ایسے مسائل بیان کئے گئے ہیں جن سے واقف
ہونا نہایت ضرور اور اصول دین سے ہے۔ اور ان کے نہ جاننے سے
مفظہ بدعت و فساد امت میں اور مہلک فتن و ہلاکت میں گرنے کا خوف
ہے۔ اس کو دس فصلوں میں ایسے عمدہ طریق پر علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے
کہ اس کے سمجھنے میں مطلق وقت نہ ہو۔ یہ وہ باتیں ہیں جن سے مسائل
امارت اور احکام و قضایا متعلق ہیں۔ اور اسی سے صلاح و فساد اُمت
منوط ہے ❖

پہلی فصل

وجوب امارت کے بیان میں

امارت کے وجوب میں حسب ذیل دلائل پیش کئے جاتے

ہیں ❖

وجوب امامت کے وجوہات و دلائل

اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اتباع و حقوق، امارت حدود، امر معروف، نہی منکر، ظالم سے داد و مظلوم لینے، دشمنانِ خدا و رسول کے ساتھ جہاد کرنے، بیضہ اسلام کو انتشارِ فساد اور غلبات و دشمن سے نگاہ رکھنے، مسلمانوں کے دما و خرچ اور اموال کی محافظت کے لئے قضائے دلات مقرر و قائم کرتے، خداوندانِ اموال سے پوری زکوٰۃ لینے۔ اور مستحقین کو پہنچانے۔ خراج و محاصل وصول کر کے مسلمانوں کو مصالح دینی و دنیوی میں سر کرنے وغیرہ وغیرہ میں سعی و بیغ کرتے رہیں۔ اور کبھی اور کسی وقت اس فرض سے غافل نہ ہوں۔ پھر یہ کام ایسے ہیں جن کا نفاذ و اجرا بدوں ایک ایسے امام کے مقرر کئے۔ جس کے نسب و تعیین پر اہل اسلام متفقہ الکلمہ ہوں۔ اور جو ان احکام کی تمہید اور ان قضایا کی تثبیت کی پوری قدرت و صلاح رکھتا ہو، نہایت دشوار ہے۔ کیونکہ انسانی رائیں باہم مختلف اور ان کی خواہشات و ہوا یا قنوع اور متعبد ہیں۔ پس ان کے نفوس بے زجر و زاجد اور بغیر حاکم قاہر کے جو انہیں کی اتفاق رائے سے قائم و منسوب ہو۔ ہرگز سیدھے رستہ پر نہیں رہ سکتے۔ اسی واسطے بندوں پر اور بالخصوص اہل علم پر واجب ہوا کہ جناب نبی کریم کی وفات کے بعد اس امر پر قیام اقدام کریں۔ کیونکہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس امر اہم پر اپنے سامنے کسی کو مقرر نہیں فرمایا۔ اور انصرام امور اہل اسلام کا اصحابِ رائے پر چھوڑا۔ تو مسلمانوں کو چاہئے کہ جس شخص کو دینی۔ دنیوی اور سیاسی امور میں ممتاز دیکھیں اس کو اتفاقِ باہمی سے اپنا امام مطاع اور مرجع امور قرار دیں۔ تاکہ ادائے فرائض کے طریق اور نفاذ امور میں کوئی وقت نہ رہے۔ اور یہ جائز نہیں کہ خدا تعالیٰ نے بندوں پر کوئی کام فرض کیا ہو اور اس کے ادا کرنے کی کوئی سبیل نہ نکالی ہو۔ جناب رسول خدا کے بعد ہر وقت اس کا یہی حکم ہے۔ اور اگر امام برحق جس کو باستحقاق شرعی

امامت پہنچی ہو، اپنا جانشین کسی دوسرے شخص کو کر دے۔ (کہ میرے بعد فلاں شخص امام ہوگا) تو اس وقت مسلمانوں کے ذمہ سے یہ فرض اٹھ جائے گا۔ لیکن جس حالت میں امام موجود اپنے روبرو کسی کی امامت پر نص نہ کرے، تو اس صورت میں مسلمانوں پر نصب امام واجب ہے۔ چنانچہ بیان ہوا اس امر میں ہرگز تفصیر نہ کریں۔ حدیث میں وجوب امامت کی بہت دلیل ہیں۔ از انجملہ حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَتُهُ مَاتَ مِيتَةً فِي الْجَاهِلِيَّةِ دوسری حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلْاِمَامُ جَنَّةٌ يَّقَاتِلُ مِنْ وِجْهِهِ تَبْسِرِي حَدِيثَ خَدِيفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كِي هِيَ كَهَبِ اَنْهَوْنَ فِي حَدِيثِ قَتْنَةَ سُنِّي تَوْعِضُ كِيَا۔ يَارَسُوْلُ اللّٰهِ فَمَا تَاْمُرُنِيْ اَنْ اُوْرِكَتْنِيْ ذَاللّٰهُ قَالَ تَلْزِمُ جَمَاعَتَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاِمَامَهُمْ يَعْنِيْ اَنْ اُوْرِكَتْنِيْ اَنْ اُوْرِكَتْنِيْ جَبْ يَزِيْ مَا نَزِيْ مَحْجِيْ پائے۔ تو میں کیا کروں۔ فرمایا مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑو۔

اور جملہ دلائل و تجویج کے ایک بڑی دلیل صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہے کہ بعد وفات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جب ہاجرین و انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے، اور ہاجرین نے طلب بیعت کی تو انصار کا منام میں

۱۔ امامت اور اس حدیث کے دلچسپی کیلئے دیکھو تامل صف

۲۔ امام ایک ڈال ہے۔ جو غیر مطیعوں کے ساتھ قتال کر کے مطیعوں کو بجاتا ہے۔

۳۔ شدید کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ اور ان کے ہتھیال جناب رسول خدا کی میت کو بلا کفن و دفن چھوڑ کر بطح حصول ریاست سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ انہیں اتنا ہوش نہیں کہ نصب امام و خلیفہ اتنا ضروری ہے کہ بعد اس کے انتظام دین اور اتفاق سامعین ممکن نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی دنیوی حاکم فوت ہو جاتا ہے۔ تو جب تک اس کا جانشین نہیں بنا لیتے تب تک اس حاکم کی تجبیر و تکفین نہیں کرتے کہ مبادا کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو۔ اور اس کا دیا نا بدوں حاکم کے دشوار ہو۔ پھر دنیا اور دین کے لئے بڑے بادشاہ کے وفات کے وقت جس کی ذات گرامی دین و دنیا کی صلاح و سداد کے متعلق کیونکر ایسا نہیں کیا جاتا۔ جیسا صحابہ کرام نے کیا۔ دوسرا امر نصب امام کی ضرورت پر (باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۷)

دوستی و دوستی کی بڑی بڑی اصل و صحابہ ہیں

وَأَمِیْنُ مَنْكَوِیْنِ اِیْکَ اَمِیْرِهِمْ مِیْنِ سَہْوَ اَوْرَ اِیْکَ تَمِّ مِیْنِ سَہْوَ دَلِیْلِ
ہے اس امر کی کہ مہاجر و انصار سب نے نصب امام کو ضروری سمجھا اور سب
بلا کر اہ نصب امام کا مجتمع ہوئے، آخر باجماع جماعت صحابہ حضرت ابو بکر رضی
امیر اور امام اور خلیفہ جماعت مسلمین کے منتخب ہوئے۔ دوسری دلیل
یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے نزدیک بحضور جماعت
مسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ تجویز کیا۔ بعض نے اعتراض کیا
کہ اے ابو بکر خدا کو کیا جواب دیگا۔ جب وہ پوچھے گی کہ سخت ترین مردم
کو تو نے خلیفہ تجویز کیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں خدا
کو جواب دینگا کہ میں نے بہترین اہل اللہ کو خلیفہ کیا ہے۔ اہل مکہ کو یہ
یہ لوگ اہل اللہ کہا کرتے تھے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ جب لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے
نصب خلیفہ کے لئے درخواست کی۔ تو آپ نے فرمایا کہ زندگی میں عہد کر
سکتا ہوں۔ لیکن بعد مرگ کے ذمہ نہیں لیتا۔ لیکن تم ان چھ شخصوں میں سے
کسی ایک کو اختیار کر لینا۔ چنانچہ ان چھ آدمیوں کا شور ملی مقرر کیا۔ عثمان رضی
علیہ السلام، طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ، اور سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ
ہُنْہُمْ اَجْمَعِیْنِ۔ یہ تمام بیان اجماعی ہے۔ صحابہ سے وجوب
امارت پر۔



(بقایا حاشیہ صفحہ ۲۳۶ سے)

یہ داعی ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر وفات سنتے ہی باقی مہاجرین و انصار
حصول ریاست و حکومت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور جب حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ
کی زبانی یہ خبر پہنچی کہ لوگ سقیفہ بنی ساعہ میں جمع ہیں۔ اور خلافت کیلئے جھگڑا کر رہے ہیں۔ حضرت
شیخین مجبوراً وہاں تشریف لے گئے۔ تاکہ کوئی فتنہ اُمت میں پیدا نہ ہو۔ خود جناب علی بھی اپنے چند
ہمنیالوں کے ساتھ گھر میں بیٹھے ہوئے اپنی خلافت کو منوانے کے منصوبے کر رہے تھے، پھر شیخین
نے کیا تو کیا بُرا کیا۔

دوسری فصل

امامت کے شرائط میں

علماء فرماتے ہیں۔ امامت کی تین شرطیں ہیں۔ علم۔ عدالت اور شجاعت
بعض علماء قوت و قہر کو بھی شرائط امامت سے کہتے ہیں۔ اُن کی دلیل یہ ہے
کہ اگر امام قوی و قہر نہ ہو گا تو استیغناء حقوق اور اقامت حدود کیونکر کر
سکیگا۔ ایک اور بھی شرط ہے۔ جن میں علماء باہم مختلف ہیں۔ اور وہ امام کا
قریشی ہونا ہے۔ جمہور اہل حدیث کا اسی پر اتفاق ہے۔ بدیل حدیث لائمہ
من قریش کے، ابو حنیفہ کے مذہب میں بروایت شاذ غیر قریشی کا خلیفہ و
امام ہونا روا ہے۔ تو معنی حدیث کا حمل اس صورت میں یا بروحہ استحباب
ہوگا۔ یعنی قریش کی امامت غیر قریشی سے اولیٰ ہے۔ بجائے کہ اُس میں
شرط امامت پائی جائے۔ یا یہ کہ حدیث خبر کے طور پر واقع ہوئی ہے یعنی
حصنہ نے فرمایا کہ امام قریش سے ہونگے، اگر مراد خبر ہے تو ایسا ہی ہوگا

کتنے لوگوں کے اتفاق سے امامت قائم ہو سکتی ہے؟

پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کتنے لوگوں کے اتفاق و رضامندی
سے بیعت منعقد ہو سکتی ہے۔ ہم نے بمقتضائے حدیث و اصول شریعت
کے سب سے زیادہ موافق قول یہ پایا ہے کہ جب چالیس مرد اہل رائے و
شوریٰ اور خدرا و ندان تمیز و عدالت سے کسی ایسے شخص کی بیعت پر مستعد
امامت ہو۔ اتفاق کر لیں۔ اور ان میں ایک ایسا عالم بھی ہو جو قضا کی قابلیت
رکھتا ہو۔ تو ان کے اتفاق و مشورت سے بیعت منعقد ہو جاتی ہے۔ اور
انہوں پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ اور چاہے کہ عالم کو
بیعت کی ابتدا کرے۔ پھر دوسرے لوگ بیعت کریں۔

امامت میں عصمت شرط نہیں ہے۔ یعنی امام کا معصوم ہونا شرط امامت نہیں ہے۔ یہ شرط تشیعہ لگاتے ہیں۔ جن کا قول اس باب میں کوئی بنیاد و قوت نہیں رکھتا۔ جس طرح دوسرے مسائل میں جو مخالف اہل سنت و اجماعت ہیں ان کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

امام کا معصوم ہونا ضروری نہیں تشیعہ کی زبردستی

تشیعہ کہتے ہیں کہ امام کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ تاکہ اس کے صلاح و تقویٰ کے باعث اہل اسلام اس کے فسق و فجور سے بچیں۔ پھر جو شخص اس قابل نہ ہو۔ تو اس کو ہرگز حکم ولایت و امامت میں نصب نہ کرنا چاہئے کہ اس صورت میں عباد و بلا میں تباہی و فساد دینی و دنیوی اشاعت پکڑے گی۔ امامت کے لئے عصمت کے شرط نہ ہونے پر یہ دلیل ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے بالتخصیص اپنی ذات کو شر شیطان سے سلامت و مامون فرمایا ہے۔ مَا مِنْكُمْ اَکْثَرُ وَقَدْ وَكَلْتُ قَرِيبَهُ مِنَ الْجَنِّ قَالُوا دَلَّ اَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ دَلَّ اَنَا اَلَا اِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِي فَاَسْلَمْتُ بِعِزَّتِهِ مِنْ هَرَاکَیْثٍ شَخْصٍ بِرَجْنٍ کِی تَقْسَمُ اَیْکَ مَصْحَبٍ مُّوْکَلٌ کِیَا کِیَا هَیْ صَحَابَةُ نَفْسِی عَرْضَ کِیَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیْکَ پَرِیْہِی۔ فرمایا مجھ پر بھی۔ مگر خدا نے میری امداد فرمائی تو وہ اسلام لے آیا۔ (یہ حدیث صاف اس امر کی دلیل ہے کہ سوائے انبیاء کے کوئی معصوم نہیں)۔

دوسری دلیل یہ کہ نبوت موجب اقتداء ہے۔ نبی کے ہر ایک قول و فعل پر علی الاطلاق تسلیم کرنا فرض ہے۔ حتیٰ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی فعل اور کسی قول کے متعلق کوئی شخص اعتراض نہیں کر سکتا۔ اور کسی کو جائز نہیں کہ اس کی مخالفت کرے۔ یا اس میں شک لائے۔ پس نبوت کے لئے عصمت شرط ہے۔ تاکہ بندگان خدا اقتداء میں انبیاء کی طرف سے کراہت اور نفرت کا اظہار نہ کریں۔ اور امامت کا حکم ایسا ہے۔ جیسے حکم امارت اور قضا و امانت کا۔ اور ظاہر ہے کہ ان تمام باتوں میں عصمت کا ہونا شرط

نہیں۔ پس امامت کے لئے بھی عصمت شرط نہیں۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اُس سے مفسدہ پیدا ہوتے کا خوف ہے۔ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جب قاضی نصب کرتے ہیں۔ اور قاضی معصوم نہیں ہوتا۔ تو جو خرابی امام کی عدم عصمت کے صورت میں واقع ہونے کا خوف تھا۔ اُس کا انسداد نہیں ہوا۔ اگر کہیں کہ امام اُس کی تسدید و تقویم کر سکتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ امام مشرق میں ہے۔ امد اُس کی طرف سے ایک حاکم مغرب میں ہے۔ پھر اگر حاکم کی ذات سے کوئی حادثہ و مفسدہ پیدا ہو۔ یعنی وہ حکم میں خطا کرے۔ تو خطا حاکم و امام دونوں کی سمجھی جائے گی۔ امام کی تو اس جہت سے کہ اُس نے خطا کار اور غیر معصوم کا تقرر کیا۔ اور حاکم کی اس سبب سے کہ اُس سے خطائے فاحش سرزد ہوئی۔ اب یہ امر ظاہر ہو گیا کہ غیر معصوم سے جس قسم کی خرابی سرزد ہونے کا احتمال تھا۔ وہی خرابی معصوم سے سرزد ہو گئی۔ پھر معصومیت کہاں رہی؟

روافض کی یہ تمام باتیں عصمت کے متعلق بیکار اور پوچ ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ ان فضولیات میں پڑ کر کتاب کی ضخامت بڑھا دیں؟

اختلاف مابین علی و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

ان کے مزیجات کا سب سے عمدہ جواب یہ ہے کہ اُن کے نزدیک پہلے امام معصوم حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ اور اُن سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں۔ جس میں وہ دعویٰ امامیت و معصومیت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے امام منصوص اور پہلے معصوم ہیں۔ اُن کا علم و فضل بھی بقول روافض کے برتر اور مافوق تمام آئمہ اور اولیا اور اوصیا کے ہے اور یہ بھی روافض بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ابن عم تھے۔ اور نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تابعین اور اشبہ سے حضرت ابن عباس کبھی دفعہ جناب علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حجاز و یمن اور بصرہ اور ملحقات بصرہ کے حاکم و والی رہ چکے ہیں۔ پھر باوجود اس کے اکثر اجتہادی مسائل میں جناب علی رضی اللہ عنہ و ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مابین اختلاف موجود ہے

چنانچہ ایک مرتبہ جناب علی رضی نے زمانہ کو آگ میں جلایا۔ تو حضرت ابن عباس رضی نے کہا کہ اگر میں ان کو سزا دیتا۔ تو آگ میں کبھی نہ جلاتا۔ اس لئے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لا یعذب بالنار الا رب النار آگ کا عذاب دینا سوائے رب النار یعنی خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں پہنچتا۔ یعنی انسان کو زیبا نہیں کہ کسی گنہگار کو عذاب آتش میں مبتلا کرے۔ بلکہ عذاب دینا خدا نے اپنے اختیار میں رکھا ہے۔ کہ وہی گنہگاروں اور کفار کو عذاب بخشے یا جلائے گا۔ میں تو ان کو قتل کرتا کہ حدیث میں ہے من بدل دیسہ فاقتلوہ جب کوئی شخص اپنا دین بدل دے تو اس کو قتل کر ڈالو۔ یہ حدیث جب جناب علی رضی کے سمع مبارک میں پہنچی۔ تو ازراہ تداست فرمایا دیکھ ابن عباس رضی گویا اپنے حکم سے نادم ہوئے۔ اس طرح ان مسائل میں درمیان ابن عباس رضی و جناب علی کے اختلاف رہا۔

جناب علی رضی کا مذہب ہے کہ متوحشی کو میٹھم کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں۔ حالانکہ ابن عباس رضی کا مذہب اُس کے خلاف ہے۔ دوسرے حضرت

ابن تحفہ اثنا عشریہ میں ہے کہ اگر دیود امام معصوم کا ضروری ہو۔ اس واسطے کہ خطاست امن میں رہیں تو چاہئے کہ ہر شہر و اقلیم میں ہونا ایسے شخص کا ضروری ہو۔ اس واسطے کہ وجود ایک شخص کا مستلزم امن نہیں ہو سکتا ہے۔ اس واسطے کہ مکلفین مشارق و مغارب میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ہر ایک اپنی حاجتوں میں گرفتار، یہ ممکن نہیں کہ سیاح کے پاس حاضر ہو سکیں کہ محالات عادیہ سے ہے اور اگر امام ہر شہر میں کوئی نائب مقرر کرے پس جب کہ عصمت مفقود ہے خطاست اس پر ظاہر ہوگی۔ اور یہ سبب اس کے کہ وہ امام سے دور ہے۔ اس خطاست سے بچنا ہو سکتا۔ خصوصاً حوادث و فتنے جو حیران کن تدارک خطاست کا ہونا چاہئے۔ علی الخصوص زمان غیب گیری میں اور بر تقدیر مطلق بھی ہوا۔ تو تنبیہ اُس خطاست پر نہیں ہو سکتی۔ سوا اُس کے کہ کوئی تباہی پیدا ہو جائے، اور تا حد کو بھی نصرت لازم نہیں ہے۔ یہ بھی خطاست سے مامون نہیں۔ اس کے سوا خطاست بھی حمل و غریب کے جامہ میں پہنتے ہیں۔ اس میں بھی احتساب خطاست کا موجود ہے۔ انما نائب جب تک کہ عمل قواعد رہے و فیہ اس کے وجہ نہ ہوگا۔ مراد امام کے کسی نائب کا نہیں۔ اور یہ سبب مرقوم گارہ و خطاست کے ہے۔ پس ان نائبین امام معصوم کے بھی نہیں ہو سکتا۔ بہ اختصار فقہ

حضرت علیؑ کا مذہب تھا کہ اگر کسی سے کوئی حدیث سنتے تو جب تک اس کو قسم دلاتے قبول نہ کرتے، حالانکہ مذہب ابن عباس بلکہ جمہور صحابہ و تابعین کا اس کے خلاف ہے۔ الغرض بہت سے مسئلوں میں ماہین ان ہر دو اصحاب کے خلاف موجود ہے جس کا استعیاب متعذر ہے۔ اور حجت کے لئے اتنا ہی کافی ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت علیؑ امام معصوم ہوتے تو حضرت ابن عباس مسائل مذکورہ وغیرہ میں کبھی ان کا خلاف نہ کرتے۔ بلکہ اختلاف جائز ہی ہوتا۔ کیونکہ جو آدمی خطا سے معصوم ہے اس کی مخالفت معصیت میں داخل ہے۔ اور اگر خود حضرت علیؑ اپنے لئے عصمت کو واجب جانتے۔ تو وہ اس امر کو کیونکر جائز سمجھتے کہ جو شخص مسائل متعددہ میں ان کے خلاف مذہب کھنڈے۔ اسی کو اپنی جانب سے عام مسلمانوں پر حاکم اور والی کر رہے ہیں۔

سب سے عجیب بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو امام میں عصمت کے مدعی ہیں۔ ان کے باب میں ان کا مذہب ہے کہ خدا تعالیٰ پر صلاح بندگاں کی رعایت واجب ہے اور ان کے گمان میں امام معصوم معظمت مصالح بندگاں سے ہے۔ بلکہ بندوں کی تمام تر خوبیاں اور مصالحتیں اسی کی ذات سے وابستہ ہیں۔ پھر ان کا قول ہے کہ خداوندان عصمت سے صرف آدمیوں نے خلافت کی ہے۔ جناب علیؑ اور امام حسن رضی اللہ عنہما۔ اور دونوں حضرات کا زمانہ خلافت پانچ سال دو ماہ تھا۔ اس اعتبار سے ان کا مذہب عایت اصلاح میں انہیں پر حجت ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ اتنے زمانہ دراز تک جس کو تین سو تیس برس ہوئے۔ وہ امام کہاں ہے جن کی بابت تمہارا گمان ہے کہ بدوں وجود ایسے معصوم امام کے عالم کا اصلاح پذیر ہونا ممکن نہیں۔ اور بغیر ان کے قضایا و احکام جاری نہیں ہو سکتے۔ اتنی مدت گزر جائے، اور کوئی حمید و جماعت منعقد نہ ہو۔ اور نہ دوسرے احکام شرع جو حکام کے حکم سے وابستہ ہیں مستقیم رہیں۔ اس سے زیادہ کونسا گناہ ہوگا کہ کوئی شخص یہ اعتقاد رکھے کہ یہ اُمت جو خیر الامم ہے۔ اس قدر قرون دراز تک ضلالت و گمراہی پر مجتمع تھی۔ اور ان کے احکام و قضایا اور جمیع و جماعت لے اور اب تو ایک ہزار سال سے بھی زیادہ ہوتے ہیں ۱۲ منہ۔

کچھ درست نہ تھا۔ حالانکہ حدیث میں ہے۔ لن تجتمع امتی علی الضلالتہ میری امت ہرگز ضلالت پر مجتمع نہ ہوگی۔ اور فرمایا لایزال طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق اور ایک وایت میں ہے۔ یقاتلون علی الحق حتی یاتی أمر اللہ یعنی میری امت سے ایک گروہ ہمیشہ ظاہر و غالب ہوگا وہ حق پر قتال کریں گے حتیٰ کہ خدا کا حکم (قیامت) آجائے گا۔

پس یہ گروہ کون ہے! درجہ سب کے سب باطل پر ہیں۔ تو وہ لوگ جن کی صفت حدیث میں آئی ہے۔ کہاں ہیں۔ تمہارے امام کا تو نشان و اثر تک دنیا کے پردہ پر نہیں۔ پھر تمہارے زعم باطل کے مطابق اصلاح امت کیونکر ہو سکتی ہے۔ اور رعایت اصلہ کا خیال فاسد کہاں قائم رہ سکتا ہے۔

شیعوں کے اقوال کا فساد و بطلان

جو شخص ان امثال و نظائر پر غور کرے گا۔ اُس پر اس قوم کا فساد و فساد فوراً ظاہر ہو جائیگا۔ ہم نے محض اس خیال سے ان کے چند نظائر بیان کر دیئے ہیں تاکہ عوام پر ان کا دعویٰ کا بطلان روشن ہو جائے۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں ان کی مزخرفات کا کوئی وزن و وقار نہ رہے۔ اور غیر انبیاء میں عصمت کے دعویٰ کو محض وہی اور لغو سمجھیں۔ اصل یہ ہے کہ انہوں نے امامت میں عصمت کی قید بڑھانے سے چاہا ہے کہ اہل سنت و جماعت کے تقاضاؤں و اُن کے قضایا اور احکام شریعت میں فساد ڈالیں۔ اور یہ باطنیوں کا ایک بڑا فریب کبیدہ ہے۔ اُن کے دعوات خدا اُن پر لعنت کرے۔ تمام اطراف عالم میں اس بیہودہ عقیدے کو انواع و اقسام کے سکائد و فریب سے پھیلا رہے ہیں۔ اور اس طرح خدا کی ایک بڑی مخلوق کو گمراہ کر رکھا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنا امام معصوم کو روا ہے۔ اس قسم کے اور بہت سے خرافات بکتی ہیں۔ اور نسبت اُس کی اپنے اوصیا کی جانب کرتے ہیں۔ یہ بیدین فرقہ اپنے کو اسمعیل ابن جعفر رضی اللہ عنہما کی جانب منسوب کرتا ہے۔ اور رد و فسخ کی طرح

ترجمہ عقائد توحیدی

عام اہل سنت کو گمراہی میں ڈالتا ہے۔ اس دعویٰ کا منشاء مشکوٰۃ دعوت ظہن سے ہے۔ اور لفظ باطنی بھی انہوں ہی نے اپنے فتنہ کے لئے اختراع کیا ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے گوش زبان کو اس بدعت عظیمہ کی آلائش سے محفوظ و مامون رکھیں۔ واللہ منقذ من الضلال ۵

تیسری فصل

اس بیان میں کہ بعد حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے
خلیفہ حق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے

عام روایات سے قطع نظر کر کے ہم کہتے ہیں کہ معتبر اور معتمد علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جناب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے خلافت کے باب کوئی نص صلی و صریح نہیں پائی گئی۔ نہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لئے اور نہ اُن کے سوا کسی دوسرے شخص کے لئے۔ ہاں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارہ میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نصوص خفی بکثرت موجود ہیں بہر حال اس باب میں اہل سنت و جماعت کا بڑا ائمہ کبار اجماع اُمت پر ہے۔ رہا نص خفی کا اظہار تو اس کو قرآن و حدیث سے بعض علماء تا کید حجت کے طور سے اور نیز بسبب کثرت اولہ کے بیان کرتے ہیں۔ ورنہ اجماع کے ہوتے کسی دوسری دلیل کی مطلق حاجت نہیں ہے۔

انباء استوائیہ کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمہور صحابہ ماجرو انصار جن میں بڑے عظیم القدر علما و فضلا اور نہایت مقدس و متوہج حضرات شامل تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ اور بعد بحث و مباحثہ و امعان نظر کے تمام حاضرین نے بصدق دل و طیب خاطر

بالاتفاق آپ کی خلافت حقہ کو تسلیم کیا۔ اور حمیدہ اصحاب کبار نے آپ کی بیعت اور قبول امامت و خلافت سے شرف جاودانی سے سرفرازی حاصل کی۔ ظاہر ہے کہ ایسے عظیم نشانِ مجمع کا جو اصحابِ حل و عقد و علم و فضل سے بھرا ہوا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت پر اتفاق کرنا سوائے حق کے نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ لن یجتمع امتی علی الصلحہ کہ میری امتِ خلافت پر مجتمع نہ ہوگی۔ پھر سب سے پہلا اور معظم ترین واقعہ جس پر بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام نے اتفاق و اجماع کیا وہ خلافت حضرت شاہدِ پیکر صدیق رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ اس خلافت حقہ کے متکرر جو محض بویہ عناد و غیبت قلبی ایسی صاف و صریح اجماع اور ایسی روشن و ظاہر اور سچی حقیقت سے انکار کرتے ہیں۔ مثل نابینائے مطلق اور کور مادر زاد کے ہیں۔ جو بسبب کوری و نابینائی کے روز روشن میں اشیا موجودہ کی صلیت دیکھنے سے محروم ہے۔ اُن کے اس انکار سے سوائے اس کے کہ قول پیغمبر کی تردید اور صحابہ کرام پر طعن و تشنیع وارد ہو۔ اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ لیکن ان ملامت و ملاحدہ کی تردید و تکذیب کے نہ تو کلامِ اقدس حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تردید ہو سکتی ہے۔ اور نہ حضراتِ اصحابِ عظامِ عاملانِ شریعت نبوی کے اجماع کی تکذیب ممکن ہے۔ یہ لوگ اس انکار سے اجماع کے مخالف ہوئے ہیں۔ جو اصولِ دین اور ارکانِ شریعت سے ہے۔ اسی انکار کی وجہ سے ان کو قریب بہ کفر کہا جاتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ شَيْئًا سَبِيلَ الْمُؤْمِنِينَ لَئِنْ مَا تَوَلَّوْا وَلَنُصْلِيَنَّ جَهَنَّمَ سَاءً مَصْرَبًا اور جو شخص بعد ظاہر و روشن ہونے ہدایت کے حضرت رسول خدا کو تکلیف پہنچانا اور مومنین کے رستہ سے الگ چلنا ہے۔ ہم اُس کو گمراہی کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ اور جہنم میں ڈال دیتے ہیں۔ اور جہنم بُرا ٹھکانہ ہے۔ بعض علما کا قول ہے کہ اس آیت کی رو سے اجماع کی مخالفت کفر ہے۔

منکر امامت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز درست نہیں

میں نے بعض علمائے اوراء النہر کے فتاویٰ میں لکھا دیکھا ہے کہ خلافت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے منکر کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے اجماع کی مخالفت کی ہے، یہ بدعتی لوگ محض عناد کی وجہ سے باتیں کرتے ہیں۔ اور احادیث صحاح کا مقابلہ کرتے اور علمائے اسلام جو اساطین شرع ہیں ان کی تکذیب ثواب جانتے ہیں۔ پھر باطل چیزیں جھوٹی حدیثوں سے جمع کر کے اور ان میں اپنی کہانیاں ملا کر عام اہل اسلام کے سامنے لاتے ہیں۔ اس پر بھی جب ان کے عقائد فاسدہ کا رواج اور ان کی بیہودہ گوئی کی کوئی وقعت نہیں ہوتی تو وہ احادیث جو جناب امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں وارد ہیں یاد کرتے ہیں۔ اور اپنی مطلب پر آری کے موافق ان کی تاویلات گڑھ لاتے ہیں۔

ہم اس مقام پر بالاختصار نموناً اس قسم کی چند حدیثیں بیان کر کے ان کا جواب دیتے ہیں تاکہ ذی علم حضرات اسی سے ان کے دعویٰ اور عقل و علم کی حقیقت سمجھ لیں۔ ہماری غرض اس سے صرف مسلمانوں کے اور بالخصوص ان کے حال پر شفقت مسلمان ہے۔ اس میں ہوائے نفسانی اور تعصب مہی کو ہرگز دخل نہیں۔ اور نہ کبھی ہمارا یہ خیال ہوا ہے۔

مطالعہ اہل تشیع اور ان کا جواب

قرۃ متشیدہ چند وجوہات سے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے باب میں بحث کرتے اور کئی حیلے حوائے پیش کر کے اصحاب کرام پر طعن کرتے ہیں۔ اول یہ کہ بعض صحابہ کو بنو ہاشم کی عداوت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور بعض پر جناب علی رضی اللہ عنہ کی دشمنی کا الزام لگاتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے ان کے چند قرابت والوں کو جہاد میں جناب سید الخدائے اللہ علیہ السلام کے ہمراہ رہ کر قتل کیا تھا۔ اس سبب سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دشمن ہو گئے۔

اور ان کے استحقاق خلافیے اعماض کیا۔ اور بعض صحابہ کی نسبت کہتے ہیں کہ انہوں نے کتمان حق کیا۔ اور نیز بعض نے اظہار حق میں ضعف و کمزوری دکھائی۔ یعنی ان کو معلوم تھا کہ بیعت ابو بکر باطل ہے۔ مگر انہوں نے ڈر کے لئے نہیں کہا۔ اور بعض کی نسبت جیل و نادانی کی طرف کرتے ہیں کہ انہوں نے جہالت کے سبب استحقاق علی کو نہ پہچانا۔ اور باوجود علی رضی اللہ عنہ کے فضل و تقدیم کے کہ وہ تمام معانی استحقاق میں سب سے مقدم اور افضل تھے۔ اور سب سے اہم شخص کو جس میں شرائط امامت موجود تھیں اختیار کیا۔

روافض کی ان تمام یا وہ سہرا بیوں کے جواب میں صرف حدیث کافی ہے۔ لن تجتمع امتی علی الصلۃ لہ میری امت ہرگز گمراہی پر اجتماع نہ کریگی۔ اور واضح تر و سبیل اس بات کی نصحت پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ علی العموم صحابہ کی ثنا مندرج ہے۔ جیسا کہ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَئِكَ الْمُقَدَّمُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ قَدَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْكُفَّارَ رَحْمَةً لِّیُذِیقَهُمْ نَسِیَ أَمْرِهِمْ تَاٰخِرَ سُوْرَتِہٖ اُوْر فرمایا۔ لِّلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اَخْرَجُوْهُم مِّنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ تَاٰخِرَ الَّذِیْنَ جَاؤْ مِنْ یَعْنِیْ ہِمَّ۔ پھر یہ لوگ غنمی باتیں صحابہؓ کی ثنا میں کرتے ہیں۔ اور حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کے باب میں جو کچھ کہتے ہیں۔ اور جناب علیؓ کی تفصیل و تقدیم میں جو کچھ بیان کرتے ہیں۔ اس میں کوئی بات مذمت سے خالی نہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ نے جن بزرگوں کی صحت فرمائی ہو۔ وہ ہرگز مذموم نہیں ہو سکتا۔ اور جس قوم کی عدالت کی نسبت خدا نے گواہی دی ہو۔ اس کا قول ہر حال میں مسموع و مقبول ہوتا ہے۔ اور جو روافض عام صحابہؓ اور خصوصاً اصحابؓ ثلاثہ کا ذکر طعن کے ساتھ کرتے ہیں۔ تو وہ ناسق ہوئے۔ یا نہیں؟

رہا ان کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام رض جناب علیؓ اور نیز بنو ہاشم کے

دشمن تھے۔ اس لئے کہ جناب علی رضی عنہ کے رشتہ داروں کو جو کافر تھے قتل کیا تھا۔ یہ روافض کی کھلی زندہ بقی اور صریحاً بے دینی ہے اور ایسی بات ہے کہ کوئی جاہل سے جاہل شخص بھی اس کا اعتبار نہیں کر سکتا اس واسطے کہ جب صحابہ کرام کو یہ لوگ اس قسم کے جانتے ہیں کہ انہوں نے محض اس خیال سے کہ علی رضی عنہ ان کے کافر رشتہ داروں کو قتل کیا۔ اُن کی طرف داری سے کنارہ کشی کی۔ اور باطل کی نصرت فرمائی۔ اور مخالفت رسول پر آمادہ ہوئے۔ جس سے صاف طور پر تصبیح امانت اور توہین دین ظاہر ہے، پس اُن کے ایمان میں شک ہے۔ بلکہ سرے سے یہ مومن ہی نہیں ہو سکتے۔ اور اس صورت میں وہ صرف علی رضی عنہ کے دشمن نہیں۔ بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی دشمن ہوئے (حاشا مشاعر عن ذالک) +

حضرات علما پر پوشیدہ نہیں کہ روافض نے اپنا مدعا ثابت کرنے کے لئے اپنے اس بیان سے صحابہ کرام کو تفاق اور کفر سے منسوب کیا ہے۔ بھلا ایسی سنت وہ قوم پر جنہوں نے اپنے مال و جان سے راہ حق میں کوشش اور حضرت رسول خدا کی غایت دوستی سے اپنے خویش و اقارب اور عشیرت کو دشمن جانا اپنے وطن کو چھوڑا اور تنہائی، برہنگی اور گرسنگی کی حالت میں حضرت رسول خدا کے ساتھ شاہد عرب میں حاضر ہے۔ اور راہ حق میں تلواریں اٹھا کر اپنے خویش، عزیزوں، اور باپ، بھائیوں کا خون بہایا۔ یہ تمہمت لگائی جاسکتی ہے کہ وہ محض عصبیت و جمعیت جاہلیت کے واسطے دوستا خدا کو دشمن سمجھیں۔ اور حق و اہل حق کو مخدول کریں +

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی فدائیت

حضرت ابو بکر رضی عنہ کی بیعت کے وقت جو علما نجبا اور خدا وندان حل و عقد حاضر تھے۔ اُن میں ایک حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ بھی تھے کہ رسول خدا نے ان کو امین الامت کا خطاب دیا تھا۔ اور بدر کے روز اپنے باپ کو قتل کر کے اس کا سر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

پاس لائے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہذا راس الشیخ الکافر کیا ممکن ہے کہ ایسا شخص جو راہ حق میں اپنے باپ کا سر کاٹنے سے جو ریغ نہ کرے وہ بطل کے ساتھ شریک رہ کر کتمان حق کرے۔ اور ایسے موقع پر جہاں تمام امت محمدیؐ کی ہلاکت متصور ہو۔ کلمہ حق سے خاموش رہے۔

خیر اگر روافض مہاجرین پر نبی ہاشم کی عداوت کی تہمت لگاتے ہیں تو انصار کی بابت کیا کہتے ہیں۔ جو نہ بنی ہاشم سے دشمنی رکھتے تھے اور نہ جناب علیؑ سے۔ بلکہ انہیں تو بنی عبدالمطلب کی خوشی حاصل تھی۔ پھر مدینہ میں ان کو مہاجرین سے کوئی خوف بھی نہ تھا۔ کیونکہ وہ ہر طرح اُن پر غالب تھے۔ انہوں نے بیعت کے باب میں منازعت بھی کی۔ کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے منا امیر منکم امیں اور اس کی سبب یہ تھا کہ انہوں نے خلافت کا قیاس قوم اور سیادت قبیلہ پر کیا۔ عرب دستور تھا کہ ہر قبیلہ کا حاکم اُسی قبیلہ سے ہوا کرتا تھا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجت کیساتھ انصار کو ملزم کیا۔ اور منبر آیا کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایام مرض میں ابوبکرؓ کو نماز میں مسلمانوں کا پیشوا کیا۔ اور نماز ایک تنوں اور معظمتوں امور دین ہے۔ آنحضرتؐ نے نماز میں ابوبکرؓ کو اپنی جگہ پر کھڑا کیا۔ اور خود اقتدار فرمائی۔ تو پیغمبر علیہ السلام جس بزرگ ترین شخص کو دین میں آگے کریں۔ کوئی شخص اُس کو پیچھے نہیں کر سکتا۔

دوسرے یہ کہ جناب سول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام مہاجرین سے تھے تو اُن کا خلیفہ بھی مہاجرین سے ہونا چاہئے۔ اور بہترین مہاجرین وہ ہے جس کو پیغمبر علیہ السلام نے نماز میں مقدم اور آگے کیا۔ غرض اس منازعت کے بعد تمام انصار نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی متابعت مصداقت کی۔ اگر اس قضیہ میں کچھ بھی حیف و زیادتیاں ہوتی۔ تو انصار کبھی موافقت نہ کرتے۔

راغبی کہتے ہیں کہ اس معاملہ سے انصار کو کوئی نسبت نہ تھی۔ وہ حضرت علیؑ کے طرف دار تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کے ساتھ ہو کر لڑائی کی۔ اور معاویہؓ کو معزول کرنا چاہا۔ دہم کہنے

ہیں کہ زمان خلافت علیؓ میں معاویہؓ کی اعتزال کی خواہش جو انصار کے دل میں پیدا ہوئی تھی۔ اور جس کو انہوں نے حضرت علیؓ کی مدد کر کے علمی طور پر ظاہر بھی کر دیا۔ ان کی یہ خواہش بجا تھی۔ اس لئے کہ اُس وقت خلافت کے حقدار حضرت علیؓ تھے۔ اور خلیفہ وقت کے مخالف سے لڑنا کسی صورت میں مذموم نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کو جو انصار نے بد بخت و مباحثہ کے بخوشی تمام منظور کر لیا۔ یہ بھی دلیل ہے اس امر کی کہ خلافت ابوبکرؓ انصار کے نزدیک بھی خلافت حقہ تھی۔ ورنہ اُن کی خلافت جابرانہ و غاصبانہ ہوتی۔ تو انصار اُس کو کبھی تسلیم نہیں کرتے۔ جس طرح حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کو اُنہوں نے نہ مانا۔ وہ ضرور اپنی جماعت کثیرہ اور قوت عظیمہ کے ساتھ فوراً مقابلہ کو مستعد ہو جاتے)۔

روافض کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ انصار نے باوجود جاننے اس امر کے کہ ابوبکرؓ کی خلافت مستحق نہیں ہے۔ خوف کے مارے امر حق کو چھپایا۔ بدلیل اس کے کہ انصار اُس وقت قوت مال اور کثرت تعداد میں مہاجرین سے غالب تھے۔ اور ابوبکرؓ تو خود ایک مرد ضعیف تھے۔ مدینہ میں ان کا قبیلہ کوئی بڑی نشان و شوکت نہیں رکھتا تھا۔ اور بنو ہاشم بھی بنو تمیم سے زیادہ استبداد و غلبہ رکھتے تھے۔ نیز ابوبکرؓ ایک رویش آدمی تھے۔ یہ بھی خیال نہیں ہو سکتا کہ لوگوں نے زور و مال کے طمع سے اُن کے ہاں میں ہاں ملائی۔ اور خلافت ابوبکرؓ پر اتفاق کر لیا۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کوئی ذی عقل باور نہیں کر سکتا۔ کہ ایسے اچھے قرین میں اتنی بڑی مقدس جماعت میں ایک مرد خدا بھی ایسا نہ تھا کہ جو ابوبکرؓ کی غیر استحقاقی ثابت کر کے اُن کی خلافت کا انکار کرتا۔ اور کلمہ حق سے خاموش نہ رہتا۔ حالانکہ اس بڑے مجمع میں ایسے جلیل القدر صحابی اور مقدس نفوس موجود تھے کہ خداوند عالم نے قرآن کریم میں اُن کی مدح فرمائی ہے۔ اس سے صاف روشن ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا خلیفہ ہونا محض اُن کے استحقاق کے سبب تھا۔ کہ بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم و راجح، تقدس و خیریت

اور معاملہ نہیں میں اُن سے بہتر کوئی شخص مدینہ میں کیا ساری دنیا میں موجود نہ تھا۔
اور اُن کی مقدس و مکرم ذات میں امامت کے جملہ شرائط موجود تھے۔

اہل تشیع کا اعتراض اور اس کا جواب

بھلا ردافض کہتے ہیں کہ اُس وقت شرائط امامت سوائے علیؑ کے
کسی میں نہیں پائے جاتے تھے۔ اس کا جواب ہم اجماع اُمت کے استدلال میں
دے چکے ہیں۔ وہ یہ کہ اگر ابو بکرؓ میں شرائط امامت و معرفت کامل موجود نہ
ہوتی۔ تو صحابہ کئے اتنے بڑے مقدس گر وہ کا اجماع اُن کی خلافت پر ہرگز متخذه نہ ہوتا
پھر اجماع بھی وہ جو بعد امان نظر و بحث و مباحثہ کے قائم ہوا تھا۔ یہ اجماع وہ
تھا جس میں صلاح دین۔ صحت عقائد۔ بیہودی خلافت و جمہور اُمت متصور تھی
اس پر بھی اگر کوئی جال تابع ردافض اس کا قائل و معترف نہ ہو۔ تو حضرت
ابو بکرؓ کے استحقاق اور اُن میں وجود شرائط امامت کے ثبوت میں یہ دلیل
کیسی لا جواب ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ
مرض میں ابو بکرؓ کو نماز میں امام بنانے کا حکم دیا۔ اور نہ آیا۔ مرد آیا بکر
فلیصل بالناس یعنی ابو بکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں کیا پیغمبر
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے یہ ممکن ہے کہ وہ غیر مستحق اور غیر
مشروط بالامامت شخص کو امام بننے کا حکم دیں۔ حاشا وکلا۔ حضرت رسول خدا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقدیم حضرت ابو بکرؓ کے لئے امامت کے مسئلہ میں تھا
اس امر کی دلیل ہے کہ ابو بکرؓ میں شرائط امامت پوری طرح موجود تھیں۔
وہ علم دیانت، امامت اور تمام خصائل خیر میں سب سے مقدم تھے۔ اس لئے
ان کو امامت میں مقدم کیا گیا۔

کیا یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت نبی کریمؐ امامت کو ایک ایسی چیز کا حکم کریں
جس سے وہ خود مخالف ہوں۔ یعنی حضرت ابو بکرؓ خلافت کی ریاست نہ رکھتے
ہوں۔ اور خود اُن کو تقدیم کا حکم فرمائیں۔ پس اس سے ثابت ہے کہ حضرت
ابو بکرؓ علم، صلاحیت، عدالت، دین و غیرہ میں تمام صحابہ میں کامل تر تھے،

اور صحابہ کرام اجتہاد و اختیار خلیفہ میں مصیب تھے ۔

موجبات تفضل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دیگر موجبات تفضل میں بھی جملہ صحابہؓ سے فاضل تر تھے۔ چنانچہ موجبات تفضل سے پہلی بات تقدیم اسلام ہے تو اس امر میں کسی عالم کو اختلاف نہیں کہ اسلام ابوبکر علیؓ - زیدؓ، اور خدیجہ رضی اللہ عنہم کا سب سے اول تھا۔ ان چار حضرات کے تقدم اسلام کے باب میں احادیث وارد ہیں۔ مگر تقدم اسلام حضرت ابوبکر کی حدیث کی اسناد جیسی جمید اور درست تر ہیں۔ اس درجہ باقی ہر سہ حضرات کی حدیث اسلام کی اسناد جمید نہیں ۔ اگر کہا جائے کہ جب پہلی دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام غار حرا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سورہ اقرار لیکر نازل ہوئے اور آپؐ نے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا۔ تو آپؐ نے فوراً اس کی تصدیق کر لی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام حضرت ام المومنین خدیجہ کا سب سے اول ہے ۔

جواب میں ہم کہتے ہیں کہ کسی حدیث معتبر سے تو یہ بات ظاہر نہیں ہوئی ہاں اس کا احتمال ہے۔ اور لفظ احتمال کو ہم نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ اُس وقت جبریلؑ نے آنحضرتؐ سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں جبریلؑ ہوں۔ اور خدا کا فرستادہ اُس وقت نہ حضرت نے ان کو پہچانا۔ جس وقت جبریلؑ علیہ السلام آئے اور سورہ اقرار کی ابتدائی چند آیات پڑھیں۔ تو آپؐ پر دہشت طاری ہو گئی۔ اور آپؐ گھبراتے کانپتے ہوئے حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے، اور اس بات کا ذکر کیا۔ تو خدیجہؓ نے آپؐ کی تسلی فرمائی۔ اور آپؐ کی بات کو سچا جانا اُس وقت آپؐ منجانب اللہ دعوت پر مامور بھی نہ تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب آپؐ مامور بدعوت ہوئے۔ تو پہلی مرتبہ دعوت ابوبکرؓ کے سامنے پیش کی جس کو انہوں نے فی الفور قبول کر لیا۔ اور اسلام میں شامل ہو گئے باوجود اس کے اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ آپؐ کے سوا اسلام میں باقی تینوں

میں سے کسی کو تقدم تھا۔ تو اس سے کوئی اُن کی فضیلت ظاہر نہیں ہوتی۔ کیونکہ حضرت خدیجہ عورت ذات تھیں۔ اُن میں آنحضرتؐ کی رائے کو دفع کرنے کی قوت و مجال کہاں ہو سکتی ہے۔ نہ وہ حضرت رسولؐ خدا کو ابتدائی حالت میں دعوت کے بارے میں کوئی مدد پہنچا سکتی تھیں۔ اور جناب علی رضی اللہ عنہ ایک صغیر سن بچے تھے۔ اُن کا اسلام اُس وقت دعوت میں کیا مدد کر سکتا تھا اور موجب تقویت ہو سکتا تھا۔ (بچوں کی عادت ہے کہ وہ جس کی صحبت و تربیت میں رہتے ہیں۔ اور اُس کو کوئی کام کرتے دیکھتے ہیں۔ تو خود بھی اُس کی ریس اختیار کر لیتے ہیں نہ اس لئے کہ انہیں اس کام کے نفع و ضرر اور حسن و قبح کے سمجھنے کی دلیل و تمیز اور صلاحیت ہوتی ہے۔ بلکہ دوسرے کھیلوں کے مانند اُن کے نزدیک یہ بھی ایک کھیل ہوتا ہے۔ یہی حال اُس وقت جناب علیؑ کے اسلام کا تھا)۔

یہ زید حارثہ تو وہ موالی سے تھے۔ اور عرب میں مولیٰ یعنی غلام کی دعوت چنداں وقعت نہیں رکھتی۔ تو ظاہر ہوا کہ سوائے حضرت ابوبکر صدیقؓ عظیم رضی اللہ عنہ کے اُس وقت کوئی بھی اس قابل نہ تھا۔ کہ اپنے اسلام سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ امداد و تقویت پہنچاتا۔ ابوبکرؓ ہی ایک ایسے شخص تھے جو قوت و تمیز و شوکت و مرتبت کی حالت میں اسلام اور دعوت اسلام میں آپ کے معاون و دست و بازو ہوئے۔ اور کمال تیرہ سال تک ہر طرح کی تکالیف و مصیبت میں آنحضرتؐ کا ساتھ دیا۔ اور تبلیغ دعوت و نشر ملت میں سعی کمال بجالاتے رہے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ ہر موسم میں قبائل عرب کے ایک ایک شخص کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر بلاتے، اور انہیں خدا تعالیٰ کی باتیں سناتے۔ اُس وقت ابوبکرؓ آپ کے آگے آگے رہتے اور لوگوں میں آپ کی دعوت کی اشاعت و تقویت کرتے، اور دین اسلام کی طرح و ثنا اور سچی خوبیاں بیان فرماتے۔ چنانچہ کتب تواریخ و سیر کے مطالعہ سے روشن ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر اس قدر لوگ اڑے اسلام

میں اخل ہوئے کہ شمار و احصار سے باہر ہے۔ کبار صحابہؓ سے جو لوگ آپ کے دستِ حق پرست پر ایمان لائے اُن میں سے چند بزرگوں کے نام یہ ہیں۔ عثمان، طلحہ، زبیر، سعد، سعید اور جنابؓ غیر ہم رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکرؓ نے اپنا تمام مال حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وقف کر رکھا تھا۔ جیسا نفع کہ ابوبکرؓ کے مال نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچایا ایسا کسی دوسرے کے مال نے نہیں پہنچایا۔ آپ نے صنعا ف مومنین پر جو ایک سال شعب ابوطالب میں محصور تھے۔ اپنا مال خرچ کیا۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ما نفعتنی مال کما نفعتنی مال ابی بکر اور نیز فرمایا انہ لم یکن احدٌ من علی فی صحۃ و ذاتہ بین ید یرہ من ابی بکر بن تحافۃ آپ کے ساتھ آدمیوں کو معذہ بین مومنین سے اپنے مال سے خرید کیا۔ آپ نے ظہور دعوت کے ایام میں اپنے جان و دل کو بلا لائے مخالفین کے لئے سپر بنا رکھا تھا۔ خدا اور رسول کی خاطر آپ نے وہ بلائیں اور مصیبتیں اٹھائیں کہ کوئی شخص اس بارہ میں آپ کی برابری نہیں کر سکتا۔ دوسری بات موجب تفضل سے سابقہ فی الہجرت ہے۔ اور سب کو معلوم ہے کہ حضرت ابوبکرؓ ہجرت میں آنحضرتؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ اور آپ کے رفیق تھے۔

تیسری بات موجب تفضل سے غزائے بدر میں اور بیعت الرضوان میں حضرت ابوبکرؓ کا حاضر رہنا ہے۔ آپؓ دنوں موقعوں پر موجود تھے بلکہ حضرت رسول خدا جس غزوہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی اُس میں آپ کے ہمراہ رہے۔ غرض مشاہدہ اور حضورؐ حضرت رسول خدا سے کوئی بات حضرت ابوبکرؓ سے فوت نہیں ہوئی۔

چوتھی بات موجب تفضل سے حضرت ابوبکرؓ کا مواضع قتال میں قائم و ثابت رہنا ہے۔ صحیح طور پر معلوم ہے کہ احد و حنین کے خونریز معرکوں میں اکثر صحابہؓ منہزم ہو گئے تھے۔ صرف چند اصحاب باقی حضرت رسول خدا کے رفیق تھے۔ اور انہیں ساتھیوں میں سے ایک حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بھی تھے ۔

پانچویں بات مَوجبات تفضل سے جو سب سے معظم اور موقر ہے ۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کی خصوصیت ہے ۔ جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ چنانچہ حضور علیہ السلام میں جو تخصیص و تکریم ابوبکرؓ کو تھی ۔ وہ کسی کو حاصل نہ تھی ۔ آنحضرتؐ نے بار بار حضرت ابوبکرؓ کی طرح و ثنا فرمائی ۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی معاملہ میں مشورت کرتے تو حضرت ابوبکرؓ کو ضرور بلاتے ۔ اور پہلے اُن سے مشورہ کرتے ۔ اور حضرت ابوبکرؓ جب نماز پڑھتے تو آنحضرتؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پس پشت کھڑے ہوتے ۔ یہ مرتبہ سوائے ابوبکرؓ کے کسی کو حاصل نہ تھا ۔ اور بجز آپ کے کوئی شخص اس مقام پر نہ کھڑا ہوتا ۔ اور جب آنحضرتؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹھتے ۔ تو ابوبکرؓ آپ کے سیدھے ہاتھ کی جانب بیٹھتے ۔ پھر جب آپ کھڑے ہوتے تو صحابہ ایک طرف چلے جاتے ۔ اور صرف ابوبکرؓ ہی آپ کے ساتھ کھڑے ہوتے ۔

اور اگر کہا جائے کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ ایک غلام آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیدھے ہاتھ کی جانب آکر بیٹھ گیا ۔ اور اُس وقت ابوبکرؓ آپ کے بائیں ہاتھ کی جانب بیٹھے ۔

یہ حدیث بیان مذکورہ کے خلاف ہے ۔ جواب یہ ہے کہ جو ان مذکور سے بوجہ قلت معرفت شرائط تعظیم کے یہ حرکت ظاہر ہوئی ۔ جو ادب کے منافی ہے ۔ اور خداوندان نظر و ارباب عقل و بصیرت سے یہ مخفی نہیں کہ اگر اُس میں کچھ بھی غلط شعور ہوتا ۔ تو اُس سے ایسی جرأت کا جو ادب کے منافی ہے ۔ اظہار نہ ہوتا ۔ اور وہ فوراً حضرت ابوبکرؓ کے لئے جگہ چھوڑ دیتا ۔

دوسری بات یہ کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دعا کرتے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے کہ میں کہتا : اور جب کسی لڑائی پر جاتے تو صحابہ آگے ہوتے اور ابوبکرؓ آنحضرتؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ صحابہ کے پس پشت چلتے ۔ جنگ کے روز جناب رسول خدا کے واسطے ایک عریش بنایا گیا ۔ آنحضرتؐ اُس کے سایہ میں تشریف فرما تھے ۔ اور حضرت ابوبکرؓ کو بھی عریش کے نیچے اپنے ہمراہ بٹھایا تھا

آپ کے علو مرتبت کے سبب صحابہ آپ کو اپنا شفیع کر کے اپنی حاجات آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کرتے ۔

صحابہ کرام کو جب پوری طرح معلوم ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ کے فضائل حد احصا سے بالاتر ہیں۔ اور آنحضرتؐ نے ایام مرض میں آپ کو مسلمانوں کا پیشوا بنایا۔ اور خطبہ میں فرمایا کہ مسجد میں تمام دروازے بند کر دو۔ مگر حضرت ابوبکرؓ کا دروازہ کھلا رکھو سد علی کل خوختہ غیر خوختہ ابوبکرؓ اور فرمایا لو کنت متخذاً من الناس خلیلاً لا اتخذت ابابکر خلیلاً۔ یعنی اگر میں انسان سے کسی کو دوست کرتا تو ابوبکرؓ کو دوست کرتا۔ اور فرمایا۔ یا بی اللہ والمؤمنون الا ان یکون ابابکر وغیرہ وغیرہ یعنی خداؤ مومن لوگ قبول نہیں کریں گے مگر ابوبکرؓ کو جو امامت ابوبکرؓ پر نصوص خفیہ ہیں۔ تو تمام صحابہؓ نے اس کو صواب و نیک و سعادت ابدی جانا۔ کہ آپ کو اپنا امام اور پیشوا بنائیں۔ اور یہ کہ آپؐ کے بہتر و نیاے اسلام میں کوئی ہے نہ کبھی آئندہ ہوگا چنانچہ سب نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور آپ ہی کو اپنا مرجع و ماویٰ جانا۔ اور دوسرے صحابہؓ کرام کی مانند بعد چندے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور آپ کی متابعت و مطاوعت کو بہتر و نیکو تر یقین کیا ۔

اہل تشیع کا قول کہ حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے

کارہ تھے اور اس کا جواب

روافض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ بیعت میں کارہ تھے۔ اور وہ ابوبکرؓ سے بیعت کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ خلافت کو اپنا حق جانتے تھے۔ لیکن جناب علیؓ نے مجبوراً بظاہر ابوبکرؓ کی متابعت و مطاوعت کر لی۔ مگر باطن ان کا اس کے خلاف تھا۔ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ نے ظاہر میں بیعت و متابعت کر لی تو حکم ظاہر پر ہوتا ہے۔ اس سے وہ اصحاب بیعت میں مل ہو گئے

اور روافض پر حجت قائم و ثابت ہو گئی *

اس قوم روافض سے زیادہ کون بے سوسا مان اور دنی بعقل فرقہ ہو گا کہ اپنے امام برحق پر کتمان حق، ضعف رائے، بزدلی دہن اور ضمیر کے خلاف اظہار کی تہمت لگاتے ہیں۔ اور ان کو اس گناہ عظیم میں مبتلا کرتے ہیں کہ انہوں نے باطن کے خلاف کیا۔ گویا اُن کا ظاہر و باطن یکساں نہ تھا۔ ان کو کچھ اوپر پچھیں برس تک اسی دستور پر ڈرپوک وغیرہ دغیرہ جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ ظاہر میں طاعت کرتے تھے۔ اور باطن میں مخالفت تھے *

یہ بدگمانی جناب علیؑ پر کیونکر چسپاں ہو سکتی ہے۔ حالانکہ کتابوں میں لکھا ہے کہ تو مسلمہ بنی حنیفہ سے محمد حنیفہ کی والدہ اسیران جنگ میں آئیں۔ اور حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے وہ جناب علیؑ کو دی گئیں۔ جناب علیؑ نے اُن سے استیلا کیا۔ اور اُن کے بطن سے محمد حنیفہ پیدا ہوئے۔ اگر ابوبکرؓ کی خلافت غیر حق پر ہوتی۔ تو مادر حنیفہ کے ساتھ حضرت علیؑ کا استیلا ذکرنا کیونکر درست اور شرعاً جائز ہوتا (ظالم یہ نہیں سمجھتے کہ اس بدگمانی سے جناب علیؑ پر کیا کیا گناہ عاید ہوتے ہیں۔ اور محمد حنیفہ رضی اللہ عنہ کس قسم بیٹے سمجھے جاتے ہیں) ظاہر ہے کہ جس وقت امیر معاویہ کی حکومت شام میں مستحکم ہوئی۔ اور اہل شام کے اجماع و موافقت سے اُن کی شان و شوکت و قوت پوری طرح بڑھ گئی۔ اُس وقت بھی حضرت علیؑ امیر معاویہؓ کے ساتھ آمادہ پر خاش ہوئے۔ اور امیر معاویہؓ کی قوت و شوکت پر خیال کر کے اظہار حق خلافت میں مطلق اندیشہ نہ کیا۔ اس سے روشن ہے کہ اگر ابوبکرؓ کی خلافت حق پر نہ ہوتی۔ تو اُس وقت حضرت علیؑ ہرگز منازعت اور طلب حق سے نہیں چوکتے۔ کیونکہ ابوبکرؓ کی شوکت و قوت معاویہؓ کی شوکت و قوت کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتی تھی۔ جب جناب علیؑ نے حضرت ابوبکرؓ سے مقادمت نہیں کی۔ تو اب یہ بات بالکل صاف ہو گئی۔ کہ حضرت علیؑ ان کی خلافت کو حق پر جانتے تھے، اور آپؑ نے ابوبکرؓ سے یہ عسوق و طیب خاطر اپنے خالص ضمیر سے بیعت و مطاعت کی *

وہ احادیث جن میں شیعہ خلافت علیؑ کی ثابت کرتے ہیں

اب ہم ان احادیث کا ذکر کرتے ہیں۔ جو حضرت علیؑ کی فضیلت میں وارد ہیں۔ اور جن سے شیعہ صاحبان استحقاق خلافت علیؑ پر استدلال کرتے ہیں۔ ایک حدیث یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علیؑ کی مخاطب ہو کر فرمایا اما تر فنی ان تکون منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ کیا تم اے علیؑ اس پر راضی نہیں کہ تم مجھ سے ایسے ہو۔ جیسے ہارون سے موسیٰ۔ یعنی جس طرح حضرت موسیٰ سے مینقات کی طرف جاتے تو حضرت ہارون کو اپنی طرف سے چھوڑ جاتے، اسی طرح اس وقت میں تم کو مدینہ میں حفاظت اطفال و زناں کے لئے چھوڑے جاتا ہوں ۛ

روافض کہتے ہیں کہ یہ حدیث خلافت علیؑ پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ ہارون حضرت موسیٰ کے خلیفہ تھے۔ جب تک حضرت ہارون زندہ ہے موسیٰ علیہ السلام کا خلیفہ ان کے سوا کوئی نہ تھا۔ جواب یہ ہے کہ حدیث مذکورہ درست ہے اور اس سے حضرت علیؑ کی ایک گونہ فضیلت و ثناء ثابت ہوتی ہے لیکن اس سے خلافت علیؑ پر استدلال کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ اور حمل اس حدیث کا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علیؑ کی امامت پر یا تو جہل کر سکتا ہے جو علم حدیث و سونق و سیاق حال حدیث سے کوئی آگاہی نہ رکھتا ہو۔ یا معاند بے دین کہ ہر ایک بات میں عناد و کینہ کو دل میں پوشیدہ رکھتا ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ حدیث کی حقیقت اور اس کے حال سے واقف ہو۔ اور عناد کو کام میں نہ لائے تو اس حدیث سے اس پر صاف روشن ہو جائے کہ جب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوہ تبوک کو جاتے تھے۔ تو آپؐ نے اُس وقت کسی کو تخلف کی نصرت نہ دی۔ صرف حضرت علیؑ کو فرمایا کہ ازواج مطہرات اور زنان اہل بیت کی محافظت اور دوسرے مصالح کے انصرام کے لئے مدینہ میں رہیں۔ منافق ناخن حضرت علیؑ کی پیچھے پڑ گئے۔ اور کہنے لگے کہ آنحضرتؐ نے اپنے چچا زاد بھائی کو مدینہ میں رہنے کو

کہا ہے۔ اور غزوہ میں اُن کو اپنے ہمراہ نہیں لے گئے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو روتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور عرض کیا اتخلف فی النساء والصبيان یعنی یا رسول اللہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اما ترضی ان تكون منی بمنزلة هارون من موسیٰ یعنی جب موسیٰ میتقات کے لئے اپنی قوم سے جدا ہو کر باہر جاتے۔ تو ہارون کو بجائے اپنے چھوڑ جاتے (اسی طرح جناب علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ میں تمہیں چھوڑے جاتا ہوں) اس سے یہ کسی طرح نہیں نکلتا کہ حضرت علی کی خلافت بعد رسول خدا کے ثابت ہو کیونکہ حضرت ہارون نے حضرت موسیٰ کے سامنے وفات پائی۔ اس واسطے کہ آنحضرت نے جناب علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ہارون کے ساتھ نسبت دی۔ تاکہ علی کی خلافت بعد رسول اللہ کا شاہد نہ ہے۔ اس کو خلافت علی پر حمل کرنا مستقیم نہیں ہے اور نیز حضرت ہارون علیہ السلام کے زمانہ میں پیغمبر تھے۔ اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ جناب علی حضرت رسول خدا کے زمانہ میں امام تھے، اگر مراد آپ کی خلافت بعد از وفات ہوتی۔ تو یوں ارشاد ہوتا انت منی بمنزلة یوشع من موسیٰ اس لئے کہ موسیٰ کے خلیفہ ان کی وفات کے بعد حضرت یوشع تھے۔

حدیث غدیر خم کے معنی

دوسری حدیث جس سے وہ افضل خلافت علی رضی اللہ عنہ پر استدلال کرتے ہیں۔ من کنت مولاً فعلی مولاً کہتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت

یہ حدیث غدیر خم کہلاتی ہے۔ اور شیعہ اس کو بڑی دھوم دھام سے خلافت بلا فصل حضرت امیر کے استحقاق ثابت کرنے میں پیش کرتے ہیں۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ زیدہ بن الخطیب الاسلمی روایت کرتا کرتا ہے کہ وقت مراجعت حجة الوداع کے جب آنحضرت غدیر خم پر ایک موضع ہے۔ میان مکہ اور مدینہ کے پہنچے۔ تو تمام حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یا معشر المسلمین السمیع الاولیٰ بکم من انفسکم قالوا بلی قال من کنت مولاً فعلی مولاً لا ھمد ال من دالہ و عا د من عا د ا ہ یعنی اے گروہ مسلمانوں کے کیا نہیں ہوں (بقیدہ حاشیہ صفحہ ۲۶۱)

ہوتا ہے کہ حضرت علی تمام لوگوں سے خلافت کے باب میں اول تر ہیں۔ جواب یہ ہے کہ تمہاری تاویل مستقیم نہیں۔ کیونکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قائم تعقیب کے ساتھ علی رضی کی ولایت کو اپنی ولایت پر عطف کیا ہے۔ اور قائم تعقیب میں تراخی ممکن نہیں۔ یعنی چاہئے کہ جب کسی شخص کی پیغمبر کی ولایت ثابت ہو تو علی رضی کی ولایت بھی اُس کے عقب ہی یعنی ساتھ ہی ثابت ہو، اور یہ روا نہیں کہ زمانہ رسول میں علی رضی حضرت رسول خدا کی ولایت میں شریک ہو (یعنی ایک ہی وقت میں رسول کی ولایت بھی ہو۔ اور حضرت علی رضی کی ولایت بھی) پھر جب آنحضرت کی حیات میں ولایت علی ثابت نہ ہوئی۔ تو آپ کی وفات کے بعد بطور اولیٰ ثابت نہیں۔ ان دلائل سے ظاہر ہے کہ اس حدیث سے ولایت علی پر تمسک کسی حالت میں ٹھیک نہیں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ مراد اس سے ولایت نہیں۔ بلکہ مولاہ دینی ہے۔ مفہوم حدیث یہ ہے کہ آنحضرت فرماتے ہیں۔ میں جس شخص کا یار و مددگار اور دوست ہوں۔ علی بھی اس کے یار و مددگار اور دوست ہیں۔ یا یہ کہ جو میرا یار و مددگار ہے۔ علی کا بھی یار و مددگار ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مولاۃ اسلام ہے۔ اور بعض علماء نقل کرتے ہیں کہ اسامہ بن زید نے حضرت علی رضی سے کہا کہ تم میرے مولا نہیں ہو۔ میرے مولا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ لہذا جب رسول خدا نے بطور زجر و توبیخ کے من کنت مولاہ فعلی مولاہ بعض کہتے ہیں یہ بات زید کو کہی۔ جب وہ دختر حمزہ کے بارہ میں حضرت علی رضی سے منازعت کرنے لگے۔

اور ہمیں بطریق معتبر پہنچا ہے کہ ایک شخص نے حسن بن الحسن الحسین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۹)

میں دوست ترقم کو اپنی ذاتوں سے۔ سب نے کہا بیشک ہو۔ فرمایا جس کا مولیٰ میں ہوں۔ اُس کا علی مولیٰ ہے۔ لے خدا دوست رکھ اُس کو جو کوئی دوست رکھے اس کو اور دشمن رکھ جو کوئی اس کو دشمن رکھے۔ یہ پوری حدیث ہے۔ جس کا ایک کرا صاحب کتاب نے نقل کیا ہے اس کا بسیط جواب جو نہایت لایا بہتیم نحو اثنا عشریہ کے باب ہفتم میں ملاحظہ ہو۔ اس مختصر میں نجاشی نقل کی نہیں ہے ۱۲۔

یعنی اللہ عنہم سے کہا کہ کیا آنحضرت علیہ السلام نے تمہیں فرمایا۔ ہرگز کہہ نہ سکتے۔
 فعلی مودکاکہ انہوں نے فرمایا میں ایسا ہی فرمایا ہے۔ پس قسم کے ساتھ کہہ
 کہ اگر آنحضرت کی مراد اس سے سلطنت و مملکت ہوتی۔ تو آپ اپنی امت کے
 واسطے اس امر کو ظاہر کر دیتے، اس واسطے کہ امت کا کوئی بھی خواہ مثل پیغمبر
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہ تھا۔ اور خدا کی قسم اگر خدا اور اس کا رسول
 حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لئے اختیار و پسند کرتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو
 ترک کرتے اور اسباب میں ایسا خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کے زور و پہلوں کے لئے نہ
 دنیا میں کوئی شے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس عظمت کے برابر نہ ہوتی۔ اس بات میں وہ
 طریق سے اس مرد کو ملزم کیا ہے۔ لہذا اس حدیث اور اس قسم کی دوسری
 احادیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور عظمت پر عمل کرنا چاہئے۔ نہ
 خلافت و ولایت پر کیونکہ احتمال کے طریق پر کسی حدیث سے مستدل
 کرنا اجماع امت کے ہونے کوئی اثر و وقعت نہیں رکھتا۔ چنانچہ اس
 میں ایسی قوم پر ادونا اہل بیت ہونے کی شہادت و صفت خدا اور رسول نے
 فرمائی ہے۔

یہی دو حدیثیں بڑی مشہور ہیں۔ حجت و افضل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خود امت
 پر استدلال کرتے ہیں۔ یہ وہی حدیث ہے کہ ان دونوں حدیثوں کے سنی چھوٹے
 طور پر سمجھا دیتے۔ سوائے ان کے حجتی احادیث ہیں۔ وہ یا تو ضعیف ناقابل
 حجت ہیں۔ یا موعود کہ ان کا ذکر بھی روا نہیں ان سے استدلال تو کجا۔
 ان احادیث کو اکثر بے دینوں نے جن میں ثنابی اور اہل رجعت شامل ہیں۔
 وضع کیا ہے تاکہ مسلمانوں کو ان کے دین سے پھر اگر انہیں فتنہ میں آئیں
 انہیں میں سے سعد و عبید مطیر اسکاف و اسلم بن ابی حصفہ مطہر ہیں ان
 احادیث میں اکثر وہ حدیثیں ہیں جو حضرت عمار و سلمان رضی اللہ عنہما

لے تاریخ تمدن اسلام میں ہے کہ عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ عمار بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو فدک کا قمر
 اور وہاں کے مسلمانوں کی نماز کا امام مقرر کیا تھا۔ اور ان کا مشاہدہ یہ سورہ ہم مقرر کیا۔ ان
 کے ماتحت حکام محروم اور موزوں کی تنخواہیں علیہ علیہ مقرر کیں۔

کے نام سے وضع کی گئی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ عمار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر کوفہ رہ چکے ہیں۔ اور سلمان اُن کی طرف سے اپنی تمام زندگی تک اُن کے حاکم ہے۔ حتیٰ کہ اس حکومت کی حالت میں انہوں نے انتقال کیا۔ اگر یہ دونوں اصحاب خلافت ابو بکرؓ کو عصب جانتے۔ تو خلافت عمر کے کیونکر قائل ہوتے، اور اُن کی طرف سے امارت کیونکر قبول کرتے۔ کیونکہ دونوں خلافتوں کا حکم یکساں ہے (اس سے معلوم ہوا کہ اُن کے نام کی جو حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ وہ خالص وضعی اور بناوٹی ہیں۔ اُن سے خلافت علی پر استدلال ہرگز جائز نہیں)۔

اگرچہ یہ سدا اہل سنت و اجماعت کے نزدیک ایسا مستہم بالشان نہ تھا جس کے بیان میں ہم طوالت سے کام لیتے۔ کیونکہ سب کو معلوم ہے۔ کہ شیعان علی جو خلافت علیؓ کے ثبوت حقیقت کے باب میں دلائل پیش کرتے ہیں۔ وہ انتہا درجہ رکھنے والے ہیں۔ ان دلائل سے بجائے اس کے خلافت علی میں کچھ مدللے۔ اہل بیت کرام اور جناب علیؓ کی توہین و تضحیک ظاہر ہوتی ہے (جس کے ذمہ دار خود وہی روافض ہیں۔ جو ان کی شان اقدس میں ایسی بے ادبیوں کا اظہار کرتے ہیں کہ کہیں اُن کو ڈرپوک سست رائے بناتے ہیں۔ کبھی اُن کے ظاہر کو باطن کے خلاف ظاہر کرتے ہیں۔ اور کہیں معاذ اللہ وہ تہمت لگاتے ہیں کہ ہم اُن کا اعادہ مناسب نہیں سمجھتے۔) لیکن ہم نے صغفا اُمت پر رحم کر کے بنیال ہمدردی اسلام اسی فصل میں طریق ایجاز سے تجاویز کیا۔ کیونکہ ان مبتدعین کا قاعدہ یہ ہے کہ کسی جاہل اور نادان مسلمان کے زور و اپنے مضر فائدات اور موصوعات پیش کر کے اُن کو راہ راست سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور انہیں نے اکثر دیکھا ہے کہ لوگوں نے عام خلق خدا کو اپنی باتوں سے سرگرداں اور پریشان کر رکھا ہے۔ عوام مسلمانوں کو معلوم نہیں کہ ان کی دروغ باتیاں کہاں سے کہاں تک پہنچتی ہیں۔

یہ زنادقہ چاہتے کہ شریعت میں صغفہ دہن پیدا کریں۔ اور اُن کی

بنیاد خلافت ابوبکرؓ میں اعتراض پیدا کر کے نکالیں۔ کیونکہ خلافت ابوبکرؓ پر
قدح کرنا حقیقت میں جمہور اصحابؓ پر طعن کرنے کے مرادف ہے۔ پھر ان پر طعن
کرنا دین اسلام پر طعن کرنے کی جانب مفضی ہے۔ کیونکہ قرآن و حدیث اور وہ
احکام جو ان سے مستفاد ہوتے ہیں ہم کو صحابہ کے ذریعہ پہنچے ہیں۔ لیکن جب
ان کا حال ایسا ہو۔ جیسا یہ بدعتی بیان کرتے ہیں تو صحابہ کی نقل پر اعتقاد کیونکر
درست ہو سکتا ہے۔ پس شریعت کوئی چیز نہیں ہستی۔ نعوذ باللہ من
الضلالہ

خوب یاد رکھو کہ اس مسئلہ کی محافظت موافق قول اہل سنت الجماعت
کے حقیقت میں حمید ابواب شریعت کی محافظت کرنا ہے۔ اور اس کی جانب
سے تہاؤن و تکاسل حقیقت میں دین و شریعت نبوی کی اضافت ہے۔ و
اللہ ناصر حزبہ دینی

۱۔ امام بیہقی امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اصل عقیدہ شیعہ کا یہ ہے کہ
صحابہ رضوان اللہ علیہم کو گمراہ کہتے ہیں۔ اور روافض قائل ہیں ان کی تکفیر کے اور کہتے ہیں۔ سب صحابہ
سوائے چند لوگوں کے دنیا سے کافر گئے ہیں۔ اور قاضی ابوبکر باقلانی نے کہا کہ جس چیز کی طرف گئے ہیں
روافض پیس کے باطل کرنا بالکل دین اسلام کا لازم آتا ہے۔ اس واسطے کہ جب پھپھانا نصو
کاظم اور افترا و جھوٹ سچے اول احکام اسلام کے موجب غرض نفسانی کے ان سے واقع ہوا، تو
اور جو سچے حدیثیں اور اخبار ان سے روایت کی گئیں۔ جھوٹ اور باطل ہوئیں۔ بلکہ تعصب جو
کہتا ہے۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کہ ان کی صحبت میں ایسے لوگ
آئے۔ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف بھی کہ انہوں نے سستی اور تقصیر کی سچ طلب
حق اور تائید اس کی کے۔ اور یہ کلام شیخ ابن حجر کا ہے۔ صواعق محرقة میں کہ انہوں نے
بہت طول طویل ذکر کیا ہے۔ اور مظاہر حق بلفظہ تمتہ ص

~~~~~

# چوتھی فصل

## مراتب صحابہ اور ان کی توقیف کے بیان میں

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ابو اب فضیلت پر وقوف آگاہی  
 ہر آدمی ہوسکتی ہے۔ پھر ان کے بارے میں جو کچھ کہیں گے ان کے احوال  
 پر نظر کرنا اور ان کو میرا ان کے بارے میں کیا ہے سب جاننا چاہئے  
 کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ اصحاب کی عظمت و تہا بیان فرمائی ہے  
 اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے زمانہ کو خیر القرون  
 فرمایا ہے۔ ان دونوں باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ قائل ترین اُمت  
 ہیں۔ اور چونکہ بنی آدم موجدات تفنیل میں درجات متفاوت رکھتے ہیں۔ تو  
 نہایت اہل کہ صحابہ میں با یکدیگر کچھ تفاضل ضرور ہے۔ پھر یہ امر بھی مسلم ہے کہ صحابہ  
 میں سب کے خیر القرون کے معنی میں ہیں۔ تو اب یہ تفہیم میں اعتبار  
 دینا ضروری ہے کہ ان میں کیا نسبت ہے۔ اور ان کے بارے میں تفہیم اور  
 پیادہ و شہادت کے لحاظ سے۔ ان کے بارے میں شخص قرن اول میں سب پر مقدم  
 ہے۔ تو باعتبار اس تفہیم کے بالاتفاق سب سے فاضل نہ ہوگا۔

ان مقدمات کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ تمام صحابہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ  
 عنہ کا مرتبہ سب سے فاضل ہے۔ پھر حضرت عمرؓ کا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے  
 کہا رخصت کے روز وہ اس شخص کے چوہا میں میں نے کہا تھا۔ "ابو بکر خدا کو  
 کیا جو اب دیکھئے کہ تم کو ہم پر خلیفہ کہتے ہو۔ وہ تو ایک سبب شہادت خود اور تمہ  
 مزاج آدمی ہیں۔" آری نے فرمایا۔ خدا سے ہیں کہونگا کہیں نے ہمتیں اہل اللہ

سبب شہادت ہے کہ اسلام میں ان کی تفویق اور عقل نہ کے لحاظ سے دوسروں پر فزاور  
 کرنا کوئی چیز نہیں ہے۔



کو اُمت پر خلیفہ کیا ہے! وہ یہ بات حضرت رسول خدا کی حدیث سے بھی مفہوم ہوتی ہے جو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا۔  
اقتدوا بالذی من بعدی ابی بکر و عمر ابتر میں ان دونوں کی تخصیص کے حکم سے ان کی ایک بڑی کرامت ظاہر ہوتی ہے۔ جس میں کسی کو مشارکت نہیں۔ کیونکہ اس حدیث کے موافق ان کا قول و فعل باقی صحابہ اور جمیع اُمت کے لئے حجت ہے! اور دلیل واضح ہے ان کی صحت خلافت پر اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے اُن کی مانند ایک حدیث روایت کی ہے کہ ابو بکر و عمر سیدا کھول اهل الجنة من الاولین و الاخرین اور ایک روایت میں ابو بکر و عمر سیدا کھول اهل الجنة الحدیث اور ایک اور حدیث اُن کے باب میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا انا اول من یدنشق عنہ الارض شجر ابوبکر شجر عمر یعنی سب سے پہلے میری قبر کھلے گی پھر ابو بکر کی۔ پھر عمر کی۔ ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور اسی قسم کی بہت سی حدیثیں ہیں۔

## ایک عجیب بات شیخین رحمہ اللہ کی فضیلت میں

لیکن عجیب تر اور نادرا اور درست تر یہ بات ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی کوئی حدیث نہیں پائی جاتی جس میں دو بڑے عظیم الشان اصحاب کی ثنا و فضیلت کو ایک ہی ذکر میں جمع کیا گیا۔ یہ بزرگی صرف جناب ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو حاصل ہے کہ آنحضرت رسول خدا نے ان دونوں کو قرصیابہ کے ذکر و فضیلت و ثنا کو بالترتیب ایک جگہ بیان فرمایا ہے۔ اکثر ایسی احادیث موجود ہیں جن سے ان دونوں کو العزیم سے پہلے کا اختصاص حضرت رسول خدا کی جناب میں صاف اور عریض طور پر پایا جاتا ہے ایک بڑی خصوصیت جس میں دوسرے اصحاب کو ہرگز مشارکت نہیں ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا سن و سال حضرت رسول خدا کے سن و سال سے

موافقت تمامہ رکھتا ہے۔ دوسری خوبی اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ بعد وفات کے بھی حضرت رسول خدا کے مصاحب قرین رہے۔ یعنی جس گنہگار جس دھجہ مطہرہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دفن ہیں۔ اسی حجرہ میں حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی مدفون ہیں۔ اور یہاں بڑا شرف ہے کہ کسی صحابی کو نصیب نہیں ہوا۔ ان معانی و بیانات سے علمائے امت سے کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ ابوبکرؓ و عمرؓ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہترین و فاضل ترین امت ہیں، مگر یہ اختلاف رافضیوں زیدیوں وغیرہم کی طرف سے پایا جاتا ہے۔ تو اس کے جواب میں ذکر اجماع امت کافی ہے۔ جو اوپر بیان ہوا \*۔

باوجود اس کے جمہور صحابہؓ کے سوا حضرت عمر ابن ابی سلمہ کی روایت اور نیز حضرت محمد بن حنفیہ کی روایت سے ثابت ہو گیا ہے کہ بعد پینا مبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین امت ابوبکرؓ ہیں۔ پھر عمر رضی اللہ عنہما۔ ان دونوں بزرگوں کا قول مخالفین پر حجت ہے۔ کیونکہ یہ اہل بیت نبوی اور پیشوائے شیعان علی سے ہیں \*۔

## بعد خنین کے خنین کا مرتبہ ہے

پھر اکثر اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ ان ہردو بزرگ صحابیوں ابوبکرؓ و عمرؓ کے بعد فاضل ترین صحابہؓ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر حضرت اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، دلیل اس پر اثبات خلافت عثمان ہے کہ بعد حضرت عمرؓ کے قائم و ثابت ہوئی۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے اختیار خلیفہ کے لئے شوریٰ قرار دیا تھا۔ جس میں حضرت عثمانؓ کا انتخاب ہوا۔ پھر اہل سنت کا ایک گروہ یہ بھی کہتا ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ سے فاضل تر ہیں (اور خلافت مفضول باوجود فاضل کے درست ہے) \*۔ اگر کوئی شخص ہم سے سوال کرے کہ اہل سنت کے مقابلہ میں یہ قول کیا وقعت رکھتا ہے۔ اودیہ کہ اس سے تو خلافت عثمانؓ میں طعن پیدا



ہوتا ہے۔ اور یہ کہ باوجود فاضل کے مفضل کو خلیفہ کرنا اہل سنت کو نزدیک  
مستبعد ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو خنجر مارا گیا۔ تو اُن سے  
کہا گیا۔ استخلف یا امیر المؤمنین تو اُنہوں نے کسی کی خلافت پر  
نہیں کیا۔ اور یہ نہ فرمایا کہ میں زندگی میں عہد کر سکتا ہوں۔ لیکن بعد موت کے  
نہیں کر سکتا۔ لیکن میں ان چھ آدمیوں کے سوا جن سے حضرت رسول خدا  
آخر وقت تک اٹنی ہے، کسی کو بہتر نہیں جانتا۔ علی، عثمان، طلحہ، زبیر  
سعد و قاص۔ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما۔ غرض عمرؓ کے بعد شوری  
ہوا۔ اور صحابہؓ کی نظر میں اُن میں سے کسی کو دوسرے پر ترجیح دینا ٹھیک  
نہیں معلوم ہوا۔ کیونکہ وہ سب طبقہ اعلیٰ سے تھے، اور چھوٹوں کا استحقاق  
یکساں تھا۔ اسی حال میں چار اصحاب اُٹھ گئے اور عثمانؓ و علیؓ کی تفویض  
میں خلافت کا کام کر دیا۔ اُنہوں نے سمجھ لیا تھا کہ استحقاق خلافت میں  
اس وقت ان دونوں سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ پھر علیؓ و عثمانؓ نے اس  
کام کا حل و عقد حضرت عبد الرحمن بن عوف کے حوالہ کیا۔ اور دونوں نے  
میتاق دے دیا کہ اس باب میں جو کچھ عبد الرحمن بن عوف کریں۔ وہی ہم دونوں  
کو منظور ہے۔ اور دونوں میں سے جس سے عبد الرحمن بیعت کرے، دوسرا بھی  
اُس سے فوراً بلا تاخیر بیعت کرے گا۔ اور بیعت میں یہ بھی شرط کی گئی، کہ جس شخص  
سے بیعت کی جائے۔ وہ موافق قرآن کریم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
کے عمل کرے، اور اپنی تمام تر کوشش و جہد مسلمانوں کی بہبود اور دینی و  
دنوی ترقی میں بذل کرے۔ اور سیرت شیعین رضی اللہ عنہما کی متابعت پیروی  
کرے۔

پس عبد الرحمن بن عوف نے خلافت کے تمام امور مال و مالک پر نظر  
کر کے حضرت عثمان کو خلیفہ مقرر کیا۔ اور اس کو جناب علیؓ اور باقی تمام اصحاب و  
امت نبوی نے پسند فرمایا۔ چنانچہ حضرت عبد الرحمن نے پہلے عثمان کی بیعت  
کی پھر حضرت علیؓ نے اُس کے بعد تمام امت نے عثمان کے دست حق پرست  
پر بیعت کی۔ اور اس طرح حضرت عثمانؓ بالاتفاق صحابہ و جناب علیؓ و امت

استحقاق خلافت عثمان

محمدی کے خلیفہ بنائے گئے ۔

ممکن ہے صحابہ میں کچھ لوگ ایسے ہوں جو جناب علیؑ کو عثمانؓ پر ترجیح دیتے ہوں ، لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ عبدالرحمن بن عوف کے اجتہاد سے حضرت عثمانؓ خلیفہ مقرر ہو گئے ہیں ۔ اس واسطے انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا ۔ اور نہ تفصیل علیؑ کے باب میں کچھ ذکر کیا ۔ اس خیال سے اس وقت اعتراض کرنا جمہور میں مخالفت پیدا کرنے کا موجب ہو گا ۔ اور کلمہ اسلام متفرق ہو جائے گا ۔

یہ لوگ اگرچہ حضرت علیؑ کو فاضل جانتے تھے ، مگر خوبی و صواب عثمانؓ کی بیعت میں سمجھتے تھے ، اور رفع اختلاف اور اتفاق کلمہ کو اس سے ارفع جانتے تھے کہ ان دونوں کی فضیلت کی بحث کو پیش کرتے ۔ بعض ایسے بھی تھے جو باب فضیلت میں متردد تھے ۔ اور تفصیل علیؑ میں ان کو اشتباہ تھا ۔ اور کوئی ایک شخص ایسا نہ تھا جو فضیلت علیؑ میں محکم ہو ۔ یہی سبب تھا کہ بعض نے علیؑ کو اشتباہاً فاضل جانا ۔ پس ان بیان سے نہ عثمانؓ کی بیعت میں کوئی طعن پیدا ہوتا ہے ۔ نہ علیؑ کی فضیلت میں کوئی نقص عائد ہوتا ہے ۔ دلیل یہ ہے کہ جب سب نے بلا مخالفت عثمانؓ کی بیعت اختیار کر لی تو ظاہر ہے کہ وہ اس پر راضی تھے ۔ اور اجتہاد عبدالرحمنؓ کو راجح بصواب جانتے تھے ۔ بعد خلفائے راشدین کے ان صحابہ کی فضیلت ہے جس کی بابت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گواہی دی ہے کہ وہ اہل بہشت سے ہیں ۔ ان کو عشرہ مبشرہ کہتے ہیں ۔ یہ دس ہیں ۔ چار خلفائے راشدین اور چھ دوسرے جن کے اسم گرامی یہ ہیں :- سعد وقاص ، عبدالرحمن بن عوف ، ابو عبیدہ بن الجراح ، سعید ، طلحہ ، زبیر رضی اللہ عنہم پھر طبقات صحابہ میں اہل بدر کا مرتبہ ہے ۔ ان کے بعد اہل بیت الرضوان کا ۔ پھر عام مہاجرین عام انصار سے فاضل تر ہیں ۔ پھر دین میں خداوندان سابقہ سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے دو مرتبہ ہجرت کی ۔ اول حبشہ کی طرف ۔ پھر مدینہ کی طرف ۔ اور اصحاب معتبر سے وہ لوگ ہیں جن کو رسول اللہ کی صحبت کا شرف

عشرہ مبشرہ



اور فضل و علم دونوں حاصل ہے۔ ان حضرات کے مراتب کے واقفیت خصوص  
خداوندان علم و بصیرت کو بہت مفید ہے، معہذا دین میں یہ ضرور نہیں کہ ہم  
ان کے درجات اور باہمی تفاضل کو تفصیلاً معلوم کریں۔ ان سے صرف محبت  
و احترام رکھنا چاہئے۔ تاکہ یہ حضرات رسول اللہ کے شرف صحبت سے مشرف  
ہوئے ہیں۔ اور سابقین فی الاسلام ہیں۔ پس ان کے مراتب کی تمیز ایسی ضروری  
نہیں۔ جیسے خلفائے راشدین کے مراتب کی تمیز ضروری ہے۔ خلفائے اربع  
کے مراتب کی تمیز اس لئے ضروری ہے، کہ مصالح دینی و دنیوی ان کی ذات  
سے متعلق ہیں۔ اور بڑی بات یہ ہے کہ اس سے باطل فرقوں کی اندرونی حالت  
اور خباثت معلوم ہوتی ہے کہ وہ اصحاب ثلاثہ کے بے شمار فضائل سے چشم  
پوشی کر کے صرف جناب علیؑ کی فضیلت کے راگ گاتے ہیں۔ اور ان کی نسبت  
بنی بنائی پھوٹی اور دُرکار کھانیاں سناتے ہیں۔ جو اہل ہوش کے لئے موجب  
خندہ ہیں۔ اور بے وقوفوں کے لئے باعث ابتلائے فتنہ ہے۔

## علی العموم تمام صحابہؓ کی تعظیم کرنا چاہئے

سچے مسلمان کا آئین دین اور طریق اسلام یہ ہوتا چاہئے کہ علیؑ کو  
تمام صحابہ کرام کی تعظیم و تکریم کریں۔ اور کسی کی نسبت طعن و تشنیع روا نہ  
رکھیں۔ اور کسی حال میں کسی کی علامت جائز نہ سمجھیں کہ حضرت رسول خداؐ  
اس فتنہ سے تخذیر فرمایا ہے کہ میرے اصحابؓ کے بارہ میں خدا سے ڈرو۔ ان  
کو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ۔ قسم اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان  
ہے۔ اگر تم میں سے کوئی شخص (خدا کی راہ میں) کوہ احد کے برابر زرخیز کرے  
تو صحابہؓ کے ایک مد طعام خرچ کرنے کے ثواب کے برابر نہیں پہنچ سکتا۔ اور  
نہ نصف مد کے خرچ کرنے کے ثواب کو، حدیث مذکور یہ ہے۔ اللہ اللہ فی  
اصحابی لا تتخذن وھم من بعدی عرھنا فواللہ لیس نفس محمدؐ  
بیدہ لواف احدکم انفق مثل احد ذھباً ما ادرك مد  
احدھم ولا نصف انفقھم فی سبیل اللہ۔ اور شیطان طریق



ہوا و عصیت سے لوگوں کو تصور میں ڈالتا ہے کہ صحابہ کی باہمی خصوصیت صرف طلب دنیا کے لئے تھی۔ کیونکہ انہوں نے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنی سیرت کو بدل دیا۔ اور باہم منازعت کی۔ حتیٰ کہ خوں ریزی تک نوبت پہنچی۔

پس اس موقع پر مسلمانوں کو یہ جاننا چاہئے کہ اصحاب انسان تھے، کچھ ملائکہ اور انبیاء نہ تھے کہ غلطی سے معصوم رہتے۔ بلکہ اُن سے خطا ہو جانا ممکن ہے مگر خداوند عالم نے اُن کو پیغمبر کی مصاحبت سے گرامی کیا تھا۔ اُن میں بڑی خوبی و سعادت یہ تھی کہ اگر سہواً اُن میں سے کوئی شخص خطا میں مبتلا ہو جاتا۔ تو فوراً اُس سے رجوع کرتا۔ اور گناہ پر کبھی مصر نہ ہوتا۔ اور یاد رکھو کہ اہل حق کا یہ مذہب ہے کہ بندہ صدور گناہ سے کافر نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل ہم آگے بیان کریں گے۔ پھر حیب کافر نہیں ہوتا تو مومن ہے۔ ایمان الہی کو زیبا نہیں کہ فساق اہل ایمان کو برا کہیں۔ پھر صحابہؓ کو کس طرح برا کہنا چاہئے کہ خدا نے عموم صحابہ کی ثنا فرمائی ہے۔ اور رسول اللہ نے اُن کی حرمت کی حفاظت کے لئے وصیت کی ہے۔ اور اُن کے پیچھے پڑنے سے سختی کے ساتھ منع اور زجر فرمایا۔ اور کہا ہے کہ میرے اصحاب سے کچھ ایسی باتیں ظاہر ہوں گی۔ جن کا ذکر خوب نہیں ہے۔ تم اُن کو برائیوں سے یاد نہ کرو۔ کہ خدا میری صحبت کی برکت سے اُن کی تمام ذلات اور لغزشیات معاف فرمائے گا۔ اس باب میں احادیث کثیرہ وارد ہیں۔

## علی کی محبت کا نشان درست

علمائے کرام کا تشدد اس باب میں صرف اس غرض سے ہے کہ لوگ عام صحابہ کو برا کہنے سے ڈریں۔ اور گمراہی و غواہیت میں نہ پڑیں۔ اور اس لئے صحابہ کی محبت و تعظیم کی جانب تخریص و ترغیب کی جاتی ہے کہ فرقہ روافض سے کوئی بد بخت ایسا نہیں جو عموم صحابہ کی شان میں کلمات معاندانہ زبان سے نہ نکالتا ہو۔ یہ لوگ جناب علی کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں

اور حقیقت میں سب سے بڑے مخالف اُن کے یہی بد بخت ہیں۔ علی رضی کی محبت کا نشان درست یہ ہے کہ صحابہ کا اقتدار کریں۔ اور طریق مسلمانوں میں اُن کے مخالف نہ ہوں۔ اور جناب علی رضی نے فرمایا اخیاننا یضو اعلیٰنا ہمارے بھائی ہمارے مخالف ہو گئے۔ اور آپ نے ابن جرموں قاتل زبیر رضی کی نسبت فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول خدا سے سنا ہے کہ قاتل زبیر رضی اللہ عنہ کا دوزخی ہے ۔

مخالفین علی رضی اللہ عنہ پر عربی سُرّت نہیں

حرب جمل کے آخر روز میں جناب علی رضی اللہ عنہ کے درمیان کھڑے ہو کر دیکھتے تھے کہ کون کون مارے گئے۔ جب آپ کی نظر حضرت طلحہ پر پڑی کہ خاک پر پڑے ہیں۔ تو فرمایا اے اباج محمد تیرا خاک پر اس طرح پڑا ہونا مجھ پر سخت دشوار ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ مَا اَعَذَّ رَعْلِي اَبَا مُحَمَّدٍ مَا اَعَذَّ رَعْلِي اَبَا مُحَمَّدٍ اِنْ اَرَاكَ مُبْجِدًا لَا فِیْ بَطْنِ الْاَوْدِیْتِ تَحْتَ بَحْرِ السَّمَاءِ اَشْكُو اِلَى اللّٰهِ اَعْجَزِیْ یٰ دُوْنُوں وَهْ مَقْدَسِ صَحَابِیْ هِیْنَ۔ جن کے بھتی ہونے کی بشارت حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے۔ اور جناب علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں طلحہؓ اور زبیرؓ ان اصحاب سے ہیں جن کی شان میں خداوند جل و علانے فرمایا۔ وَنَحْنُ غَنَّا مَارْفِیْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ عِیْلِ عَلِیٍّ مِّسْرٍ مُّتَّقَا بِلِیْنٍ اور صحیح طور پر معلوم ہوا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کو ان کے ساتھ مقاتلہ کرنے کے لئے نہیں بھیجا تھا۔ اور نہ ان کے قتل پر آپؐ اصرار کیا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپؐ نے ان کے حق میں سب سے زیادہ کڑی گرفتاری کو روا نہ رکھا۔ ان کے مال کو مباح نہیں کیا۔ اور جب انہوں نے فتح پائی اور ہتھیار ڈال دیئے تو ان میں سے کسی کو بھی قتل نہیں کیا۔ اور نیز ان کا تعاقب نہ کیا۔ اگرچہ ان کا مقاتلہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ثابت ہے۔ لیکن وہ مسلمان تھے، ان کی جنگ دو قسم سے خارج نہ تھی۔ یا تو مجتہد تھے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے اس جنگ میں صلاح



امت متصور کی اور وہ اس اجتہاد میں مخطی تھے۔ یا ایسے مسلمان تھے کہ انہوں نے از روئے غرضتِ الحاج کے امام کے مقابلہ میں شمشیر نکالی۔ اور ان کو حجاب اور خوہش ریاست و مغلوب کر دیا۔ لہذا اس خطا کے مرتکب ہوئے یا وہ اس حال سے واقف نہ تھے کہ علی امام بحق ہیں۔ اور ان کی اطاعت و متابعت ضروری ہے۔ پھر جب ہم نے انہیں مجتہد کیا تو اس سے ان پر طعن کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ مجتہد خطا پر مایوس نہیں ہوتا۔ بلکہ مصیب ہونے کی حالت میں دو اجراء و خطا کی حالت میں ایک اجر پاتا ہے) \*

اکثر علمائے اہل سنت نے ان صحابہ کو جو جناب علی سے آمادہ پیکار ہوئے۔ بآسیرِ ہمدانی قیاس سے شمار کیا ہے۔ اور جناب طلحہ و زبیر و حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کو اس کے سوا تصور کرنا درست نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ عموماً قرآن و حدیث میں جو صحابہ کی فضیلت و ثناء میں نااطق ہیں داخل ہیں۔ اور نیز ان کے حق میں اختیارِ راضیہ ارد ہیں۔ جن سے مقابلہ و دستگیر صحابہ کے ان کی عظمت ظاہر ہوئی ہے۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ حضرت زبیر نے محاربہ علی رضی اللہ عنہ سے خود اجتناب کیا تھا۔ اور ابن جرمون نے ان کو ظلم سے قتل کیا تھا۔ اور طلحہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ وہ آخر وقت میں اس لڑائی سے ناراض ہوئے۔ اور آخر رتن میں جب ان کی نظر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک دست پر پڑی تو آپ نے اُس سے کہا اپنا ہاتھ لاؤ کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کروں۔ اُس نے ہاتھ دیا اور آپ نے بیعت کی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ جب اقعہ جنگِ جمل کو یاد کرتے ہیں۔ تو اتنا روتے ہیں کہ آپ کی اڑھنی مبارک تر ہو جاتی ہے۔ \*

## باغی بنیاد کے سیدِ دین اسلام سے خارج نہیں ہوتا

اب یہ وہ لوگ جو علی کی فضیلت اور استحقاقِ امامت سے آگاہ نہ تھے۔ تو اس امر میں خود معذور ہیں۔ ہاں وہ لوگ جو دانا ہو کر ریاست کو حصول کے لئے اس بیگانہ میں شامل ہوئے وہ ضرور باغی ہوئے۔ مگر باغی بغاوت کی

سببِ اثرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اور جب حالت بغاوت میں اُس کے مال میں تصرف روا نہیں۔ تو بطریقِ اولیٰ بدیع کے توبہ کا اُس سے امکان رکھتا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ اپنے گزشتہ لوگوں کو خیر کے ساتھ یاد کیا کرو۔ وہ اپنے کئے کو پہنچ گئے۔ یا ایسی نسبت ہے جو ہر ایک مسلمان کے ساتھ خواہ نیک ہو یا بد تعلق رکھتی ہے۔ باوجود اس ہستی کے یہ کیونکر روا ہو سکتا ہے کہ بعض اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بُرائی سے یاد کیا جائے۔ نیز آپ نے فرمایا۔ اللہ اللہ فی اصحابی اور عام مسلمانوں کے حق میں فرمایا۔ لا تذکرُوا موتاکم الا بخیر فانہم افیضوا الی ما قد موا آپ نے یہ جو فرمایا کہ وہ اپنے کردار کے بدلے کو پہنچ گئے۔ یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ وہ اگر نیک کردار تھے تو تمہاری بدگوئی انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اور اگر بد کردار تھے تو اپنے عمل کو پہنچ گئے تمہارا برا کہنا انہیں کیا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ تو تمہاری بدگوئی بے فائدہ ہے۔

پس اگر عمرو ابن العاص اور امیر معاویہ اُن کے امثال کا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی اور آپ کے شرفِ صحبت سے مشرف تھے کوئی شخص سببِ محاربہ علی رضی اللہ عنہ کے احترام نہ کرے تو زبانِ بد بھی اُن کے حق میں دراز نہ کرے۔ کیونکہ جب عام مسلمانوں کو برا کہنے کی مخالفت ہے۔ تو یہ بزرگوار اُن سے تو کسی طرح کم نہ تھے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اس آیہ کریمہ پر عمل کریں۔ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُتْلٰوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اس اُمت کا عمل اُن کے ساتھ کیا گزرا ہو۔ تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہے۔ اور ان کے اعمال کے متعلق تم سے کوئی سوال نہ ہوگا۔ (عَنْ قِي اِنَّهُ الصَّلٰحُ الْعَظِيْمُ) اور یہ یقین جانیں کہ اُن کی برائی کرنے سے حضرت علی کی شان و فضیلت میں کوئی مزیت نہیں ہوتی۔ اور نہ حضرت علی روافض کی ان بیہودہ حرکتوں



سے خوش ہوتے ہیں) \*

جناب علیؑ اپنے فضائل کثیرہ اور کمالات عاریدہ کے لحاظ سے متعصبین  
بے دین کے تعصب سے مستغنی ہیں۔ ان میں جو فضائل ہیں۔ مثلاً علم و حکمت۔  
سابقہ فی الاسلام۔ ہجرت و نصرت رسول اللہؐ بشیر اور اپنی قوم پر تشدد  
برائے دین اور قرابت و اختصاص بہ مواعظ رسول علیہ السلام اور اختیار از  
بہر مناکحت سیدۃ النساء اور فرد بابتشار نسل رسول خدا از صلب سے وغیرہ  
وغیرہ یہ تمام کافی و کافی ہیں۔ فرموان اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اولادہ  
آجمعین \*

## حضرت فاطمہؑ اور خدیجہؑ اور عائشہؑ کی فضیلت

اور اعتقاد رکھیں کہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا اولاد رسول میں  
سب سے افضل ہیں۔ اور رسول اللہؐ کی گواہی کے موافق زمان عالم کی سزا میں  
اور وہ اور ان کی والدہ ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ تمام زبان عالم  
سے برتر و مستثنیٰ ہیں۔ پھر یہ بھی اعتقاد رکھیں کہ آنحضرت کی تمام ازواج  
مطہرات صالحات و طہرات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصاحبت کے لئے اختیار کیا ہے۔ اور حضرت  
خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد فضیلت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا  
کا رتبہ ہے۔ اور صحابہؓ کی عورتوں کے بارہ میں باعتبار مراتب صحابہؓ کے  
اعتقاد رکھیں۔ اور اعتقاد رکھیں کہ صحابہؓ اور ان کی ازواج سے کسی وقت  
میں فسق و فجور روا نہیں۔ فرموان اللہ تعالیٰ علیٰ سائر الصحابۃ  
والصحابیات والتابعین لہم باحسان الی یوم الدین \*

# پانچوں فصل

فرقہائے اسلام کے اور نیز اس کے بیان میں کہ بندہ  
گناہ سے کافر نہیں ہوتا۔ اور اُس بدعت کے بیان میں جو  
موجب کفر ہے

جناب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا کہ عنقریب میری امت تہتر  
فرقوں میں منقسم ہوگی۔ وہ سب دوزخی ہوں گے۔ لیکن سواد اعظم صحابہؓ نے عرض کی  
یا رسول اللہؐ سواد اعظم کون ہے۔ فرمایا وہ جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔  
حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ سَتَفَرَّقُ امَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَعِينَ فِرْقَةً  
كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا سَوَادًا عَظِيمًا قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا  
السَّوَادُ الْعَظِيمُ قَالَ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاصْحَابِي بَعْضُ مِتْكَلِمَاتٍ  
اور دوسرے اہل علم نے اس حدیث کی بنا پر گمراہ فرقوں کا حصہ و احصا بھی  
کیا ہے۔ لیکن یہ بات تکلف سے خالی نہیں۔ اس لئے کہ اگر تمام مشہور فرقوں  
کے نام گنائے جائیں۔ تو تعداد میں تہتر نہیں ہوتے۔ اور صرف چند متبرکات  
و متعارف فرقے گنے جاسکتے ہیں۔ جیسے خوارج و روافض و معتزلی و غیرہ۔  
اور ان تینوں فرقوں کی شاخیں شمار کی جائیں۔ تو مذکورہ تعداد سے بڑھ جاتے  
ہیں۔ پھر ان کے سوا کرامیہ کے بارہ گروہ ہیں۔ بخاریہ کے تین گروہ اور مرہبیہ  
کے پانچ گروہ اور اگر دوسرے فرقوں کے افراد گنے جائیں۔ تو بہت زیادہ ہوتے  
ہیں۔ تو قول درست بینی پر احتیاط یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ  
وسلم نے اس حدیث میں فرقہ ہائے امت کے افتراق کو کسی وقت خاص کے ساتھ



موقت و معین نہیں کیا ہے۔ احتمال ہے کہ بعض ان فرقہ ہائے ضلال سے ابھی تک پیدا نہ ہوئے ہو۔ اور آئندہ پیدا ہوں۔ اور ان فرقوں کے قسامی ان کو مقتدا ان کے نام سے منسوب ہیں۔ یعنی ہر ایک فرقہ اپنا نام اپنے مقتدا کی نسبت سے مشہور کرتا ہے۔ اور ان میں اعتبار ان کے اصول مذہب کے موافق ہے کہ جو فرقہ اصل مذہب میں با یکدیگر موافق ہیں۔ ان سب کو ملا کر ایک فرقہ سمجھا جاتا ہے۔

جب ہم ان موجودہ فرقہ ہائے ضلال کے عقائد پر نظر کرتے ہیں۔ تو ان میں ہر ایک فرقہ کو ایسے اعتقاد پر پاتے ہیں جو خلاف اعتقاد قرن اول کے ہے جس کے مراد صحابہ کرام کا اعتقاد ہے۔ یا انہوں نے ایسے عقائد احداث کئے ہیں جو کتب و سنت کی رو سے مستقیم نہیں ہیں۔ اسی سبب سے ہم ان فرقوں کو فرقہ ہائے ضلال کہتے ہیں۔

## فرقہ خوارج

فرقہ ضلال میں سب سے پہلے فرقہ خوارج کا ظاہر ہوا۔ خلافت مہدیین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ فرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مخالف تھا اور دلیل یہ پیش کرتا تھا کہ اگر علی خلافت کو اپنا حق جانتے تھے۔ تو دوسرے کو حکم کس واسطے کیا۔ کہ اس حکم نے علی کو امامت و خلافت سے باہر کیا۔ اور اگر تحکم جائز تھا۔ تو علی کو کس واسطے مثل حکام کے امامت سے باہر کیا۔ اس نے خود اپنے کو علیحدہ نہیں کیا۔ اور اگر تحکم باطل تھا تو باطل کو کیوں اختیار کیا۔ ان بے حاصل شبہات کے سبب یہ فرقہ جناب علی سے الگ ہو گیا۔ انہوں نے دونوں گروہ (معاویہ علی) کی تفصیل کی۔ جو صفین میں حاضر تھے۔ اس فرقہ کو حکم کہتے ہیں۔ اور پیشوا ان کا عبداللہ بن وہب بکرمی۔ اور بزرگ عاصم مختاری ہے۔ بعد اس کے قدر یہ پیدا ہوا

۱۔ چنانچہ فرقہ کتاب ہذا میں ہم فرقہ ہائے اسلام کا حال بالتفصیل بیان کر گئے۔ اور سچ بات یہ ہے کہ لفظ مختار سے فرقہ ہائے اسلام کا حصہ مقصود نہیں ہے۔ بلکہ مراد کثرت ہے چنانچہ واقعات سے ظاہر ہے ۱۲۔

اور پہلا شخص جس نے قدر کے متعلق گفتگو کی۔ وہ معبد حبشی ہے۔ بصرہ کا رہنے والا۔ اُس کے بعد فرقہ روافض کا ظور ہوا۔ جس نے حضرت ابوبکرؓ کی امامت میں طعن کیا اور صحابہ کی تفہیل پر آمادہ ہوئے، جناب علیؓ کے زمانہ میں یہ مذہب نہیں تھا۔ اس وقت کچھ لوگ تھے۔ جو خود کو شیعیان علیؓ کہتے تھے، پھر علیؓ کے بعد روافض پیدا ہو گئے۔ اور تابعین کے زمانہ میں معتزلہ پیدا ہوئے۔ ان کا پہلا شخص واصل عطاء عزال اعیاب حسن بصریؒ سے ہے۔

## صاحب کبیرہ کا نہ نہیں ہوتا

اہل سنت و خوارج کے درمیان اس مسئلہ میں خلاف ہے کہ خواہج مسلمان صاحب کبیرہ کو کافر کہتے ہیں۔ اور اہل سنت مومن۔ مگر معتزلہ ان دنوں فرقوں سے علیحدہ ہو کر تیسری بات کہتے ہیں۔ وہ یہ کہ صاحب کبیرہ نہ کافر ہے اور نہ مومن۔ بلکہ اُس کو کفر و ایمان کے مابین ایک درجہ حاصل ہوا ہے۔ اس بات حضرت حسن بصریؒ نے اس کو (واصل عطاء عزال کو) اپنے حلقہ سے باہر کیا اور فرمایا۔ اعتزل عننا یعنی واصل ہم سے الگ ہو جا۔ اسی سبب اُس کو معتزلہ کہتے ہیں۔ پھر عمر و عبید اس مسئلہ میں اُس کا ہتھیال اور مددگار ہو گیا۔

## تکفیر کے اسباب و داعی

یہ تمام فرقے اپنے اپنے مذہب کی نصرت و باری میں کوشش کر لے لگے اور وقتاً فوقتاً اسلام میں شبہات اٹھانے لگے۔ اور باہمی اختلاف بڑھتا گیا حتیٰ کہ ایک دوسرے کی تفہیل و تکفیر کرنے لگے۔ علمائے سلف ان فرقہ ہذا کی تفسیر روائیں رکھتے۔ اور بعض مثل خوارج و روافض و معتزلہ کی تکفیر کہتے ہیں۔ لیکن اصول دین کے اعتبار سے مستقیم یہ بات ہے کہ اگر یہ فرقے ظاہر کتاب و سنت ثابۃ کی مخالفت کرتے ہوں۔ یا اجماع ائمہ کے منکر ہوں۔ تو ان کی تکفیر میں مطلق پس و پیش نہ کرنا چاہئے۔ اور بعض علما جو مطلقاً نفی تکفیر کرتے ہیں۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے مستغرق امتی



عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً کہتے ہیں کہ جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام فرقوں کی بابت لفظ امتی استعمال کیا۔ تو ان کی تکفیر روا نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ ان کو اپنی امت افتراق کے قبل کے لحاظ سے جیسا کہ حدیث تو بیان میں ہے کہ لا تقوم الساعة حتى يلحق قبائل من امتي بالمشرکین وحتی تعبد قبائل من امتي الاوثان یعنی قیامت قائم نہ ہوگی جب تک میری امت کے بعض قبائل مشرکین سے نہ جا ملیں۔ اور جب تک میری امت کے بعض قبائل بت پرست نہ ہو جائیں اور ظاہر ہے کہ مشرکین اور بت پرستوں کو رسول خدا کی امت سے نہیں کہہ سکتے۔ تو معلوم ہوا کہ مشرک اور بت پرست ہونے کے پہلے انہیں لفظ امت سے یاد کیا گیا ہے۔ اور اگر یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ بعد افتراق کے ہی ان پر لفظ امت کا اطلاق ہوا ہے۔ تو اس صورت میں بھی یہ لازم نہیں آتا۔ کہ عمل کفر کے سبب ان کی تکفیر نہ کی جائے۔ دوسرے یہ کہ امت کا اطلاق کئی وجوہ سے ہوتا ہے۔ ہر ایسی قوم جو ایک زمانہ میں ایک دین پر ہو یا ایک پیغمبر کے زمانہ میں ہو۔ بشرطیکہ اس پیغمبر کی دعوت آئی ہو۔ لفظ امت استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ جب جناب علی رضی اللہ عنہ سے خوارج کے کفر کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا مَنِ الْكُفْرِ فَسَوْذٌ یعنی وہ لوگ کفر سے بھائے گئے ہیں۔ یہ قول جناب علی رضی اللہ عنہ سے بطریق معتبر ثابت ہے۔ پھر پوچھا گیا کیا یہ لوگ منافق ہیں۔ فرمایا منافق خدا کو کم یاد کرتے ہیں۔ اور یہ بہت زیادہ یاد کرتے ہیں۔ اِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ اِلَّا قَلِيلًا وَهُوَ لَاحِدٌ يَذْكُرُونَ اللَّهَ كَثِيرًا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کی تکفیر نہیں کی۔

جواب یہ ہے کہ شاید جناب علی رضی اللہ عنہ کو خوارج کے عقائد فاسدہ سے اس وقت تک آگاہی نہ ہوگی۔ یا اس وقت ان کے عقائد ایسے بُرے نہ ہونگے جن سے ان کی تکفیر لازم آئے۔ اس واسطے کہ خوارج ابتدا میں جناب علی رضی اللہ عنہ سے اس خیال سے جدا ہوئے تھے کہ وہ علی و معاویہ کے درمیان تحکم کو پسند نہیں کرتے تھے اسی واسطے انہوں نے علی و معاویہ دونوں کا تحطیہ کیا۔ یعنی دونوں کو خطا کا

بتایا۔ بلکہ جتنے لوگ جنگ صفین میں شریک تھے۔ سب کو برا کہا۔ اتنی بات کی اشاعت ہونا تھی کہ علیؑ و معاویہ دونوں طرف کے لوگ خواج کے ہمنیال ہو گئے اور اس طرح جب ان کی جمیعت کو استحکام ہو گیا۔ تو انہوں نے بے تحاشہ علیؑ و معاویہؓ، عائشہؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور تمام ان اصحاب کو جو جنگ جمل و صفین میں شامل ہوئے سب کی تکفیر کی۔ یہ نہ جانا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو مسلمان کسی بھائی مسلمان کی تکفیر کرتا ہے تو دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور کفر واقع ہوتا ہے۔ یعنی اگر اس کا قول درست نہ تھا۔ تو وہ خود کافر ہو گیا۔ کہ اس نے ایک ایسے شخص کو جو حق پر تھا۔ کافر کہا۔

### نصر یہ اور کیسانہ

بعد ازاں طائفہ نافع ازرق اور نجد ہروی پیدا ہوئے۔ انہوں نے اس پر اور چند بدعتیں زیادہ کیں۔ اور مسلمانوں کے جان و مال کا استحصال کیا جو سراسر کتاب و سنت کے خلاف ہے۔ پھر غلاطروافض سے ایک فرقہ علیؑ کی ربوبیت کا قائل و معتقد ہو گیا۔ اس کا نام عابیان اور علی الہیان ہے۔ پھر ایک فرقہ کیسانہ ہوا۔ جو خدا پرندامت ویشیانی کو رد رکھتا ہے پھر معتزلہ میں ایک فرقہ ہزلیہ نام کا مشہور ہوا۔ جو پیر و ابوالنزہل علیہ السلام کا ہے۔ اس کا قول ہے کہ مقدورات خدا تعالیٰ کی انتہا اور حد ہے۔ اور نعیم و عذاب جنت و دوزخ فی الحال موجود نہیں۔ آخر میں موجود ہو گا۔ پس ان فرقوں کی تکفیر میں کیونکر توقف ہو سکتا ہے۔

### نصر نظامیہ

ایک فرقہ نظامیہ نام کا ہے۔ جو اس امر کا معتقد ہے کہ خدا تعالیٰ عالم جزئیات نہیں۔ اور اس قسم کی ادبھی ضلالتیں اس فرقہ سے مروی ہیں۔ ایسے فرقہ کی تکفیر میں کسی عالم کو تردد نہیں ہو سکتا۔ پس علمائے سلف نے



جو بعض فرقہائے ضالہ کی تکفیر میں تردد کیا ہے۔ شاید اُس وقت ان فرقوں کے عقائد تکفیر تک پہنچے ہونگے۔ ان کے بعد انہی فرقوں میں وقتاً فوقتاً بدعات و مخالفت کی ترقی ہوتی گئی۔ کہ اُن کے عقائد تکفیر کی حد کو پہنچ گئے تو اس وقت ان کی تکفیر بھی ضروری ہوتی تاکہ عام اہل اسلام علمائے کرام کی عدم تکفیر کے فتوؤں کو دیکھ کر انہیں مرہ اسلام سے نہ سمجھنے لگیں۔ اور اس دھوکے میں نہ کہ ان کے دام فریب میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ یا علمائے سلف کی عدم تکفیر کا یہ سبب ہو کہ وہ کلمہ گویوں کی تکفیر کرنا مناسب سمجھتے ہوں۔ اور اس سے محنت طہ ہوتے ہوں۔

## کَلْمُ فِي النَّارِ کی توضیح

اب سے وہ لوگ جو نصوص متراشہ اور حدیث سنت نبویہ کی سیٹی وٹل کرتے ہیں کہ جن کا وہ الفاظ احتمال رکھتے ہیں۔ لیکن وہ تاویل ظاہر معنی کے خلاف ہے۔ تو ایسے لوگوں کا حال اہل کبار جیسا ہے۔ اور ان کی تکفیر روا نہیں ہے۔ پھر اگر قائل کہے کہ حدیث میں کَلْمُ فِي النَّارِ کا حکم موجود ہے۔ اور ان کا ناری ہونا اُن کے کفر پر دلالت کرتا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ صاحب شریعت علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ وہ سب دوزخی ہیں۔ اُن کے کافر ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ اُن میں اکثر ایسے لوگ ہیں جو اعمال صالحہ میں سعی و بلیغ کرتے رہے ہیں جس کی سبب انہیں عذاب دوزخ سے نجات پانے کی امید قوی ہے۔ حدیث کا مفہوم بتانا ہے کہ اس سے بعض فرقہائے ضالہ کے قریب دوزخ ہونے کے معنی لیتا زیادہ مستحب ہے۔ فارسی میں جب کہتے ہیں کہ قلاں در آتش است تو اس کے معنی یہ نہیں کہ آگ کی مصیبت بالکل اُس سے ملتی جلتی ہے۔ یہی معنی ہیں کہ کَلْمُ فِي النَّارِ کے یا یہ کہ اُن کے یہ الفاظ اُن کی انتہا درجہ کی گمراہی کی طرف دلالت کرتے ہیں اور اُن کی نجات کو موہوم سا بتاتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ جو فرقے اپنے عقائد فاسد میں اس درجہ پاجی اور بدرویہ ہیں کہ قرآن و حدیث کی صریح مخالفت کرتے ہیں۔ تو ان کے دوزخی ہونے میں اور اُن کی تکفیر میں کوئی کلام نہیں۔ پھر بھی اُن کے

مخلد فی النار ہونے کا قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ آیت اِنَّ الْمَلٰٓئِکَہٗ لَا یَغْفِرُوْنَ مَنْ یُّشْرِکْ بِہٖ شَیْئًا وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ کی امید مغفرت کو باقی رکھتی ہے۔ اور جو فرقے ایسے ہیں جن میں بدعات کا اس وجہ شیعہ نہیں ہے۔ جو صریحاً مخالف کتاب و سنت ہو۔ بلکہ وہ قرآن و حدیث کے تاویلی معنی کرتے ہیں۔ تو اس لحاظ سے کہ وہ اہل سنت و الجماعت کے معنوں سے الگ معنی کرتے ہیں۔ وہ گمراہ ضرور ہیں۔ مگر ان کی گمراہی مثل اہل کبار کے ہر اگر نوبہ کر کے مرے تو دنیا سے معذور گئے۔ ورنہ مردود و مطرود ہے۔

## فرقائے ضالہ مخلد فی النار نہیں

اس کے مانند ایک حدیث عرفائے قبائل کے باب میں وارد ہے (عرفائے قبائل رؤسا اور پیشکاران وہیہ کو کہتے ہیں) وَلَیْسَ کُنَّ الْعُرَفَاءُ فِی النَّارِ تُو اس سے تمام عرفاء کی بات دوزخی ہونے کا حکم نہیں کر سکتے۔ پھر اگر کہا جائے کہ جب آنحضرت علیہ السلام نے جملہ گمراہ فرقوں کی بابت دوزخی ہونے کا حکم کیا ہے تو تم بعض کی تخصیص کس جہت سے کرتے ہو کہ ان میں بعض کی تکفیر کرتے ہو۔ اور بعض کی عدم تکفیر روار رکھتے ہو۔ جواب یہ ہے کہ ہم نے اس حکم کو اصول دین سے معلوم کیا جو اوپر مذکور ہوا۔ اور آنحضرت نے جو فرمایا کُلُّهُمْ فِی النَّارِ اور سب کو ایک ہی سلسلہ میں داخل کیا۔ یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ سب کا حکم یکساں ہے۔ جب یہ جائز ہے کہ صاحب کبیرہ آتش دوزخ میں جلیگا۔ اور کافر بھی۔ اس واسطے سب کو ایک ساک میں کھینچا۔ لیکن فرقہ یہ ہے کہ ایک مخلد فی النار ہے (یعنی کافر) اور ایک ہے جو بعد مندرج ہونے کے دوزخ سے رستگاری حاصل کر لگا۔ (یعنی صاحب کبیرہ) اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک بادشاہ نے ایک جماعت کو گرفتار کر کے ان میں سے بعض کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اور بعض کو صرف تعزیر فرما کر چھوڑ دیا۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر کہا کہ بادشاہ سب کے ناراض ہوواؤ۔ سب کو عقوبت فرمائی۔ یہ ہے حکم فرقائے ضالہ کا مطابق کتاب و سنت کے۔ اِنَّہٗ اَعْلٰکُمْ بِالْصُّوَابِ



# چھٹی فصل

## گناہ گاران اُمرت کے یہاں نہیں

مذہب اہل حق کا یہ ہے کہ صاحب کبیرہ سبب گناہ کے کافر نہیں ہوتا ہے کیونکہ ایمان و کفر دونوں دل کی صفتیں ہیں۔ اور ان میں سے کسی ایک کا محو ہونا بدو ثبوت و سکے کے محال ہے۔ یعنی ایمان دل سے محو نہیں ہو سکتا۔ جب تک دل میں کفر کا ہونا ثابت نہ ہو۔ اس طرح کفر کا محو ہونا بدو وجود و ثبوت ایمان کے غیر ممکن ہے۔ تو جب گناہ عمل جواح ہے۔ اور ایمان صفت دل تو جواح کے عمل سے دل کی صفت کیونکر محو ہو سکتی ہے۔ جس طرح کافر اگر بہ ظاہر نماز و روزہ وغیرہ کا پابند ہو اور دل سے اسلام کا معتقد نہ ہو۔ تو اس کو کبھی مومن نہیں کہہ سکتے، اسی طرح مومن اگرچہ جواح سے عمل بد کرتا ہے۔ مگر جب تک اس کا دل توحید و رسالت کا معتقد ہے۔ وہ ہرگز کافر نہیں ہو سکتا۔

## صاحب کبیرہ کی تکفیر مذہب جواح کا ہے

گناہ کے سبب بندہ کی تکفیر کرنا یہ مذہب جواح کا ہے۔ اور معتزلہ کا مذہب ہے کہ مرتکب کبیرہ نہ کافر ہے اور نہ مومن مگر اصحاب کبار کے حق میں خلود فی النار وہ وہ بھی جائز رکھتے ہیں۔ علمائے اہل سنت فرماتے ہیں کہ صاحب کبیرہ سے بسبب گناہ کبیرہ اسلام ایمان دور نہیں ہو سکتا۔ اور ان کے حق میں خلود فی النار روا نہیں جب کہ کسی مومن سے فسق سرزد ہوتا ہے۔ تو اس فعل کی نسبت سے اس کا نام مسلمان فاسق رکھ لیا جاتا ہے۔ اسلام کو اس سے الگ نہیں کرتے۔ اور دلیل یہ ہے کہ علمائے اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر قتل کے کفارہ میں بندہ فاسق کو آزاد کیا جائے۔ تو شرعاً جائز ہے۔ اور نص قرآن ہے۔ فَتَحْسِرُ

دَقَبَةُ مُؤْمِنَةٍ پس اگر ایمان و فسق میں منافات ہوتی۔ تو اجماع اُمت کبھی بندہ فاسق کے آزاد کرنے پر منعقد نہ ہوتا۔

یہ اعتقاد رکھتا بھی ناجائز ہے کہ صاحب کبیرہ بدگناہ کے ہمیشہ دوزخ میں رہیگا۔ کیونکہ نص قرآن سے ثابت ہے کہ شرک کے سوا تمام گناہ معاف کئے جاسکتے ہیں۔ اور اُن کا معاف کرنا خدا کی مشیت و مرضی پر موقوف ہے۔ چنانچہ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ مَنْ يُشْرِكْ بِهٖ شَيْئًا وَيَغْفِرُ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کا استثنا فرمایا۔ اور مادون اس کے سب کو اپنی مشیت کے حوالہ کیا۔ اس بیان کی توثیق اُن احادیث صحاح سے بھی ہوتی ہے۔ جن میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شفاعت کو اہل کبائر کے لئے فرمایا ہے۔ شَفَاعَتِيْ لَ اَهْلِ الْكِبَايِرِ مِنْ اُمَّتِيْ اور فرمایا ہے کہ ہر وہ شخص جس کے دل میں الٰہی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو دوزخ سے باہر آئیگا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سوائے اہل شرک کے ہمیشہ کوئی بھی دوزخ میں نہ رہے گا۔ علمائے اُمت کے درمیان یہ حدیث روشن ہے اور اگر اس کے افراد میں تو اتر نہیں پایا جاتا۔ مگر اُس کی جنس میں تو اتر ثابت ہے پس یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو مبین قرآن ہے اس طرح ثابت ہوا تو اب اس مسئلہ میں کوئی شک شبہ نہیں رہتا۔ معتزلہ اس آیت وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَدِّاۗ فَحَبْشًا مُّجْدَمًا جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا

الح اور سلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث صحیح وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لکل نبی دعوة مُستجابة فتجعل کل نبی دعوة واختیاراً دعوتی شفاعت لا متی یوم القیمة فہی نائِلہ ان شاء اللہ من مّات من اُمتی لا یُشْرک باللّٰہ ہر نبی کی ایک دعا ضرور مقبول ہوتی ہے۔ تو ہر نبی اپنی دعا میں جلدی کر چکا ہے۔ البتہ میں نے اپنی دعا شفاعت اُمت کے متعلق چھپا رکھی ہے تو وہ انشاء اللہ میری اُمت میں سے ہر ایسے شخص کو پہنچے گی جو ایسی حالت میں مر گیا ہو کہ اُس نے خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا ہو، اس سے بھی ثابت ہے کہ گناہ گاران اُمت اگرچہ اصحاب کبائر سے ہوں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے ضرور رہی جتنے جائیں گے ۱۲ من



کے ظاہر معنی سے تمسک کر کے صاحب کبیرہ کو دوزخی کہتے ہیں۔ اور ان کے حق میں  
خالد فی النار جائز رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ آیت مؤل ہے۔ اور اس کو ظاہر معنی پر  
حمل کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ کیونکہ اس صوۃت میں دونوں آیات کے درمیان  
تناقص ثابت ہوتا ہے۔ اور احادیث صحیحہ جو آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ الذَّنٰہَ کی  
تفسیر میں ہم تک پہنچی ہیں۔ اس کی ضد ہیں۔ اور علمائے اسلام کا مذہب ہے کہ جب  
دو ایسی آیتیں جن میں بظاہر تعارض ہو۔ اور ان کے درمیان تطبیق ممکن نہ ہو  
تو چاہئے کہ ایک آیت کو دوسری آیت پر اس طرح حمل کریں کہ جس میں تسہیل ہو  
اور دونوں معنی موافق آئیں۔ پس ان دو آیات میں مطابقت یوں ہو سکتی ہے  
کہ اگر خدا چاہے تو قاتل مستمدا کو سزا دے، اور اس کو دینج میں محذور رکھے، اسی وجہ  
پر اس کی تطبیق ممکن ہے۔ اور اسی طرح اس کا قبول کرنا واجب ہے تاکہ بیان  
آیات و احادیث کے توفیق ہو۔ اور ہم نے اسی وجہ کو اختیار کیا ہے۔ تاکہ کوئی  
آیت معطل نہ ہے۔ لیکن مفسرین نے اس آیت کی مراد میں اختلاف کیا ہے بعض  
کہتے ہیں کہ اگر یہ آیت ظاہر میں بمومیت رکھتی ہے۔ مگر حقیقت میں خاص  
اُس شخص کی شان میں ارد ہے۔ جو مرتد ہو گیا ہو۔ اور بعد از مداد اُس نے کسی دین  
کو عمداً قتل کیا ہو۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قاتل مستمد سے وہ شخص مراد ہے جو قاتل  
قتل ہو۔ لیکن ہمارا معمول خصوص پر ہے۔ اسی اسطے ہم نے ایسے معانی کئے جو  
دونوں آیات میں مطابقت رکھتے ہیں۔

صاحب کبریا کے اعمال ضبط نہیں ہوتے !

اور مذہب اہل حق کا یہ ہے کہ گناہ کبیرہ سے اعمال صالحہ ضبط نہیں ہوتے  
اس لئے کہ جب تک اصل ایمان باقی رہے۔ اس کا عمل ہرگز ضائع نہیں ہو سکتا  
رب ایمان و فسق میں حسب صورت مصرعہ یا لافرق ظاہر ہے کہ تو اسی طرح اعمال  
صالحہ اور اعمال بد میں بھی فرق ضروری ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ معصیت  
صفات کو باطل نہیں کرتی۔ بلکہ اس پر غالب آکر معصیت کو باطل و محو کر دیتی  
ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ الشَّيْئَاتِ اِیْمَنِ

پر دلالت کرتی ہے۔ اور حدیث صحیحہ میں ارادہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت میں سب سے زیادہ مفلس وہ ہے جو قیامت میں روزہ، نماز و زکوٰۃ وغیرہ اعمال صالحہ لیکر آئے گا۔ اور ایک ایسا شخص بھی رواد خواہ کی صحت میں، اُس کے ساتھ ہوگا۔ جس کو اُس نے گال دی ہوگی۔ اور قذف کیا ہوگا۔ اور اُس کا مال کھایا ہوگا۔ اور خونریزی کی ہوگی۔ اور اس کو مارا ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ مظلوم کی بدیاں اُس کو دے دیگا۔ اور ظالم کی نیکیاں مظلوم کو عطا فرمائے گا۔ یہ حدیث اس پایہ کی ہے کہ علمائے نقل کے درمیان اس حدیث کی صحت میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ گناہان کبیرہ عمل نیک کو برباد نہیں کرتے۔ اس واسطے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مفلس مذکور نماز و روزہ نیک اعمال اپنے ساتھ لے کر قیامت میں آئے گا۔ اور اُس کے ساتھ ایسا شخص بھی ہوگا۔ جس پر اُس نے مذکورہ بالا مظلوم کئے ہونگے۔ ظاہر ہے کہ مظلوم گناہان کبیرہ ہیں۔ پس اگر گناہ کیا تو اسے نیک عمل برباد ہو جاتے تو اُس کی نیکیاں باقی نہیں رہتیں۔ پھر مظلوم کو کیا دیا جاتا ہے۔ اور قرآن کریم میں جس جگہ ضبط عمل کا ذکر ہے۔ تو اُس سے مراد کافر ہیں۔ اور حدیث میں جو ضبط عمل کی اصطلاح اہل ایمان کی طرف کی گئی ہے۔ جیسا کہ مَنْ شَهِدَ الصَّلَاةَ الْعَصْرَ تو مراد اس سے یہ نہیں ہے کہ اُس کے نیک عمل برباد و ضبط ہو جائیں گے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر وہ نماز عصر کو نہ چھوٹا تو اُس کا ثواب اس کو بہت کچھ پہنچتا۔ اب جب اُس نے ایسا نہیں کیا تو وہ ثواب سے محروم رہا۔ گویا وہ ایسے شخص کی مانند ہو گیا۔ جس کے عمل ناچیز ہو گئے ہوں۔ اس حدیث کی تاویل سولے اس کے نہیں ہو سکتی۔ اسی تاویل سے دوسرے اصول قائم رہتے ہیں۔

## مرتد کے باب میں علما کا اختلاف

مرتد کے باب میں جو علمائے اسلام کا اختلاف ہے کہ اُس کے عمل، مرتد ہوتے ہی ضبط ہوتے ہیں۔ یا اُس وقت جب وہ ارتداد کی حالت میں مر جائے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رت مشکہ یوں ہے کہ اگر عیاذاً باللہ کوئی



مسلمان مرتد ہو جائے۔ اور پھر اسلام لائے۔ تو اُس کے وہ نیک عمل جو اُس نے قبل ردت کے حالت اسلام میں کئے ہیں۔ ضبط ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا نہیں ہے۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَنْتَلِ ذِمَّتَكَ صَنِّ دِيْنَهُ قِيَمَتٌ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط اس آیت میں ضبط اعمال کو موت کے ساتھ مشروط فرمایا ہے۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے۔ اور اسی ارتداد کی حالت میں مر جائے تو وہ کافر ہے۔ پس وہ ان لوگوں سے ہے جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ضبط ہو چکے ہیں۔

ان ہر دو امامین کے خلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص حالت اسلام میں حج بجالایا۔ پھر مرتد ہو گیا اُس کے بعد پھر ایمان لایا۔ اور اُس کو استطاعت حج ادا کرنے کی ہے۔ تو اُس پر حج کرنا فرض ہو جائے گا۔ اس واسطے کہ اُس کا پہلا حج بوجہ ارتداد کے ضبط ہو گیا۔ اگر گناہ کبیرہ محبط اعمال ہوتا۔ تو علمائے اسلام سے مرتد کے باب میں یہ حکم منقول نہ تھا۔ بیشک قول خوارج کا نتیجہ ہے۔ جو گناہ کے سبب بندہ کو کافر کہتے ہیں اور معتزلہ نہ اُس کو کافر کہتے ہیں نہ مومن بلکہ درمیان میں ایک منزلت اور واسطہ قائم کرتے ہیں۔ ہم نے ان دونوں فرقوں کے تاویلات کی تردید کر دی۔ وہ کہ گناہ کبیرہ محبط عمل نہیں۔ اور یہ کہ بندہ بسبب گناہ کے کافر نہیں ہوتا۔ بلکہ مومن رہتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ مومن فاسق کہہ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بندوں کی دو ہی قسمیں کی ہیں۔ چنانچہ فرمایا هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيْرٌ یعنی اللہ کی وہ ذات پاک ہے جس سے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم میں سے بعض کافر ہیں۔ اور بعض مومن۔ اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

# ساتویں فصل

## چند بدعتوں کے بیان میں مع انہی جواب کے

اہل حق کا مذہب ہے کہ اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ خدا پر بندوں کی اصلاح و بہبود پر نگاہ رکھنا واجب ہے ہم کہتے ہیں کہ واجب کسی واجب کرنے والے کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔ تو خدا سے مافوق اور برتر ایسا کون قادر ہے جو خدا پر کسی چیز کو واجب کرے؟ وہ کہہ کر یہ کہ ترک واجب پر واجب علیہ کو ملا مرت یا عقوبت ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ پر ایسا کون قادر ہے جو ترک واجب پر ملا مرت کرے۔ پھر اس کی ذات پاک اس سے منترہ و متعالی ہے کہ وہ مستحق ملا مرت و عقوبت ہو، تعالیٰ شانہ علو کبیر۔ حقیقت یہ ہے کہ اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔ وہ مالک مختار ہے۔ اپنے بندوں کے حق میں اس نے جو چاہا کیا۔ کسی کو مجال نہیں کہ اس کے متعلق اس سے سوال کرے کہ تو نے کیوں کیا۔ اور کیا کیا۔ لہ یَسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُد يُسْأَلُونَ لِمَا

اس قول کی بنا پر معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ نیک کو ثواب اور بد کو عذاب دینا خدا پر واجب ہے۔ مگر ہمارے نزدیک سے خدا تعالیٰ کی ذات پر کچھ واجب نہیں ہے۔ چنانچہ بیان ہوا۔ لیکن حدیث شریف میں جو اس قسم کے الفاظ آئے ہیں۔ حَقُّ عَلٰی اللّٰہ اور مَا حَقَّ الْعِبَادُ عَلٰی اللّٰہ تو یہ الفاظ مآذِل ہیں۔ ان کی تاویل صفات ربوبیت کے مناسب مطابق کرنا چاہئے۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ اوپر کے الفاظ میں خدا پر حق ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ انجاء وعدہ میں مبالغہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ وعدہ کی وفا اللہ کے نزدیک ایسی ہے۔ جیسے تمہارے نزدیک کسی امر واجب کا بجالانا۔ اور یہ جو فرمایا حَقَّ الْعِبَادُ عَلٰی اللّٰہ یعنی جب بندہ اللہ تعالیٰ

لہ خدا کے فعل کا اس سے سوال نہ ہوگا۔ اور لوگوں سے ان کے افعال کے متعلق پوچھا جائیگا۔



حکم کے مطابق کام کرتا ہے۔ تو مستوجب ثواب ہوتا ہے۔ لہذا اس ثواب کو جزائے حق تم ہے۔ لفظ حق سے یاد کیا۔ اسی طرح جس کا نکر کو نکر سے اور جس کا خداع اور استہزاء کو لفظ خداع اور استہزاء سے حالانکہ ان الفاظ میں سے کسی ایک کو خدا پر اطلاق کرنا رو نہیں مگر اسی طریق پر جس کے موافق قرآن مطلق ہے۔ وَیَمْکُرُونَ وَیَمْکُرُ اللّٰهُ اور یُخَادِعُونَ اللّٰهُ وَهُوَ خَادِعُهُمْ اور اللّٰهُ یَسْلُتُھُنَّ وَبِھُمْ پس ان دلائل سے ثابت ہے کہ خدا پر جزائے محسن اور سزائے مستبی و مذنب واجب نہیں ہے۔ ہاں اس نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ نبی کے روں کو نیکی کی جزا عطا فرمائے گا اور اس کا وعدہ سوائے صدق کے نہیں ہوتا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِی الْمِیْعَادِ اِسی طرح بدکار لوگ اپنی سزائے اعمال کو ضرور پہنچیں گے۔ کیونکہ وہ جسم و لطف کے قابل نہیں۔ اس دلیل سے کہ خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ میں اُن کی مغفرت نہ کروں گا ہے گنہگار ان اہل ایمان تو اُن سے عذاب کی تخفیف اور اُس سے تجاوز عقلاً و شرعاً جائز ہے۔ اس بارہ میں یہ دلیل کافی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ مَنْ یُّشْرِکْ بِہٖ شَیْئًا وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ مَوْسِرِیۡۤ اَیۡتِ قُلْ یَا عِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ دَحْمَتِ اللّٰهِ اور یہ ظاہر ہے کہ مراد عبادِ ذی سے اہل ایمان ہیں۔ حامل معنی یہ ہیں کہ میرے اُن بندوں سے جو اپنی جاتوں پر اسراف کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔

نیز اس باب میں احادیث کثرت سے وارد ہیں۔ اور اُن کے معنی اس قدر صاف ہیں کہ اُن میں کسی تردد و تاویل کی گنجائش نہیں۔ یہ تو شرع کی رو سے ہے۔ ہاں عقلاً اہل حق کا مستحسن پسندیدہ ہونا تو وہ ظاہر ہے کہ جب بندہ موحّد ہے اور توحید و رسالت کا معتقد و معترف اور یہی بات یعنی خدا اور رسول پر ایمان لانا اہل طاعت ہے۔ اب وہ خدا کی وحدانیت اور پیغمبر کی رسالت، روزِ آخرت، بعد الموت وغیرہ ضروریات دین کا تو دل سے معتقد ہے۔ لیکن دوسرے عبادات شرعی اتباع

اے بیشک اللہ اس شخص کی مغفرت نہیں کریگا جس نے کسی چیز کو اُس کا شریک بنایا۔ اور اُس کے سوا جس کو چاہے بخش دے۔

او امر و احتراز تو اہی میں اُس سے متابعت ہو۔ اور شہوت کی ہوتی ہے پس بے نیکی و فساد  
اُس پر غلبہ پا کر اس کو پابندی احکام خداوندی سے باز رکھتی ہے پس ایسے شخص کے  
گناہوں سے تجاوز اور اُس سے تخفیف عذاب اقتضائے کرم سے ہے۔ اور وہ ہر  
حالت میں محمود ہے جب تک اصل ایمان اُس کے دل میں ہرگز ہٹتا ہے۔ اس لئے کہ عید  
میں تخفیف تو باب ظن سے ہے۔ اور نہ بعید طریق حکمت سے ۔

## مسئلہ تحسین و تقبیح

(معتزلہ کے خلاف اہل حق کا ایک مسئلہ یہ ہے) کہ تحسین و تقبیح میں عقل کو  
کوئی دخل نہیں۔ نیک کام وہی ہے جس کی تحسین شرع کرے۔ اسی طرح بد کام ہے۔  
جس کی تقبیح شریعت کرے۔ عقل کو بد و نالالت شرع کے خطر و ایاحت کی  
شناخت میں کوئی سبیل نہیں۔ کیونکہ اگر عقل مدار تحسین و تقبیح ہوتی تو اللہ تعالیٰ  
عقل کی مخالفت پر عذاب کرتا۔ اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت پر عذاب صلیق نہ  
ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا  
یعنی ہم کسی پر عذاب نہیں کرتے۔ جب تک اُس پر رسول نہ بھیج دیں۔ اور معرفت  
صانع اور حدوث عالم کی بوجہ حسن بجز طریق انبیاء کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے  
کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ فرماتے ہیں۔ اور بد و نالالت شرع کے اصل کا پتہ منظر ہے۔  
لہذا اسما و صفات احکام باری تعالیٰ انبیاء ہی کے توسط سے بندوں کو پہنچتے  
ہیں۔ اور جو کچھ بندوں پر امر و نہی کی قسم واجب ہوتا ہے۔ وہ بھی انبیاء ہی  
کے توسط سے ہاں عقل محبت الہی ہے کہ اُس کے سبب بندوں پر تکلیف وارد ہوتی  
ہے۔ اور اُس کے نہ ہونے کی حالت میں تکلیف بھی اٹھالی جاتی ہے۔ اور یہی عقل  
شرعیہ کی تحسین کی ہوتی۔ چیز کے نیک سمجھنے اور تقبیح کی ہوتی۔ چیز کے بد سمجھنے  
میں ایک دلیل اور آراء ہے۔ اگر صرف عقل کی تحسین و تقبیح پر مدار کار ہوتا۔ تو ہر  
عقل اس بات کو کیونکر پسند کرتی کہ دین کی خاطر ماں باپ کو قتل کر دیا جائے  
یا صرف ایک نیا ریا اُس سے کم مقدار چیز کے پڑانے میں چور کے ہاتھ کاٹ  
دئے جائیں ۔



## سوال منکر و کبر

ایک مسئلہ یہ ہے کہ منکر و کبر کا سوال اور عذاب قبر حق ہے چنانچہ احادیث صحاح سے ثابت ہے۔ اکثر معتزلہ اس کے منکر ہیں۔ اور شبہات وارد کرتے ہیں۔ اس مسئلہ کے باب میں ان کے شبہات کا جواب دینا ہم غناوت قتیبتے ہیں۔ اس لئے کہ جو شخص مسلمان ہے۔ وہ ان تمام باتوں کا معتقد و معترف ہے جو متوسط نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس کو پہنچی ہیں۔ عذاب گور کے متعلق یہ آیت کافی ہے۔ **النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ**۔ اس کے سوا دوسری آیات بھی ہیں جن سے بطریق تاویل عذاب گور کا اثبات ہوتا ہے۔ جس میں کسی قسم کے شبہ کو گنجائش نہیں۔ ایسا ہی منکر نکیر کے سوال کے ثبوت میں احادیث وارد ہیں۔ نیز اس کا علم اہم سابقہ سے مستفیض ہے۔ یا اخبار تو اتر کہ اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ اس سے قہری انکار کر سکتا ہے۔ جس کو اپنی عقل جزئی پر اخبار انبیاء سے زیادہ وثوق ہو۔

## جنت و دوزخ موجود و مخلوق ہے

ایک مسئلہ یہ ہے کہ جنت و دوزخ مخلوق اور موجود و معد ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ جزائے وقت جنت و دوزخ پیدا کی جائے گی۔ اس باب میں معتزلہ پر نصو قرآن و احادیث صحاح حوحد تو اتر کو پہنچتی ہیں۔ حجت ہیں۔ چنانچہ فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے **وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا** ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری زوجہ جنت میں ہو۔ اور اس میں سے جو چاہو کھاؤ۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں مراد جنت سے وہ باغ ہے جس میں آدم و حوا اور ابلیس رہتے تھے۔ نہ جنت الخلد۔ جواب یہ ہے کہ قرآن شریف میں آدم کی جنت کا ذکر متعدد جگہ آیا ہے۔ اور ہر جگہ اس جنت کو الف و لام سے یاد کیا گیا ہے۔ اور یہ ٹھیک نہیں کہ جو چیز معبود نہ ہو۔ اس کو الف و لام سے یاد کریں پس ثابت ہو کہ مراد اس سے جنت معبود ہی ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ نے حضرت





اُمت کافی ہے۔

## مسئلہ شفاعت

ایک مسئلہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت اہل کبار کے حق میں ثابت و جائز ہے۔ اور آپ نے وعدہ فرمایا ہے کہ میری شفاعت ہر ایسے شخص کو پہنچے گی جس نے خدا کے ساتھ شریک نہ کیا ہو۔ اور جس شخص کے حق میں مغفرت جائز ہے۔ اُس کے حق میں شفاعت بھی جائز ہے۔ اور ہم اس بات کو اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اہل کبار دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہے۔ اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے۔ اور اگر ان کو عذاب کرے تو وہ عذاب مخلد نہ ہو۔ بلکہ وہ درج سے نجات پائیں۔ یا جو دیکھ وہ گناہوں پر مصر تھے۔ اور قرآن میں اراد ہے مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ اللَّهِ لَا يَافِئُ ذِيْقِمْ وَهُوَ شَفَاعَتِ جِسْمٍ كِي اجازت نہ ہوگی۔ وہ اہل شرک کی شفاعت ہے۔ چنانچہ ان کی بات فرمایا قَدْ تَنفَعُ عَنْهُمْ إِفْعَةٌ الشَّفَاعَةِ لِنَفْسِهِمْ الشَّفَاعَةُ لِنَفْسِهِمْ ان کی شفاعت کی نفی اس لئے ہے کہ وہ دنیا سے حالت کفر میں گئے ہیں۔ اور یہی اصل ہے۔

اثبات شفاعت کی ان لوگوں کے حق میں جو دنیا سے با ایمان گئے ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ نے فرمایا کہ شفاعت خدا کی کتاب میں مبین روشن ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ کہ ان کو فہم کرنے والوں کی شفاعت نفع نہ دیگی۔ شفاعت کی حدیث کو کبار صحابہ نے روایت کیا ہے جن میں خلفائے راشدین، عقبہ ابن عامر، ابوسعید خدری، ابو ہریرہ، ابوالاکاف ابن مالک، الاسعجی، مقداد ابن معدیکرب، اور عبد اللہ ابن الجعداء رضی اللہ عنہم اہمیں شامل ہیں۔

نیز حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما نے حضرت رسول کریمؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا شفاعتی لا ھل الکبار من امتی ان دلائل و اصحابہ اور اتفاق قرن اول کے بعد اثبات شفاعت کے خلاف (مقتزلہ) کو کوئی متک نہیں رہا۔ خصوص اس صورت میں کہ متکرمین



شفاعت اس بات کے مستند ہیں کہ عقل جس امر کی تحسین کرے۔ وہ حسن ہے۔ اور عقل جس بات کی تفتیح کرے۔ وہ فحش ہے۔ یعنی مدار تحسین و تفتیح عقل ہی ہے۔ پھر شفاعت کیونکر ناجائز ہو سکتی ہے۔ کیونکہ عقل خود اس بات کو پسند کرتی ہے کہ اگر مومن صادق طاعت گزار توجہ و رسالت اپنے گناہوں میں لکھڑا ہوا قصور مند خدا کے پاس آئے۔ تو چونکہ اہل طاعت یعنی ایمان اس میں موجود ہے۔ پس اس کو گناہوں سے درگزر ہی پسندیدہ ہے۔ اور اس کا غلہ فی النار ہونا کسی صورت میں عقل کے نزول کے مستحسن نہیں ہے۔

## مسئلہ اثبات کرامت

ایک مسئلہ اثبات کرامت کا ہے۔ نیک و صالح بندگان خدا کے حق میں۔ اور اس کی حقیقت تسبیل حال مکلف ہے (یعنی مکلف صالح کو افعال شارق عادت کو ذلیعہ اپنے کام میں آسانی اور سهولت ہوتی ہے) ایسے شارق عادات کے ذریعہ کہ مثل اس کے معبود اور معمول غلائق نہ ہو۔ جیسے ہوا پر اڑنا۔ پانی پر چلنا۔ ایسے مقامات پر بے تکلف نکل جانا جو دروازہ یا منفذ نہ رکھتے ہوں۔ تھوڑے وقت میں مسافت دور و دراز کا طے کرنا۔ ضرورت کے وقت کھانے پینے کی چیزیں غیب سے مہیا کرنا۔ سبح حیوانات وحشی اور موزیات کو مسخر کرنا۔ یہ اور ان کی نسبت دوسری چیزیں تمام شوارق و عادات سے ہیں۔ معتزلہ اور اکثر متکلمین اس کے خلاف ہیں اور ایسی باتوں کو جائز نہیں رکھتے، اور اس پر شبہ وارد کرتے ہیں کہ کرامت کا جواز صاحبین کے حق میں مفضی ہوتا ہے۔ التباس معجزات اور دلیل نبوت کو پھر کرامت معجزہ میں فرق و تمیز کیونکر ہو سکتی ہے۔ پس اگر غیر انبیاء سے ایسی باتیں دیکھی جائیں۔ تو وہ چشم بندی اور شعبہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ لیکن صالح بندوں سے جو کرامت صادر ہوتی ہے۔ وہ صرف علت ہے جو خدا تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ اور اس کی اجابت کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسے پانی پر سنا وغیرہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اثبات کرامت عام لوگوں کے حق میں روا

۱۔ اس بحث کو ہم نے اسی کتاب کے مسئلہ میں بڑی شرح و بے طے بیان کیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۲

نہیں کہتے، یعنی یہ نہیں کہتے کہ نیک و صالح و طالح صادق و کاذب سب سے  
 کرامت کا صادر جائز ہے تاکہ اس سے کوئی شبہ یا مغلطو نہ پیدا ہو، اور دعویٰ اس  
 حجت کر لے۔ بلکہ ہم صدور کرامت ایسے بندوں کے حق میں ثابت کرتے ہیں۔ جو  
 برگزیدگان جناب الہی ہیں اور جن کی ولایت اتباع نبوی اور کامل تہذیب و شریعت  
 انبیاء علیہم السلام سے دار ثبوت کو پہنچی ہے۔ ایسے ولی کرم سے افعال حسان و  
 عادات کا صادر ہونا اس کی تمام بزرگواری اور نیز اس امر کی کامل دلیل ہے کہ وہ  
 پورے طور پر شریعت انبیاء کا تابع اور ارشاد و تلقین کا اہل اور پیغمبر صلی اللہ علیہ  
 وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کا مستحق و مؤید ہے۔ اس صحت میں لی موصوفت  
 میطیع شریعت و نبوت حقیقت میں نبی کے معجزات کا مؤید اور مصدق ہو جاتا ہے  
 نہ مدافع و مناقض۔

ایک بات یہ ہے کہ کرامت ایک ایسا امر ہے جو بر سبیل حجت و ارادت صادر  
 نہیں ہوتا۔ اور معجزہ بر سبیل نجات برہان نبوت بروقت متحدی صادر ہوتا ہے اور  
 دعویٰ نبوت کے بعد پیش کیا جاتا ہے۔

اثبات کرامت کی دلیل ایک تو حضرت مریم علیہ السلام کا قصہ ہے جو  
 قرآن کریم میں مذکور ہے فَخَلَّاهَا وَنَحْلًا عَلَيْهَا ذُكِّرْتُهَا الْمَحْصَاتِ وَحَبَدًا  
 عِندَ هَارُوتَ قَالَ يَا مَرْيَمُ إِنَّكِ لَكِ هَذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ  
 اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ یعنی جب فرمایا حضرت  
 مریم کے پاس جو مہراب میں تھیں آئے۔ اور ان کے پاس رزق رکھا ہوا دیکھا۔ تو چھا  
 لے مریم تمہارے پاس یہ کہاں سے آیا۔ مریم نے کہا اللہ کے پاس سے بے  
 شک اللہ جس کو چاہتا ہے۔ بے حساب رزق دیتا ہے۔ تو جب ایک عورت ذات  
 سے ایک بی بی نرمل گئے حضور ایسی کرامت ظاہر ہو کہ انہیں غریبے طعام و فواکھ  
 پہنچیں۔ یا وہ دیکھ کسی شخص کو ان تک پہنچنے کی کوئی دلیل نہ ہو۔ اور پیغمبر اس کو  
 دیکھ کر تعجب کرے۔ اور آگاہ نہ ہو کہ یہ کھانا انہیں کہاں سے پہنچا تو کیا ممکن  
 نہیں ہے کہ اس خیر المسموع کسی برگزیدہ حق سے اس قسم کی کرامت  
 ظاہر ہو۔



دوسری دلیل حضرت سلیمان علیہ السلام کے صاحب (حضرت آصف برقیہ) کا قصہ ہے کہ انہوں نے کہا میں پاک چھپکانے کے پہلے تمہارے سامنے تخت بنفیس کو لا کر حاضر کروں گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ قرآن کریم میں مذکور ہے قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ حِلُّهُ مِنَ الْكِتَابِ أَتَمَّا اتَّيْتُكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَنْتَدِيَ إِلَيْكَ طَرَفُكَ ۖ

تیسری دلیل قصہ اصحاب کھف کی ہے۔ جو چند عجائب واقعات پر مشتمل ہے۔ اور وہ بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ (دیکھو سورہ کھف) ۱۰۔ اس باب میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے زمانہ مبارک میں اور نیز آپ کے بعد اتنی کرامات ظہور میں آئی ہیں کہ اگر ہم ان سب کو نقل کریں تو کتاب میں خاص ضخامت پیدا ہو۔ ان میں سے ایک حدیث عباد بشر اور سید حسری کی ہے کہ شربتا ریک میں ان کی عصا ایسی ہو گئی جس کے سہا سے وہ اپنے گھڑ تک پہنچ گئے۔ اور اسی طرح حدیث طفیل موسیٰ کی کہ روشنی سے سحر زانو تک معلق تھی۔ اسی طرح ام امین کی حدیث میں ہے کہ وہ ہجرت کر رہی تھیں۔ رستہ میں جب ان پر تشنگی غالب ہوئی۔ تو ان کے لئے آسمان سے ایک ڈول پانی کا بھرا ہوا نیچے آیا اور انہیں جرعہ جرعہ پانی پلاتا رہا۔ جب وہ سیر ہو گئیں۔ تو ڈول اٹھا لیا گیا۔ اسی کی مثل ام شریک سے بھی مروی ہے ۱۱۔

حضرت ابو بکرؓ کا قصہ مروی ہے کہ آپ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا۔ هُمَا اخْرُكَا وَ اخْتَاكَا حَالَا تَكَا اُس وقت حضرت عائشہ کی ایک ہی بہن تھیں۔ اور ان کی والدہ حاملہ تھیں۔ انہیں حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد لڑکی ہوئی ۱۲۔

حضرت عمرؓ کا قصہ ہے کہ ایک شخص ساری نامی تھا وند میں میر لشکر تھا۔ اور حضرت عمرؓ مدینہ میں تھے کہ آپ نے یکایک فرمایا یا سَارِيَّةُ جَبَلُ الْجَبَلِ اتنی فستا بعیدہ سے حضرت ساریہؓ نے اس آواز کو سنا۔ اور دشمن کا مکین لگائے ہوئے

۱۰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان دونوں واقعات کو ہم بالتفصیل تکمیل میں بیان کر دیا ہے ۱۱ دیکھو تکمیل ص ۱۰۰ کتاب ہذا ۱۲



پھاڑ کی آڑ میں بیٹھا تھا۔ اس آواز کو سنتے ہی سر اٹھ لگا لیا۔  
 نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریائے نیل کو ایک قند لکھا جس کی عبارت  
 یہ تھی۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنْ عِیْدِ اللّٰهِ عَمْرٍا مِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ  
 اِلَى نِیْلِ مِصْرٍ اَمَا بَعْدُ اِنْ كُنْتَ تَجْرِیْ بِاَمْرِكَ فَاجْتَسِرْ لِحَاجَتِهِ  
 لَنَا فِیْكَ وَاِنْ كَانَ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ اَجْرًا لِّبَلَطْفِهِ وَفَتْحِ سِرِّهِ  
 فَاجِرٌ مَا جَسَرَیْ وَالسَّامِعُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی اَیُّ شَیْءٍ فَرَمٰی اِیْنَ  
 كُوْنِیْلٍ مِّنْ ذٰلِ دِیْنٍ۔

حضرت علی الحصرمی کی حدیث بھی اس قسم کی ہے کہ انہوں نے شکر  
 اسلام کو دریا میں ڈال دیا۔ اور عجیبی جو بھاگ رہے تھے ان کا تعاقب کیا۔ آپ نے  
 گھوڑے کو پانی میں ڈالتے ہوئے فرمایا کہ کسی کی کوئی چیز پانی میں گر جائے تو  
 تو مجھے اطلاع دے۔ ایک شخص نے فرمایا کہ میرا کاسہ چوبین گر پڑا ہے چنانچہ  
 آپ نے نیزہ کی نوک سے اس کا پیالہ نکال دیا۔

حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں بطریق صحت نقل  
 ہے کہ آپ نے سم ساعۃ (وہ زہر جو فوراً ہلاک کر دے) تناول کیا لیکن بفضل خدا  
 آپ پر اس کا مطلق اثر نہیں ہوا۔ غرض صحابہ تابعین اور صحابہ کرام سے  
 اس قسم کے اکثر کرامات ظاہر ہوئی ہیں۔ جن کا احصار دشوار ہے۔ بعد ازاں  
 امت نے ان کو جمع بھی کیا ہے۔ پھر بھی بہت سے واقعات نقل و درج سے  
 مانگے ہیں۔ باوجود ان دلائل و براہین کے کرامت سے انکار کرنا سوائے نادان  
 اور خواری ہر دو جہان کے اور کیا ہے۔ نعوذ باللہ۔

## معدوم شے نہیں ہے

ایک ملحد یہ ہے کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ معدوم شے ہے۔ اہل حق کا مذہب ہے  
 کہ معدوم کوئی چیز نہیں۔ معتزلہ اپنے قول سے بہت سے شبہات وارد کرتے ہیں  
 ہمیں ان سب کو نقل کرنے کی حاجت نہیں۔ ان کا جواب صرف یہی کافی ہے کہ  
 ہم کہتے ہیں خدا کا قدم میں منفرد ہونا دلائل قاطع اور حجج ساطع سے ثابت ہے

اور تمہارے قول سے لازم آتا ہے کہ خدا کے ساتھ کوئی اور شے بھی ہوگی۔ اس سے عالم کا قدم لازم آتا ہے۔ اور یہ باطل محض ہے۔ معتزلہ اس آیت سے تسک کرتے ہیں کہ اِشْمَا تَوَلَّوْنَا شَيْئًا اِذَا ارَدْنَا اَنْ نَّقُوْلَ كُنْ فَيَكُوْنُ جواب یہ ہے کہ اس کو شے اس واسطے کہا کہ آئندہ شے ہوگی۔ گویا تقریر آیت کو اس طرح ہے اِنَّمَا قَوْلُنَا اِذَا ارَدْنَا يَكُوْنُ شَيْئًا پس یہ آیت اور اس قسم کی دوسری آیات تفہیم مطلق کے لئے اس طرح آئی ہے کہ مجازاً اس کو لفظ شے سے یاد کیا جاتا کہ سمجھ میں آجائے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ فرمایا ہے کہ معدوم شے نہیں ہے چنانچہ قَدْ خَلَقْنَاكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْئًا اور فرمایا۔ اَوَلَمْ يَكُنْ اِلٰهًا لِّنَّاسٍ اِنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْئًا اگر کہا جائے یہ تو ایسی چیز سے خبر دی ہو جو اس سے پہلے نہ تھی۔ جیسے فرمایا هَلْ اَتَىٰ اَعْلٰی الْاَشْاٰنِ حَبِیْبٌ مِنَ الدَّٰثِرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا جواب یہ ہے کہ بغیر وجود دلیل کے نص کو حقیقت سے مجاز کی طرف لے جانا کوئی قاعدہ نہیں ہے۔ یہاں نہ تو کوئی دلیل موجود ہے۔ اور نہ مجاز پر کوئی عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ تمہارا تسک بے دلیل مجاز پر ہے۔ اس لئے کہ ظاہر آیات شہادت ہوتی ہیں۔ اور تمہارے تسک پر مجاز سے عالم کا قدم لازم آتا ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے اس علم سے کہ فلاں شے زمانہ آئندہ میں ہوگی۔ اس شے کا ہونا لازم آتا ہو تو ماساپڑے گا کہ خدا کی اس دانست سے کہ فلاں جسم زمانہ آئندہ میں وجود میں آئے گا۔ تو اس کی صحت کا ہونا لازم آئے۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے۔ جس کو کوئی ذی عقل تسلیم نہیں کرے گا۔ پس ثابت ہوا کہ معدوم کوئی شے نہیں ہے اور کسی چیز کو شے اسی وقت کہہ سکتے ہیں۔ جب وہ وجود میں آجائے۔ قبل وجود کے معدوم کو ہرگز شے نہیں کہہ سکتے۔



# فصل اٹھویں

## جواز و اثبات نسخ آیات میں اور بعض مسائل و فرض

### کی تردید میں

نسخ سے مراد یہ ہے کہ پہلے حکم کو دوسرے حکم کے ذریعہ اٹھا دیا جائے اور نسخ  
یا کتاب سے ہوتا ہے یا سنت سے۔ اور سوائے انبیاء علیہم السلام کے نسخ کسی دوسرے کے  
بیان سے نہیں ہو سکتا نسخ کوئی جدید بات نہیں ہے بلکہ آدم علیہ السلام سے حضرت  
خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ تک تمام شریعتوں میں نسخ پایا جاتا ہے اسی طرح  
ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں نسخ موجود ہے۔ پھر یہ بھی یاد رکھو کہ نسخ  
احکام جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بقا کے ساتھ مشروط تھا۔ آپ کی وفات  
کے بعد مرتفع ہو گیا۔ انقراض عالم تک (یعنی اب قیامت تک خدا اور رسول کے حکم  
میں نسخ نہیں ہو سکتا۔ یہ اس لئے کہ نبوت آپ کے بعد ممکن نہیں۔ اور جب نبی کا ہونا  
امکان نہیں رکھتا۔ تو نسخ بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ نبی ہی کے خبر و بیان سے ہو سکتا  
تھا۔ دوسرے یہ کہ آنحضرت کی شریعت مکمل اور کامل شریعت ہے۔ اور قیامت تک تمام  
زمانوں اور حالتوں اور ملکوں کے موافق۔ پس جب نسخ کی ضرورت ہی نہیں۔ تو نسخ کیونکر  
ہو سکتا ہے۔ لہذا آنحضرت کی وفات کے بعد نسخ بالکل ناجائز اور غیر ممکن ہے) اس  
واسطے کہ آپ کے بعد کوئی شریعت نہیں ہوگی۔ نسخ کے منکر یہودی ہیں۔ اور منع نسخ  
میں ان کے مذاہب مختلف ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک کورہ بالا نسخ جائز اور مشرعاً  
مستحسن اور از روئے عقل بھی درست ہے۔

### جواز نسخ کے دلائل

جواز نسخ میں یہ دلائل کافی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم



کیا تھا کہ اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بیٹے کے ساتھ کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا۔ بعد ازاں  
 ممنوع ہو گیا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم کو فرمایا کہ اپنے بیٹے کو قربان کر یہ بھی اُن کے  
 بعد منع ہو گیا۔ اسی طرح دو خواہر بن جمع کرتا حضرت یعقوب کی شریعت میں جائز تھا  
 مگر موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں حرام ہو گیا۔ اور نیز حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت  
 میں چرنے والے حیوانات مباح تھے۔ اور حضرت یعقوب نے اونٹ کا گوشت اپنے اور  
 حرام کر لیا تھا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اکثر حیوانات حرام ہو گئے۔ یہ  
 تمام بیان طریق شرع سے اُن پر حجت ہے۔ لیکن یہودی موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی  
 نسخ کے معتقد نہیں۔ کیونکہ وہ اس امر کے قائل ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد  
 کوئی جدید شریعت ہی نہیں۔ بلکہ انہیں کی شریعت کو کمال شریعت اور اس کے احکام  
 کو تائید مت باقی و جاری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ تورات وغیرہ کتب لافسوس ثابت ہے کہ  
 موسیٰ علیہ السلام نے کبھی اپنی شریعت کو آخر شریعت اور خود کو آخر انبیاء نہیں کہا۔ ہے۔  
 بلکہ انہوں نے اپنے بعد کے آنے والے انبیاء کی خصوصیات جناب نبی آخر الزماں صلی اللہ  
 علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے کی بشارت دی ہے۔ ہمیں کہ ہم باب گذشتہ میں بیان  
 کر چکے ہیں) اہل ایمان نے نسخ کا ثبوت کتاب سنت سے کیا ہے۔ اور اس کو عقلاً و تجرباً  
 جانا ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ جس طرح کسی حکم کا اثبات حکیم سے بر حسب صحت پایا جاتا  
 ہے۔ اسی طرح اس حکم کا اٹھا دینا بھی حکیم کی صحت پر مبنی سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ  
 طبیب کسی مریض کو ایک وقت کسی دوا کے استعمال کی ہدایت کرتا ہے۔ پھر دوسرے  
 وقت اُس کے استعمال سے منع کرتا ہے۔ اور بجائے اُس کے کوئی دوسری دوا استعمال  
 کرتا ہے۔ اُس کے دونوں حکم صحت کے موافق اور مریض کی طبیعت کے مطابق سمجھے  
 جاتے ہیں۔ یہ تغیر صرف تغیر حالت بیمار کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ورنہ طبیب اپنے قاعدہ  
 پر ہے (یہی وجہ نسخ احکام کی سمجھنا چاہئے)۔

## بدا کی حقیقت

اگر منکر نسخ اعتراض کرے کہ اس نسخی کا اثبات خداوند جل جلالہ کے ہی میں  
 منافی ہوتا ہے۔ بدآ کو اور بداحق تعالیٰ پر۔ و انہیں ہے۔ جواب یہ کہ بدآ اُس چیز کے

بیان تو نسخ کو کہتے ہیں جو پوشیدہ ہو یا تلافی ہو۔ خطائے گزشتہ کی اور نسخ کہتے ہیں اختلاف حکم کو موافق اختلاف وقت اور زمانہ کے۔ اُس کی مثال بندوں کے احوال میں جیسے محبت و مرض فقر و غنا اور عاقبت و بلا اور حیات و ممات کی ہے اور دوسری مثال اختلاف احوال عالم میں موجود ہے۔ جیسے ایجاد و فنا تو ان میں سے جب کسی بات میں بدال لازم نہیں آتا۔ تو نسخ کی صورت میں کیونکر خدا پر بدال لازم آ سکتا ہے۔

ان کی جہالت سے تعجب ہے کہ نسخ کے صرف اس سے قائل نہیں کہ ان کے زعم میں اس سے خدا پر بدال لازم آتا ہے۔ اور خود ان میں کا ایک فرقہ جس کو کیسا نبی کہتے ہیں۔ خدا پر بدال جائز رکھتا ہے۔ تعالیٰ اللہ عَمَّا يَقُولُونَ الظَّالِمُونَ مُلَوًّا کثیرا یات کسی عاقل پر حقی نہیں کہ جو چیز محل حوادث ہے۔ حادثہ کا اور اللہ تعالیٰ قبول حوادث سے منزه ہے۔ اور صفت حادث سے اُس کا اتصاف درست نہیں۔ حق یہ ہے کہ ان کا دشمنی کا قول بدال کے باب میں یہودیوں کے قول سے بھی جو باب نسخ میں ہے۔ بدتر ہے۔

## رفض کا قول کہ پیغامبر شرک سے پیدا نہیں ہوتا

ابن دلفی ایک بات یہ کہ کہتے ہیں وہ نہیں ہے کہ پیغامبر کسی شرک سے پیدا ہو۔ یا مشرک پیغامبر سے پیدا ہو۔ حالانکہ قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ موجود ہے۔ کہ اُن کے باپ آفریت تراش تھے، لیکن جو بعض مفسرین نے پدرا ابراہیم علیہ السلام کا نام تارخ لکھا ہے۔ اور ذکر کو ان کا چچا کہا ہے۔ تو واضح ہو کہ تارخ کا مومن ہونا بھی کسی تفسیر سے ثابت نہیں۔ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

نیز حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ کہ اُن کا باپ غیر اہل میں مر گیا۔ غرض یہ دونوں واقعات (اور نیز ان کے سوا) اس امر کے مبین اور واضح کرنے والے ہیں کہ رفض کا یہ قول کہ پیغامبر کا مشرک سے اور مشرک سے پیغامبر کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔ (حالانکہ نوح پیغامبر تھے۔ اور ان کا بیٹا کنعان کا فر تھا یہ بھی قرآن کریم سے ثابت ہے)



اور یہ جو کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں ناقلاً من نوح علیہ السلام... فرمایا اِنَّكَ اِنْ تَدَّ ذَهْمٌ يُّمِدُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا ضَالِّينَ کھٹاراہ یعنی نوح نے کہا بے شک اگر تو ان کو چھوڑ دے گا۔ تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے۔ اور اُن سے پیدا نہ ہونگے۔ مگر کافر بدکار۔ کہتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر سوائے کافر بے سامان سے وجود میں نہیں آتا۔ تو اُن کی دلیل فاسد ہے۔ کیونکہ اس کا حکم تخصیص قوم نوح کے ساتھ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کے ہلاک کا حکم کیا تھا۔ اور وحی کی تھی کہ تیری قوم سے سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے۔ دوسرا کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ چنانچہ فرمایا وَادْخُلِ اِلٰی نُوْحٍ اِنَّهٗ لَمِنْ الْمُؤْمِنِيْنَ مِمَّنْ قُوِيَ عَلَيْهِ اِيْمَانُہٗ فَتَدَا اَمِّنَ حضرت نوح (ؑ) اس آیت سے معلوم کیا کہ جو لوگ پیدا ہوں گے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ اُن کے فرزند بھی قوم نوح سے تھے۔ پس حضرت نوح کا یہ کہنا کہ اُن سے کافر ہی پیدا ہونگے۔ اس قصہ کی بنا پر تھا۔ جس کی اطلاع اُن کو علم غیب کے ذریعہ پہنچی تھی۔

## شیعہ کے قول کا ایک اور طرح سی ابطال

پھر ہم کہتے ہیں کہ اس تاویل کی بھی حاجت نہیں ہے۔ وافضل کا قول ظاہر نصوص کے بھی مشافی ہے۔ اور حکم نص سے ثابت ہے کہ انبیاء کا کفر وہ ہے پیدا ہونا جائز ہے۔ اور مال باپ کا کفر اُن کی عصمت میں قاصر نہیں ہوتا۔ ہاں یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ انبیاء کا نسب نکاح نامے فاسدہ کی صحبت و عیب سے پاک ہوتا ہے۔ اور نکاح کفار کا درست ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ عورت مرد جب دونوں مسلمان ہو جاتے ہیں۔ تو پھر تجدید نکاح کی حاجت نہیں ہوتی۔ اور وہی نکاح سابقہ قائم رہتا ہے۔ الا اس حالت میں کہ جو سہی ہو۔ اور اُس نے ذیات محارم نکاح کیا ہو۔ تو ان میں تفریق کر دینا چاہئے۔ اور جانا چاہئے کہ انبیاء کے نسب میں شائبہ فساد نہیں پایا جاتا۔ اور نہ مظنہ خلل واقع ہے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اشراف قبائل اور خیار بنی آدم سے منتخب کیا ہے۔ اور

ہم سے پیغامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین انسان ہیں۔ بلحاظ شرف نفس اور کرم اخلاق، امید طہارت اصل اور شجاعت اور وجاہت کے اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو کافہ انام سے برگزیدہ و منتخب کیا ہے۔ اور عہد آدم سے ہمارے اس زمانہ تک ایسے بزرگ حضرات جو مومن سے متولد ہوں۔ خواہ کافر سے نسب میں خلل ہونے کی وجہ سے مستنکف ہے ہیں۔ اور خدا نے ان کو اس قسم کے معاصی کے پاک و صاف کیا ہے کہ چونکہ یہ ایسا قضیہ ہے۔ جو اصل سے فرع میں سرایت کرتا ہے۔ اور اس کا عیب اول سے آخر تک ہوتا ہے۔ پس انہی کو اس سے میرا جانتا چاہئے۔ لیکن کفر و ایمان کسی شخص کا اس کے صاحب سے تعلق رکھتا ہے، نہ تو کسی شخص کا ایمان دوسرے سے سرایت کرتا ہے نہ کفر یہ۔

## کیا والدین آنحضرتؐ کی وفات کفر پر ہوئی؟

اور نہ خیال حق کا یہ ہے کہ مادر و پدر آنحضرتؐ کے کفر پر تھے۔ اور یہ

لے چنانچہ شرع فقہ اکبر میں ملا علی قاری بعد نقل عبارت مولانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مآنا علی الکفر یعنی آنحضرتؐ کے ماں باپ نے کفر پر وفات پائی لکھتے ہیں کہ یہ عبارت وہ ہے اس شخص کا جس نے کہا کہ والدین آنحضرتؐ کے ایمان پر مرنے یا ان کی موت کو کفر پر ہوئی۔ لیکن پھر وہ ان کو زندہ کیا پس ان کی وفات ایمان پر ہوئی۔ پھر ملا علی قاری کہتے ہیں کہ میں نے اس کے ثبوت و تائید میں ایک علیحدہ رسالہ لکھا ہے۔ اور اس میں جلال الدین سیوطی کے رسالہ کی جس میں اُس نے والدین آنحضرتؐ کا ایمان پر مراثیات کیا ہے تردید کی ہے۔ اور ان لوگوں کی بھی تردید کی ہے جو کہتے ہیں کہ امام عظیمیؒ نشان کے لائق نہیں تھا۔ کہ والدین آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابت ایسا لکھنے۔ کیونکہ اس میں اساعت ادب سے یہیں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ علمائے متاخرین میں مختلف طور پر مانا جاتا ہے۔

بعض والدین آنحضرتؐ کے ایمان کے قائل ہیں۔ اور بعض ان کی وفات کفر پر ہونے کے مستقد ہیں۔ پھر ایک گروہ علما کا ایسا ہے کہ جو اس قسم کی بحث کو بے ادبی خیال کرتا ہے۔ بلکہ دوسرے سے اس فقہ اکبر کو جس میں والدین آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کفر پر ہونے کا ذکر ہے۔ امام عظیمیؒ کی تصنیف نہیں کہتا اور سچا اس کے وہ فقہ اکبر جو بروایت ابو طیح بلخی مشہور ہے امام عظیمیؒ کی تصنیف بتاتا ہے۔ یہ علمائے متقدمین تو وہ سب کے سب اس بات کے قائل ہیں کہ ان کی وفات حالت کفر میں ہوئی۔ لیکن فقیر مترجم جناب دفعہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین شہر یقین کی بابت یہ سوچ ظن نہیں رکھتا۔ اور سبب اختلاف احوال کے ان کے واقعات اور کفر و ایمان کی بحث کو یہ مکر چھوڑ دیتا ہے کہ خدا اور رسول ہی ان کے حالات کو خوب جانتے ہیں۔





کے فرماتے حضرت علی کی شہادت اور علمائے سلف اور آئمہ دین کے بیان متواتر  
(سے) روافض کہتے ہیں کہ ابوطالب مومن تھے۔ جو لوگ ان کو کافر کہتے ہیں جھوٹے  
ہیں۔ اور وہ اہل بیت سے تعصبِ عداوت رکھتے ہیں۔ وغیرہ ذالک \*۔

حدیث صحیح میں اردو ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا اہوں  
اہل النار عند ابی طالب وهو متفضل نعلین یقلی منها وما غہ  
یعنی سب سے بڑا عذاب ابوطالب کا ہے۔ وہ آگ کے جوتے پہنے ہوئے ہے جس کی  
گرمی سے اس کا دماغ کھوٹتا ہے۔ اور آنحضرت نے فرمایا تھا یا عمر قل لا الہ  
الا اللہ کلمۃ احابہ بہا عندنا فابی ان یقول لا الہ الا اللہ یعنی اے  
چچا لا الہ الا اللہ کہہ دے کہ میں اس کلمہ کے ذریعہ تیری جانب سے خدا پر محبت کروں۔ تو  
ابوطالب نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کیا۔ اور مرتے وقت کہا میں اپنے باپ  
عبدالطلب کے دین پر مڑتا ہوں، اور حدیث میں ہے کہ جب ابوطالب نے وفات پائی  
تو حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت کی خدمت میں آئے۔ اور کہنے لگے یا رسول اللہ ان عملک  
الصنل قد مات یعنی آپ کا گمراہ چچا مر گیا۔ آپ نے فرمایا اذہب فوارک یعنی جاؤ  
اُس کو دفن کر دو۔ اور آئمہ مجتہدین خصوصاً جناب ابوحنیفہ اور شافعی رضی اللہ عنہما  
نے جواز دفن کافر کے باب میں دفن ابوطالب پر تمسک کیا ہے۔ اور اس مسئلہ میں

اے لکھا ہے کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا۔ تو آنحضرت علیہ السلام ان کے پاس گئے۔ دیکھا  
کہ ابوہریرہ اور چند لوگ بیٹھے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا اے چچا کلمہ شہادت پڑھ دو کہ میرے  
پاس تمہاری مغفرت طلب کرنے کی ایک دلیل ہو۔ ابوہریرہ نے کہا کیا عبدالطلب کے گمراہی کے پھرے جانے ہو او  
بار بار یہی کتنا بار جتنی کہ ابوطالب نے آخری وقت میں کہا کہ میں اپنے باپ عبدالطلب کی لبت پر مڑتا ہوں۔ اور  
لا الہ الا اللہ نہیں پڑھا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم میں تمہارے لئے استغفار  
کرتا رہوں گا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلَّذِينَ كَفَرُوا  
وَلَوْ كَانُوا أُولِي أُولِي الْأَرْشَادِ لَقَدْ كَانُوا أَهْلًا بِالنَّارِ یعنی  
نہی اور رسول کو نہیں پہنچتا کہ وہ مشرکوں کے لئے مغفرت چاہیں۔ اگرچہ وہ اہل قربت ہوں۔ جیسا کہ پر یہ  
ظاہر ہو گیا کہ وہ دوزخیوں سے ہیں۔ یعنی ان کی موت کفر پر ہوئی ہے۔ اور وارث ہے کہ جب آنحضرت نے ابوطالب  
پر ایمان پشیمان کیا۔ اندانہوں نے انکار کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَ  
لَكَرَّ اللَّهُ بَيْنِي وَبَيْنَ الْيَشَاعِرِ۔ داہ البخاری و مسلم ۱۲



بھی کہ کافر کی میراث مسلمان کو نہیں پہنچتی۔ حدیث ابو طالب سے استدلال کیا ہے کہ ابو طالب کے چار بیٹے تھے۔ طالب۔ عقیل۔ جعفر اور علیؑ ابو طالب کی میراث طالب و عقیل کو پہنچی۔ جو باپ کے طریق پر کافر تھے۔ اور جعفر و علیؑ کو نہیں پہنچی کہ یہ دونوں مسلمان تھے۔ ابو طالب کا کفر امت میں حد تو اتر کر پہنچ گیا ہے۔ اگر کوئی جاہل عناد و تعصب کی راہ سے ابو طالب کے ایمان کا دعویٰ کرے تو اس کے قول کا رد واجب ہے اور اہل اسلام پر واجب ہے کہ وہ نقل مذکورہ کے مطابق ایمان اعتقاد رکھیں۔

## متنعہ کی زبرد

روافض کی بدعتا سے ایک نکاح متنعہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص ایک مقدار زر کے عوض میں کسی عورت کے ساتھ میعاد بنی نکاح کرتا ہے۔ اور عورت مقررہ زر کے عوض میں اپنے نفس کو مثلاً دس روز یا کم مدت کے لئے مرد کی نفوذ میں دیتی ہے۔ اس قسم کا نکاح ابتدائے اسلام میں مباح تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرتؐ اکثر غزا کے لئے جاتے اور سرایا بھیجتے تھے۔ اور لوگ احکام جاہلیت کی طرف راغب تھے۔ ایسے وقت میں ہوا و شہوت پر صبر کرنا اور داعیہ شہوت کی مقابست اُن سے دشوار تھی۔ لہذا متنعہ کی رخصت ہوئی۔ اس کو زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ متنعہ حرام فرمایا گیا۔ اور چونکہ اس کا علم قرآن سے مستفیض نہ تھا۔ اگر کسی سے خلاف اس کے سرزد ہوا۔ تو

اس متنعہ کی حرمت قرآن کریم کی متعدد آیات سے ثابت ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ آیت ہے جو صاف طہ پر متنعہ کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ وَالَّذِينَ يَفْرُدُّنَ بِهِنَّ حَافِظُونَ اِلَآ عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ یعنی اور وہ لوگ جو اپنی شرنگا ہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بی بیوں اور لونڈیوں پر تو (ان میں) ان کو کوئی الزام نہیں۔ ابن ابی ہلبکہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے متنعہ کی بابت پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ حرام ہے۔ اور میرے اور ان کے درمیان قرآن حاکم ہے۔ پھر یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ جو اس کے سوا خواہش کے تو وہ صدمے گزر گیا۔ اس کو ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے بعد تصحیح تخریج کی (درمذثور) ۴ قاسم ابن محمد سے متنعہ کا مسئلہ پوچھا گیا۔ تو فرمایا کہ حرام ہے۔ اور میں تو اس کی حرمت کو مسزج قرآن سے دیکھتا ہوں۔ پھر یہی آیت پڑھی۔ عبد رزاق و ابو داؤد نے اپنے نسخ میں اس کی تخریج کی۔ (در) متنعہ کے متعلق ایک دہ پ اور فیصلہ کن بحث کے لئے دیکھو کلمہ صفحہ



اس کا یہی سبب تھا۔ بعد اس کے صحابہ جمہور سے اجماع حاصل ہوا کہ نکاح منہ حرام ہے۔ جملہ بے دین کہتے ہیں کہ منہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حرام کیا ہے۔ اور منہ حضرت علی کے مذہب میں حلال ہے۔ اس کا خلاف عمدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ ورنہ منہ حج اور منہ نکاح میں کوئی خلاف نہیں ہے۔ عجب یہ ہے کہ روایات حدیث نہی سے ایک حضرت علی بھی ہیں۔ چنانچہ ان سے یہ حدیث مروی ہے: **لَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ مَتْعَةِ النِّسَاءِ وَالْحَوْمِ الْحَمَرِ إِلَّا هَلْبِيَّةَ زَمَنْ خَيْبَرَ** آنحضرتؐ نے عورتوں سے منہ کرنے اور اہلی گدہوں کے گوشت کھانے سے زمان خيبر میں منع فرمایا ہے۔ تو گویا روافض کا اس مسئلہ میں خلاف کرنا محض اہل حق سے عناد ہے جس طرح موزہ پر مسح کرنے میں انہوں نے ائمتہ اہل حق کی مخالفت کی ہے کہ موزہ پر مسح کرنے کا ثبوت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور اس کے جواز پر اجماع امت ہو گیا ہے۔ روافض عدم جواز مسح کی نسبت بھی مثل جواز منہ کے حضرت علی کی طرف کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پیروں کا عقائد خلاف احادیث نبویہ اور اجماع امت مرحومہ کے ہیں۔

## تقیہ کی تردید

ان کے عقائد فاسدہ سے ایک تقیہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی محترم ہو۔ یا اس کی زبان سے ڈرتا ہو تو اس کے لئے روا ہے کہ تقیہ کرے یعنی جو بات اس کے دل میں ہے۔ اس کا خلاف زبان سے ظاہر کرے۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت علی کی اطاعت بھی اسی قسم سے تھی۔ اور اسی بنا پر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی فضیلت میں جو کچھ فرمایا۔ وہ بھی اسی

سبب سے الگ ہے۔ ایک یہ بھی منہ یعنی فائدہ مند ہونے کے لئے عہد کرنا حج کے ساتھ ایک سفر حج کے سببوں میں بغیر اس کے کہ گھر کو لوٹے یہ جائز ہے۔ دوسرے معنی میں حج کرنا عمرہ کے ساتھ اور احرام حج سے نکلنا۔ عمرہ کے افسال کے ساتھ بے منہ تو منہ الحج بالاجماع لازم ہے ۱۲ تحفہ۔

اس حدیث کے متعلق ہم نے پوری بحث تلمذ میں کی ہے۔ دیکھو صدف

قسم سے یعنی ازراہ تقیہ تھا کہ آپ اُن میں سے ایمن نہ تھے۔ اور اُن کی زبان سے  
ڈرنے تھے۔

اگرچہ اس نالائق قول کا فساد کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن ہم اس  
خیال سے کہ بے علم لوگ ان کے فریب میں نہ آجائیں۔ اس کا جواب بیجا مناسب سمجھتے  
ہیں۔ وہ فساد اس عقیدہ کی سی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
تَّقُوا اللَّهَ وَاقْبُولُوا قَوْلَ سَيِّدِ الْإِيمَانِ وَالْوَحْدَانِ سے ڈرو اور سچی اور  
درست بات کہو۔ پس اُن کا تقیہ اس کے خلاف ہے اس لئے کہ وہ جھوٹ اور  
خلاف مافی الضمیر کے اظہار کی اجازت دیتا ہے۔ حالانکہ خدا اپنے بندوں کو اس سے  
منع فرماتا ہے۔

روافض اس آیت اَلَا أَنْ تَتَّقُوا مَذْهَبَ تَقَاتُ سَاسِ السُّدَالِ  
کر کے تقیہ کو درست کہتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو دینی  
کفار سے منع فرمایا ہے۔ اندکما ہے کہ مشرکین کی موالات سے باطن و ظاہر میں محتسب  
رہو۔ لیکن جس حالت میں کہ ایسا کرنے سے تمہاری جان معرض خطر میں ہو۔ اور اظہار عداوت  
سے ہلاک جان متعین ہو۔ تو ایسی حالتوں میں مجبوراً اُن سے مدارات و تمایق کی  
باتیں کرو۔ اور اگر یہ کلمہ کفر کہنے پر زبردستی و اکراہ کریں۔ اور قتل کرنے یا دوسرے  
سخت عذاب پہنچانے پر آمادہ ہوں۔ تو اس صورت میں اگر کلمہ کفر صرف زبان سے  
نکل جائے۔ تو مضائقہ نہیں ہے۔ پھر اگر مضمیہ طویل والے خدا کے پیچھے بندے  
ہلاک جان اور تحمل ایذا پر بھی کلمہ حق اور اظہار ایمان سے خاموش نہ رہیں۔ تو بیجا وہ  
پسندیدہ ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ بے ضرورت کلی ہر ایک جزئی مصداق کیلئے  
جھوٹ بکنا شروع کر دیں۔ اور فضول تقیہ اپنے لئے واجب کر لیں۔ اور وہ بھی اہل سنت  
کے ساتھ۔

تقیہ کی صورت جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ وہ رافضیوں کے تقیہ سے  
بالکل جُدا ہے یعنی وہ غیر مذمت والوں اور مشرکین سے بیہوش خوف ہلاک جان واقع  
ہوتا ہے۔ اور یہ اپنے ہی مذہب والوں اور کلمہ گویوں کے ساتھ بے ضرورت کلی ایک  
جزئی مصداق کی بنا پر ہر موقع و محل پر خلاف مافی الضمیر کیا کرتے ہیں۔ اس مستم کا



تقیہ ہر مذہب میں پائیدار ہے خصوصاً مذہب اسلام میں نہایت مذموم اور بدتر ہے  
آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے لوگوں کو جو دل کے خلاف باتیں کیا کرتے ہیں  
بدترین مردم فرمایا ہے \*

## تقیہ کے باب میں ایک اعتراض کی تردید

اگر اعتراض کیا جائے کہ تم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہو کہ ایک  
آدمی آیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ تو آپ نے  
اس کی نسبت فرمایا بیئس اخوالعشیرین پھر جب وہ شخص اندر آیا تو آنحضرت  
اُس کے ساتھ کٹادہ روٹی اور نرم باتوں سے پیش آئے حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب وہ  
شخص چلا گیا۔ تو میں نے آپ سے پوچھا۔ یا رسول اللہ جب وہ باہر دروازہ کے تھا۔ تو آپ نے  
اُس کی نسبت ایسا فرمایا تھا۔ مگر جب اندر آیا تو آپ نے نرمی ولینت و کٹادہ روٹی کا  
اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا۔ شئ الناس من یقیہ الناس اتقاءً فاحشہ یعنی  
بدترین لوگوں کا وہ ہے جس سے لوگ ڈریں بُرے طور پر ڈرنا \*

جواب یہ ہے کہ آنحضرت نے جواب دل فرمایا وہ اس لئے تھا کہ عائشہ صدیقہ کو  
معلوم ہو جائے کہ بد لوگوں سے سازگاری بھی ٹھیک نہیں۔ یہ تم ارشاد و تفہیم سے تھا۔  
آنحضرت نے جس طرح اُس کی نسبت بیئس العشیرین فرمایا تھا۔ اگر اُس کے اندر آنے  
پر اس کی نسبت نعر العشیرین فرماتے تو البتہ تمہارے لئے حجت ہوتا۔ لیکن بد آدمی  
کے ساتھ مدارات کا کرنا تمہارے واسطے کوئی حجت نہیں ہو سکتا۔ یہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ  
والسلام کا خلق کریم تھا۔ کہ بد لوگوں کے ساتھ بھی خلق و مدارات سے پیش آتے تھے  
ہاں ظاہر میں کسی شخص سے محبت کرنا اور باطن میں اُس سے دلی عداوت رکھنا۔ اور دل  
سے مخالف ہونا۔ اور زبان سے موافق ہونا اور اپنے اعتقاد کی حقیقت کو پوشیدہ  
رکھنا اور ہر ایک شخص سے کہنا کہ میں تم سے ساتھ ہوں۔ یہ باتیں طریق و بتداری سے وہ  
ہیں۔ اور صفات منافق سے مشابہہ ہیں۔ یہ تو عام مسلمانوں کے لئے بھی جائز نہیں بھلا  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا ہونا کہاں مکان رکھتا ہے کہ آپ بدر کو  
نیک مرد کہیں۔ اور جو قابل مذمت ہے۔ اُسی کی مدح سرائی فرمائیں اللہ تعالیٰ نے



سچے رسول علیہ السلام کو اس لئے مبعوث کیا تھا کہ وہ کامل کو ناقص سے جدا  
جدا کریں۔ اور خیر کو شر سے الگ شناخت کرائیں۔ اگر یہ بات نہ واہوتی تو کوئی شخص عادل  
و فاسق کے درمیان فرق نہیں کر سکتا۔ اور خیر و شر میں تمیز ناممکن ہو جاتی۔ اور ایسا  
اعتقاد رکھنا کب واپس ہے کہ آنحضرت کا باطن بخلاف ظاہر تھا۔ آپ کی یہ نشان تھی کہ  
اگر کوئی بات دل کے خلاف ہوتی تو اتنا بھی روا نہیں رکھتے کہ آنکھ سے اشارہ کرتے  
چنانچہ فتح مکہ کے روز جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح  
کو لائے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ ہاتھ بڑھائیے کہ عبداللہ آپ کے بیعت کرے حضرت  
عثمان نے دوبار ایسا ہی کہا۔ لیکن آنحضرت نے ہاتھ اُس کی طرف نہیں بڑھایا جب  
تیسری بار عرض کیا تو آپ نے ہاتھ دیا اور بیعت لے لی۔

یہ عبداللہ ابن سعد وہ شخص تھا کہ اسلام لا کر مرتد ہو گیا تھا۔ اور مکہ میں آکر  
اہل شرک سے مل گیا تھا۔ فتح مکہ کے روز آنحضرت نے فرما دیا تھا کہ اگر عبداللہ عثمان  
کعبہ کو بھی پکڑ کر شیعہ لائے تو اس کو نہ چھوڑو۔ اور قتل کر ڈالو۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ  
نے بالحلح اس کی بیعت کی سفارش کی تو آپ نے بعد بیعت لینے کے فرمایا تم میں  
سے ایک شخص بھی صاحبِ شہدہ تھا کہ جب میں اُس کی بیعت سے امتناع کر رہا تھا۔ تو  
اٹھ کر اس کی گردن مار دیتا۔ لوگوں نے عرض کیا اے حضور آپ نے آنکھ سے اشارہ  
کیوں نہیں فرما دیا۔ آپ نے فرمایا مَا كَانَ لِشَيْءٍ أَنْ يَكُونَ لَهُ خَائِنَةٌ الْأَعْيُنُ  
نہیں ہے کسی نبی کے لئے یہ کہ وہ جائز رکھے۔ آنکھوں کی چوری کو رقیہ کے ثبوت  
سے بڑی عرض اہل تشیع کی بزعم خود ابطالِ خلافتِ خلفائے ثلاثہ ہے یعنی یہ کہ خلفائے  
ثلاثہ کی خلافت حق پر نہیں تھی۔ اور جناب علیؑ نے جو ان سے جھگڑا نہیں کیا۔ اور تیرٹا  
چوبیس برس طعن کے موافق رہے۔ تو یہ جناب امیر کا تقیہ تھا۔ باطن میں وہ خلفائے ثلاثہ  
کی خلافت کے شکر تھے۔ بلکہ شیعوں کہتے ہیں کہ جناب رسولؐ خدا بھی خلفائے ثلاثہ سے  
ڈرتے اور تقیہ کرتے تھے نعوذ باللہ من ہذا المصنوعات اگرچہ شیعہوں کے  
ان خیالات و اہیہ کی تردید تمام بڑی بڑی کتابوں مثلاً ازالۃ الخلفاء اور صواعق  
محرقة اور تحفۃ اثناعشریہ اور آیاتِ مبینات میں کامل اور پورے طور پر ہو چکی ہے  
اور اب بھی ہم ہر طرح اُن کے خرافات کے رد کرنے کو موجود ہیں۔ لیکن یہاں صرف ہم اتنا

ہی کہتے ہیں کہ) اگر حضرت امیر المومنین اسد اللہ الغالب تقیہ کو جائز رکھتے تو آج تک اُن کی کسی بات اور کسی کلام و کتاب کا اعتبار نہ ہوتا۔ اور نہ کسی کو اُن کے ساتھ اختلاف ہوتا۔ پھر اس قدر عرشِ تنال کی بھی نوبت نہ آتی (جو امیر معاویہ اور اُن کے درمیان واقع ہوئی)۔ کیونکہ اس وقت وہ اپنی مستحقانِ خلافت کے لئے جنگ کے آمادہ ہو گئے، اور اگر یہی طریقہ عام مسلمانوں میں رائج ہوتا۔ تو عالمِ اسلام کی بڑا بڑا عالم میں شکرا ہو جاتی۔ اور احکامِ شرعی کا کوئی بھی حکم جو دوسروں سے مروی ہے، ماننے کے قابل نہ ہوتا۔ انہیں وجوہات سے تقیہ محض باطل (اور موضوعاتِ فنیہ سے ہے) \*

# نویں فصل

## روح کے بیان میں

جاننا چاہئے کہ اہل تہذیب کی ایک جماعت قدیم روح پر اصرار کرتی ہے اور اس باب میں ان کا عقیدہ عقائدِ نصاریٰ سے فاسد تر ہے۔ کیونکہ نصاریٰ قدم کی اصنافِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب کرتے ہیں۔ اُنہوں نے جب بیکھا کہ اُن کے بعض افعال ایسے صادر ہوتے ہیں۔ جو امکانِ بشریت سے خارج ہے تو ان کی نسبت خدا کے بیٹے ہونے کی جانب کی۔ اور کہا کہ عیسیٰ خدا کی جانب سے ایک روح کی صورت میں نمودار ہوئے پس وہ روح خداوندی ٹھہرے تو فنا اُن کے حق میں باطل ہے یہ سمجھے کہ ہم روح کو کس بنا پر قدیم کہتے ہیں۔ جب مارتِ حدوث اُس میں ظاہر ہیں۔ مثلاً روح کا اتصال بدن سے۔ اور اس کا تعدد بہ تعدادِ اجسام مختلفہ اور قبولِ حواد و غیرہ۔ جب یہ لوگ اپنے کو گروہِ مسلمین سے شمار کرتے ہیں۔ تو ہم بھی مناسبت سے کہتے ہیں کہ اُن کا جواب کتابِ مقدس سے دیا جائے۔

روح حادث ہے



قائلین قدیم کو اس سے شبہ ہوا ہے۔ دیکھو کہ خدا کا امر سوائے قدیم کے نہیں ہو سکتا۔ اور جب روح  
 اُس کا امر ہے تو اُس کا قدیم ہونا ظاہر۔ جواب یہ ہے کہ جو امر قدیم ہے وہ خدا کا قول  
 ہے۔ اور اُس کا کلام اور علما کا اجماع ہے کہ روح انسانی خدا کا کلام نہیں۔ پس  
 ان کا قدیم ہونا باطل اظہار یہ ہے کہ اس آیت میں امر اور روح سے قرآن کریم ہے۔  
 اور وحی جو انبیاء پر نازل ہوتی ہے چنانچہ دوسری جگہ فرمایا۔ وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا  
 إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا اور فرمایا یُلْقِی السُّورَہُ مِنْ أَمْرِی عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ  
 مِنْ عِبَادِی اور اس تاویل کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کے  
 بعد قرآن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْ أَوْحَيْنَا  
 یعنی اگر ہم چاہیں تو جو ہم نے تمہاری طرف سے کیا ہے۔ اس کو لے جا دیں۔

پھر اگر اس آیت میں مراد رُوح سے یہی رُوح لی جائے جس میں تنازع واقع ہے۔ تو مراد اس امر سے مامور ہوگا کہ خدا کے حکم سے جاری ہوگا۔ چنانچہ اہل عرب بارہا کو کہتے ہیں امر اللہ یعنی خدا کے حکم سے پانی پرتا ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے جنگ حنین میں جب صحابہؓ پر ہزیمت پڑی تو ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کہا ما بال الناس لوگوں کا کیا حال ہے یعنی یہ کیوں بھاگے جاتے ہیں حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ امر اللہ یہ بھی خدا کا حکم ہے کہ اسی کے حکم سے ہزیمت واقع ہوئی ہے۔ اور معمول عریضہ کہ جب کوئی عجیب بات صنوت الہی کی ملاحظہ کرتے ہیں۔ تو کہتے ہیں امر اللہ یعنی یہ صفت خدا کا کام اور اس کی بدائع فطرت سے ہے۔

تمہاری دانش اس کے پایاں کار کو نہیں پہنچ سکتی۔ اسی اسطر فرمایا۔ وَمَا أُوتِيتُمْ  
مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ط یعنی اور نہیں دئے گئے تم علم سر مگر قنوطا۔ پس اس طرح اس آیت  
مَثَل الشُّرُحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّكَ کے معنی لینے چاہئیں کہ روح مامور خدا ہے۔ تمہاری  
عقل و ذہانت اس کی حقیقت کو نہیں معلوم کر سکتی ایسی بات بھی ہے کہ یہاں خدا نے مطلق  
روح کا لفظ فرمایا ہے۔ اور اس کی تعریف نہیں کی۔ تو کس طرح سمجھا جائے کہ روح  
یعنی جبرائیل علیہ السلام قدیم ہیں۔ اس اسطر کہ خدا تعالیٰ نے جس طرح جبریل کو روح فرمایا  
نَزَّلَ بِهِ الرُّوحَ الْأَمِينَ اور فَاَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا۔ اسی طرح دوسرے

مفتی محمد شفیع



فرشتوں کی نسبت فرمایا ذوات ارواح اس طلاق میں سب فرشتے داخل ہیں۔ پھر اگر روح جسدی کو قدیم کہیں تو چاہئے کہ روح کا فراور روح مومن کے درمیان کوئی فرق نہ ہو۔ اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ کافر کی روح معذب نہ ہو۔ اور نیز کافر کی روح کو خبیث کہنا جائز نہ ہو اور یہ کہنا بھی درست نہ ہو کہ فلاں شخص کی روح کو ملک الموت نے قبض کیا۔ کیونکہ قدیم مقبوض نہیں ہوتا۔

## روح کے حدیث پر شرعی دلائل

روح کے حدیث پر شرعی محبتوں سے ایک تو قول رسول ہے کہ آپ نے فرمایا اَلارواحُ جندٌ مجتدٌ یعنی روحیں جمع کئے گئے لشکر ہیں۔ اور جمع کی ہوئی چیز قدیم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مجموع مقبور ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ جمع و تفرق صفات محدثات سے ہے۔ اور پر دالی حدیث درست اور صحیح ہے۔ اور اہل حدیث اس کی صحت پر متفق ہیں ایک دوسری حدیث میں ہے خَلَقَ اللّٰهُ الْاَرْوَاحَ قَبْلَ الْاَجْسَادِ بِالْفِ عَامِ یعنی اللہ تعالیٰ نے وجوں کو جسموں سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا ہے۔ تو اس سے یہی ظاہر ہے کہ روح قدیم نہیں کیونکہ مخلوق محدث ہوتا ہے۔

دوسرا شبہ ان کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کو آدم کے جسد میں ڈالنے کے بعد ملائکہ کو سجدہ کا حکم دیا۔ اور سجدہ کو نفع روح سے مشروط فرمایا۔ فَإِذَا سَقَّيْتُمْهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ اور روح کی اضافت اپنی جانب کی۔ اور جو محدثات ہوتا ہے وہ سجدہ کا مستحق نہیں ہوتا۔ (تو لازم آیا کہ روح قدیم ہو)۔

جواب یہ ہے کہ یہ سجدہ آدم کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ خدا کے لئے تھا۔ اور آدم بمنزلہ کعبہ بیت المقدس کے تھے۔ اور بعض علما فرماتے ہیں کہ وہ سجدہ مکرم تھا۔ نہ سجدہ عبادت لیکن پہلی وجہ قوی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ارد ہے کہ فرزند ان آدم جب سجدہ کرتے ہیں تو ابلیس ایک جانب کھڑا ہو کر روتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ خدا نے فرزند آدم کو سجدہ کا حکم کیا تو وہ سجدہ کر کے جنتی ہو گیا۔ اور خدا نے مجھے سجدہ کا حکم کیا تو میں نے انکار کیا اور انکار کی وجہ سے دوزخی ہو گیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ امر ابن آدم بالسجود فسجد فله الجنة وامرت بالسجود فابى فله النار۔

اگر کوئی سائل سوال کرے کہ جب آدم مبتلا قبیلہ کے تھے۔ تو ابلیس کے لئے  
وجہ نازعت کیا تھی۔ جو ایسی ہے کہ ابلیس نے صرف اس لئے حسد کیا کہ خدا نے تشخص سجدہ  
کے لئے آدم کو کرامت عطا فرمائی وہ سجدہ حقیقت آدم کو نہ تھا۔ آدم کو اُس میں یہ بزرگی  
حاصل ہوئی کہ خدا نے اپنے سجدہ کے لئے انہیں قید بنایا۔ اور قبیلہ کو محض اس لئے جہنم  
جہات پر فضیلت ہے کہ خدا نے اس کو اپنی عبادت کے لئے مخصوص فرمایا ہے۔ اور اگر  
تمہارے قول کے موافق ہوتا تو ابلیس سجدہ آدم سے نفرت اٹھا نہ کرتا۔ اور اپنی اصل  
کے لحاظ سے آدم پر منافرت کرتا ہوایہ نہ کہتا۔ اَنَا خَلِیْفٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِی مِنْ نَارٍ  
وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِیْنٍ کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے  
اور آدم کو مٹی سے۔ اور نیز خداوند تعالیٰ آدم کے حق میں نہ فرماتا وَعَصٰی اٰدَمَ دُبُّوْهُ  
فَقَوٰی یعنی اور نہ فرمائی کہ آدم نے اپنے رب کی پس آدم بے راہ ہو گیا۔

اس مسئلہ کے دلائل اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ اس مختصر میں اُن کا استنباط  
ہو سکے۔ اور اہل ایمان کے نزدیک یہ مسئلہ اس قدر روشن اور مسلمہ ہے کہ ہمیں اس کے  
بیان کو طول دینے کی ضرورت بھی نہیں۔ بلکہ یہ خود ایسی خصیص بات ہے کہ جو ذکر و  
بیان کی احتیاج نہیں رکھتی۔ اگر ہمیں یہ خطرہ نہ ہوتا کہ بے دین لوگ اس میں لایعنے  
شبہات پیدا کر کے عوام مسلمانوں کے فریب میں لانے اور دھوکا دینے کے درپے  
ہونگے۔ تو ہرگز اس بحث میں نہ پڑتے۔

روح کے مسئلہ میں چند فریق مذاہب کے درجہ کو پہنچ گئے ہیں۔ ان میں ایک  
فرق جلیلیوں کا ہے جس کی بنا محض الحاد پر ہے۔ اور بصیر النظر اشخاص پر اس کا فساد  
و بطلان ظاہر ہے۔ اس مسئلہ کو جو چیز جسم میں حلول کرتی ہے وہ بوجہ من الوجہ اس  
کی تابع ہوتی ہے۔ یا اس کی متابعت کرتی ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قدیم بوجہ  
من الوجہ تابع محذات کا ہو۔ اور یہ بھی ہے کہ جو چیز جسم میں حلول کرتی ہے۔ وہ  
محدود و منتہا ہوتی اور یہ صفات محذات سے ہے۔

حلولی اس عقیدہ کی نسبت اہل تصوف کی جانب کرتے ہیں۔ جو محض غلط ہے  
صوفیاء کرام جن کو سعادت معرفت ہوتی ہے۔ اور جو نیا بیع حکمت اور خزانہ اسرار  
کتاب سنت ہوتے ہیں۔ وہ ہرگز ہرگز ایسی مہیو وہ باتوں کے قائل و معتقد نہیں۔ بیجا



فرقہ حلوئیہ کا ایک پوشیدہ فریب اور عوام کے دام تزدیر میں لانے کا ایک طریق ہے کہ اپنے عقیدہ ناستودہ کو صوفیہ کرام سے منسوب کرتے ہیں۔ ولوقر ضنا اگر کوئی صوفی ایسا کلمہ منہ سے نکالے جو شعر حلول ہو۔ اور وہ کسی دوسری وجہ اور معنی کا احتمال رکھتا ہو۔ تو ایسے صوفی کو زمرہ اہل اسلام سے خارج سمجھنا چاہئے۔ اور گروہ صوفیہ صافیہ سے اس کو ہرگز شمار نہ کرنا چاہئے۔

## روح کے متعلق بعض متکلمین کی باتیں

ہاں بعض متکلمین اہل تصوف نے چند باتیں ایسی کی ہیں جو نصاریٰ کے لاہوت اور ناسوت والے مسئلے سے مشابہت تامہ رکھتی ہیں۔ تو حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ کلام راستی کے خلاف ہے۔ اگر وہ کہتے ہیں۔ تو وہ بھی گروہ نصاریٰ سے ہیں نہ عجمت مسلمین سے اور یہ فتنہ اس امت میں زیادہ تر فرقہ شطابیہ کی جانب سے شائع ہوا ہے۔ نیز ان واعظان بے سرو سامان سے جو احادیث متشابہات اور اقوال مشلخ کرام کو غلبہ احوال میں ان سے صادر ہوئے ہیں۔ پورے طور پر نہیں سمجھتے۔ اور ان کی تاویلات بحسب شرع شریف نہیں جانتے۔ پھر ایسی احادیث اور اقوال غامضہ سے اپنے خیال فاسد کے موافق استدلال کر کے خلاف شرع باتیں بناتے۔ اور عوام اہل اسلام اور تکیہ نشین فقرائے ناخدا ترس کو خوش کرتے ہیں۔ انہیں نہ تو مسلمانوں کی مصلحت سے آگاہی ہوتی ہے۔ اور نہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس فتنہ کا سیلاب سلام کی عمارت میں کیا کچھ خرابی دیتا ہی برپا کرے گا۔ بلکہ بلا خوف فرمائے قیامت جہلا کی تنشیط خاطر کے لئے بے سرو پا باتیں اور بے بنیاد قصص اور حکایات دور از کار بیان کر دیتے ہیں۔

احادیث متشابہات میں سے ایک یہ ہے فاذا اجبتہ کنت سمعہ

الذی یسمع ویبصر الذی یبصر بہ ویداعہ الذی یبیطش بہ ورجلہ الذی ہمیشی بھا معنی یہ ہیں کہ جب میں کسی بندہ کو دوست رکھتا ہوں تو میں اس کی شنوائی بینائی داد و ستد اور آمد و رفت میں اس کا معین و مددگار ہو جاتا ہوں۔ وہ میری توفیق کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔ میں اس کے ہر کام میں اس کے موافق ہو جاتا ہوں۔ اس کے سوائے اس حدیث کے دوسرے معنی کرنا



مگر اہی وضاحت ہے۔ کیونکہ حلول و اتحاد خدا سے منفی ہے۔ اور یہ بات دلائل و براہین سے ثابت ہو چکی ہے۔ دوسری اس قسم کی احادیث کو بھی اسی طرح سمجھنا چاہئے۔

## اقوال بزرگان کی تاویل

بعض اقادیل بھی ایسے ہیں۔ جو مظنہ مفسدہ وضاحت ہیں۔ اور ان کی نسبت بزرگان دین کی جانب ناحق کر دی جاتی ہے۔ کہ ان کے اعتقادات کی توثیق ہو۔ درحقیقت اقادیل مذکورہ ان کے نہیں ہوتے۔ یہ صرف ہوا پرستوں اور جہاں فقیروں کا اترائے محض ہے۔ جیسا لیس فی الحجبۃ سوی اللہ یعنی میرے جبہ میں تو اللہ کے نہیں۔ اس قول کو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ درحقیقت نہ قول ان کا ہے اور نہ ان کے کمالات سے اس قسم کے قول کی توقع کی جاتی ہے۔ اور اگر ان کا قول ہو تو اس کی تاویل یوں کرنا چاہئے کہ میری تمام ذات خدا کی محبت پر ہے۔ اور میرے جبہ میں جو گوشت و پوست ہے۔ وہ سب اکی طرف سے ہے۔ (پس یہی اکیلا خدا عبادت کے قابل ہے۔ اُس کے سوا کوئی بھی عبادت کی قابلیت نہیں رکھتا۔ پس میں اپنے تمام گوشت و پوست اور روح و کالبد سے اسی ایک کی عبادت میں مشغول ہوں۔ اور اسی ایک کو معبود یقین کرتا ہوں) ایسے معنی کرنے سے نقص قواعد شریعت نہیں ہوتا۔ اور یہی درست ہے۔ اور مثل اُس کے دوسرے نقل کردہ اقوال کی تاویل کی جائے۔ تو یقیناً وضاحت و گمراہی ہے۔ پس جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے۔ اور اس حال نظر آئیں۔ تو اہل اسلام کو چاہئے کہ ان کی باتوں سے اپنے کان ہرے کر لیں۔ اور خود کو حتی الامکان ان سے دُور رکھیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض ہوا پرست اس قسم کی گفتگو کرتے ہیں۔ اور ایسے وہی شعر پڑھتے پھرتے ہیں۔ گویا خود کو اسی حال میں دکھانا چاہتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کو بالکل گمراہ (اور گمراہ کنندہ) سمجھنا چاہئے۔ لیکن اگر وہ اشعار بزرگوں سے منقول ہیں۔ تو ان کے معنی شرع شریف کے موافق کرنا چاہئے۔ اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہوا پرست صوفی خلاف شرع اشعار کو پڑھتے

اور ان کو بزرگان دین کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ تو با تحقیق ان کا قائل ہونا ضرور نہیں۔ بات یہ ہے کہ جب ہمارے پاس کتاب سنت موجود ہے۔ تو ہمیں اس کے حقائق و اہیات اور مخرجات موضوعہ اہل بدعت و ہوا پر توجہ کرنا کیا ضرور ہے۔ خواہ وہ کہیں سے پہنچیں۔ اور کسی کے نام سے منسوب ہوں۔

## حقیقت رُوح

اب ہم پھر حقیقت کا اعادہ کرتے ہیں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رُوح ایک ایسی چیز ہے۔ جو اجسام مختلفہ میں منتشر ہے۔ جس طرح آفتاب کی شعاع ایک۔ ہی ہوتی ہے۔ اور تمام اطراف و اکاف عالم میں پھیلی رہتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ متجزی و تبعیض وہ ہے کہ چند چیزوں سے مرکب ہو۔ نہ صرف ایک چیز سے۔ اور جو ایک چیز سے ہے۔ اُس سے تقسام عدد ممکن نہیں۔ اور بعض اہل اسلام کا قول ہے کہ رُوح قسمت پذیر اور متجزی نہیں ہے۔ مگر علمائے سلف اس کے خلاف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر جو ہر رُوحانی کے غیر متجزی ہونے کو جائز رکھیں تو اُس سے جناب باری کر ساتھ مشارکت پائی جانے کا احتمال ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ پاک ذات غیر حال اور غیر متجزی ہے۔ پس اعتقاد رکھنا چاہئے کہ ہر ایک شے محدث کے لئے متجزی و مرکب ہے اور بعض اہل اسلام رُوح کے مسئلہ میں حیران ہیں۔ اور اُس کی ماہیت کے بیان کرنے میں توقف کرتے ہیں۔ لیکن اہل حق یہ تمام اس امر پر متفق ہیں کہ رُوح محدث ہے۔ اُس میں قدیم ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اور اس لئے بھی کہ ذات و صفات باری تعالیٰ کے سوا تمام چیزیں محدث ہیں۔ تاہم ماہیت رُوح میں توقف پسندیدہ ہے۔ اور اُس کی بحث میں پڑنا نامناسب، اس لئے کہ بندہ ماہیت رُوح کی دریافت کیلئے مکلف نہیں ہے۔ اور جب اس باب میں شارع علیہ السلام سے نص علی وارد نہیں ہوتی۔ تو اُس کے استنباط میں لائل و اجتہاد سے کام لینے کی کیا ضرورت ہے۔ ماہیت رُوح کے باب میں ہم نے جو کچھ کہا ہے۔ اُس میں سے کسی پر بھی قطع نہ کرنا چاہئے۔ اگرچہ بعض اقادیل موافق ملت اسلام کیوں نہ ہوں۔ لیکن محتاج یہ ہے کہ رُوح ایک جوہر جسمانی نوزانی ہے۔ جو قالب انسانی میں ڈالی جاتی ہے۔ (وہ نظر نہیں آتی ہاں) خدا کو



جب منظور ہوگا۔ اس کو دکھا بھی دے گا۔

ہم نے وہ حدیثوں میں ہی معنی پائے ہیں۔ ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ آدمی مرتے وقت نظر کو تیز اور بلند کرتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا یہ اس لئے ہے کہ اُس کی بصر اُس کی جان کا تعاقب کرتی ہے۔ حدیث کو الفاظ یہ ہیں۔ الحمد للہ الا انسان اذا مات شخص بصرہ قالو بلی یا رسول اللہ قال فذلک حین یتبع بصرہ نفسہ رواہ مسلم حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آنحضرت ابو سلمہؓ کے پاس آئے۔ اس حال میں کہ اُس کی آنکھیں فراخ ہو گئیں اور حالت بدل گئی تھی۔ فرمایا جب روح قبض کی جاتی ہے۔ تو آنکھیں رُوح کے پیچھے جاتی ہیں دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی ابی سلمہ وقد شق بصرہ فقال ان الروح اذا قبض تبع بصرہ۔ اس حدیث کے متعلق مجھے ایک شخص سے مناظرہ کا اتفاق پڑا۔ وہ کہتا تھا کہ اُس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ رُوح بصرہ کے معنی ہیں کیونکہ جب جان جاتی رہی۔ تو اُس کے پیچھے مینائی جاتی ہے۔ پس آنکھوں کے کھلا رہنے میں فائدہ کیسا ہے۔ اور مسلم کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں بھی وہی معنی ہیں۔ یعنی آنکھوں کا فراخ ہونا۔ کیونکہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ بات بطور تنبیہ کے فرمائی تھی۔ اگر آپ کی یہ مراد ہوتی کہ جان کے پیچھے مینائی بھی جاتی ہے۔ تو تنبیہ کی کیا حاجت تھی۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ فصوص عقائد۔ اور حاضرین بارگاہ رسالت جو اہل بصیرت اور صاحبان فہم و درایت ہیں۔

## فنا کا حکم رُوح پر جاری ہے

رُوح کے باب میں یہ یقین رکھنا بھی واجب ہے کہ وہ کالبد سے جدا ہو کر اوراکات سے محروم نہیں ہوتی۔ بلکہ اُس کے اوراکات قائم و باقی رہتے ہیں۔ اور وہ کلام حق کو سننتی اور مخاطبات ملکی کو مفہوم کرتی ہے۔ چنانچہ یہ بات بدلائل قرآن و حدیث ثابت ہے۔ اُن میں سے ایک حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی

رُوح کے اعدا کا ت بعد از گرفتار قائم رہتا ہے



ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے مجھ کو فرمایا۔ ان اللہ کلہم ایتا ک  
کفاحًا۔ اور حدیث اصحاب معونہ کی کہ قرآن شریف اُن کے حق میں نازل ہوا۔  
بلغوا قومنا انا لقینا ربنا راضی عنا وارضنا تاہماری قوم کو یہ پیغام پہنچا  
وہ کہ ہم اپنے پروردگار سے ملے۔ اس حال میں کہ وہ ہم سے راضی ہوا۔ اور اُس نے  
ہم کو راضی کیا۔ سو اس کے اور بھی احادیث ہیں کہ اُن کا ایراد اس مختصر میں متعذر  
رہے۔

## تناسخ کی بحث

اور اعتقاد رکھنا چاہئے کہ فنا اور موت رُوح پر جائز ہے۔ اور یہ کہ حشر  
احیاء کے وقت ہر ایک رُوح اپنے اس کالبد میں اعادہ کرے گی۔ جو اس کو دنیا  
میں حاصل تھا۔ یہ مسئلہ اہل تناسخ کے خلاف ہے۔ اُن کے نزدیک بعثت کے یہ معنی  
ہیں کہ مکلفین کی رُوحیں جہاں مختلفہ میں انتقال کرتی ہیں۔ نیک لوگوں کی رُوحیں  
اچھے کالبدوں میں۔ اور بد لوگوں کی رُوحیں بُرے کالبدوں میں۔ اور اُن کا اعتقاد  
ہے کہ ثواب پانے والی رُوح تندرست تو انگر اور آرام و عیش و آرام والے جسم میں  
منتقل ہوتی ہیں۔ اور عذاب اٹھانے والی رُوح خستہ در ماندہ اور مفلس و جاہل بدین  
میں رہتی کہ بعض کی رُوحیں گتے۔ بلی۔ سور۔ گدھے وغیرہ کے قالب میں انتقال  
کرتی ہیں، اور تناسخوں کا دعویٰ ہے کہ وہ مسئلہ تناسخ کا ثبوت قرآن میں پاتے  
ہیں۔ چنانچہ اپنی دلیل میں یہ آیات پیش کرتے ہیں۔ فِیْ آئِ صُوْدَةٍ مَّا شَاءَ  
رَبُّکَ یعنی خدا نے جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دیا۔ وَنُنشِکُکَ فِیْ  
مَآلَا تَعْلَمُوْنَ اور ہم تم کو پیدا کرتے ہیں اُس چیز میں جس کو تم نہیں جانتے  
وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِیْ الْاَرْضِ وَلَا طَائِرٍ یَّطِیْرُ یُحْیَا حَیْہِ الْاٰمَمُ  
اَمْثَلُکُمْ یعنی اور زمین پر کوئی جاندار نہیں۔ اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے بازوؤں  
سے اڑتا ہے۔ مگر مخلوق اور گروہ ہیں مثل تمہارے۔

اور نیز اس حدیث سے استدلال ہیں اِنَّ اَرْوَاحَ الشُّہَدَاۃِ فِیْ  
اَجْوَافِ الطَّیْرِ الْاَمْخَضِ یعنی شہیدوں کی رُوحیں سرسبز پرندوں کے

پوٹوں میں ہیں۔ اور اس کے سوا اور بھی استدلال ہے۔ جن سب کا فساد و بطلان اہل  
نفس پر شیدہ نہیں۔ پہلی آیت کے معنی ہیں کہ خدا نے سیاہ و سفید و راز و کوتاہ کا اٹھ  
ناقص وغیرہ جس صورت میں چاہا بندہ کو ترکیب دے دیا۔ اس سے تناسخ کہاں ثابت  
ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فی آیت صُورۃ کے یہ معنی ہیں کہ گدھا کتابیل وغیرہ  
جس صورت میں چاہا۔ خدا نے روح کو داخل کر دیا۔ یہ ایسے معنی ہیں۔ جو اس آیت کے  
بالکل تعلق نہیں رکھتے۔ کیونکہ بعث بعد الموت کے تمام معتقدوں کا اس امر پر  
اتفاق ہے کہ انسان جس کا لبد میں مرا ہے۔ اُسی کا لبد میں اٹھایا جائے گا۔  
ایک بات یہ ہے کہ بعث سے مراد تناسخ ہوتا۔ تو اُس کا ایک معین اور خاص وقت  
مقرر ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بحث کے لئے ایک خاص وقت اور ایک خاص  
دن مقرر ہے۔ چنانچہ یہ آیت اس امر کی دال ہے۔ فَکَيْفَ إِذَا جِئْنَا هُمْ  
لِیَوْمٍ لَا رَیْبَ فِیْهِ یعنی کیا حال ہوگا۔ جب ہم اُن سب کو قیامت کے لئے  
بلائیں گے۔ دوسری جگہ فرمایا وَذُقِیْثُ کُلِّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَهُمْ  
لَا یُظْلَمُوْنَ۔ یعنی ہر شخص کو اُس کے اعمال کی جزا پوری دی جائے گی۔  
اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے۔

## اہل تناسخ کی تردید

تناسخوں کی دوسری اور تیسری نقل کردہ آیت کے یہ معنی ہیں کہ پرندہ و  
جندہ کوئی حیوان ہو۔ وہ حیوانیت میں تمہاری مانند ہیں۔ اور تمہاری طرح رزق  
کے محتاج۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ تمہاری طرح کے آدمی ہیں۔ رہی حدیث  
مذکورہ تو اُس کا یہ مطلب ہے کہ شہدا کی رُوحیں مرغان سبز سے متعلق ہیں۔ جس طرح  
فرشتوں کا تعلق انسانی صورتوں سے ہے۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام بصورت  
آدمی متصور ہوتے ہیں۔ اسی طرح شہدا کی ارواح یا مرتحق مصور بصورت مرغان سبز  
ہیں۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ عام رُوحوں کو لذات جسمانی کی تناول کی ضرورت  
نہیں ہوتی۔ لیکن چونکہ شہید کو اللہ ایک کرامت خاص عطا فرمائی ہے۔ اس سبب سے  
اُن کو حصول لذت کے لئے مرغان سبز کے اجواف کی ضرورت ہوتی۔ کہ وہ آستانہ



قدیچہ لذاتِ جنت سے متمتع ہوں۔ اور نیز اس باعث مرغانِ سبز کی عزت ہوئی کہ وہ آستانہ ارواح شہدا ہوں۔

معلوم رہے کہ یہ تمام باتیں جو ارواح شہدا کے باب میں بیان ہوئیں۔ بہشت کے متعلق ہیں۔ اور اہلِ تناسخ کا دعویٰ دنیا میں تبدیلِ قالب کے متعلق ہے۔ پس اُن کا استدلال اس حدیث سے ٹھیک نہیں۔ یہ اور جو کچھ ہم فصلِ بعث میں بیان کر آئے ہیں۔ سب کی سب تردید و ابطالِ تناسخ کے دلائل ہیں۔ اس کے بعد ہم اُن کو ایک اور جواب دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ

اگر قبل اس کے ہمارا دنیا میں ہونا کوئی اصل رکھتا جس طرح مذہبِ تناسخ قائل ہے۔ تو ہمیں اس بات سے ضرور واقفیت ہوتی کہ پہلے جنم میں ہم فلاں جگہ رہنے اور فلاں کام کرتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ ہم اپنی اس عمر کے گزشتہ حالات سے آگاہ ہیں۔ اور سب کو معلوم ہے کہ اگر کوئی شخص سالہائے دراز تک اپنا ملک چھوڑ کر کسی دوسرے ملک میں جاوے تو پہلے ملک کے اکثر واقعات اُس کو یاد رہتے ہیں۔ پس اگر بقول تمہارے ہم اس کے پہلے بھی چند مرتبہ دنیا میں رہ چکے ہیں تو کیا سب سے کہ ہمیں اُس جنم کے حالات سے مطلق آگاہی نہیں۔ اس سے ثابت ہوگا کہ تمہارا قول محض غلط ہے۔ ہم اُن سے پہلے کبھی اس دنیا میں نہیں آئے! اور سوائے ایک جنم کے کبھی کسی انسان کے متعدد جنم نہیں ہوتے۔ ایک روح کے لئے ایک ہی کالپ مخصوص ہے۔ وہ اپنے اس کالپ سے نکل کر کبھی کسی کالپ میں نہیں جاتی۔ بلکہ خدا نے رُوحوں کے مقامات اور قرار گاہیں مقرر کی ہیں۔ وہ تا قیام قیامت اپنی مقررہ جگہ میں رہیں گی۔ بات یہ ہے کہ اہلِ تناسخ کا اعتقاد بالکل خلافِ شرع اور مخالفِ عقل ہے۔ فلاسفہ بھی تناسخ کو محال سمجھتے ہیں۔ اور علمائے شریعت تو اس کے سخت مخالف ہیں۔





# فصل دسویں

چند ایسے مسائل کے بیان میں جن میں اہم  
اہل حق کو اختلاف ہے

پہلا مسئلہ ایمان سے کیا مراد ہے

علمائے اس بارہ میں اختلاف کیا ہے کہ ایمان اچ مراد اعتقاد اور قول سے ہے۔ یا اعتقاد قول اور اعمال تینوں سے جانتا چاہئے کہ حضرت امام ابوحنیفہ اور اکثر متکلمین اور بعض اصحاب شافعی کے نزدیک ایمان مراد اعتقاد و قول سے ہے جس کو تصدیق کہتے ہیں۔ اور نزدیک امام شافعی و جمہور اہل حدیث کے مراد ایمان سے اعتقاد و قول اور عمل تینوں میں معتبرہ کا بھی یہی قول ہے۔ پہلے گروہ کی یہ دلیل ہے کہ ایمان لغت میں معنی تصدیق کے ہیں۔ پس جب تک کوئی دلیل قاطع نہ ہو۔ اُس میں کسی دوسرے کو غم کرنا ٹھیک نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی مقام پر اعمال صالحہ کو ایمان پر عطف کیا ہے۔ چنانچہ ان الذین امنوا و عملوا الصالحات اور محطوف غیر معطوف علیہ کا ہوتا ہے اور یہ آیت بھی اسی قبیل سے ہے۔ تَنْكِحُ امْنًا مَنْ قَبْلَ اَوْ كَسَبَتْ نِيْ اِيْمَانٍ نَّجَا حَيْرًا۔ یعنی وہ نہ تو اس کے پہلے ایمان لایا۔ اور نہ اُس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک کام کیا۔

۱۔ حدیث، رقد القیس کی ہے جو بخاری نے بن عباس سے روایت کی ہے۔ اَتَدْرُوْنَ مَا اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَشْهَدُ قَالَتْ شَهَادَةٌ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاَقَامَ الصَّلَاةَ وَاِيْتَاءَ الزَّكَاةَ وَصِيَامَ رَمَضَانَ وَاَنْ تَعْلَمُوْا مِنَ الْمُغْنِيَةِ الْخَمْسُ صَفَاتٍ مُّطَهَّرَةٍ (ایمان کے متعلق ایک تفصیلی بحث تكملة ص ۱۰۰ دیکھو)

تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی صفت اس طریق پر بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا محل دل ہے۔ چنانچہ کَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْاِيْمَانَ اَوْرَ كَمَا يَدُ خُلِ الْاِيْمَانُ فِي قُلُوبِهِمْ اَوْرِیْہِ دُنُوں آیات اس امر کی وال ہیں کہ ایمان اعمال دل سے ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ اَوْرَ لَوْ يُؤْمِنُ قُلُوبُهُمْ۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ اگر عمل جزو ایمان ہوتا۔ تو چاہئے تھا کہ باوجود قدرت کے تاک اعمال مومن نہ ہوتا جس طرح تارک قول بمقتضائے قول مومن نہیں کہلایا جاتا۔

پانچویں دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے تصدیق پائی گئی اور باوجود تصدیق کے وہ مرکب کیا نہ ہوا۔ تو بالاتفاق ہر دو فریق ایسا شخص مومن ہے۔ اَلَا عِنْدَ الْمُعْتَشِرِ كَذِبٌ اِذَا اُخِلَّ اِيْمَانٌ هُوَ تَوَضَّرَ تَحَا کہ اس کی نفیض کی موجودگی میں وہ مومن نہ ہوتا۔ جیسا کہ نفیض تصدیق کی موجودگی میں ثبوت ایمان نہیں ہوتا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے وَمَا اَمْرُ اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ اور نہیں حکم کئے گئے۔ مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ کی اس کے واسطے دین کو خالص کر کے مثل ابراہیم کے اور قائم کریں نماز کو اور یہی دین درست اور محکم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ نے تمام مجبوع آیت کو دین منہ بایا تو اعمال بھی دین میں داخل ہوئے۔ اس لئے کہ دین اسلام چنانچہ فرمایا اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ اِسْلَامٌ یعنی بے شک دین نزدیک اللہ کے اسلام ہے۔ اور اسلام و ایمان واحد ہے۔ اس لئے کہ اگر اسلام و ایمان میں مغایرت ہوتی تو اسلام مقبول نہ ہوتا اور خدا فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَتَّبِعْ عَيْنِ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ یعنی جو شخص اسلام کے سوا دوسرا دین اختیار کرے تو اُس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں خوار و ذلیل ہونے والوں سے ہے۔ پس جب ایمان اسلام ہے۔ اور اسلام دین ہے تو اعمال بھی دین میں داخل ہوئے۔ پس اعمال جزو ایمان ٹھیکے

اعمال بھی جزو ایمان ہیں یا نہیں۔



اُن کی دوسری دلیل حدیث وفد عبد القیس ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تم جانتے ہو۔ ایمان کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ اللہ ورسولہ اعلم یعنی خدا اور اُس کا رسول خوب جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا ایمان کہتے ہیں۔ خدا کی وحدانیت اور پیغمبر کی رسالت کی شہادت دینے کو۔ اور اس کو کہ نماز، زکوٰۃ اور صوم رمضان کو پابندی کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اور غنیمتوں میں سے پانچواں حصہ خدا کے نام پر نکالا جائے۔ یہ حدیث دلیل ہے اس امر کی کہ اعمال داخل ایمان ہیں۔

## مخالفین کے اِراوات کی جانچ

غرض دونوں فریق اپنے اپنے دلائل قرآن و حدیث سے پیش کرتے ہیں اور باہم ایک دوسرے کی شبہات وار کرتے ہیں۔ اگر ہم اُن سب کا بیان کریں تو کئی مجلد تیار ہوں۔ ہماری غرض اس مختصر میں اس بیان سے یہ ہے کہ حقیقت فریقین ظاہر ہو جائے۔ اور یہ روشن ہو جائے کہ اُن کے عالموں نے اپنے اقوال کی تائید میں جو کچھ لکھا ہے۔ طریق استنباط و استدلال سے لکھا۔ و لکل وجہ ہو مولیٰ ہوا۔ یہ مسئلہ اس قسم نہیں ہے کہ اُس سے ظاہر موضوع کی یا اجماع کی مخالفت لازم آئے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ہر ایک گروہ نے ایک آئین کو اپنا متمسک بنا لیا ہے۔ اور دوسرے گروہ سے اسی بنا پر معارضہ کیا ہے۔ ان میں سے کسی کا قول ایسا نہیں جس سے کسی فرض کے چھوٹنے کا اندیشہ ہو پس یہ یہ ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کی تفصیل نہ کرے۔ اور ہر ایک اپنے متمسک کے موافق اقتدا و تہب جانے۔

## مُصنّف کا اعتقاد

انکار حق کی جہت سے مجھ پر بھی واجب ہوا کہ میں اس مسئلہ میں اپنے معتقد کو بیان کر دوں۔ مبادا کوئی کوتاہ نظریہ گمان کرے کہ اس مسئلہ میں میرا مسلک کوئی طرف سے حاشا کہ میں حب جاہ کے سبب اپنے اعتقاد کا کتمان کروں اور حق بات کے بیان سے اغماض کروں۔ اس کتاب کی انیسویں فصل میں اعتقاد اہل سنت کا بیان ہے۔



کے باب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ وہی اس فقیر کا اعتقاد ہے۔ اور اب کے کہ اس فہم میں اہل حق و دونوں فریق کا اختلاف بیان کیا گیا ہے۔ چاہئے کہ یہاں بھی اپنا مسلک ظاہر کر دوں۔

میں نے جب ہر دو فریق پر نظر غائر کی۔ اور ہر ایک کی پیش کردہ آیات و احادیث میں تامل کیا۔ تو میں نے اس قول کی متابعت کو صواب جانا کہ ایمان قول اعتقاد کا نام ہے۔ یعنی دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کو ایمان کہتے ہیں۔ اور اعمال جزو ایمان نہیں ہیں۔ اس اسطر کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کی مرویہ حدیث جو حدیث جبریل کے نام سے مشہور ہے۔ وہ اس کی مؤید ہے۔ حضرت جبریل امین نے جناب سول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا مالا یحان یعنی ایمان کیا چیز ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا ان تو من باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ و الیومہ الآخر یعنی یہ کہ ایمان لائے تو اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور روز آخرت پر یہ حدیث اس باب میں نہایت قوی متمسک ہے۔ اس میں سائل و مصداق امین وحی تنزیل ہیں۔ اور محبت رسول رب العالمین صلوٰۃ اللہ علیہ و آلہ و صحابہ اجمعین۔ اور اس حدیث کے راوی امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو اس لئے علم و فہم و ضبط و احتیاط کے سب میں اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہیں۔

## جمع و تطبیق

یہاں ایک بات ضروری ہے یعنی اس حدیث اور دوسری احادیث میں جو بظاہر اس کے خلاف ہیں۔ جمع و تطبیق اور وہ اس طرح ہے کہ میں کہتا ہوں ایمان کی اصل ہے۔ اور فروع اور ثمرات اور توابع و لواحق پس ہر ایک حدیث اپنے محل پر ولایت کرتی ہے۔ تو جانا چاہئے کہ جس حدیث میں اعمال داخل ایمان ہیں۔ اس میں توابع اور لواحق ایمان کو جمع کیا گیا ہے۔ اور اس سے تاکید بلیغ منظور ہے تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ اگر وہ عمل کو ترک کر دیگا۔ تو حق ایمان بوجہ کمال اس کے ذمہ سے ادا نہ ہوگا۔ اور آنحضرت علیہ السلام نے جو وفد سے فرمایا وہ بھی سی قسم تھا

اور توابع و لواحق ایمان کو اُس میں اخل کر دیا کیونکہ یہ لوگ ایسے تھے جو ابھی اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اور ان کو وقتِ نصر حاصل نہ تھی۔ اور وزیرانِ اصول و فروع کے تفریح نہیں جانتے تھے۔ اور اُن کی فہم ایمان کی حقیقت سے سمجھنے سے کوتاہ تھی۔ پس حضور نے سب کو ایک ہی سبک میں مشاک کر دیا۔ یعنی ایمان کے توابع کو بھی بیان کر دیا۔ اس تاویل کی صحت میں خود نبی کریم کا قول موجود ہے کہ آپ نے فرمایا۔ الحیاء شعبۂ من الایمان یعنی حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حیا مسنی ایمان میں داخل نہیں۔ کیونکہ حیا ایک امر جبلی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس پر محمول کیا ہے۔ لیکن چونکہ بدی کے بچانے میں وہ بھی ایمان کی مشابہت رکھتی تھی۔ لہذا آپ نے اُس کو بھی ایمان کی ایک شاخ فرمایا۔

## دوسرا مسئلہ

### ایمان کے کم و بیش ہونے کی بحث

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ابو حنیفہ اور اُن کے اصحاب کے نزدیک ایمان کم و زیادہ نہیں ہوتا۔ لیکن امام شافعی اُن کے اصحاب اور اکثر اہل نظر اس کے خلاف ہیں۔ و دلائل کی دلائل ظواہر نصوص سے بہت ہیں۔ امام عظیم کا قول ہے کہ چونکہ عمل و اخل ایمان نہیں ہے۔ پس مجرد تصدیق اقرار میں زیادتی و نقصان نہیں پایا جاسکتا۔ اگر آیات و احادیث اس قسم کی پائی جائیں جن سے ایمان میں زیادت و نقصان مفہوم ہو تو اُس کی تاویل مذکورہ طریقہ پر کرنا چاہئے۔ اور کہتے ہیں کہ زیادت و نقصان توابع و لواحق میں ہو سکتا ہے۔ یا تکرار استرار میں یا زیادتی یقین میں۔ اکثر اہل مکتب اس مسئلہ میں ابو حنیفہ پر تشبیع کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ گویا ہمارا ایمان مثل ایمان انبیاء و ملائکہ کے ہے جس میں زیادت و نقصان متصور نہیں۔

اس مسئلہ کے متعلق میری فہم ناقص میں یہ آتا ہے کہ ابو حنیفہ کی نظر اس جانب ہے کہ جب تصدیق میں مکانِ زیادت تسلیم کر لیں تو نقصان کا ماننا بھی ضرور ہوگا۔ اور جب نقصان پایا گیا۔ تو ایمان ناقص ہوا۔ اور ایمان ناقص مقبول نہیں ہے۔



اس لئے امام عظیم کا قول ہے کہ جب کسی بندہ میں تصدیق و اقرار پایا جائے تو وہ مومن ہے۔ اور اُس کے ایمان میں نہ تو بیشی کی گنجائش ہے۔ اور نہ نقصان کی یہی قول مستقیم ہے۔ اور جو اس کے سوا ہے۔ وہ مراتب یقین اور درجات معرفت سے ہے (جس میں کم و بیش ممکن ہے یعنی معرفت اور یقین بعض میں یا وہ ہوتا ہے اور بعض میں) پھر ہم مثل ملائکہ و انبیاء کے کیونکر ہو سکتے ہیں۔ (کہ اُن کی معرفت و یقین بڑھا ہوا ہے) اس مسئلہ میں بطریق نظر نہ ازراہ تنبیہ میرا یہی اعتقاد ہے۔ (اور میرا بھی یہی اعتقاد ہے) اور یہی مسلک اصولی و مستقیم ہے (جو کہ حضرت امام عظیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے)۔

## تیسرا مسئلہ استثناء

تیسرا مسئلہ استثناء کا ہے یعنی اگر کوئی سوال کرے کہ تو مومن ہے؟ تو جواب میں استثناء اور کہے اَنَا مُؤْمِنٌ حَتَّىٰ اٰیُنِیْ فِیْ حَقِیْقَتِیْ مومن ہوں۔ یہی مذہب امام ابو حنیفہ اور اُن کے اصحاب کا ہے لیکن بعض سلف صالحین کہتے ہیں کہ اپنے ایمان میں قطع کرنا درست نہیں۔ بلکہ جواب میں کہنا چاہئے اَمَدَنْتُ بِاِلٰہِ وَ مَلَائِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ اِنَّمَا اِیْسِیْ کے مثل حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اور یہی مذہب جمہور اصحاب حدیث کا اور حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ سے مذہب مشہور ہے کہ اپنے ایمان میں استثناء کرے۔ اور جواب میں کہے اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی یعنی اگر خدا چاہے تو میں مومن ہوں۔ عبداللہ علمی بیان کرتے ہیں کہ ایمان میں استثناء داخل کرنا یہ متاخرین کا مختار طریقہ ہے (معلوم نہیں متاخرین سے اُن کی کیا مراد ہے کیونکہ) ایمان میں دخول استثناء اتباع سے منقول ہے۔ اور امام شافعیؒ سے مشہور حتیٰ کہ اُن کے اصحاب نے اس مسئلہ میں اعتدال سے تنجا و ذکیا ہے۔ لیکن اگر دونوں فریق طریق انصاف کی نگہداشت کریں تو نہ حنفی و دخول استثناء کو مذہوم خیال کریں۔ اور نہ شافعی ایمان میں قطع کرنے کو برا سمجھیں۔ اس لیے کہ اگر لفظ دونوں فریق ایک دوسرے سے دور ہیں۔ لیکن معنایا قریب تر ہیں وہ یہ کہ جو لوگ ایمان میں قطع کرنے کو جائز کہتے ہیں اُن کی



نظر حالت موجودہ پر ہے۔ وہ پسند نہیں کرتے کہ وہ اپنے اعتقاد بابت کو جو واقع اور موجود ہیں متعلق بیشیئت کریں ان کے مسا کے موافق ایک حدیث بھی جناب مولیٰ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے منقول ہے۔ اَقْبَرُ وَاِيَاكَ اِيْمَانٍ وَ سَمِعُوا اَنْفُسَكُمْ بِالْمَوْ مَنِيْنِ اِيْمَانِ کا اعتراف کرو اور مومنین اپنا نام رکھو۔ اور جو لوگ استنشا کرتے ہیں۔ ان کی نظر و قسم باہر نہیں یا تو بظہر کمال ايمان ایسا کرتے ہیں کہ ايمان میں کمال امر و شواہ ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک عمل و عمل ايمان ہے۔ اور وہ حصول عمل میں متردد ہیں یا ان کی نظر خاتمہ پر ہے کہ انہیں معلوم نہیں۔ آخر وقت میں ان کا ايمان سلامت رہیگا یا نہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ استنشا تبرک کے خیال سے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اِيْمَانِ انہیں جوہات سے دخول استنشا یہ لوگ پسند کرتے ہونگے۔ ورنہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ پیشوا یا حلیق و مقتدایان ملت اپنے ايمان میں مشکاک و مراتب ہوں۔ ہمارا اعتقاد علمائے اہل حق کی بابت ہے۔ اور اس کے سوا ہو بھی نہیں سکتا۔

لیکن چند جوہات سے میں ترک استنشا کو صواب جاننا ہوں۔ اول یہ کہ اس کا ظاہر منطوق شک ہے۔ اور مومن کو نہ یہاں نہیں کہ ايمان میں یا طریقہ اختیار کرے۔ جو منشاء بدگمانی کا ہو۔ دوم یہ کہ سوال حال سے ہے نہ مال سے۔ پھر استنشا داخل کرنے کی صورت میں جواب مطابق سوال کے کیونکر ہو سکتا ہے۔ سوم یہ کہ اگر اس باب میں سوء عاقبت کے خوف کو معتبر جائیں تو ان کی شناخت کیا ہو سکتی ہے۔ جن کو خدا نے مومنین کہہ کر پکارا اور خطاب کیا ہے۔ اور خدا نے جن کے مومن ہونے کی بابت خبر دی ہے۔ وہ کون ہیں۔ اور جب حکم و خبر ايمان کے اسم پر علق ہو تو تا وقتیکہ اس میں حقیقت ايمان موجود نہ ہو کسی شخص کو مومن نہیں کہہ سکتے۔ تو اس صورت میں اس حکم کا جو مومن سے متعلق ہے۔ ازالہ لازم آتا ہے۔ اور خبر کی اصنامت منسوخ ہے۔ نیز اس سے لازم آتا ہے کہ کسی کا ترک و قطعاً کا نہیں کہنا چاہئے۔ اس میں بھی استنشا کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ تو معلوم نہیں کہ اس کا خاتمہ ايمان پر ہو گا یا ايمان پر۔ اور ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شرعی معاملات میں اعتبار حال کو ہے نہ مال کا رکھنا ايمان میں

بھی حال کا اعتبار ہوگا یعنی جس شخص میں بوقت سوال ایمان موجود ہو بہ نظر حال پسند ایمان میں قطع کرنا چاہئے۔ پھر بھی جو شخص غامت عاقبت سے ترساں ہو۔ وہ یہ کہہ سکے کہ میں مومن ہوتا ہوں۔ اور اسے درخواست کرتا ہوں کہ میرا خاتمہ نعمت ایمان پر کرے تو زیادہ اچھا ہو اس میں اب ادب کی بھی نگہداشت ہے۔ اور اعتراض معترض سے بھی نجات داندہ آئندہ بالمقنوع اب ۔

## چوتھا مسئلہ فقہی فی فضل ہیں یا بنی آدم

چوتھا مسئلہ یہ کہ علمائے اسلام کا اس میں اختلاف ہے کہ مطہران بنی آدم ملائکہ سے افضل ہیں بعض علماء فرماتے ہیں کہ فرستادگان خدا یعنی انبیاء علیہم السلام رسل الملہ شکتہ سے افضل ہیں۔ اور اولیائے بشر یعنی عامہ مومنین افضل ہیں۔ اکثر اہل سنت والجماعت کا مذہب میلان اسی قول کی جانب ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ملائکہ افضل ہیں بنی آدم سے۔ اور یہ قول اگرچہ معتزلہ اور بعض اُن اصحاب سے جو اکثر مسائل میں فلاسفہ کی جانب جھکے ہوئے ہیں۔ لیکن بعض اہل ایمان بھی اُن سے اتفاق رکھتے ہیں۔ یا وجودیکہ اُن کا مشرب کدورات بدعت سے بالکل مصفیٰ ہے۔ اس سبب سے ہم نے اس مسئلہ کو مطلقاً اہل بدعت کے اقادیل میں یاد نہیں کیا ہم اس مقام پر ہر ایک فریق کی محبت کو بطریق اختصار بیان کئے دیتے ہیں تاکہ امر حق صاف اور منقح ہو جائے۔ اور متابعت سلف صالحین کی حاصل ہو ۔

پہلا گروہ ان آیات سے احتجاج کرتا ہے۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَنَضَهُمْ أَوْرَ إِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ سَجْدَۃً وَالْاٰدَمَ فَسَجَدَۃً اِلَّا ابْلٰیٰۤیْسَ وَجَّۃً اَصْحٰۤبَۃً یَّہٰۤیۤہُۥۤہُۥۥ کہ آدمؑ ایسے علم سے مہم ہوا کہ ملائکہ میں سے کوئی بھی اُس کا مستحق اور مستعد نہ تھا۔ اور یہ بات آدمؑ کے لئے موجب تفضیل ہے۔ دوسرے یہ کہ خدا نے فرمایا آدمؑ کو سجدہ کرو خواہ سجدہ خدمت ہو یا سجدہ نجات یا وہ سجدہ حق تعالیٰ کے لئے ہو۔ اور آدمؑ اُس میں بمنزل قبلہ کے ہو بہر حال اس سے آدمؑ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے ۔





## منکر بن فضیل بنی آدم کے دلائل ورائے ابطال

دوسرا فرق جواباً کہتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بالاتفاق چند ایسے علوم سے مخصوص تھے۔ جن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ناواقف تھے۔ پھر بھی یہ بات خضر کے لئے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت کا سبب ہوئی۔ تو آدم کا علم الاسماء سے واقف ہوتا۔ اور ان کا مسجود ملائکہ ہونا کیونکر ملائکہ پر موجب فضیلت ہو سکتا ہے ہم جواباً کہتے ہیں کہ علم و رسل اس شخص کی فضیلت کی دلیل ہے جو اس کو جانتا ہے۔ اس شخص پر جو اس کو نہیں جانتا ہے۔ لیکن اگر علم مخصوص نہ جاننے والے کی فضیلت میں دوسری کوئی دلیل پائی جائے بسبب کسی دوسرے ابواب فضیلت کے تو نہیں کہہ سکتے کہ علم مخصوص جاننے والا محض اپنے اس علم کی سبب کسی ایسے شخص پر فضیلت رکھتا ہے۔ جو سوائے اس علم مخصوص کے تمام دوسرے علوم سے واقف ہے۔ اور جس کو دوسری وجوہات تفضل بھی حاصل ہیں پس موسیٰ علیہ السلام کا شرف رسالت کی جہت سے تھا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام کے قصہ میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور ملائکہ فضیلت علم سے خالی تھے۔ نیز ہم کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام کے جس علم سے حضرت موسیٰ آگاہ نہ تھے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بنی آدم سے کوئی بھی شخص اس علم خضر سے واقف نہ ہوگا۔ اور وہاں تو جو علم آدم علیہ السلام کو عطا ہوا اس سے کوئی فرشتہ آگاہ نہ تھا۔

اگر کہا جائے کہ آدم کو ملائکہ کا سجدہ کرنا بہت ابتلا و امتحان کے تھا۔ یہ موجب تفضل کس لئے کہا جاتا ہے۔ جو اب یہ کہ اگر یہ امر موجب تفضل نہ ہوتا تو اولین کہتا۔ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ اور اگر آدم مستحق فضیلت خاص کا نہ تھا۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِيدَيَّ اُس وقت ابلیس نے کیوں کہا۔ هَذَا الَّذِي كُنْتُ مَدَّتْ عَلَيَّ اب جب کہ ان وجوہات سے آدم کی فضیلت ملائکہ پر ثابت ہو گئی۔ تو قول تفضل ملائکہ کا بشر پر باطل ہوا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰ اٰدَمَ



وَلَوْ حَاوَا الْعَمَلُونَ عَلَى الْعَالَمِينَ اور ملائکہ وغیرہ عالمین میں جہل ہیں۔ مگر جب کوئی مخصوص نص اُس کے خلاف پائی جائے۔  
 ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اکثر جگہ کرامت سے یاد کیا۔ اور اُن کے لئے بہت مواعد مثل حُور و قصور اور ولدان و غلمان اور لباس و مشرب اور منازل و مطاعم وغیرہ کی قسم فرمائی کہ آخرت میں انہیں یہ چیزیں عطا ہونگی۔ چنانچہ فرمایا تِلَاہُ تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءُ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ان مواعد میں سے ملائکہ کے لئے کوئی وعدہ نہیں فرمایا۔

پھر اگر اعتراض کیا جائے کہ ملائکہ کو جو قرب الہی حاصل ہے۔ وہ ان تمام نعمتوں سے بڑتر ہے۔ جواب یہ ہے کہ خدا نے مومنوں کے لئے فرمایا۔ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ اور سچ یہ ہے کہ بنی آدم لذات و عانی اور حظوظ ظاہر میں بھی ملائکہ کے ہمتان ہیں۔ اور لذات جسمانی میں اُن سے مخصوص یہی بات خوب تفصل بنی آدم ہے۔

ایک آیت یہ ہے جس سے مخالفین ملائکہ کی تفصیل پر استدلال کرتے ہیں۔  
 لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ  
 یعنی حضرت عیسیٰؑ خدا کا بندہ ہونے سے استنکاف اور انکار نہیں کرتے۔ اور نہ ملائکہ مقربین (انکار کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اس آیت سے ملائکہ کی فصیحت عیسیٰ پر ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسا کہنا درست نہیں ہے کہ شہر کا امیر میری خدمت سے استنکاف نہیں کرتا۔ اور نہ پاسبان اُس کے۔ بلکہ یوں کہتے ہیں کہ امیر کے پاسبان میری خدمت سے استنکاف نہیں کرتے۔ اور نہ امیر یعنی ادنیٰ اسے اعلیٰ کی طرف ترقی کی جاتی ہے نہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف۔ جواب یہ ہے کہ خدا نے اس آیت میں دو گروہ کا ابطال کیا ہے۔ ایک نصاریٰ کا جو مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ دوسرے صائبین کا جو ملائکہ کو انبیا و اشرکہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے قول کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ خدا کا بندہ ہونے سے نہ تو عیسیٰؑ کو انکار و استنکاف ہے۔ اور نہ ملائکہ ملائکہ الہی کو۔

اُن کی ایک حجت اس آیت سے ہے وَفَضَّلْنَا هُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا هُمْ تَفْضِيلًا یعنی انبیاء کو ہم نے اکثر خلق پر فضیلت دی۔ کہتے ہیں کہ جب خدا نے فرمایا کہ ہم نے اُن کو اکثر پر فضیلت دی تو ممکن ہے کہ ملائکہ عدد و کثیر سے خارج ہوں اور انبیاء کو ملائکہ پر فضیلت حاصل نہ ہو۔ جواب یہ ہے کہ تم اس استدلال میں مصیبت نہیں ہو۔ اس لئے کہ تم نے یہ دلیل ملائکہ کی تفضیل میں پیش کی ہے۔ حالانکہ اس سے تفضیل اُن کی ثابت نہیں ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ جیسا تم بیان کرتے ہو محل آیت ایسا ہی ہو تب بھی ملائکہ بنی آدم سے فاضل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ حَقِّ خَلْقًا میں عمومیت ہے۔ پس علی کثیر ہر جنس میں سے ایک جماعت مختصر کو الگ کر لیا کہ خاص کسی تمام جماعت کو اس کے معنی یہ ہوئے کہ بعض ملائکہ بنی آدم پر فضیلت رکھتے ہیں نہ کہ سب اور بنی آدم اکثر ملائکہ سے فضلت رکھتے ہیں۔ اور سنئے کہ یہ فضیلت بھی بسبب کثرت تو ہے۔ اور نہ کسی اور جہت سے۔

اُن کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ملائکہ طرقتہ البین میں تمام مشرق و مغرب گھوم کر آتے ہیں۔ وہ بسم نوانی رکھتے ہیں۔ خدا کا کبھی گناہ نہیں کرتے اور عبادت سے کبھی قاصر و سست نہیں ہوتے۔ وہ ہوا و ہوس و حرص و شہوت کی کدورت سے پاک و صاف ہیں۔ یہ دلیل ہے ملائکہ کی فضیلت کی بنی آدم پر۔ کیونکہ ایسا ممکن نہیں کہ وجود ظلماتی اسیر حرص و ہوا مطمع شہوت و غضب عاصی و پر تقصیر ایسی پاک مخلوق پر فضیلت رکھے۔

جواب یہ کہ ملائکہ عبادت پر مجبُول ہیں۔ اطاعت اُن کی فطرت میں موجود ہے۔ وہ اسی اسطے عبادت سے مکدر و متنفر نہیں ہوتے۔ ان کو حرص و ہوا اور غضب و غصہ کی قوتیں بھی دی گئیں۔ وہ حوائج بشری اور علانی و دنیوی سے متبرا ہیں۔ پس اُن سے گناہ کیونکر سرزد ہوگا۔ پس ہر شخص جس کو یہ قوتیں ملی ہیں۔ ایک ایسے شخص سے جس کی جبلت ہی میں مذکورہ قوتیں نہیں رکھی گئیں ضرور فاضل تر ہوگا۔ کیونکہ وہ یا وجود ان موانعات کے حتی الامکان خدا کی یاد و ذکر میں مشغول ہوتا ہے۔ اور قوت ہائے محرک معاصی کی مخالفت کرتا ہے۔ اور جو عبادت بے تکلف اور بے مشقت ہوتی ہے۔ اور اُس کا ثواب بھی نسبتاً کم ہوتا ہے۔ اور کسی عاقل پر



پوشیدہ نہیں کہ صبر کرنا مخالفت ہوا و شہوت پر امدان کو مغلوب کرنا عبادت مجاہدہ سے مشقتوں بلاؤں کا تحمل ہونا ایک امر صعب تر ہے! اور جن مشکلات و بلیات و آفات و شہوات و وساوس شیطانیہ اور میل طبع و غلبہ وغیرہ میں انسان مبتلا ہیں! اور جو حاجات بشریہ مثل گرنگی و نشنگی و خوابت وغیرہ اس کو حاصل ہیں! اگر ملائکہ ان مصائب میں مبتلا ہوتے تو وہ بنی آدم سے زیادہ تریبچارہ اور درمانہ ہوتے! اور بنی آدم میں انبیاء اور اولیاء اور علماء و زہاد ہیں۔ جنہوں نے خدا کی راہ میں بڑی بڑی مشکلات برداشت کیں! اور مخالفت ہوا و ہوس و غلبہ شہوات و خواہشات میں وہ مجاہدات کئی جو عالم پر آشکا! ہیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے راہ خدا میں اپنی جانیں تک فدا کر دیں۔ مخالفین حق سے جو کچھ عداوت اُن کو پہنچے۔ وہ پوشیدہ نہیں۔ پھر بھی یہ حق تعالیٰ سے نہ پھر اور اُسی کے واسطے خالص لڑنا و انواع و اقسام کے عذابِ محن و آلام پر تحمل کرتے رہے! اور باوجود اس کے ترویج و اشاعت قوانین شرعی اور نشر توحید و ملت میں اُن کی کوشش و سعی بلیغ جاری ہی ہے۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ یہ بزرگ نفوس فاضل تر ہو سکتے ہیں یا ملائکہ جن کو دینی و دنیوی کوئی خطرہ و کیش نہیں۔ اور جن کو صرف ایک قوت عطا ہوئی ہے جس سے وہ عبادت و اطاعت الہی کر سکتے ہیں! اور بس۔ نہ اُن کو نفس راہی کرنی پڑتی ہے! اور نہ انہیں شیطانی وساوس کا خطرہ ہے۔

## موجبات تفصل نبی آدم

پھر ہم کہتے ہیں یہ عزت تو قیر کون سے فرشتہ کو حاصل ہوئی ہے۔ جو حضور سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی کہ خدا نے اُن کی شانِ کریم میں فرمایا اٰیٰہَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَٰہِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلٰی اَمْلٰہِ بِاٰذِنِہٖ وَاَسِرَاجًا مُّنِیْرًا یعنی اے (پیامبر) رسول ہم نے تم کو شاہد، مبشر، نذیر اور اُس کی اجازت سے خدا کی طرف دعوت دینے والا اور سراج منیر کی صفاتِ قدسیہ آ رہتہ کر کے دنیا میں بھیجا۔ اور کون سا فرشتہ خدا کی اس کریمانہ نوازش سے ممتاز ہوا۔ لَعَمْرُکَ



إِنَّهُمْ فِي سَكْرَةٍ لِّعَمَهُمْ هُمْ تَبْرَى جَانِ كِي سَمِ وَه لُوكِ اُنْ كِي نَشِي  
 وَ اَنُو اِذْ وُلْ هِيں اُو كِس فَرَشْتَه نِي يِه مَرْتَبَه پَايَا وَ اَتَّخَذَ اللّٰهُ اِيْرَا هِيْمَ خَلِيْلًا  
 اُو رَنِيَا خَدَا نِي اِبْرَاهِيْمَ كُو دُوسْت۔ اُو رَخَدَا نِي كِس فَرَشْتَه كِي اِيْسِي حُرْمَت كِي وَ الْقَيْت  
 عَلِيْكَ مَحَبَّة مَنِيْ اُو رِ اِلٰهِي مِيں نِي اُو پَر تِيْرِي مَحَبَّت پَانِي جَانِبِي اُو رَسْرَا يَا۔ وَ  
 اَصْطَفِيْكَ لِنَفْسِيْ اُو رَا خْتِيَار كِيَا مِيں نِي تَجْه كُو اِيْنِي نَفْس كِي لِيْ اِس كِي سُوَا  
 اُو بِيْ مَرَاتِبِيں۔ چُو قُرْآن كَرِيْم مِيں تَدْكُورِيں۔ اُو رَا حَادِيْث بَنِي آدَم كِي فَضِيْلَت پَر  
 پَر وِلَالَت كَرْتِي هِيں۔ اُن مِيں سِي اِيْك سِي هِي۔ چُو حَضْرَت اِبُو سَعِيْدُ خَدْرِي نِي اَنْخَفَرْت  
 سِي رَوَايَت كِي هِي۔ مَّا مَن نَبِيْ اَلَا وِلَه وَ زِيْرَان مِّنْ اَهْلِ السَّمَاوِ  
 وَ زِيْرَان مِّنْ اَهْلِ الْاَرْضِ اَمَّا وَ زِيْرَاي مِّنْ اَهْلِ السَّمَاوِ فِجَبْرِيل  
 وَ مِيكَائِيْل وَ وَ زِيْرَاي مِّنْ اَهْلِ الْاَرْضِ فَاِبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ ط يَعْنِيْ هَرَايْك  
 نَبِيْ كِي چَار وَ زِيْر هُوْتِي هِيں۔ دُو آسْمَانِ وَ اَلْوَلِ سِي اُو رِ وَ زِيْرِيْنِ وَ اَلْوَلِ سِي لِيْكِن  
 آسْمَانِ وَ اَلْوَلِ سِي مِيْرِي دُو وَ زِيْر تُو حِيْزِلْ اُو رِ مِيكَائِيْل هِيں۔ اُو رِ زَمِيْنِ وَ اَتُوْنِ كِي مِيْرِي  
 دُو وَ زِيْر اِبُو بَكْرٍ وَ عُمَرُ هِيں۔

پیشین کی فضیلت

اُو رَا خَفَرْت سِي اَللّٰهُ عَلِيْهِ اَلسَّلَامُ نِي فَرَا يَا۔ اَللّٰهُ كِي لِيْ جَلَّ كُو فَرَا خ  
 كَرُو۔ پھر فَرَا يَا۔ اَنَّهُمْ اِذَا كَانُوا مَعَكُمْ لَمْ يَكُونُوا مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ  
 وَ اَلَا مَن خَلَقَهُمْ وَ اَنَّمَا تَكُونُوا مِّنْ اِيْمَانِيْهُمْ وَ شَمَالَهُمْ قَالُوا اَمِنَ  
 فَضَلْنَا عَلَيْهِمْ اُو مَن فَضَلَهُمْ عَلَيْنَا قَالَ بَلْ اَنْتُمْ اَفْضَلُ مِنْهُمْ  
 يَعْنِيْ حَبِيْب تَهَا سِي سَاتْه هُوں تُو تَم اُنْ كِي آگِي يَا سَحِيْبِي مَت رِهُو۔ بَلَكِه اُنْ كِي دَايِيں  
 بَايِيں رِهُو۔ صَحَابِيْ نِي عَرَض كِيَا۔ كِيَا اِس لِيْ كِي هِيں اُنْ پَر فَضِيْلَت دِي گُئِي هِي۔ يَا  
 وَ هِيْم پَر فَضِيْلَت رَكْهْتِي هِيں۔ فَرَا يَا بَلَكِه تَم اُنْ سِي فَضْل رِهُو۔ اُو رِيْهِ حَدِيْث اَلَا اَجَل  
 ذَرِيْعَتِه مَن خَلَقْت بِيْدَايِيْ كَمِن قَلْت لِه كَمِن فَيَكُونُ فَكَانَ يَعْنِيْ مِيں اِس  
 ذَرِيْعَت كُو حِيں كُو مِيں نِي اِيْنِي دَاكُتُوں سِي بِنَا يَا۔ اِس مَخْلُوْق كِي طَرَح نِيْس كَر دِيْكََا۔ چُو صَرَف  
 مِيْرِي كُنْ كُنْ سِي ظَا هَر هُو گُئِي۔

اگر یہ دونوں کچھلی حدیثیں درست و صحیح جیسیں ہوں تو بنی آدم کی فضیلت میں  
 کوئی حجت باقی نہیں رہتی۔ لیکن دونوں حدیثوں کی نسبت میں کلام یہ ہے تاہم اسکی مطلب

کے لئے حدیث ابوسعید خدری کی کافی ہے۔ اور حدیث درست بھی ہے۔ نیز آیات اس معنی کی مؤید ہے فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ۔ کس لئے کہ اوپر کی حدیث میں مذکور ہوا کہ میرے دو وزیر اہل سما سے جبریل و میکائیل ہیں۔ اور یہاں خدا نے فرمایا کہ اللہ اور تمام نیک بندے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناصر و مددگار ہیں۔ اور فرشتے بعد اس کے کہ خدا محمد کا ناصر و یاور ہے۔

دوسری حدیث آنحضرتؐ کا مندرجہ حدیث شفاعت میں اَنَا أَوْلَىٰ خَلْقٍ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ جب پہ قیامت کے دن گرامی ترین مخلوق ہوئے۔ تو آپ کا فضل ہونا تمام ملائکہ سے ظاہر ہے کیونکہ وہ بھی مخلوق میں داخل ہیں۔ اور یہ حدیث درست ہے۔ اب ہم نے اس تقریر سے معلوم کر لیا کہ بشر ملائکہ سے افضل ہیں۔ لیکن ابھی یہ بات تفسیر کی محتاج ہے۔ تو اس کی تفسیر بقضائے آیات احادیث و استدلال شرعی کے یہ ہے کہ بنی آدم کے رسول فاضل تر ہیں۔ فرشتوں کے رسولوں سے۔ اور بنی آدم کے اولیا فاضل تر ہیں اولیاء ملائکہ سے۔ اور نیک مؤمنین فاضل تر ہیں تمام ملائکہ سے۔ اور دلیل اس ترتیب کی کلام الہی کا نظم سخن ہے۔ چنانچہ وہ آیت اوپر نقل ہوئی۔ یعنی فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ الْخَلَاءُ

اب مسئلہ درست و صاف ہو گیا۔ اور اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہی۔ پھر اگر کوئی شخص کہے کہ مجھے اس مسئلہ کی بحث سے کوئی سروکار نہیں تو اس پر کوئی حرج واقع نہیں ہوگا۔ اکثر علمائے اُمت کا یہی مسلک رہا ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ ان مسائل سے نہیں ہے کہ ان کے خلاف کرنے والے کی تفسیل کی جائے۔ مگر اس حالت میں کہ مخالف کی غرض تاہید و توثیق فرقہ باطلہ معتزلہ ہو یا وہ اقوال فلاسفہ کا مؤید ہو تو اس وقت اس کا اس مسئلہ میں اختلاف کرنا درست نہ ہوگا۔

## غیر محتاط و عظیم

ہم نے اس بات کو اس لئے ذکر کر دیا ہے تاکہ مرد موحّد خدا ترس ایسے مواضع میں اپنی رائے کو دخل نہ دے۔ اور حد اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔ اور عظامین غیر محتاط



کی باتوں پر جو غیر مستند اور بے سروپا باتیں کرتے اور بیان میں ہوا پرستی کے تابع ہوتے ہیں۔ فریفتہ نہ ہوں اور چاہئے کہ اس قسم کے اعتقاد میں مسائل میں علمائے راسخ کے قول کو قبول کرے۔ اس لئے کہ سخنان تصدیق میں پر اعتقاد رکھنا درست نہیں ہے۔ اس کے بے مزاج اور دل فاسد ہوتا ہے بعض اصحاب یہاں تک تفصیل انبیاء میں غلو کرتے ہیں کہ ان کے رُؤبُرو ملائکہ مقربین درگاہ الہی کوئی مرتبہ نہیں رکھتے۔ اور انبیاء کے مقابلہ میں ایسے ملائکہ کو بھی ہیج خیال کرتے ہیں ایسا نہ کرنا چاہئے۔ تفصیل انبیاء قرآن و احادیث سے ثابت ہے اور اگرچہ ملائکہ ملائکہ اعلیٰ فضیلت میں انبیاء سے فروتر ہیں تاہم خدا تعالیٰ کے ہاں ان کے بڑے درجات ہیں ❖

## پانچواں مسئلہ حکم اطفال مشرکین

پانچواں مسئلہ حکم اطفال مشرکین میں بعض علمائے اسلام کا قول ہے کہ اطفال مشرکین اپنے ماں باپ کے ہمراہ دوزخ میں رہیں گے۔ ان کا تذکرہ حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر ہے کہ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اطفال مشرکین کی بابت سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ لو شددت لک سمعتک بصاحبہم فی النار۔ اگر تم چاہتی ہو تو میں سنواؤں وہ اپنے صاحب کے ساتھ دوزخ میں ہیں۔ لیکن حدیث یہی ہے۔ اس مرتبہ کی نہیں کہ اس مسئلہ میں اس سے حکم کیا جائے ❖

دوسری حدیث یہ ہے کہ عقبہ بن نعیم کی گردن مارتے تھے اس نے کہا کہ میرے بچوں کا کیا حال ہوگا۔ آپ نے فرمایا آگ، حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ من صبیبتہ قال النار یہ حدیث بھی اس باب میں قابل استدلال نہیں۔ اس واسطے کہ مراد اس لفظ سے کافر ہے چنانچہ کوئی کہے مجھ کو کیا دیتے ہو۔ اور وہ غصہ میں کہے خاک ❖ اور اس بات ثبوت میں کہ اطفال مشرکین دوزخ میں جائیں گے۔ یہ حدیث ہے جو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب انہوں نے اطفال مشرکین کی بابت سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا واللہ اعلم بما کانوا عاملین یعنی اللہ کو خوب معلوم ہے کہ وہ بڑے ہو کر کیا عمل کرتے۔ اور یہ حدیث زیادہ معتبر اور مشہور



ہے۔ حدیث حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے دوسری حجت اُن کی یہ ہے کہ بچے شرک میں ماں باپ کے تابع ہوتے ہیں۔ اور شرک ہی کا سبب ہے کہ مشرکین کی طرح اُن کے بچوں پر بھی استرقاق (غلام بنانے) کا حکم جاری ہے۔ اُن کو مسلمانوں کے گورستان میں بھی دفن نہیں کرنا چاہئے۔ پس چاہئے کہ آخر میں بھی تابع اپنے ماں باپ کے ہوں۔

جواب یہ ہے کہ اگر اُن کا حکم مطلق حکم مادہ بدرہوتا تو چاہئے تھا کہ جب مسلمان اُن کے اطفال کو استرقاق کرتے تو اُن پر اسلام کا حکم جاری ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ اطفال مشرکین کی نسبت کفر کی جانب ایک رضی نسبت ہے۔ تبعیت اور اہل سے اُس کو تعلق نہیں۔ اور جب موت کے ذریعہ اطفال مشرکین اور اُن کے ماں باپ میں تفریق ہوگی۔ تو کفر کا اُن میں مطلق اثر نہیں رہے گا۔

نیز شرع شریف میں مقرر ہے کہ تخلید فی النار سوائے مشرکین کے کسی کے لئے نہیں ہے۔ پس جب اطفال مشرکین میں شرک نہیں پایا گیا۔ تو اُن کے دوزخ میں رہنے کا حکم کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ (یہ بیان اُن لوگوں کے جواب میں واقع ہوا ہے جو اطفال مشرکین کو دوزخی بتاتے ہیں۔ اب یہاں سے ایک دوسرے گروہ کا بیان شروع ہوتا ہے۔ جو اطفال مشرکین کی بابت کہتے ہیں کہ وہ بہشت میں ہیں۔)

اور بعض علمائے اسلام کا مذہب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے کوئی طاعت نہیں کی جس کے سبب ثواب کے مستحق ہوں۔ اس لئے وہ خدام اہل بہشت کے ہونگے۔ بعض اہل سنت کا میلان بھی اسی جانب ہے۔ اور اہل میں یہ مسئلہ معتزلہ کا ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ **هٰؤلاء خدام اهل الجنة** کہ وہ جنت کے لوگوں کے خدام ہونگے۔ (ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ حدیث درست ہو تو مراد اس سے یہ ہوگا کہ اطفال مشرکین بعض اہل جنت کے خدام ہونگے۔ جو دنیا میں ہونگے ہیں۔ اور اُن کی مائیں اور تائیں اس طرح پر ہے کہ **لَا تَنْهَوْنَهُنَّ وَارْتَمَتْهُنَّ فِي الْخُسْفَى** کہتے ہیں کہ اس آیت کے ہوتے کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ دوسرے کے عمل کے بدلہ میں اُن کو عذاب کریں (یعنی اعمال بدلوانے کے

والدین کریں۔ اور اطفال مشرکین ناحق دوزخ میں بڑھکیلے جائیں ہاں لوگوں پر حدیث حجت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَخْلَقَ الْجَنَّةَ وَخَلَقَ النَّاسَ وَخَلَقَ لَهَا اَهْلًا وَهُمْ فِيْ اَصْلَابِ اَبَائِهِمْ وَخَلَقَ لَهَا اَهْلًا وَهُمْ فِيْ اَصْلَابِ اَبَائِهِمْ یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور دوزخ کو پیدا کیا۔ اور جنت کے لئے اُس کے رہنے والے پیدا کئے۔ حالانکہ وہ اپنے باپوں کے صلیبوں میں تھے۔ اور دوزخ کے لئے اُس کے رہنے والے پیدا کئے۔ حالانکہ وہ اپنے باپوں کے صلیبوں میں تھے۔

بعض علماء کا مقولہ ہے کہ اس مسئلہ کا مرجع علم حق کی جانب ہے۔ اس طرح کہ اگر خدا کو کسی بچہ کی نسبت یہ علم ہو کہ وہ حد بلوغ کو پہنچ کر ایمان لاتا تو ایسا بچہ جنتی ہوگا۔ اور اگر خدا کو کسی بچہ کی بابت یہ علم ہو کہ وہ بڑا ہو کر مشرک ہی رہیگا۔ تو ایسا بچہ دوزخی ہوگا۔

یہ قول بھی اس دین میں مستقیم نہیں ہے۔ کیونکہ جب جائز نہیں کہ خدا درویش عاقل یا فقیر کو عذاب کرے۔ اس بات پر کہ اگر وہ ماں دار ہوتا تو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ یا فاسق کو اس سبب سے عذاب کرے کہ اگر وہ کچھ دنوں اور جیتا۔ تو اُس سے فسق و فجور پہلے کی نسبت زیادہ صادر ہوتا۔ پس بطور اولیٰ یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے بچہ کو عذاب نہ کرے جس سے کوئی گناہ او کفر ثابت نہیں ہوا۔

اگر کہا جائے کہ حدیث اللہ اعلم بما کانوا یعملون اس امر کے ثبوت کی روشنی میں ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے یعنی اس حدیث کے معنی اس طرح کرنے چاہئیں کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ قیامت کے دن یہ کیا کریں گے۔ اور ان کی بازگشت کہاں ہوگی۔ اس کے سوا اور بھی اس باب میں جتنے اقوال ہیں۔ قابل غور ہیں۔ یا تو اصول دین کے مخالف ہونے کے سبب یا معمول احادیث کے لحاظ سے۔ اور یا اس سبب سے کہ وہ کسی دوسری حدیث سے معارضہ کرتی ہے۔ یعنی مخالف ہے۔ جب کوئی قول ثابت نہیں۔ تو اس مسئلہ میں توقف کرنا ہی مناسب اور زیبا ہے۔ یعنی نہ تو مشرکین کے بچوں کے جنت میں



داخل ہونے کا حکم لگانا چاہئے۔ اور نہ اُن کے دوزخی ہونے پر +

بِحُثَامِ مَسْئَلَةٍ

## تکلیف مالایطاق کے بیان میں ۲

چھٹا مسئلہ تکلیف مالایطاق کے بیان میں ہے۔ مذکاتین اصحاب شافعی و اور نیز دوسرے لوگوں کا یہ مذہب ہے کہ روا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کسی ایسی چیز کا حکم دے جو اُس کے وسیع امکان میں نہ ہو۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ابولہب کے متعلق خبر دی کہ وہ کفر پر مریگا۔ اور دوزخی ہوگا۔ باوجود اس کے اس کو ایمان کی جانب مدعو کیا۔ اس سے جواز تکلیف مالایطاق ثابت ہے۔ اس کے سوا چند دوسری وجوہات و دلائل بھی بیان کئے ہیں۔ جو عوام کی فہم سے بالاتر ہیں۔ اس لئے ہم اُن کا بیان فرو گذار کرتے ہیں۔ اور اہل سنت و اجماعت کا اعتقاد ہے کہ بندہ کو مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فعال کی تحمین و تفتیح کر سکے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا۔ جو اُس کی وسعت امکان سے بالاتر ہو۔ اس سے ظاہر نص کی مخالفت ہوئی۔ کیونکہ اس سے ثابت ہے کہ

۱۔ کفایہ شرح ہدایہ ص ۱۵۱ میں ہے کہ اگر مسلمانوں کی اولاد صغیر سن میں مر جائے تو اُن کے جنتی ہونے میں کسی کو کلام نہیں کیونکہ اس باب میں کثرت سے احادیث وارد ہیں جن میں اکثر مشاہیر احادیث سے ہیں۔ اور احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ازل میں میثاق لینے کے وقت انہوں نے بھی ہلی کہا تھا۔ یعنی یہ بھی اقرار بربوبیت میں شامل تھے۔ اور حضرت امام عظیمؒ آثارِ نبوی حنیفہ میں منقول ہے کہ لوگ جو اولاد مسلمین کے جنازہ پر بتیسری تکبیر کے یہ عاڑھتے ہیں۔ اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرْطًا اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا ذَخْرًا اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَمُشَفِّعًا۔ تو اس سے صاف اولاد مسلمین کے مسلمان ہونے پر دلالت ہے۔ راء اولاد کفار کا معاملہ کہ وہ اگر ذی عقل ہونے سے پہلے مر گئے تو اُن کا کیا حال ہوگا۔ اس میں علما کا اختلاف ہے۔ حضرت امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے کہا میں خوب جانتا ہوں کہ خدا بغیر صدور گناہ کے کسی کو مستلذا عذاب نہیں کریگا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ جنت میں اہل اسلام کے خادم ہونگے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔ اور ان کا معاملہ خدا کی طرف سونپ دیا۔



یہاں ہم نے وہی باتیں یاد کی ہیں۔ جو عوام کی سمجھ میں ناسانی آسکیں۔  
اور ایسی باتیں جن کا سمجھنا ان کی فہم سے بالا تر ہے۔ ہم نے قصداً ان کا نقل کرنا

چھوڑ دیا۔

جناب نبی کریم علیہ التحیہ والتسلیم کا ارشاد ہے۔ غن معاش الاشیاء  
امرنا ان نزل الناس مناد یحذر ان تکلم الناس علی قدر عقولہم  
یعنی ہم گروہ انبیاء ہیں۔ ہم کو حکم ہوا کہ لوگوں کو ان کی منازل پر آتاریں۔ اور ان سے  
ان کی عقلوں کے مطابق باتیں کریں۔ ہم نے بھی اس باب میں حتی الامکان اس حدیث  
شریف پر عمل کیا ہے۔

سلف صالحین کا جو یہ قاعدہ تھا کہ بحث و تفتیش سے کنارہ کرتے۔ اور ان  
باتوں سے احتراز ضروری جانتے جن میں شبہات کا خوف اور جن سے عوام الناس  
کے گمراہ ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اور وہ بھی اس حدیث شریف کے عامل تھے۔ اور وہ  
اس میں مصیبت تھے، اور بہترین زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ جن کو تو حیدر مکر  
اور ایمان خالص اور یقین محض حاصل تھا۔ سو انہوں نے بھی کبھی ان ابواب میں کلام نہیں  
کیا۔ اور کوئی شبہ ان کے گرد و پیش نہیں آیا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ  
ممن یشاء اور یہ اللہ کا فضل ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہم نے اپنے بیان میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے  
اور بیگانوں کی اصطلاحات سے بھی احتراز ضروری جانا ہے لیکن سلامی ہمدی کے  
خیال سے بعض مسائل میں موافق طریقہ حق کے گفتگو کی ہے۔ کیونکہ ان پاک نفوس کا زمانہ  
اب نہیں رہا۔ اب تو بات بات میں بدعتی لوگ اعتراض اور شاخسائی نکالتے ہیں  
اور شبہات پیدا کرتے ہیں جس سے دین حق اور عوام اہل اسلام کا محفوظ و مامون رہنا  
بہت مشکل ہو گیا ہے۔ ہماری باتیں وہی حضرات پسند و اختیار کریں گے جن کو اللہ  
تعالیٰ نے دین حق اور طریق ثواب کی ہدایت کی ہے۔ اور ان کے پیرو کبھی ایسی نیک  
باتوں کو نہیں مان سکتے۔ خدا ہی انہیں منوائے اور میری ناچیز محنت کو قبول کرے  
جس کی امید پر اتنی خامہ فرسائی۔ اور صرف اوقات ہوا ہے۔ اور اسی کی پسند بس  
ہے۔

نہایت تعجب ہے ان مسلمانوں سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت رسول کریم  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور یوم آخرت پر ایمان و اعتقاد رکھتے ہیں۔ پھر باوجود



اس کے مبتدعان بے دین اور فلاسفہ کا سفہ کے مخرنات اور مغالطات میں گم جاتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ بدعتی اور فلاسفہ کا ہمیشہ سے یہ راہ رہا ہے کہ سیدھے سادھے نیک بندوں کو جو عجائز و کتاب کی مانند شریعت نبوی کے پابند نہیں بلکہ اہک میں ڈالیں۔ اور ان کو راہ سلامت سے مہلکہ خطرناک میں ڈھکیلیں مسلمانوں کو ہرگز ان کی آبلہ فریب باتوں میں نہ آنا چاہئے۔ اور ہمیشہ کتاب و سنت اور سلف صالحین کے رستہ پر چلنا چاہئے کہ یہی ایک طریقہ نجات کا ہے۔ اور اس طریقہ کو حضرت فخر بنی آدم علیہ السلام نے سواد اعظم فرمایا ہے۔ ہمیں عام مسلمانوں کی ہمدی سے کام ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ امت مرحومہ ان سیاہ کاروں کے دام فریب میں گرفتار ہو جائے۔ اور صراطِ مستقیم مذہب حق کو کھو بیٹھے۔

یہ زمانہ بڑا پرخطر زمانہ ہے۔ چاروں طرف الحاد و ارتداد کی گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ بیدریوں نے کسی مسئلہ کو سالم نہیں چھوڑا ہے۔ دین کی آڑ میں مسلمانوں کا رستہ مارتے ہیں۔ اور یہ مذاہب ڈاکو دن ڈھاٹے بیچارہ سیدھے مسلمانوں کو سیرباغ دکھا کر انہیں دوزخ کے گڑھوں میں ڈالتے ہیں۔ دعویٰ یہ ہے کہ ہم دین کی اشاعت کرتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ دین اسلام کو بیخ دین سے اکھڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اے خدا تو مسلمانوں کو ان کے زیر دست جھینگل سے بچا۔ اَللّٰہُمَّ اَشْكُوْ بَیْتِیْ وَ حُجْرَتِیْ اِلَی اللّٰہِ یعنی میں اپنے اہل و عیال کی شکایت اللہ ہی طرف کرتا ہوں۔

ختم شد کتاب عقائد توحیدی



# مُتَاجَاتُ امْرِئِ مُسْتَضَمِّ

چارہ سازی کر کہ ہیں بچارہ ہم  
راہِ حق سہی نہیں بہت بھٹکے ہوئے  
نتجہ سے اُمیدِ ہدایت ہے ہمیں  
کشتی اسلام ہے منجھدھار میں  
ہم مسلمانوں کی حالت ہے تباہ  
اعتقاد اپنا شریعت کے خلاف  
اے خدائے تادرد وانا حکیم  
ٹٹا تا ہے دیا اسلام کا  
دیں وہ جس نے غیر کو اپنا کیا  
صدقہ حضرت رسولؐ ہا شمشہی  
راہِ حق کی کر عنایت پیروی

غیر لوگوں میں ہمیں رسوا نہ کر  
از طفیل حضرت خیمہ البشر

تَمَامُ شَدِّ

# تکملہ کتاب عقائد توحیدی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## دیباچہ

بعد حمد و ثنوت کے کہتا ہے مترجم رسالہ ہذا فقیر نے بشاغتِ اختر محمد نقشبندی  
مجددی رامپوری متوطن شہر برہان پور کہ جب میں رسالہ عقائد توحیدی کے ترجمہ سے  
بفضل خداوند عالم فارغ ہوا اور اس پر نظر ثانی کی تو رسالہ مذکور میں اکثر مسائل ایسے  
نظر آئے جو نہایت بسیط و مشروح تھے اور بعض مسائل ایسے نکھائی بیٹھے جو نہایت  
وجیز و مختصر تھے پس میں نے ضروری خیال کیا کہ مسائل مختصرہ کو معہ دلائل و استدلال کے  
علیحدہ ایک تکملہ کی صورت میں کتاب کے آخر لگا دوں تاکہ طالبین کو پورا استفادہ ہو  
اسی ضمن میں بعض ایسی ضروری باتیں اور اہم مسائل بھی کتب معتبرہ سے بیان کر بیٹھے ہیں جو  
اصل کتاب میں موجود نہیں اور وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن سے مصنف نے غرض  
نہیں کیا۔ اور وہاں صرف اشارات سے کام لیا ہے۔ دوسرے وہ جن کا وجود مصنف  
علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں نہیں تھا۔ اور بعد کو پیدا ہوئے ہیں۔ ضروری اباحت کی تشریح  
و تصحیح تو عا شیبہ ہی میں کر دی جا اور یہاں بالقتصر اباحت و جیزہ کو لکھا ہے۔ ہر ایک  
چیز کے ساتھ ساتھ نشانِ صنف بھی لکھ دیا ہے تاکہ اصل کتاب سے دیکھنے میں قوت



نہ ہو۔ انشاء اللہ ناظرین اس تکملہ کو نہایت مفید پائیں گے۔ جناب باری سے استدعا ہے کہ وہ اس کتاب کی مانند اس تکملہ کو بھی طالبان حق کے لئے فائدہ مند اور مقبول عام کرے۔ وہو الخامون \*

فائدہ (۱)

## تمہید مطالب و تحصیل مآرب

قَالَ أَهْلُ الْحَقِّ حَقَائِقُ الْأَشْيَاءِ ثَابِتَةٌ مَرَاتِمُ عَقَائِدِهِمْ حَكِيمَةٌ  
کامیابی اس اعتقاد پر ہے کہ ہر چیز کیلئے ایک حقیقت ہے نفس الامر میں جو قطع نظر علم  
اعتقاد مردم سے ثابت و واقع ہے۔ لہذا اہل الحق یعنی پیران قدم بقدم طریقہ محمدی اور  
صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کے جو ملقب بلقب اہل بعثت و الجماعت ہیں۔ فرماتے  
ہیں کہ دنیا کی ہر ایک موجودہ چیز کی (کیونکہ معدوم اُن کے نزدیک کوئی شے نہیں ہے)  
حقیقت ہے جس سے کسی ذی عقل کو انکار نہیں ہو سکتا یعنی آگ آگ ہے پانی پانی سڑ  
سڑ ہے اور گرم گرم۔ اس کی حقیقت نفس الامر میں موجود و ثابت ہے۔ نہ مجرد و ہم خیال  
جیسا کہ فرقہ سوفسطائیہ کا خیال ہے کہ اس فرقہ کے بعض لوگ عالم کو محض گمان و خیالات  
کہتے ہیں۔ اور ماہیت و حقیقت ہستی سے انکار کرتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ چیزوں کی  
حقیقت نفس الامر میں ثابت نہیں صرف اعتقاد سے متعلق ہے پس اگر ہم کسی چیز کو جوہر  
مان لیں تو جوہر ہے۔ اور اگر عرض اعتقاد کریں تو عرض۔ اسی طرح اگر ہم آگ کو پانی تصور  
کریں۔ تو پانی ہے۔ اور اگر پانی کو اب یقین کر لیں۔ تو آگ حکم عقل و شرع کی رو سے  
باطل دیا وہ ہے۔ اس فقرہ کے کچھ لوگ ایسے ہیں جو ہر چیز کے ہونے یا نہ ہونے میں  
شک کرتے ہیں بلکہ اپنی شک میں بھی شک کرتے ہیں۔ وہاں جہاں فرقہ سوفسطائی کے پہلے  
گروہ کو عناد یہ دوسرے کو عندیہ اور تیسرے کو لا اور یہ کہتے ہیں \*

دلیل و استدلال کے ساتھ ان لوگوں کو الزام دینا اور قائل کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ  
وہ دلائل و استدلال سے بھی انکار کرتے ہیں۔ پس ان کے جواب دینے اور ملزم کرنے  
کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اُن کو پکڑ کر آگ میں ڈال دیا جائے۔ پس اگر ان کو آگ نے  
جلا دیا۔ تو فہو المراد۔ اور اگر آگ میں گر کر اس کی گرمی سے نکل بھاگے تو آگ کی حقیقت



خونجو و معترف ہو جائیں گے ہمارے زمانہ میں اگر اس قسم کے لوگ پائے جائیں تو ان کی اس تمام مخرجات کا جواب یہ ہے کہ بجائے ان کے لازم کرنے کے ان کی جانب سے خاموشی اختیار کی جائے۔ اور ان کی جہالت کو انہیں کے حوالہ کیا جائے عقلمند خود حقائق اشیا کے خود معترف ہیں۔ صرف چند نادانوں کے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے؟ وَالْعِلْمُ بِمَا مُتَحَقِّقٌ اور ان اشیا کا علم خارج میں مرشد ہے یعنی ہر شخص جانتا ہے کہ جوہر جوہر ہے۔ اور عرض عرض اور حادث حادث ہے۔ قدیم قدیم۔ جوہر عرض نہیں ہو سکتا۔ اور نہ عرض جوہر ہو سکتا ہے۔ اسی طرح حادث قدیم نہیں ہو سکتا اور نہ قدیم حادث ہو سکتا ہے۔ وَأَسْبَابُ الْعِلْمِ لِلْخَلْقِ ثَلَاثٌ اور کسی چیز کی اصل حقیقت دریافت و معلوم کرنے کے لئے تین اسباب ہیں۔ جو مخلوق اسکے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کا علم سبب کی احتیاج نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ عالم بالذات ہے نہ عالم بالغیر الْحَوَاسُ السَّلِيمَةُ پہلا سبب وہ حواس ہیں جو نقص سے خالی اور آفات سے سالم ہوں۔ وَالْخَبَرُ الصَّادِقُ دوسرا سبب خبر صادق ہے۔ وَالْعَقْلُ اور تیسرا سبب عقل ہے۔

أَمَّا الْحَوَاسُ فَخَمْسٌ لیکن حواس کی پانچ قسمیں ہیں۔ اول سمع (سُنا)، دوسری بصر (دیکھنا) تیسری شم (سونگھنا) چوتھی ذوق (چکھنا) پانچویں لمس (چھونا) وَلِكُلٍّ مِنْهَا تَوْقِفٌ عَلَى مَا وَضَعَتْهُ لَهَا۔ ان حواس خمسہ میں سے ہر ایک حس ہی دریافت کر سکتا ہے۔ جس کے لئے وہ بنایا گیا ہے۔ تو قوت سامعہ صرف آوازوں کی حقیقت و کیفیت معلوم کر سکتی ہے۔ اور باصرہ دیکھنے کے ذریعہ صرف الوان و رنگوں کی پہچان کر سکتی ہے۔ ایسا نہیں کہ سامعہ باصرہ کا کام کر سکے۔ اور باصرہ سامعہ کی مانند آوازوں کی حقیقت معلوم کر سکے۔ یہی حال دوسری تینوں مذکورہ کا ہے۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ قوت ذائقہ تو حرارت و برودت وغیرہ کا بھی ادراک کر سکتی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ حرارت و برودت وغیرہ کی ماہریت کا دریافت ازہاں کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ جو تمام بدن میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور وہ ذوق میں موجود ہے پس ذائقہ نے حرارت و برودت کا ادراک نہیں کیا۔ یہ ادراک لمس کا ہے۔ نہ کہ ذائقہ کا۔

وَالْخَبَرُ الصَّادِقُ عَلَى نَوْعَيْنِ اور خبر صادق کی دو قسمیں ہیں۔  
 أَحَدُهُمَا الْخَبَرُ الْمُسَوِّاتِ پہلی قسم خبر متواتر ہے۔ جو پہلے درپے یکے بعد  
 دیگرے پہنچی ہو۔ وَهُوَ الْخَبَرُ الثَّابِتُ عَلَى السِّدَّتِ قَوْمٌ لَا يَتَصَوَّرُ  
 تَوَاطُّعَهُمْ عَلَى الْكِبَرِ اور یہ خبر ہے۔ جو ایسی قوم کے اخبار و اتفاق  
 سے ثابت ہو۔ جس کا کذب پر اتفاق کرنا تصور میں نہ آ سکے۔ پس اس قسم کی خبر  
 موجب علم ضروری کے ہوتی ہے کہ اُس میں شک و گمان کو بالکل دخل نہیں رہتا جیسے  
 گذشتہ سلاطین و ملوک کے حالات جو سنیں یا غیب میں واقع ہوئے ہیں۔ اور دور و  
 سے شہروں کے واقعات جو وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے ہیں۔ اگر یہ حالات واقعا  
 ہم کو مشرطاً کتب مذکورہ کے ساتھ پہنچے ہیں۔ تو ان سے علم یقین حاصل ہو جاتا ہے  
 وَالشَّوْخُ الثَّانِي خَبَرُ الرَّسُولِ الْمَوْجِبُ بِالْمُعْجَزَةِ  
 اور خبر صادق کی دوسری قسم ایسے رسول کی خبر ہے جو معجزہ کے ساتھ تقویت دیا  
 گیا ہو۔ یعنی اس کی رسالت معجزہ کے ذریعہ ثابت ہوئی ہو۔ اور رسول اُس مرد بزرگ  
 کو کہتے ہیں۔ جس کو خدا تعالیٰ نے مؤید بالمعجزہ کر کے خلق کی طرف بھیجا ہو تاکہ وہ  
 احکام الہیہ مخلوق کو پہنچا دے۔ اسی کو نبی کہتے ہیں۔

لیکن بعض علمائے نبی و رسول میں تفریق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول وہ ہے۔  
 جس پر کتاب نازل ہو۔ اور نبی وہ ہے جس پر کتاب نازل نہ ہو۔ بلکہ وہ اپنے رسول  
 کی کتاب منزل من اللہ کے مطابق خلق اللہ کی ہدایت کرے۔ و سیاقی تقریر کا  
 انشاء اللہ اور خبر رسول موجب علم استدلالی کے ہوتی ہے۔

وَالْعِلْمُ الثَّابِتُ بِمُيَضَّاهِ الْعِلْمِ الثَّابِتِ بِالْظُّهُورِ  
 فِي الْيَقِينِ وَالثَّبَاتِ اور یہ علم جو رسول کی خبر سے حاصل ہوا یہ بھی مانند اُس علم  
 کے ہے جو بصورت ثابت ہوا یقین اور ثبات میں۔ یعنی اس علم میں بھی کسی قسم کے  
 شک و شبہ کو دخل نہیں ہوتا جس طرح خبر متواتر کے علم میں گمان کذب کا نہیں ہونا  
 وَآمَّا الْعَقْلُ فَهُوَ سَبَبُ الْعِلْمِ أَيْضًا رَهِيَ تَمِيزُ ابْوَابِ  
 عِلْمِ كِي يَعْنِي عَقْلٌ تُو وَهِي عِلْمٌ عَاطِلٌ هُوْنِ كَا سَبَبٌ پَسِ اس میں سے جو علم بالمبدات  
 حاصل ہو۔ وہ علماء کلام کی اصطلاح میں علم ضروری کہلاتا ہے۔ جیسے اس بات کا علم



کہ ہر ایک چیز کا جزو اُس کے کل سے چھوٹا ہے۔ اور اُس میں سے جو علم استدلال کے ذریعہ حاصل ہو۔ اُس کو اکتسابی کہتے ہیں۔ جیسے دُہواں دلیل ہے آگ کے وجود کی۔  
 وَالْأَلْهَامُ لَيْسَ مِنْ أَسْبَابِ الْمَعْرِفَةِ بِصِحَّةِ الْكُنْهَةِ حَيْثُ  
 أَهْلُ الْحَقِّ اور اہل حق کے نزدیک الہام کسی چیز کی صحت کے لئے اسباب معرفت سے نہیں ہے۔ وَالْعَالِمُ بِجَمِيعِ أَجْنَائِهِ مُحَرَّثٌ اور عالم اپنے تمام اجزاء کے ساتھ حادث ہے یعنی خدا کے سوا تمام چیزیں حادث ہیں کہ غیبی سے ہستی میں آئی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اُن کو وجود بخشا ہے۔ اور یہ تمام چیزیں قابل فنا ہیں۔ لَا شَيْءٌ هُوَ آغِيَانٌ وَاعْرَاضٌ اس جہت سے کہ عالم دو حال سے خالی نہیں۔ اُس کی بعض چیزیں اعیان ہیں۔ (قائم بذاتہ) اور بعض چیزیں اعراض ہیں۔ (قائم بغیرہ)۔ پھر وہ چیز جس کا قیام اُس کی ذات سے ہے۔ اور محتاج بحمل و مکان نہیں دو قسم، یا تو مرکب دو چیز یا زیادہ سے۔ جیسے اجسام اور یا غیر مرکب جیسے جوہر اور جوہر وہ چیز ہے۔ جو قابل قسمت نہ ہو۔ چنانچہ فرمایا۔ وَهُوَ الْجُزْءُ الَّذِي لَا يَتَجَزَّى یعنی چیز غیر مرکب ایسا جزو ہے جو منقسم نہیں ہو سکتا۔ جیسے نقطہ۔

وَالْعَرَضُ مَا لَا يَقُومُ بِذَاتِهِ اور عرض وہ ہے جو اپنے قیام میں محتاج کسی دوسری چیز کا ہو۔ جیسے صفت جو موصوف کی محتاج ہے۔ اور عرض حادث ہوتا ہے۔ اجسام و جوہر میں۔ پس صفات الہی عرض نہیں۔ اس لئے کہ قائم بالذات ہے۔ اور جسم جوہر میں اُن کا حد و ثبوت نہیں ہوتا۔ مثال عرض کی ایک مثال ان ہیں۔ جو اجسام میں عارض ہوتے ہیں اور قائم بالذات نہیں ہیں۔ دوسرے اکوان یعنی چیزوں کا حد ہونا مراد اس سے اُن کا اجتماع و افتراق اور حرکت و سکون ہے۔ تیسرے طعوم یعنی مزے خواہ کسی قسم کے ہوں۔ جو ذائقہ کو عارض ہوتے ہیں۔ وَالْمُحْكَمَاتُ لِلْعَالِمِ هُوَ اللَّهُ اور عالم کو ہستی میں لانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ جَلَّ جَلَالُهُ وَعَظَّمَ تَوَالُّهُ (تفصیل اس کی عقائد توحیدی میں ہے)۔



## فائدہ ۲۵

## ایمان کی کچھ اہم شرٹا خیں ہیں

متعلقہ صفحہ ۲۸

چنانچہ حدیث شریف میں ہے اَلَا یْمَانُ یُضَمُّ وَ سَبْعُونَ شُعْبَةً  
 اَفْضَلُهَا شَوَّلُ اِلَٰهٍ اِلَٰهَ اللّٰهِ وَ اَذْ نَآهَا اِمَانَةٌ اِلَٰذِی عَنِ الطَّیِّبِ  
 یعنی ایمان کی کچھ اہم شرٹا خیں ہیں۔ اُن سب میں بزرگ تر یہ کہنا ہے کہ اللہ  
 کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ اور سب میں ادنیٰ تکلیف وہ چیزوں کا رستے  
 دور کرنا ہے۔ مولانا امام سیّد ابوالہدیٰ نے اپنی کتاب شریعت الباہرہ میں ان شرٹا  
 کو بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ وہیں سے ہم حسب ذیل شرٹا خیں مختصراً لکھتے ہیں :-

- (۱) کلمہ توحید (۲) تصدیق رسالت (۳) غسل جنابت (۴) وضو (۵) نماز
- (۶) زکوٰۃ (۷) رمضان کے روزے (۸) حج (۹) جہاد (۱۰) ہجرت
- فی سبیل اللہ (۱۱) استقامت فی الدین (۱۲) لزوم جماعت (۱۳)
- نصیحت (۱۴) امر معروف (۱۵) نہی منکر (۱۶) عدل (۱۷) امانت
- (۱۸) صدق (۱۹) ایفائے وعدہ (۲۰) لوگوں کو تکلیف نہ دینا (۲۱)
- خوش سلوکی اور نیکی (۲۲) صلہ رحمی (۲۳) حمان نوازی (۲۴) حقوق
- ہمسایہ (۲۵) کلمہ خیر کے سوا ہر بات سے خاموشی (۲۶) غیرت (۲۷)
- تقویٰ (۲۸) لغویات سے کنارہ کشی (۲۹) ورع (۳۰) قناعت (۳۱)
- دل اور زبان کا ایک ہونا (۳۲) خدا کی صفات و اسماء پر ایمان لانا۔
- (۳۳) قضا و قدر پر ایمان لانا (۳۴) انبیاء و رسل پر ایمان لانا (۳۵) کتب
- الہی پر ایمان لانا (۳۶) جنوں اور شیطانوں کے وجود پر ایمان لانا۔
- (۳۷) کلمہ گو کو کافر نہ کہنا (۳۸) سنت نبوی پر چلنا (۳۹) اخلاص فی
- الدین (۴۰) توبہ (۴۱) صبر (۴۲) شکر (۴۳) زہد (۴۴) توکل (۴۵)
- رضا (۴۶) خوف خدا (۴۷) رجا (۴۸) حب فی اللہ (۴۹) بغض فی
- اللہ (۵۰) حیا (۵۱) حسن خلق (۵۲) خدا کے حاضر و ناظر ہونے پر

اعتقاد (۵۳) یہ اعتقاد کہ خدا میرے تمام اعمال پر مطلع ہے (۵۴) بایوسی اور نومیری کو ترک کرنا (۵۵) حسد سے دُور رہنا (۵۶) ہمیشہ ذکرِ خدا کرنا۔ (۵۷) علم حاصل کرنا اور پھیلانا (۵۸) لغو سے بچنا (۵۹) کفر سے نفرت کرنا (۶۰) تواضع (۶۱) روزِ آخرت پر ایمان لانا (۶۲) حبث کے وعدوں پر پختہ یقین رکھنا (۶۳) دوزخ کا پورا اعتقاد رکھنا (۶۴) علاماتِ قیامت پر ایمان لانا (۶۵) احوالِ قبر پر ایمان لانا (۶۶) احوالِ عالمِ برزخ (۶۷) پلصراط پر ایمان لانا (۶۸) میزان پر یقین لانا (۶۹) حساب پر ایمان لانا (۷۰) شفاعت پر ایمان لانا (۷۱) حوضِ نبوی پر ایمان لانا (۷۲) دیدارِ الہی (۷۳) ظلم اور ظالموں سے بھاگنا (۷۴) شاہِ وقت کی اطاعت (۷۵) مروت (۷۶) راستہ سے ضرر رساں چیزوں کو دُور کرنا ۔

ایمان کی جتنی شاخیں اوپر بیان ہوئیں۔ یہ اور ان کے سوا جو کچھ بھی ہیں۔ سب کمالِ ایمان پر دال ہیں۔ یعنی ایمان کامل کسی شخص کو جب حاصل ہوتا ہے کہ اُس میں مومنین کی جملہ صفاتِ حسنہ پائی جائیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے اَلْمُؤْمِنُ مَن سَلَّمَ الْمُؤْمِنُونَ مِنْ يَدَيْهِ وَ لَيْسَ اَيْهِ یعنی مومن کامل وہ ہے جس کے ہاتھ سے اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں۔ مومن کی ایک ربیب بڑی اور اعلیٰ صفت اس حدیث میں بیان فرمائی ہے اَلْمُؤْمِنُ مَن اَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى اَمْوَالِهِمْ وَ دِمَائِهِمْ یعنی مومن وہ ہے جس کو لوگ اپنے مالوں و جانوں کا امین بنائیں ۔

خیال کرنا چاہئے کہ وہ شخص کیسا کامل مومن ہوگا۔ جس پر تمام نوعِ بشر کو عام اس سے کہ وہ مشرک ہو یا مومن اس قدر اعتبار ہو کہ وہ اس کو اپنی جان و مال کا امین اور محافظ بنا دے۔ یہ اسلام تو دونوں اولیٰ کے مقدس نفوس کا تھا کہ ان کے اوصافِ حمیدہ اور ذہانت و تقویٰ اور ورع و عدالت وغیرہ کو دیکھ کر غیر مسلم لوگوں کا بھی اُن پر ایسا اعتماد و بھروسہ تھا کہ ان کو اپنی مال و جان کا امین بناتے۔ اور اُن کی حکومت سے جدا ہونے کو دل سے ناپسند کرتے تھے۔ اب رہا اصل دین اسلام جس کے بدوں کوئی مسلم یا مومن نہیں کہا جاسکتا۔ اُس کے تین درجے ہیں۔ اسلام ایمان اور حسان



اسلام کے باب میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے۔  
 اَللّٰهُمَّ اَنْ تَشْهَدَ اَنَّ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ  
 وَتُقِيْمَ الصَّلَاةَ وَتُوْفِيَ الزَّكَاةَ وَتُصَوِّمَ رَمَضَانَ وَتُجِزَّ الْبَيْتَ  
 اِنْ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا یعنی اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے اس بات کی  
 کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے  
 رسول ہیں۔ اور قائم کرے نماز کو۔ اور ادا کرے زکوٰۃ کو۔ اور روزے رکھے رمضان  
 کے۔ اور حج کرے خانہ کعبہ کا۔ اگر تجھ میں وہاں پہنچنے کی استطاعت ہو۔

اور ایمان کی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے اَنْ تُوْمِنَ  
 بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَكُنْتُمْ وَرَسُوْلِهِمُ الْاٰخِرِ وَتُوْمِنَ بِاَنَّ  
 لَقَدْ رَحَبْنِيْ وَشَسْرٌ یعنی ایمان لائے تو اللہ پر اور اُس کے فرشتوں  
 پر اور اُس کی کتابوں پر، اور اُس کے رسولوں پر، اور روزِ آخرت پر، اور ایمان لائے  
 تو نبی اور بدی کے اندازہ کرنے پر کہ تقدیر خیر و شر خدا کی طرف سے ہے۔  
 اور احسان کی نسبت آپ نے فرمایا اِنْ تَعْبُدُوْا اللّٰهَ كَمَا تَأْتِيْكُمْ  
 فَاِنْ لَّكُمْ تَكْلِيْنٌ شَرًّا فَاِنَّكَ يَرَاكَ یعنی عبادت کرے تو خدا کی اس طرح کہ گویا  
 تو اُس کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اُس کو نہیں دیکھتا۔ تو وہ تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔

فائدہ ۳۴

## خالق عالم کی شناخت میں

متعلقہ صفحہ

حضرت شیخ شہاب الدین توحیدی ج نے اپنی کتاب عقائد میں ہستی باری تعالیٰ کے  
 ثبوت، اور خالق عالم کی شناخت کے متعلق دو قسم کے دلائل بیان کئے ہیں۔ دلائل النفس  
 اور دلائل آفاق، ہم ان دونوں قسم کے دلائل کو ذرا وضاحت سے بیان کرنا چاہتے  
 ہیں۔ لیکن قبل اس کے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ غور و فکر اور تدبیر کی تعریف کریں۔ کیونکہ  
 دلائل مذکورہ کی حقیقت پر پہنچنے کا یہی ایک بڑا ذریعہ ہے۔ لہذا ہم کہتے ہیں کہ خدا  
 تعالیٰ نے کئی مقام پر تدبیر و فکر کی تعریف فرمائی ہے۔ اور حضرت رسول خدا صلی اللہ



علیہ السلام نے بھی اس کی صفت اور اس سے عمدہ نتائج حاصل کرنے کا ذکر کئی آیات میں کیا ہے \*

معتبر کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر بزرگان دین صرف تدبیر و فکر کے ذریعہ بڑے بڑے مدارج عالیہ پر فائز ہوئے ہیں۔ اسی واسطے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تَفَكَّرْ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةٍ سِتِينَ سَنَةً ایک ساعت کا فکر کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اس ثابت ہوا کہ تفکر فی الاء اللہ بڑی فاضل چیز ہے \*

قرآن کریم میں ہے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّاُولِيْ الْاَلْبَابِ یعنی اس کے اندر عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں کہ وہ ان پر غور کر کے خالق عالم کی شناخت آسانی سے کر سکتے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا۔ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كَيْفَ خُلِقَتْ وَ اِلٰى السَّمٰوٰتِ كَيْفَ رُفِعَتْ وَ اِلٰى الْاَرْضِ كَيْفَ نُصِبَتْ وَ اِلٰى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ یعنی کیا وہ نہیں دیکھتے۔ اونٹوں کی جانب کہ وہ کس طرح پیدا کئے گئے ہیں۔ اور آسمان کی جانب کہ وہ کیونکر بلند کئے گئے ہیں۔ اور پہاڑوں کی جانب کہ وہ کیسے قائم کئے گئے ہیں اور زمین کی جانب کہ وہ کس طور پر بچھائی گئی ہے۔ غرض بہت سی آیات ہیں جن سے غور و فکر کی فضیلت اور اس کے ذریعہ خداوند عالم کی شناخت کی راہ مل سکتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت نماز پڑھتے تو زار زار روتے۔ میں نے عرض کیا اے حضور! آپ کیوں روتے ہیں۔ خدا نے آپ کے لگے پچھلے ذنوب معاف کر دیئے ہیں۔ فرمایا اے عائشہ میں کس لئے نہ روتوں کہ تجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِلٰمٍ لِّمَنْ يَّعِزُّ اَسْمَانُوْنَ اَوْرِزْمِنْ كِيْ يَّسِيْدٰئِشْ بِيْنَ اَوْرٰتِ دُنُوْں كِيْ اَخْتِلَافِ بِيْنَ ذِيْ عَقْلٍ اَصْحَابِ كِيْ لِيْ بُسْتِ نَشَانِيَاں ہستی باری تعالیٰ اس

مناجی الخ میں فکر کرنے کی فضیلت

موجود ہیں پس افسوس اس شخص پر کہ یہ آیت پڑھے اور غور و فکر سے کام نہ لے۔  
 اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنی آنکھوں کو عبادت سے نصیب  
 دو۔ عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ! یہ کس طرح۔ فرمایا آنکھوں کی بڑی عبادت یہ ہے کہ قرآن  
 کریم کی تلاوت کی جائے۔ اور آیات الہی میں فکر و تامل سے کام لیا جائے۔ اور اس  
 کی عجائبات سے عبرت پکڑ لی جائے۔ حضرت ابوسلیمانؓ فرماتے ہیں کہ دنیا کی فکر عبادت  
 کو زیادہ کرتی ہے۔ اور آخرت کی فکر حکمت و انانیت عطا کرتی ہے۔ اور اس سے دل زندہ  
 ہوتے اور قلوب تازگی پاتے ہیں۔ بعض اولیائے کرام رحمہم اللہ کے حالات میں لکھا ہے  
 کہ فکر میں اس درجہ مستغرق ہوتے کہ اس وقت دنیا و مافیہا بلکہ اپنی ہستی وجود تک کی  
 انہیں مطلق خبر نہ رہتی۔

## فکر کرنے کی ترکیب

فکر کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ خلوت میں بیٹھ کر نہایت خاموشی اور ادب کے  
 ساتھ عجائبات عالم اور نیز اپنی خلقت پر نظر غائر کرے۔ اور خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ  
 جل جلالہ نے مجھے کیوں اور کس لئے پیدا کیا ہے۔ اور دنیا کا اتنا بڑا عظیم الشان  
 کارخانہ کس غرض سے ظہور میں لایا گیا ہے۔ یہ تو ایک نہایت سست و پست خیال ہے  
 کہ دنیا خود بخود بدوں مدد و تخلیق کسی صانع کے وجود میں آگئی ہو۔ اور اس کی نہ ابتدا  
 ہو نہ انتہا۔ اور یہ بھی ایک رکیک رائے ہے کہ میں صرف اس لئے عالم بروز میں لایا  
 گیا ہوں کہ تمتعات و لذات دنیاوی سے چند روز تک بہرہ مند ہو کر اور جمع مال و مال  
 میں تنہا رہ کر دنیا سے اس طرح رخصت ہو جاؤں کہ اس کے بعد مجھے خداوند عالم سے  
 کوئی سروکار اور کسی قسم کا روحانی یا جسمانی تعلق نہ رہے۔ مجھے نہ تو کسی کو اپنے اعمال کا  
 حساب دینا پڑے۔ اور نہ میرے ذمہ کوئی بازخواست ہو۔ انسانی زندگی صرف دنیا  
 تک محدود ہو۔ اور اس کے بعد کوئی جدید زندگی حاصل نہ ہو۔ یہ تمام خیالات و اہی  
 اور اوپری نظر والوں کے ہیں جو اکثر نادانوں کے دلوں میں گدگداتے ہیں۔ وہ اگرچہ  
 خود کو بڑا عقلمند خیال کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ان سے زیادہ اور کوئی بیوقوف  
 نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی زندگی کی وقعت حیوانات سے زیادہ نہیں سمجھتے۔ اور







بعض فکینہ تمتد افترا حرص و طمع کو کھونے میں اُس کی سعی مبذول ہے۔ یہ غور و فکر اس شخص کے لئے مفید ہے جو توحید و رسالت کا مقر و معترف ہے۔ لیکن وہ شخص جو ہر سے خدا کی ذات و صفات ہی کا منکر ہے نہ اپنی کتاب ہستی کا مطالعہ اس طرح کرے کہ اس کی خلقت میں جو صنائع و بدائع رکھے گئے ہیں۔ ان میں سے کسی بھی صفت کو بغیر اُس پر غور کی نظر کئے نہ چھوڑے۔ اور پھر خیال کرے کہ باوجود اس التقویم کی نسبت میں خل ہونے اور باوجود اس اختیار عظیم کے وہ کیسا بے بس اور مجبور ہے کہ اگر ایک چمچ یا کھٹی اُس کو پریشان کرنا چاہے تو وہ اس کو ہرگز دفع نہیں کر سکتا۔ اُس کے بعد ربِّ عزیز الوجود چیز دل ہے جس پر مدار زندگی ہے۔ تو اُس کی یہ حالت ہے کہ دن رات کے تمام بیداری کی ساعتوں میں اس کو کبھی اور کسی ساعت بھی قرا نہیں۔ اُس کی مثال ایسی ہے کہ جنگل میں ایک خشک پتھر پڑا ہے۔ اور زور کی آندھیاں چل رہی ہیں کہ کبھی وہ اُس پتھر کو کبھی ایک قرار پر نہیں رہنے دیتیں پس ثابت ہوا کہ اُس کے دل کا یہ تغیر اور ساعت بساعت انقلاب حالت اُس نے اختیار سے باہر ہے۔ بلکہ ایک ضروری چیز دفع مضرت اور جلب منفعت پر بھی جو اُس کی طرح عام حیوانات کو بھی دی گئیں ہیں۔ وہ اپنی مرضی کے موافق قادر نہیں۔ لہذا اُس کے قوی تر قادر و قاہر کا ہونا ضروری ہے۔ اور انسان کی ساری کل اُسی ایک کے دستِ قدرت میں ہے۔ اس طریق پر انسان اگر اپنی خلقت میں غور کرے۔ اور جیسی کہ اُس کی عادت ہے اپنی ساخت اور کائنات کی خلقت کو دوسری نظر سے نہ دیکھے۔ تو بہت جلد اس کو صدقِ دل سے اس بات کا اعتراف کرنا پڑیگا کہ ہستی واجب الوجود کا اقرار انسان کی بڑی سعادت اور اصلی شرافت ہے۔

ہم یہاں آسانی سے سمجھ میں آنے کے لئے سوہ دہر کی چند ابتدائی آیتیں نقل کرتے ہیں جس میں انسان کو اُس کی ہستی کی جانب نظر غائر ڈالنے پر توجہ دلائی گئی ہے۔ اور پھر بتایا گیا ہے کہ ہمیں نے اس کو باہمہ خوبی بٹے بکراں پیدا کیا ہے۔ چنانچہ وہ آیت یہ ہیں۔

هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَحْدٌ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا  
إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا  
بَصِيرًا

فرمایا کیا انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی گزرا ہے کہ اُس کے متعلق کوئی شے مذکور نہیں تھی۔ ہمیں نے اُس کو ایک ایسے نطفے سے پیدا کیا۔ جو مختلط اور درہم آمیختہ

ہے۔ اس لئے کہ اس کو آزمائشیں دے کہ وہ ہماری شناخت اور ہماری عبادت کرتا ہے۔ یا نہیں) تو ہم نے اُس کو سنتا اور دیکھتا کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ اُس وقت نہ تو انسان کو وجود ذہنی حاصل تھا اور نہ وجود لفظی یعنی اُس کا نام تک فرشتوں اور جن وغیرہ کی زبان پر جاری نہ تھا۔ بالکل نیست و نابود تھا۔ پھر ہم ہی نے اُس کو نطفہ مخلط اور مرکب سے پیدا کیا۔

## انسانی ہستی کی ابتدا

اس آیت شریف میں غور کرنے سے کئی نصیحتیں مل سکتی ہیں۔ اول یہ کہ انسان کوئی ایسی ہستی نہیں ہے کہ اس کی خلقت کی کوئی ابتداء ہو۔ اور وہ ہمیشہ سے اسی طرح پیدا ہوتا چلا آتا ہو جیسا کہ فلاسفہ کا قول ہے کہ انسانی ہستی کی کوئی ابتدا نہیں۔ اور وہ ہمیشہ سے پیدا ہوتا چلا آتا ہے یعنی یہ سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے کہ نطفہ سے انسان اور انسان سے نطفہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا ہوگی۔ اور نہ کبھی اُس کے خلاف واقع ہوا ہے۔ اور نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی ترویج میں فرماتا ہے کہ اُن کا یہ قول غلط ہے بلکہ ایک وقت ایسا تھا کہ انسان کی صورت و شکل تو دوسری بات ہے۔ اُس کا نام و نشان تک بھی نہ تھا۔ ہم نے اس کی ابتدا اس طرح کی کہ سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو کھنکھاتی مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اُس میں روح ڈالی۔ اُس کے بعد اُن کی بیوی حوا کو اُن کے بائیں پیلو سے پیدا کیا۔ بعد ازاں ہم نے یہ سلسلہ جاری کر دیا کہ قطرہ منیٰ ناپاک اور گنہ سے انسان کو پیدا کرتے ہیں۔ یہ بھی ہماری قدرت ہے۔ ہمارے سوا کس میں طاقت ہے پانی کے ایک قطرہ سے ایسی زیبا شکل بنائے۔ کیا خوب فرمایا ہے۔

وہ نطفہ را صورتے چوں پرسی کہ کردست بر آب صورت گری

## روح اور مادہ کی قدامت کا ابطال

دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ انسان ابتدا میں معدوم تھا۔ اور اُس کو کسی قسم کا عقلی یا حسی وجود حاصل نہ تھا۔ پھر خدا ہی نے اس کو وجود عطا کیا۔ اُس سے یہ بات



سمجھنا چاہئے کہ انسان خود بخود وجود میں نہیں آگیا ہے۔ جیسا کہ فلاسفہ اور دیگر مذاہب کے لوگ کہتے ہیں کہ دنیا ازلی ابدی ہے۔ اُس کا کوئی صانع نہیں ہے رُوح و مادہ یہ دونوں چیزیں پہلے سے موجود تھیں۔ پھر کیف و اتفق ان میں اتصال ہو گیا۔ اور اس طرح انسان پیدا ہو گیا۔ یہ قول بھی غلط ہے۔ بلکہ خدا فرماتا ہے کہ ہم ہی نے اپنی قدرت سے اُس کو پیدا کیا ہے دنیا اور انسان تمام حادث بالذات ہیں۔ ہم ہی اُن کو عدم وجود میں لائے۔ اور ان سب وجود عارضی ہے۔ سب کو ایک ن فنا ہے۔ باقی ہماری ہی ذات ہے۔

## بعث بعد الموت

ایک اور جگہ خدائے کریم نے انسان کو بڑی صاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ جس سے ہر ذی عقل اپنی ہستی کی حقیقت معلوم کر کے ذات الہی کی معرفت اور اُس کی عظمت و جلال کو سمجھ سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے یٰٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاْتَاخَذْنَا كُم مِّنْ شَرَابٍ شَرٍّ مِّنْ نُّطْفَةٍ شَرٍّ مِّنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِّنْ مُّضْغَةٍ مُّخْلَقَةٍ وَ عَلِیْكُمْ فُخْلَقَةٌ يَّبِیِّنُ لَكُمْ بِعِیْنِ لَوْ كُوْا اِذَا تَمَّرْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وِیْبَارِهِ اِیُّكُمْ اُكْھَنُ كَیْ بَابِیْنِ شَاكُ كَرْتُمْ ہُو (اور اُس کو محال جانتے ہو تو سمجھ لو) کہ ہم نے تم کو پہلے پل مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے۔ پھر خون کے ٹھکڑے سے۔ پھر پوری اور ادھوری بوٹی سے تاکہ ہم تم پر اپنی قدرت ظاہر کریں۔

اس آیت میں اہل کفر اور تمام ان منکرین کا جواب دیا گیا ہے جو کہا کرتے تھے کہ جب ہم فنا اور ہلاک ہو جائیں گے تو پھر کبھی اُٹھنے کے نہیں! اور ہمارا قبر سے اُٹھنا مرنے کے بعد بالکل ناممکن ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اوج حقیقت میں کوئی چیز نہیں۔ جائداد صرف خون کے سہارے چلتے پھرتے اور زندگی کرتے ہیں۔ یعنی خون ہی مدار حیات ہے۔ جب خون خشک ہو گیا۔ بس یہی موت ہے۔ اس کے بعد انسان گل ریز خاک میں مل جاتا ہے۔ یہ لوگ رُوح کو ایک ایسی چیز بتیں مانتے کہ وہ جسم علیحدہ ہو کر باقی اور زندہ اور قائم رہے۔ اس آیت میں انہیں لوگوں کو خیالات کی تردید کی گئی ہے۔





بنائیں پس بزرگ ہے خدا اچھا پیدا کرنے والا ۛ

اس آیت شریف میں انسانی پیدائش کو بڑی خوبی سے با اترتیب بیان کیا ہے اور شک نہیں کہ انسانی پیدائش کا یہی سلسلہ ہے۔ اور یہی مراتب ہیں کہ مٹی سے پہلے انسان کی غذا پیدا ہوتی ہے۔ آدمی اُس کو پکاتا کھاتا ہے۔ پھر مٹو کلاہن تولید غذا کے خلاصہ سے بحکم باری تعالیٰ خون و مٹی بناتے ہیں مٹی کی پیدائش ہضم چارم کے فضلہ سے متعلق ہے یہاں بھی سمجھ لینا چاہئے کہ مٹی ایک مقام پر منجمد نہیں ہوتی۔ بلکہ منتشر اور تمام اعضاء بدن میں پھیلی ہوتی ہے۔ چونکہ خداوند تعالیٰ نے عضو مخصوص میں قوت شہوی کو مسلط کر دیا ہے۔ اس واسطے مٹی تمام اعضا سے تحلیل ہو کر اُس ستہ سے اخراج کرتی ہے۔ اور اس قوت میں کچھ ایسی طاقت آجاتی ہے کہ ہر ایک عضو سے جذب کر کے اجزائے مٹی کو ایک جگہ فراہم کر دیتی ہے۔ جب قوت و شہوت مرد و عورت پر غالب آتی ہے۔ تو وہ محبت میں مشغول ہوتے ہیں۔ مرد کی مٹی صلب سے اور عورت کی مٹی تراب یعنی سینہ سے نزول کر کے رسم میں جاگرتی ہے۔ یہاں آ کر اُس میں غلظت یعنی گاڑھا پن آ جاتا ہے۔ پھر مٹی خون کی صوت قبول کرتی جاتی ہے۔ عورت کے حیض کا خون بھی اُس میں شامل ہوتا ہے اور مینوں میں اجتماع ہو کر ایسی غلظت آ جاتی ہے کہ وہ لو تھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ زیادہ بستی پر آ کر بوی کی شکل پکڑتا ہے۔ پھر بوی میں زیادہ سختی آ جاتی ہے۔ اور اُس میں خدا کی حکمت سے ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور ہڈیاں کے آس پاس گوشت لپٹا جاتا ہے پھر جب انسانی کالبد کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ تو اُس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے روح یعنی جان ڈالتا ہے۔ روح کی حقیقت آج تک کسی کو معلوم نہیں ہوئی۔ کہ وہ کیا ہے۔ اور کسی نے اس لاینحل مسئلہ کو ابھی تک حل نہیں کیا۔ بڑے بڑے جلیل القدر فلاسفہ اس جگہ ساکنہ ہیں۔ اور انشاء اللہ آئندہ بھی ساکت و سامت ہی رہیں گے۔ کیونکہ خدا نے جب اپنے الودہم پیغمبر صلوٰۃ اللہ الاکبر کو جب آپ کے لوگ روح کے متعلق سوال کرتے تھے روح کی حقیقت ظاہر کرنے سے ممانعت کی اور فرمایا کہ سائلین کے جواب میں صرف یہ کہ دو کہ روح امر ربی ہے۔ اور امر ربی کی تحقیق میں کہ اُس سے مراد کیا ہے۔ علما کو اختلاف ہے۔ چنانچہ صاحب عقائد توحیدی نے اس کو بڑی تشریح سے بیان کیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۹۴۔ تو پھر کس کی مجال ہے کہ اس سرسبز راز کا انکشاف کرے۔



غرض انسان اپنی عقل و دانائی کے بل بوتے پر جسم انسانی کی تشریح پر ایک صد تک جیسا ہو سکتا ہے اور ہو جاتا ہے۔ مگر روح کی حقیقت سے مطلقاً نا بلند ہے۔ حتیٰ کہ فلاسفہ باہر ریش و خش و عصبے باطل و انانی خود اس بات کے معترف ہیں کہ ہمیں روح کی حقیقت کی دریافت میں مطلق کامیابی نہیں ہوئی۔

## روح کی حقیقت سے بعض لوگ آگاہ ہیں

ہاں عالم کائنات میں کچھ حضرات ایسے بھی ہو گئے ہیں جو حضرت روح سے آگاہ ہیں۔ یہ بزرگ ہیں جو ریاضات و مجاہدات اور مکاشفات و مراقبات کے ذریعہ صرف خداوند عالم کی توفیق سے کشف سرا رکرتے ہیں۔ اور انہیں وہ مکاشفات ہوتے ہیں جو انسانی عقول کو حیرت میں ڈالتے ہیں یعنی حضرات انبیاء و اولیاء نے صرف خدا کی توفیق سے روح کی حقیقت دریافت کی ہے لیکن اس کے اظہار کی انہیں مطلق اجازت نہیں تھی۔ صرف ان کی کتب کے مطالعہ سے ظاہر ہوا ہے کہ وہ اس ایک صد تک قہف ہوتے ہیں۔ ہمارا تو یہ اعتقاد ہے کہ روح خدا کے سرستہ سزوں میں ہے ایک مخفی راز ہے جس سے ہمیں مطلق آگاہی نہیں پس روح کے مسئلہ کو چھوڑ کر صرف انسان اپنی ہی ساخت اور حالت کا معائنہ کرے۔ تو ہستی واجب الوجود کا اعتراف بلاشبہ ریٹ گمان پورے یقین سے ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدمی کو ایک خاص صورت عطا فرمائی ہے کہ اُس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ جیسے کہ حدیث اِنَّ اللہَ خَالِقُ اَدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهِ سے ظاہر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم کو اُس کی خاص صورت پر پیدا کیا ہے۔ انسان کے جس عضو کو بغور دیکھو۔ قدرت الہی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اگر پوری تحقیق و بسط کے ساتھ اعضاء انسانی کی تشریح کی جائے تو اُس میں کئی عجبتیا رہو جائیں۔ لہذا ہر شخص کی نہ تو یہ استعداد و قابلیت ہے کہ پوری تشریح کر سکے اور نہ اس کو ایسی بسیط تشریح پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ جو باری حقیقت کیلئے بس یہی کافی ہے کہ وہ انسان کے کسی عضو خاص مثلاً آنکھ کو لے لے جو تمام جسم میں ایک چھوٹا سا عضو ہے۔ اور پھر اس کے متعلق کتب طب و بیدک و ڈاکٹری میں بقدر وسعت اپنی



معلومات کے علمائے جو کچھ شریعہ لکھی ہے اس کو بیدار غور اور نظر تعمق ملاحظہ کرے۔  
تو وہ ہرگز یہ دلیری نہ کرے کہ خدا کی بنائی ہوئی مخلوق کو محض اتفاقی سمجھے بلکہ صدقِ ل  
سے اعتراف کرے کہ اس تمام عالم کائنات کا بنانے والا خداوند عالم خالق بنی آدم ہے  
مثلاً بے نظیر و احد و قهار ہے۔ دنیا کی تمام طاقتیں اس کی لاڈ وال طاقت سے فروتر  
ہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اُس کی ذات و صفات میں کوئی شریک نہیں۔

ایک زمانہ گزرا کہ میں نے ایک عالم بیجو دی جب کہ میں خدا کی لازوال قدرت  
کا معائنہ کر رہا تھا۔ چند اشعار و لائلِ انفس کے باب میں لکھے تھے موقع و محل کے مناسب  
سمجھ کر ان کو ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ اور خدا کے جلال و جبروت سے ادب کا خوشگوار  
ہوں وَمَا تَوْفِیقِي إِلَّا بِاللَّهِ

غور کر لے بندۂ حق کی ذرا  
کون تھا تو اور کیوں پیرا ہوا  
اسم کا تیرے مسمیٰ کون ہے  
اصل اپنی تو نے پہچانی نہ جیف  
تو خبر ہے اور مجھ سے کون ہے  
تو ہے مخلوق اور خالق کون ہے  
عارضی ہیں یہ مین و آسمان  
انجم افلاک جب خالق نہیں  
اپنے مُبدا پر نظر کر آئے انجی  
کیوں ہے تو غافل تلاشِ مایہ سے  
طینِ لا زب سے ترا قالب بنا  
فلسفی کی فلسفیت گم ہوئی  
تیری خلقت دیکھ کر حیرت میں ہیں  
پر عجب یہ ہے کہ تو ہے یو عجوب  
تیری خلقت گر ہو تیری راہبر  
فاعل مقبول و فاعل و نفع سال

چشمِ حق ہیں کو حقیقت میں اٹھا  
جلوہ کس کا اس جس میں ہے بھرا  
جسم کے پرے میں خفا کون ہے  
کس طرح ظاہر ہوئے یہ کم و کیف  
تو اثر ہے اور موثر کون ہے  
سجدۂ طاعت کے لائق کون ہے  
سوچ تو موجود اصلی ہے کہاں  
کدے دل سے کلا احب الا فلیں  
چھوڑ دے یک نخت مائی و منی  
بھاگتا کیوں، تو اُس دلدار سے  
زور عقل و ہوش پھر کس نے دیا  
منطقی کی حجت و برماں گئی  
دہری و طبعی الہی کیس کریں  
عجیبِ نحویت چھوڑتا ہو وصل رب  
دور ہوں پھر این آں کے رنجِ خطر  
ایک ہی ہیں گر تو جانے اپنا حال

عادت معلول سے غافل ہے تو  
 عادت غائی تری کیا ہے اخی  
 تو ہے مصنوع کون ہے صانع ترا  
 بے بنائے بھی کوئی بنتی ہے چیز  
 رنگ سے رنگریز کو پہچان لے  
 آدمی اک قطرہ ناپاک کھتا  
 عاجز و ناچار تھا مثل جماد  
 درت و پاؤ گوش چشم و استخوان  
 کچھ نہ تھا موجود جز آب قلیل  
 صلب سے وافق ہوا آب کہیں  
 خون حیض اور زرد آب بس میں ملا  
 نطفہ کو خلق کیا، مصنفہ کیا  
 طبع ہے اصل اور سب تحویل ہے  
 جب کہ وہ مثل ہیولی بن گیا  
 بن گئے اعضا بہ شکل خوب تر  
 سن تو اب تفصیل اس اجمال کی  
 اصلیت سے اپنی تامل ہو تو  
 جب کرے تو فکر اپنی ساخت پر  
 جسم کی تیرے عجب ترکیب ہے  
 سب بتیں کا احاطہ ہے محال  
 جب خدا نے روح ڈالی جسم میں  
 چیز بے مختلف پیدا ہوئیں  
 معدہ و کلبہ جگر دل اور و ماغ  
 غور کر پھر ہڈیوں پر جسم کی  
 ہر اک اپنی شکل میں سب سے جدا

انفصال و فصل سے جا رہا ہے تو  
 مقصد قصہ کو سوچو تو سہی  
 خشت گر کا خشت دیتی ہے پتا  
 بے اٹھائے بھی کہیں آٹھتی ہے چیز  
 موج سے دریا کی طاقت جان لے  
 بے نردبے عقل بے ادراک تھا  
 خواب بیداری تھی کچھ اس کو نہ یاد  
 شمع و بصیر و طاقت و تاب تو اس  
 گندہ و ناپاک بس خوار و ذلیل  
 جسم ماور میں رہا اک اربعین  
 نطفہ آمشاج کا یہ مطلب ہوا  
 اس طرح انسان کو پیدا کیا  
 غیر ازیں بے سود قال و قبل سے  
 پھر نخت فیہ من مریحی کہا  
 ہو گئی اک شکل زیبا جلوہ گر  
 تاکہ ہو کا نور سب تیری نمودی  
 تاشوی قارغ تو از ہر رنگ و  
 آئندہ ہوں تجھ پر سب عیب ہنر  
 تیرے اعضا میں بڑی ترتیب ہے  
 کس میں طاق ہے اور کس میں محال  
 تب ہوا محض مستحق اسم میں  
 چشم و پیکر و زبان و دست و سر میں  
 اس میں رکھا عقل کا روشن چراغ  
 سن لے اب مجھ سے تو حالت اسم کی  
 گرد و پین و ہم طویل ہر اک بحال



کوئی پر مغز اور کوئی بے مغز ہے  
علم کا جو ہر بھی انسان کو دیا  
حضرت انسان کی کیا بات ہے  
خلق آدم قدرت اللہ ہے  
کشف سے اسرار مخفی جان لے  
گر خودی کو دور کر دے لے عزیز  
پھر جو کچھ نسبت ہے تیری یا سے  
یہ انانیت ہے تیری سدا راہ  
گرچہ تو جزوی و حق کل لے اخی  
ہم تو باشی ببل و ہم گل شوی  
مہر و قہر و لطف و جور از تو بود  
عشق کی آتش ہو ایسی شعلہ زن  
جب کہ ہو محروق تیرا جسم زار  
سوختہ ہو ماسوی اللہ تار سے  
اپنے مبداء پر جو ڈالے تو نظر  
سمع و بصر و دست و پا کام و زبان  
گر تقرب سچے حق ہو دامن شا  
یار ہی کے ساتھ دیکھے اور مستے  
گفت چو لالہ پیشوائے عارفان  
چوں شدی من کان اللہ از ولہ  
کہ تولی گویم ترا گل ہے نسیم  
دیکھتے ہشیاء کا جو ہو رنگ نلون  
حسن نیرنگی کے سب جلوے ہیں یہ  
اُس کی رنگریزی کل ہے سارا اثر  
نالہ محسوس سے دل کو اکھٹا

پشت کو زینت دی مہرہ ار سے  
لیس شبی مثلہ جس سے بنا  
خلق میں یہ مظہر آیات ہے  
ہیچو آدم در دو عالم نیست شے  
اور صفائی قلب سے پہچان لے  
دور ہو یکبارگی فرق و تمیز  
ہو حباب موج سے ظاہر نیچے  
پھرتا ہے جو در بدر شام و بکاہ  
گر کنی اندیشہ کل کل شوی  
جان تو از وصل گل یا بد نوی  
عاشقی معشوق تو عاشق شو  
جس کے شعلوں سے جل سارا بدن  
نور معشوقی سے ہو تبدیل تار  
پھر تو نور دوست ہی باقی ہے  
تفرقہ کا دور ہو مطلق اثر  
نطق و ذوق و لمس و شم تاب توں  
ان قوی سے یار ہو جلوہ نما  
ید بطش و ہمیشی سچ کرتا ہے  
مولوی رومی کہ بد تاج جہاں  
حق ترا با شد کہ کان اللہ  
ہر چہ گویم آفتاب روشنم  
جلوہ نیرنگ ہے در ہر دو کون  
وہ ہے محبوب اور سب پر ہے یں یہ  
وادی ایمن ہو یا طور و شجر  
حسن نیرنگی کا پھر جلوہ دکھا



مرتبہ ہے یہ فناء فی اللہ کا ہے یہی مادی ہر اک گمراہ کا  
فہم کر اس رمز کو اور غور کر  
دور کر دل سے جہاں کے سب خطر

فائدہ (۲)

## قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں

متعلقہ صفحہ ۲۲

جماعہ حقہ اہل سنت کا اتفاق ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔  
مخلوق نہیں ہے۔ اور اس کی وحی ہے۔ اور اس کا اتارا ہوا ہے۔ نہ وہ اس کی ذات  
ہے اور نہ اس کا غیر ہے۔ بلکہ تحقیق یہ ہے کہ وہ اس کی صفت ہے لکھا ہوا ہے  
سیپاروں میں۔ پڑھا گیا ہے زبانوں پر یاد ہے دلوں میں۔ حلول نہیں کیا ہے۔ اور  
سیاہی اور کاغذ اور کتابت مخلوق ہیں اس لئے کہ یہ بندوں کے فعل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ  
کا کلام مخلوق نہیں ہے۔ اس لئے کہ کتابت اور صرف اور کلمات اور آیات قرآن  
پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ بندوں کو ان کی طرف احتیاج پڑتی ہے۔ اور اللہ  
تعالیٰ کا کلام اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اور اس کے معنی اس سے  
سمجھے جاتے ہیں۔ پھر جو کہے کہ اللہ کا کلام مخلوق ہے وہ کافر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ  
عبادت کیا جاتا ہے ہمیشہ سے ہے اس کا کلام پڑھا جاتا ہے۔ اور لکھا ہوا ہے  
اور محفوظ ہے اس سے زائل نہ ہوگا (ہدایا ترجمہ ص ۱۱۱)۔

عمدة النفسی میں ہے۔ وَالْقُرْآنَ کَلَامَ اللّٰهِ تَعَالٰی غیر مخلوق  
مولانا برٹان رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ قرآن کلام حق سبحانہ و تعالیٰ  
کے ساتھ مقید کیا گیا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ قرآن جو ہمارا کلام ہے یہ الہی ہے کلام  
قدیم پرانی مخلوق ہے۔ اور وہ مدلول قدیم جس طرح کہ کتابت حادث ہے اور کلام

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مسئلہ خلق قرآن میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چھ بیانیہ  
نکات مناظرہ کیا۔ پھر میری اور ان کی رائے اس پر قائم ہوئی کہ جو قرآن یعنی اللہ کے کلام کو مخلوق  
کہے وہ کافر ہے۔ ۱۲۔

قدیم اور سمیع حادث ہے۔ اور مسموع قدیم اور حفظ حادث ہے۔ اور محفوظ قدیم اور قرآن حادث ہے۔

اور مقررہ قدیم شرح عقائد میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا۔ القرآن کلام اللہ تعالیٰ غیر مخلوق ومن قال انہ مخلوق فهو کافر باللہ العظیم۔ ملا علی قاری اس حدیث کی حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ بیجا کہ تخریج الاحادیث میں بیان کیا ہے۔ اور خلاصہ طیبی میں ہے کہ حدیث موصوع حدیث کے معنی یہ ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔ اور جو اُس کو مخلوق کہے وہ کافر ہے۔ اگرچہ یہ حدیث موافق اعتقاد اہل سنت والجماعت کے ہے لیکن اُس کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعتقاد نہ کرنا چاہئے۔ غرض خلق قرآن کی بحث میں من گڑھ ہیں۔ ایک گروہ حنا بلہ کا جس کا قول ہے کہ قرآن مع اپنے حروف و اصوات اور توالی و ترتیب وغیرہ کے قدیم اور قائم بذات الہی ہے دوسرا گروہ اہل سنت والجماعت کا جس کا اعتقاد ہے کہ قرآن یعنی کلام الہی قدیم اور غیر مخلوق ہے نہ حروف و اصوات اور کاغذ و سیاہی وغیرہ اس لئے کہ اُن کا حادث ہونا ظاہر ہے۔ اسی بنیاد پر ہمارا اعتقاد ہے کہ اگر کوئی مشرک قرآن شریف کو نعوذ باللہ جلا بھی ڈالے۔ تو کلام الہی و سیاہی قائم و محفوظ ہے گا۔ جیسا پہلے تھا۔

تیسرا گروہ معتزلہ کا ہے۔ جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام یعنی قرآن مخلوق ہے اس لئے کہ قرآن شے ہے اور خدا ہر شے کا خالق۔ پس قرآن کا بھی خالق ہے تو مخلوق ہوا اُن کا جواب یہ ہے کہ قرآن کلام الہی ہے۔ اور خدا منتصف یہ کلام ہے۔ اور جب ہم اس بات کو ثابت کر چکے ہیں کہ کلام نفسی قدیم ہے۔ اور کلام صفات الہی ہے۔ اور خدا کی صفات و اسماء تو اُس کی عین ہیں نہ غیر اور خدا کی صفات قائم بذاتہ تعالیٰ ہیں تو قرآن قدیم و غیر مخلوق ہوا۔

اور یاد ہے کہ ہم حروف و اصوات اور الفاظ کو قدیم نہیں کہتے۔ بلکہ کلام الہی کو قدیم کہتے ہیں۔ رہا معتزلہ کا یہ کہنا کہ قرآن شے ہے۔ اور شے تمام مخلوق ہے کیونکہ قرآن سے ثابت ہے۔ انہ خالق کل شیء تو اُس کے جواب میں ہمارا یہ کہنا ہے کہ قرآن کریم میں تم یہ پڑھ چکے ہو۔ کل نفس ذائقة الموت یعنی ہر ایک



نفس موت کا سزا دیکھنے والا ہے اور اس آیت سے و یحییٰ ذکّر اللہ نفسہ  
یعنی اور ڈرا لے ہم کہ اللہ اپنے نفس سے خدا تعالیٰ کا نفس ہونا ثابت ہے۔ پس جب  
ہر نفس پر حکم جاری ہے۔ تو خدا بھی نفس ہے۔ چاہئے کہ اس پر بھی موت کا حکم جاری ہو  
اس کے نفس پر سزا ہو اور وہ ہے۔ یہی ہمارا جواب ہے۔ قرآن کے شے ہونے کے  
متعلق ❖

## قرآن کا معجز ہونا

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں قرآن شریف کو کلام  
الہی منسوب کیا ہے اور بظاہر مخبر ثابث کرتے ہوئے۔ ان امورات کا تذکرہ کیا ہے  
جن میں فصاحت و بلاغت کا پایا جاتا عام طور پر دشوار تسلیم کیا گیا ہے۔ اور باوجودیکہ  
قرآن پاک میں اکثر انہیں امورات کا بیان ہے۔ تاہم اس میں اس درجہ کی فصاحت و  
بلاغت موجود ہے جس کا مقابلہ فصحا و بعاث سے عرب میں سے کوئی بھی نہ کر سکا۔  
فاضل موصوف نے ان امورات کے ساتھ ان باتوں کو بھی بیان کیا ہے۔  
جن میں فصاحت کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ہر شخص کی طبیعت ایک  
خاص معنوں کے لکھنے پر زیادہ فائدہ ہوتی ہے۔ اگر اسے چھوڑ کر وہ چاہے کہ دوسرا معنی  
اس عمرگی سے لکھ سکے تو ممکن نہیں۔ اور ایک بات یہ ہے کہ ہر شخص کے کلام میں صرف  
چند شعریات و فقرات دلچسپ ہوتے ہیں۔ سب کے سب اور قرآن کریم ان جملہ  
مخصصات سے علیحدہ ہے۔ باوجود اس کے فصاحت اور حسن بیان کے ایسے درجہ  
بلند پر ہے کہ طائر عقل و خرد اس کی پرواز سے عاجز ہے۔ ❖

امام رازی نے ان امورات کو سات قسم پر تقسیم کیا ہے۔ اَحَدُھَا  
اکثرہا فی وصف المشاہدات مثل وصف یحییٰ و فرس او  
جاریتہ او ملک او ضربتہ او طننۃ او وصف حرب او وصف  
غارۃ و لیس فی القرآن من ہذا کلام شیعہ شیعیؑ فكان یحب  
ان لا تحصل فیہ لفاظ الفصحۃ الَّتِیْ اُتقت العرب علیہا  
فی کلام معمر و ثانیہا انہ تعالیٰ داعی فیہ طریقۃ الصّمد ق و



تنسره عن الكذب في جميعه وكل شاعر تراعى الكذب وانتشره  
 الصدق نزل شعره ولحم يكن حبيداً ألا ترى ان لبيد بن ربيعة  
 وحسان بن ثابت لما اسلما نزل شعرهما ولم يكن سهمهما  
 الا سده في الجوده كشعرهما الجاهلي وان الله تعالى معه تنسره  
 عن الكذب والمجاز لقد جاء بالقران فصيحاً كما ترى .  
 وثالثهم ان الكلام بالفصيح والشعر الفصيح انما يتفق  
 في القصيدة في البيت والبيتين والباقي لا يكون كذا الاك وليس  
 كذا الاك القل ان لانه كله فصيح بحيث يغيب الخلق عنه كما عجبوا  
 عن جملة .

ورابعها ان قل من كان شعراً فصيحاً في وصف شيء فانه  
 اذا كرره لم يكن كلامه الثاني في وصف ذلك الشيء بمنزلة  
 كلامه الاول وفي القران تكرار الكثير ومع ذلك كل واحد منها  
 في نهاية الفصاحة ولم يظهر التفاضة اصلاً .

وخامسها انه اقتصر على ايجاب العباداة وتحريم القباح  
 والحث على مكارم الاخلاق وترك الدنيا واختيار الاخيرة  
 وامثال هذه الكلمات توجب قليل الفصاحة .

وسادسها انهم قالوا شعر من في القيس يحسن عند الطرب  
 وذكر النساء وصفة الخيل وشعر لنا بغة عند الخوف وشعرنا  
 الا عشي عند الطلب ووصف الخمر وشعر الزهبي عند الرغبة  
 والرجاء وبما الجملة فكل شاعر يحسن كلامه في فن فانه يضعف  
 كلامه في غير ذلك الفن اما القران فانه جاء فصيحاً في كل فنون  
 على غاية الفصاحة ألا ترى انه سبحانه تعالى قال في الترغيب  
 فلا تعلم نفس ما اخفى لهم من قرة اعين وقال تعالى وفيها  
 ما تشتهي الانفس وتلدن الاعين وقال في الترهيب افا ننتقم  
 ان يخف بكم جانب البر وقال تعالى امنتم ان يخف بكم الارض

فَاِذَا هِيَ تَمُوتُ وَتَقَالَ رَخَابٌ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ اِلَى قَوْلِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ  
اَغْرَقْنَا وَقَالَ فِي الْوَعْدِ مَا لَا يَنْيِدُ عَلَيْهِ اَفَرَايْتُ اَنْ مَتَعْنَاهُمْ  
سِنِينَ وَقَالَ فِي الْاَلْهِيَا تِ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثَىٰ وَمَا تَغِيصُ  
الْاَرْحَامُ وَمَا تَنْدَادُ اِلَى الْاٰخِرَةِ ۝

وَسَابِقُهَا اَنَّ الْقُرْآنَ اَصْلُ الْعُلُوْمِ كُلِّهَا فَعَلِمَ الْكَلَامُ كُلَّهُ  
فِي الْقُرْآنِ وَعِلْمُ الْفِقْهِ كُلُّهُ مَا خُوِذَ مِنْ الْقُرْآنِ وَكَذَلِكَ اَعْلَمَ  
اصُوْلُ الْفِقْهِ وَعِلْمُ النُّحُوِّ وَاللُّغَةِ وَعِلْمُ الدُّنْيَا فِي الدُّنْيَا وَ  
اَخْبَارُ الْاٰخِرَةِ وَاسْتَعْمَالُ مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَمِنْ تَامِلِ كِتَابِنَا فِي  
دَلَائِلِ الْعَجَازِ عَلِمَ اَنَّ الْقُرْآنَ قَدْ بَلَغَ فِي وُجُوهِ الْفَصَاحَةِ اِلَى  
نَهَايَتِ الْقُسْوَى - ترجمہ :- پہلا امر یہ کہ عرب کی فصاحت اکثر مشاہدات کے  
وصف میں ہوتی ہے - جیسے اونٹ - گھوڑے - لونڈی - بادشاہ - ضرب - طعنہ وغیرہ  
کی تعریف کرتا یا عرب اور غارت کا وصف بیان کرنا - اور قرآن شریف میں ان اشیاء میں سے  
کسی شے کا ذکر نہیں ہے - تو چاہئے تھا کہ اُس میں وہ فصاحت نہیں پائی جاتی جس  
پر اہل عرب نے اپنے کلام میں اتفاق کر لیا ہے - (حالانکہ باوجود عدم ذکر اشیاء مذکورہ  
کے قرآن میں اس درجہ فصاحت ہے کہ اُس سے بلا تر متصویر نہیں - پس ثابت ہوا کہ  
یہ کلام الہی ہے غیر مخلوق ہے اور کلام بشر نہیں) ۝

دوسرا امر یہ کہ اشعارِ شانہ لائے تمام قرآن کریم میں طریقِ صدق کی عایت  
کی ہے - اور وہ کذب کے بالکل پاک ہے - اور جس شاعر نے کذب کو ترک کیا - اور سچائی  
کو لازم کر لیا - تو اس کا شعر فصاحت کے مرتبہ سے گر جاتا ہے - اور کچھ زیادہ جبر نہیں  
ہوتا - دیکھو لبید ابن ربیعہ اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما جب اسلام لے گئے تو انکی  
اشعار مرتبہ فصاحت سے گر پڑے - اور اسلامی شعر جاہلی اشعار کی سی جو دلت سوغالی  
ہو گئے (کیونکہ اسلام لائے بعد انہوں نے کذب کو ترک کر دیا اور صدق کو لازم  
کر لیا) اور اللہ تعالیٰ کا کلام باوجودیکہ حیثیت سے بالکل پاک ہے اور حقیقت ہی  
کا بیان کرتا ہے تاہم جیسا تم دیکھتے ہو - وہ ہر طرح فصیح ہے ۝

تیسرا امر یہ کہ کلام فصیح اور شعر فصیح کسی قصیدہ میں بدنگڑوں و شعروں میں







كُلُّ جَبَّارٍ عَزِيزٍ وَيَا أَيُّهَا الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ اُورُخوار ہوا ہر ایک جبار عناد رکھنے والا۔ اور آئے گی اُس کو موت ہر مکان سے اور زجر کے موقع پر ایسا فرمایا کہ وہم بشر اس کی خوبی کو نہیں پہنچ سکتا۔ فَكَلَّمَهُ آخِذًا يَدًا نِيْمَ سے وَمِنْهُمْ آخِرُ تَنَاسُلًا تک۔ اور تذکیر و نصیحت میں فرمایا۔ جس پر زیادتی منتصہ نہیں آفر آیت اَنْ مَتَّعْنَا سِنِينَ بَعْلًا دیکھ تو اگر ہم نے ان کو کچھ برسوں نفع اٹھانے دیا۔ اور اعتقاد میں سٹریا۔ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثَىٰ مَا تَلْعِيضُ لِرَحَامٍ وَّمَا تَنْزِلُ اَدُّ اَمَّا يَنْتَابِے جو ہر مادہ اٹھائے ہوئے ہے۔ اور جو ارحام لٹھائے بڑھائے ہیں۔

ساتواں مریہ ہے یہ کہ قرآن پاک تمام علوم کی اصل ہے۔ علم کلام تمام قرآن میں ہے۔ اور علم فقہ بھی تمام قرآن ہی سے ماخوذ ہے۔ اور اسی طرح علم حصول فوہ علم نحو علم لغت، علم زہد فی الدنیا۔ علم اخبار آخرت۔ علم استعمال مکارم، اخلاق و کجیہ۔ قرآن کریم سر مستخرج ہے۔ جو شخص ہماری وہ کتاب دیکھیگا۔ جو ہم نے دلائل اعجاز قرآن میں تصنیف کی ہے تو وہ اچھی طرح یقین کر لے گا کہ قرآن اپنے تمام جو فصاحت میں انتہا درجہ فصیح ہے قرآن شریف میں سب سے بڑی بات جو سب کے نزدیک مستقیم ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا معجزہ جس سے کسی کو انکار نہیں یہ ہے کہ وہ قیامت تک باقی رہنے والا۔ اور کبھی نہ فنا ہو نہ یواالا ہے۔

خدا تعالیٰ نے اپنے پاک سؤل مقبول علیہ السلام سے ایسا ہی وعدہ کیا ہے چنانچہ مولانا روم قدس سرہ فرماتے ہیں

مصطفیٰ را وعدہ کرد لطافت حق

گر بیری تو نبی در این سبق

پیش کن راز قرآن ما نفسم

تو مترس از نسخ دیں کے مصطفیٰ

من کتاب معجزت راح نظم

بقیامت باقیش داریم ما

پھر قرآن حکیم میں یہ کتنی بڑی خصوصیت ہے کہ اس کو ہر شخص اپنی استعداد علمی کے موافق پڑھتا سمجھتا اور اس سے دینی و دنیوی مطالب بوجہ اطمینان قلب حاصل کرنا ہے۔ خواہ بڑے سے بڑا عالم جید ہو یا چھوٹے سے چھوٹا طفل مکتب والیہ انشاد المولوی رحمۃ اللہ

حرف قرآن اور ان کو ظاہر است زیر ظاہر باطنی ہم قاہر است

نیراں باطن یکے بطن دیگر ۱  
 نیراں باطن یکے بطن سوم  
 بطن چارم از بنی خود کس ندید  
 پہچنین نام نشت بطن سے فواکرم  
 خبثت گرد اندر عقل بشر  
 کہ در گرد و خسہ دہا جملہ گم  
 جز خدائے بے نظیر و بے ندید  
 محی شمر تو زیں حدیث محترم  
 فائدہ (۵)

## نبوت کی حقیقت اور اس کے ثبوت میں

متعلقہ صفحہ ۳۸

لفظ نبی مشتق ہے نبوت سے لغت میں اس کے معنی ارتفاع اور بلندی کے ہیں لیکن مشرعاً نبی وہ ہے جو ہدایت خلق اور تبلیغ احکام الہیہ پر مامور ہو۔ بصریح اور قاموس میں ہے۔ النبوة والنبأ و ما ارتفع من الارضی اور مولانا عبدالحکیم نے عبد الغفور کے حاشیہ پر لکھا ہے النبوة علی وزن المروءة الارتفاع جمہور کے نزدیک نبی و رسول دونوں لفظوں کا اطلاق ایک ہی معنی میں ہوتا ہے۔ کیونکہ رسول یا خود ہے رسالت کے معنی سفارت کے اور چُنکے نبی و رسول دونوں ہی خلق کر حکام الہی پہنچانے کا منصب رکھتے ہیں۔ اس جہت سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

شرح عقائد میں رسول کے معنی لکھے ہیں رسول علی وزن رسول من السماء وھی سفارت العبد بین اللہ و بین ذوالا فہام من خلقہ یعنی رسول رسول کے وزن پر رسالت سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہیں کسی بندہ کا خدا اور ذی عقل مخلوق الہی کے درمیان سفارت کرنا۔ بعض نے ان الفاظ میں فرق نکالا ہے۔ اور کہا ہے کہ وہ بحیثیت معنی لغت اور اصطلاح کے باہم متغایر ہیں۔ اور اسی قول کو شرح مؤلف نے لیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ الرسول نبی معنی کتابہ شرع والنبی غیر الرسول لا کتاب معہ ولا شرع بل امر بمتابعتہ شرع فیہ کیونکہ شرع یعنی رسول اس نبی کو کہتے ہیں جو کتاب و شرع رکھتا ہو۔ اور نبی غیر رسول ہے۔ اس کے پاس کتاب شرع نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اپنے قبل کے رسول کی شریعت کی متابعت کا حکم کرتا ہے۔ جیسے یوحنا نے لکھا ہے۔



اُن پر کوئی کتاب یا شیخ نازل نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ وہ لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے موافق ہدایت کرتے تھے کہ وہ اُن سے پہلے تو ریت چھوڑ کر گذر گئے تھے۔

شواہد البیۃ میں مولانا جامی اُس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: نہی عبارت از کس امت کہ برے شریعتے فرو آورده باشد من عند اللہ بطریق وحی کہ متضمن باشد باین شریعت بیان کیفیت پرستش سے مرندائے عز و جل را و چون مامور شود کہ اُن شریعت را بغیر خود رساند سے رسول گویند گویا یہ ترجمہ ہے۔ فتوحات مکیہ کی عبارت کا کہ اگر کہے باب اربع عشر میں ہے ان النبی هو اللہ یا نبیہ الوحی من عند اللہ معنی ذالک الوحی شریعتہ یتعبد لا یھا فی تقسیم فان بعث بہا الی غیبرہ کان رسولہ دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ نبی وہ شخص ہے جس پر اللہ کا حکم بطریق وحی شریعت نازل ہوئی ہو اور اس میں صرف اُس نبی کے لئے عبادت کے طریقہ تحریر ہوں۔ پھر اگر وہ نبی مامور ہو اس امر پر کہ اس شریعت کو مخلوق الہی کے پیش پا نہ پس ایسا مامور نبی رسول کہلاتا ہے۔

حاشیہ اصول الشاشی میں پہلے ان الفاظ کو مترادف المعنی لکھا ہے۔ پھر متعارف المعنی قرار دیکر اس آیت سے استدلال کیا ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِیٍّ اُس میں لکھا ہے کہ یہاں نبی رسول پر معطوف ہے۔ اور ظاہر ہے کہ معطوفہ معطوف علیہ میں متعارف ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نبی رسول کے غیر ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ رسول نبی مخصوص کو کہتے ہیں جس پر کتاب شریعت نازل ہوئی ہو۔ اور نبی عام ہے یعنی نبی صاحب کتاب اور غیر صاحب کتاب دونوں کو کہہ سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نبی کے لئے صاحب کتاب ہونا شرط نہیں۔ اور رسول کے لئے صاحب کتاب ہونا شرط ہے لیکن رسول کو نبی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور رسول بھی اور نبی کو صرف نبی کہہ سکتے ہیں۔ رسول کہنا جائز نہیں۔ ان اصحاب کی رائے میں ضعف معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ رسولوں کی تعداد کتب منزلہ کی تعداد سے کم ہے۔

چنانچہ ایک حدیث سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی تعداد میں سے زیادہ ہے اور کتب کی تعداد ایک سو چار ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ نبی و رسول میں مشترک معنی کی لحاظ سے کوئی



فرق نہیں ہے۔ قرآن حدیث میں کئی مقام پر صرف ایک ہی لفظ پر اکتفا کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں باہم کوئی مغایرت نہیں۔ چنانچہ اس آیت میں وَلَٰكِنْ اَلَيْسَ مِنْ اَمْرِ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ الْكِتَابِ وَ النَّبِيِّنَ یاں نبی کا اطلاق نبی رسول دونوں کے لئے یکساں ہے۔

کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ان نو من باللہ و ملائکتہ و کتبہ و دسلہ یاں لفظ رسول نبی کو بھی شامل ہے۔ اور یہ بات کہ عطف مقتضی مغایرت کا ہے۔ تو اس کے جواب کئی ہیں۔ ایک یہ کہ عطف زائد ہے جیسا کہ اس آیت میں وَ كَذَٰلِكَ نَفْصَلُ الْاٰیَاتِ وَلِلسَّنِیَّتَیْنِ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ یعنی اور اسی طرح ہم اپنے نشانات بیان کرتے ہیں تاکہ ظاہر ہو جائے کہ گناہگاروں کا۔ یا عطف تفسیری ہے جیسا کہ اس آیت میں وَلَٰكِنْ رَّسُولَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ۔

اگر گناہگاروں کے رسول وہ ہے جس پر کتاب یا شریعت نازل ہوئی ہو۔ اور نبی وہ ہے جس پر نہ کتاب نازل ہوئی ہو نہ شریعت ہم کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بالاتفاق رسول تھے۔ حالانکہ ان پر کتاب شریعت کچھ نازل نہیں ہوئی تھی۔ پس اس بیان سے ثابت ہوا کہ نبی اور رسول میں کوئی مغایرت نہیں۔ نبوت محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے خلعت نبوت سے سرفراز فرماتا ہے۔ حکما کا یہ گمان غلط ہے کہ نبوت کتب اکتساب سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس کے حصول کے لئے ریاضتوں اور مجاہدوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کی تردید کے لئے یہ آیت کافی ہے۔ وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنۢ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔ یعنی اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت (نبوت) کے لئے خاص کر لیتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت اکتسابی نہیں ہے بلکہ عنایت ازلی اور امر محبوبی ہے۔ وَلَنَعْمَ مَا قَبِلَ شَعْرُ نَبَارِكِ اللّٰهِ مَا وَحٰی بِمَكْتَسَبٍ وَلَا نَبِیٍّ عَلٰی غِیْبٍ بِمَعْتَمِدٍ یعنی برکت والا ہے اللہ جس نے وحی کو اکتساب کے متعلق و ماتحت نہیں فرمایا۔ اور نہ نبی غیب جاننے کی تمت میں مستلزم ہے۔ اکثر انبیاء زمانہ صیاد و طفولیت میں نبوت سے سرفراز ہوئے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ مقولہ ہے جب کہ آپ مدین میں تھے۔ وَ

نبوت نبی و فضل نبوت ہے

جَعَلَنِي نَبِيًّا اور قادر مطلق سے بعید نہیں ہے کہ وہ جس کو چاہے جمالت طفلی ہی میں اُس کو شرائط نبوت یعنی عقل وغیرہ سے ممتاز کرے۔ جیسے اللہ تعالیٰ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شان میں فرماتا ہے وَاتَّيْنَا الْحَكِيمَ صَبِيًّا یعنی ہم نے اُس کو بچپن ہی میں حکمت عطا فرمادی۔ مراد حکمت سے نبوت ہے یہی مطلب ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جھوٹے میں پڑے پڑے یہ فرمانے کا۔ اِنِّي عَبْدُ اللَّهِ اَتَانِي الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب عطا کی۔ اور نبی کیا ہے۔

## وجوب بعثت کے متعلق بحث

فلاسفہ کہتے ہیں کہ دنیا میں نبی کی بعثت واجب ہے۔ یعنی عنایت ازلیہ جو نظام مخلوقات کی مقتضی ہے۔ اُس کے اوپر عقلاً بعثت نبی واجب ہے۔ اس واسطے کہ انتظامِ کال بدوں جو ایسے نبی کے ہفرا م نہیں پاسکتا۔ جو قوانین عدل و نظام کائنات کا واضح ہوتا کہ خلق اللہ ان پر کار بند ہو کر دینی و دنیوی بیبود کی جانب ساعی رہے۔ اور باہمی فساد و نزاع کا بیک لخت قلع قمع ہو جائے۔

معتزلہ کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بعثت نبی واجب ہے۔ لیکن اُن میں سے بعض اس امر کے قائل ہیں کہ اِذَا عَلِمَ امْتَنَ اَنْهَ يَوْمُنُونَ وَجِبَ الْبِكْرِ اِرسال النبی فما فیہ من استصلاحہم وان لم یعلم ذالک بل علم اَنْهَ يَوْمُنُونَ لم یجب الا رسال بل حسن قطعاً۔ یعنی اگر اللہ جانتا ہے کہ فلاں امت نبی کی دعوت قبول کریگی۔ تو اس صورت میں نبی کا بھیجنا خدا پر واجب ہے۔ کیونکہ نبی کی بعثت سے قوم اصلاح پذیر ہوتی ہے۔ اور اگر اس کو یہ معلوم نہیں بلکہ وہ جانتا ہے کہ فلاں لوگ نبی کی دعوت پر ایمان نہیں لائیں گے تو اس حالت میں رسال نبی واجب نہیں ہے۔ ہاں اہل ایمان کی تحسین اور پسندیدہ بات ہے۔ ان کے قول سے مستنبط ہوتا ہے کہ قوم میں پہلے سے تصدیق و قبول دعوت نبی کا مادہ موجود ہونا ضرور ہے۔ ورنہ بعثت نبی بیکار پھیر گیا۔ لیکن جب خدا کو معلوم ہے کہ قوم میں قبول دعوت کا مادہ نہیں ہے۔ تو اس رسال نبی میں خوبی کہاں ہی جیسا اُن کے اس قول سے ظاہر ہے بل حسن قطعاً اس صورت میں نبی کی بعثت



کئی خرابیاں لازم آتی ہیں \*

ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کا فعل عبث ٹھیکرتا ہے۔ دوسرے دعوت نبی کو غیر مؤثر اور غیر مفید مانتا پڑتا ہے۔ تیسرے یہ کہ دعوت نبی قبول کرنے کا مادہ قوم کے اختیار و قدرت سے باہر ہے۔ بلکہ مادہ کا مجبوری اور خلقی ہونا ضرور ہے۔ غرض یہ قول کئی طرح سے نا فہمی پر دلالت کرتا ہے۔ انہی مشکلات کے سبب بعض معتزلہ خلو البعث عن تعریفات الشمس عیۃ کے اور بعض جواز بعثت کے قائل ہو گئے ہیں۔ پھر بعض لوگ ایسے ہیں جو سرے سے بعثت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی انسان نبی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس قول کو نقل فرمایا۔ بَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُولًا یعنی کہا خدا نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا \*۔

اول تو یہ تمام اقوال بحسب قاعدہ تحسین تقبیح کے فاسد ہیں۔ اور نیز اس جہت سے بھی کہ اُنہوں نے بعثت کے لئے جواز و وجوب کی بیوقوفانہ شرط لگائی ہے۔ دوسرے اگر ہم اُن کی اس مرغزات کو تسلیم بھی کر لیں تو اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں جس طرح ہماری غرض ثبوت بعثت ہے۔ اسی طرح وہ سوا چند منکرین کے بعثت نبی کے قائل ہیں صرف اُن کے وجوب کہنے سے۔ عقائد اہل سنت میں نقص عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم اس بات کے قائل و معتقد ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں \*۔

ہمارا یہ اعتقاد یہ ہے کہ نبوت امر مجبوری اور موہبت ازلی ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اپنی اس عنایت اور خلعت نبوت سے سرفراز فرماتا ہے۔ جس طرح اس نے محض اپنے غایت فضل و کرم سے انسان کو کرم و اشرف المخلوقات بنایا۔ اسی طرح وہ اپنے فضل سے جس کو چاہتا ہے۔ نبوت کے لئے خاص کر لیتا ہے جس کے ذریعہ بندوں کی اصلاح معاد و معاش مقصود ہوتی ہے \*۔

یہاں ایک سوال لازم آتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر ہم نبوت کے لئے ریاضات و مجاہدات کی قید لگائیں اور اس کو مجبوری کریں۔ تو پھر نبی و غیر نبی میں وجہ تفریق کیا ہے ہم کیونکر نبی کو غیر نبی سے تمیز کر سکتے ہیں۔ ہم اس سوال کا جواب آئندہ دیں گے۔ پہلے وہ جواب لکھتے ہیں۔ جو فلاسفہ نے دیا ہے۔ (معتزہ و دیگر جواب فلاسفہ کے) \*۔

نبی اور غیر نبی میں تمیز کا طریقہ



فلاسفہ کہتے ہیں کہ نبی میں بین خواص کا موجود ہونا ضرور ہے تاکہ نبی کو غیر نبی سے تمیز کر سکیں۔ اول ضرور ہے کہ نبی واقعات غیبی گذشتہ موجودہ اور آئندہ پر اطلاع کامل رکھتا ہو۔ اور نبی کے لئے یہ بات محال نہیں۔ اس لئے کہ جب نفس انسانی کو ذریعہ یا نسبت و مجاہدہ اور قطع علان مادیات سے محروم کر دیا جائے اور مجردات عقلی اور نفس مادی سے نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو جنسیت کے لحاظ سے دونوں میں اتصال معنوی پیدا ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر اس کو تصور حوادث کا سامان و امور کا کلمہ و افعال کوئی دشوار نہیں ہوتی۔ اور انبیاء کے لئے کیونکہ یہ امر دشوار ہو سکتا ہے۔ جب ہم اس کو ان لوگوں میں بھی پاتے ہیں جو نبی نہیں ہوتے۔ مگر ارادہ یا نسبت مجاہدہ اور شہادت کے ذریعہ اور غیب پر مطلع ہوتے ہیں۔ ان کو اصطلاح اہل اسلام میں ولہاء اللہ کہتے ہیں یعنی حبثی کے لئے غیبی امور پر اطلاع دشوار نہیں۔ تو نبی کے لئے کیونکہ دشوار ہو سکتی ہے۔

دوسرے یہ کہ نبی سے فعال خوارق عادات ظاہر ہوتے رہیں۔ اور اس کو ایسے افعال کا صدور بھی کوئی دشوار نہیں۔ کیونکہ تصور انسانی منطق فی الابدان نہیں ہیں کہ انقباض بدن ان کے لئے غیر ممکن ہو چنانچہ انسان کی حرکات مستحکمات اس کی شاہد ہیں۔ بلکہ نفس انسانی تصورات کے ذریعہ مواد بدنیہ میں مؤثر ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ دیکھو جب انسان پر بحالت غلبہ کرتی ہے یا کسی خارجی سبب سے ان پر خوف یا غصہ طاری ہو جاتا ہے تو وہ اس کے تصور میں شرخ یا زردی یا سخت ہو جاتا ہے۔ ہمارے سمجھ کے ثبوت میں ایسی بدیہی مثال ہے جس کے تسلیم کرنے میں کسی کو غدر نہیں ہو سکتا۔ اور جب ہماری یہ بات ثابت ہو گئی کہ ارادہ نفس اور تصورات مؤثر فی الابدان ہیں مع عدم الانطباع فیہ۔ تو یہ امر مسلم ہے کہ نبی کا نفس بمقابلہ دیگر نفوس کے قوی ہونا چاہیے۔ حتیٰ کہ اس کے تصورات و ارادات کامل طور پر بیہوشی غصہ میں شریک ہیں۔ اور عالم عنصری اس کے ارادات و تصورات کے لئے مطیع و منقاد ہو جائے کہ جس طرح نبی کا نفس چاہے اس پر اثر ڈالتا ہے۔

حاصل یہ کہ نبی کا نفس حیث مایشاء عنصریات میں متصرف اور مؤثر ہے یہاں تک کہ نبی کے ارادات سے زمین میں آنندھیاں، زلزلے، آتشزدگی، شرق و خشک خاص ظالم کی ہلاکت اور ابدان فاسدہ کی تخریب وغیرہم من الحوادث وقوع میں آتے رہیں۔

اور ایسے امور عجیبہ کا ہی سے ظاہر ہونا کسی صورت میں محال نہیں۔ کیونکہ یہی باتیں ہم اہل  
ریاضت میں بھی پلستے ہیں۔ چنانچہ کتب سیر و سوانح دیکھنے سے اس کی پوری تصدیق  
ہوتی ہے۔

تیسرے یہ کہ انبیا ملائکہ کو صدور محسوسہ میں ملاحظہ کرتے ہیں۔ اور جو کلام بطریق وحی  
فرشتوں کی معرفت ان پر نازل ہو۔ اس کو فرشتوں سے بلا واسطہ استماع کریں۔ اور یہ ممکن  
بھی ہے کیونکہ جب نبی کا نفس شوئسل بدنہ سے تحریر اختیار کرتا ہے۔ تو عالم قدس کی جانب  
اُس کا انجذاب اتصال بہ سہولت ہونے لگتا ہے۔ یہاں پہنچ کر عالم معقولات اُس کے  
رُوبرُوش عالم محسوسات کے ہو جاتا ہے۔ پھر ادنیٰ توجہ سے معقولات کی صورتیں پیش  
نظر ہو جاتی ہیں۔

یہ خصوصیات ثلثہ ہیں جن کا نبی میں موجود ہونا ضرور ہے۔ اس کے بعد کوئی محال  
منظرہ نبی کی تصدیق میں باقی نہیں رہتی۔ اور یہی وہ خواص ہیں جن کے ذریعہ نبی اور غیر نبی  
میں فرق اور تمیز ہو جاتی ہے۔ فلاسفہ کے پہلے قول کی بنیاد غلطی پر ہے۔ کیونکہ ہمارا  
اور نیز فلاسفہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امور غیبیہ پر کمال طور پر اطلاع سوائے خدا  
عزوجل کے کسی کی شان نہیں۔ اسی واسطے سید الانبیا صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ وسلم نے  
فرمایا ہے لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبِ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ اَكُنَّا بِرَبِّ  
اور اگر کہا جائے کہ انبیاء خاص واقعات غیبیہ پر مطلع ہوتے ہیں۔ تو اس میں نبی کی کوئی  
خصوصیت رہی۔ اکثر بزرگان دین جو استعداد ذاتی بذریعہ ریاضت و مجاہدہ و قطع  
علائق صفائی قلب پیدا کر لیتے ہیں۔ اور شوئسل بدنی سے بالکلیہ علیحدگی اختیار کر کے  
ملاء علی کی جانب توجہ تمام لاتے ہیں۔ تو وہ بھی بعض امور غیبیہ پر اطلاع حاصل کر  
سکتے ہیں۔ پھر نبی کے لئے فلاسفہ نے کوئی خصوصیت ممتاز بہا بیان کی۔ جس سے  
نبی کی غیر نبی سے شناخت ہو سکے۔

اُن کا دوسرا قول اس بنا پر ہے کہ نفوس انسانہ مؤثر فی الابدان ہیں اور ہمارا  
اس امر پر اتفاق ہے کہ مؤثر فی الابدان سوائے باری تعالیٰ کے کوئی نہیں ہو سکتا  
اور یہ بات کہ ارادات و تصورات نفسیہ اور تغیرات بدنہ میں باہم مقارنت ہے۔ تو  
اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ مؤثر اور متصرف فی الابدان ہوں۔ لہذا



الدوران بطریق العادة اور اگر مان بھی لیا جائے کہ نفوس انسانہ اجسام میں تاثیر کرنے پر قادر ہیں اور نبی کا نفس بمقابلہ دیگر نفوس کے قوی ہوتا ہے۔ تو فلاسفہ کے بیان ہی سے یہ بھی مفہوم ہوا کہ نبی کے لئے متصرف فی البیوتی اعتراض یہ ہونا مخصوص نہیں۔ بلکہ اکثر اہل ریت سے بھی اس قسم کا تصرف مروی ہے۔ اس صورت میں امر مخصوص بالنبی کی پوری توجیح نہیں ہوئی۔ اور نبی و غیر نبی کی تمیز میں ہم نیسے ہی سرگرداں ہے۔

تیسرا قول اُن کے مذاہب کے موافق نہیں۔ بلکہ ایک قسم کی تلبیس ہے جو فلاسفہ نے انسان کے معتقدات خراب کرنے کے لئے اٹھا رکھی ہے کیونکہ حقیقت میں ہر مشاہدہ معقولات کے قائل نہیں ہیں۔ اس دلیل سے کہ ملائکہ اُن کے نزدیک بذاتہا نفوس مجردہ ہیں۔ جو اجرام افلاک سے متعلق ہیں۔ جن کا نام انہوں نے ذاتاً و فعلاً ملائکہ سماویہ اور عقول مجردہ رکھ لیا ہے۔ اور جب کہ حرف و صوت ان کے نزدیک امور عارضیہ سے ہیں جو ہولے متموج کے ذریعہ پہنچتے اور محسوس ہوتے ہیں۔ پس مجردات کے لئے کس طرح کلام حقیقی متصور ہو سکتا ہے۔ ہذا خلاصہ ما فی شرح المواقف۔

نبوت کے باب میں ہم نے مختصر فلاسفہ کے اقوال کو نقل کر کے کلی طور پر اُن کی تردید اس لئے کی ہے کہ اول تو وہ نبوت کے قائل نہیں صرف عوام میں پٹا اعتماد و اعتبار بڑھانے کے خیال سے وہ نبوت کی بحث کرتے ہیں۔ اور اُس میں ایسے شاخسانے نکالتے اور شراٹھ لگاتے ہیں جس سے خود بخود عام لوگ متحیر و حیران ہو کر نبوت کی حقیقت کے منکر ہو جادیں۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنی شراٹھ مذکورہ سے نبوت کو اکتسابی ثابت کرنا چاہتے ہیں اور جو خواص انبیاء کے لئے بتاتے ہیں۔ اُن کے متعلق یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ یہ خواص ہم انبیاء کے سوا دوسرے نفوس میں بھی پاتے ہیں۔ پس اُن کے اقوال کی تردید واجب ہوئی۔ تاکہ کم استعداد لوگ اُن کے دام فریب میں نہ آجائیں۔ اور نبوت کو کسب ریاضت اور مجاہدہ سے متعلق نہ کریں۔ کیونکہ تمام علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ نبوت مجبوری ہے۔ و کسی قسم کے کسب ریاضت سے حاصل نہیں ہوتی۔ نہ اُن کو خوارق عادات و افعال کے بتانے کے لئے کسی ریاضت و مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ افعال خارق عادت جس کو معجزہ کہتے ہیں۔ وہ ایسی چیز ہے جس سے خود نبی کو بھی اطلاع نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی تسدیق کرانے کے لئے اُس کو ایسے معجزات عطا فرماتا ہے۔ جو خود اُس کے



وہم و گسان میں بھی نہیں ہوتے۔ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کی تلاش میں کوہ طور پر پہنچے۔ یکایک رحمت الہی نے انہیں نبوت کے لئے مخصوص کر لیا۔ پھر اس کی تصدیق کے لئے ان کو معجزہ بھی عطا فرمایا کہ ان کی لاکھٹی سانپ بن جاتی۔ اور پھر لاکھٹی کی لاکھٹی ہو جاتی۔

موسیٰ علیہ السلام کو اس کے پہلے نہیں معلوم تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ اور انہیں کس قسم کے معجزات عطا کئے جانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی خطاب کیا کہ اے موسیٰ میں نے تم کو اپنے نفس کیلئے اختیار کر لیا۔ پھر فرمایا۔ وَمَا تِلْكَ بِیْمَنِیْكَ یَا مُوسٰی اے موسیٰ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ عرض کیا میری عصا ہے۔ میں اس پر بھر دسہ کرتا ہوں۔ اور اپنی بکریوں کے لئے اس سے چارہ جھاڑتا ہوں۔ اس کے سوا اور بھی مقاصد ہیں۔ خدا نے فرمایا۔ موسیٰ عصا کو پھینک دو۔ پھینکتے ہی سانپ بن گیا۔ موسیٰ ڈرے۔ خدا نے فرمایا ڈرتے کیوں ہو اس کو پکڑ لو کہ پھر عصا ہو جائے گا۔ اسی طرح ید بیضا کا معجزہ عطا ہوا۔

خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابتدائی وحی کے حالات کو دیکھو کہ جب غارِ حرا میں جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں آئے۔ تو آپ ڈرے۔ اور جو کلمات حضرت جبریلؑ نے تلقین کئے۔ ان کو یاد کرتے ہوئے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس کانپتے ہوئے آئے اور فرمایا زملونی زملونی مجھے کبیل اڑھا دو مجھے کبیل اڑھا دو۔ پھر فرمایا۔ لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کی تسکین فرمائی۔ اور اپنے چچا زاد بھائی ورقہ ابن نوفل کے پاس آپ کو لے گئیں۔ اور وہاں سے یہ جواب پا کر کہ آپ نبی آخر الزمان ہیں۔ اور یہ آپ کے پاس جبریلؑ آئے تھے جو تمام انبیاء کے پاس وحی لے کر آیا کرتے ہیں۔ اس سے آپ کی تسلی ہوئی۔ اس کے پہلے نہ آپ کو اپنے نبی ہونے کا علم تھا۔ اور نہ آپ نے اس وقت جبریل علیہ السلام کو پہچانا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ نبوت کو کسب مطلق تعلق نہیں۔

۱۔ کتبِ احادیث میں سے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ کے جواب میں فوراً یہ کلمات عرض کئے۔ لَا وَاللّٰہِ یَا نَبِیُّ اللّٰہِ اَبَدًا اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحْمَہُ وَتَصْدُقُ الْحَدِیْثَ وَتَحْمِلُ الْکُلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدَمَ تَقْرٰی الضَّحِیْفَ وَتَعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ۔ یعنی نبی خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ کیونکہ آپ ملہ رحمی کرتے اور ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ اور دوسروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں۔

اب ہم نبوت کی حقیقت جس سے نبی و غیر نبی میں تمیز ہو سکے۔ موافق عقائد عامہ اہل اسلام کے بیان کرتے ہیں۔ جو فی الواقع قابل قبول و لائق اصول الی المامول ہے وہو ہذا:-

کتاب معتبرہ مثل النقد من الضلال میں لکھا ہے کہ ابتدا میں آدمی خالی و رنج پیدا ہوا تھا۔ اس کو عوالم مختلفہ کائنات سے مطلق آگاہی نہ تھی۔ پھر اسے حواس عطا ہوئے جن کے ذریعے اُس کو محمولات کا ادراک و احساس ہونے لگا۔ انسانی قوتیں دو قسم کی ہیں۔ قوت نظری و قوت عملی۔ انہی قوتوں کے ذریعہ وہ معلومات میں کامیابی حاصل کرتا ہے۔ قوت نظریہ کے ذریعہ اشیائے مرئیہ کی شکل و صورت رنگ و لون وغیرہ کی تمیز ہوتی ہے۔ اور قوت عملیہ کی وساطت سے حقیقت و ماہیت ہر شے کی مدد ہوتی ہے۔ نیک و بد میں فرق اور اُس پر عمل کرنا بھی اسی قوت کے متعلق ہے۔ یہ بھی سمجھ لو کہ پیام عام لوگوں کی قوتوں کا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نبی کو بلا واسطہ بشری تربیت کامل عطا فرماتا ہے۔ اور نور القدس کی تاثیر اُس کی قوت نظریہ میں اس طرح ساری ہو جاتی ہے کہ اُس کی معلومات کے درمیان غلطی اور شبہات کے حجاب مطلق نہیں رہتے۔ اسی طرح اُس کی قوت عملیہ میں وہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ نبی بجز اعمال صالحہ کے کسی جانب رغبت نہیں کرتا۔ وہ بدی سے متنفر ہو جاتا ہے۔ اور نیکی پر بالکل جھک جاتا ہے۔ پھر جب نبی کی قوت عملیہ بذریعہ اعمال صالحہ کے تکمیل کے انتہائی درجہ پر پہنچ جاتی ہے۔ تو اُس وقت خداوند تعالیٰ اُس کو خلعت نبوت سے سرفراز فرما کر خلق کی جانب مبعوث کرتا ہے۔ اور تصدیق رسالت کے لئے اُس کو معجزات عطا فرماتا ہے۔

یہ قول امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تاریخ کلابیا پر پوری نظر ڈال کر یہ کلیہ قائم کیا ہوگا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ کہنا کہ نبی کی قوت عملیہ قبل حصول نبوت کے اعمال صالحہ میں انتہائی درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔ اُس وقت اُس کو نبوت ملتی ہے۔ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ ممکن ہے بعض انبیاء کو اسی طریق پر نبوت ملی ہو۔ مگر حقیقت الامر یہ ہے کہ عطا شدہ نبوت کسی استعداد سابق کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خدا جس کو بھی فرمانا چاہتا ہے۔ ابتداء خلقت سے اس کے تمام حالات عادات و اخلاق فطری طور پر محمود اور ممتاز بین القران ہوتے ہیں۔ نبی کو اپنی



نبوت کا شان گمان بھی نہیں ہوتا کہ یکا یک حجت الہی اُس کو خاص کر لیتی ہے کسی نے سچ کہا ہے نہ

خدا کی دین کا نمونے سے پوچھنے احوال  
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

تمام علما کا اتفاق ہے کہ بعثت انبیاء دنیا میں توحید پھیلانے اور آلائش کفر سے خلق خدا کے دلوں کو پاک کرنے، بدیوں اور ذائل کو دور کرنے اور نیکیوں اور حامدِ خلاق کو ظاہر کرنے کے لئے ہوئی ہے۔ خود آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ بعثت کا مقصد مکارمِ اخلاق میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں کہ اخلاق حمیدہ کی تکمیل کرو اسی واسطے انبیاء علیہم السلام دنیا میں بھیجے جاتے ہیں تاکہ بُرے اخلاق کو مبدل بہ حامدِ اخلاق کریں۔ وہ معجزات کے ذریعہ خلق سے اپنی نبوت کی بابت تصدیق کرتے ہیں اور معجزہ ہی ایک ایسا ذریعہ ہوتا ہے جس سے نبی اور غیر نبی میں تمیز ہوتی ہے۔ اور اُس کے مشاہدہ یا سماعت سے حقیقتِ نبوت سمجھ میں آ جاتی ہے۔

معجزہ تین قسم کا ہے۔ کبھی تو جنسِ اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کبھی جنسِ افعال سے۔ اور کبھی خود نبی کی پاکیزہ تعلیمات اور مقدس حالات نبی کی شناخت میں ایک بڑے معجزہ کا کام دیتے ہیں۔ اور تیسری قسم ایسی ہے جس کے باب میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ لاٹھی کے سانپ بن جانے اور چاند کے پھٹ جانے سے زیادہ یہ قسم نبی کے تصدیق کی موجب ہے۔ یعنی نبی کا کوئی بڑے سے بڑا معجزہ اُس کی صداقت میں کام نہیں لے سکتا۔ جس طرح اُس کی مقدس تعلیم اور پاکیزہ حالات زندگی اس باب میں کام لے سکتے ہیں۔ چنانچہ ان کا قول یہ ہے فان وقع لك شك في شخص معين انه نبي ام لا فلا يحصل اليقين الا بمعرفة احوال ائمتنا بالمشاهدة او بالتواتر والتسامع یعنی اگر تم کو کسی شخص معین کی نبوت میں شک ہو کہ وہ نبی ہے یا نہیں۔ تو اُس کی بابت یقین حاصل نہیں ہو سکتا۔ تا وقتیکہ اُس کے احوال کی معرفت مشاہدہ یا متواتر سماعت کے ذریعہ نہ ہو۔ غرض یہ تیسری قسم بڑی جید اور کارآمد ہے۔ اس لئے کہ اوپر کی دونوں قسموں پر تو سحر کا بھی گمان ہو سکتا ہے۔ اور اس تیسری قسم پر کسی طرح کی بدگمانی نہیں ہو سکتی۔ پس اوپر کی دونوں قسموں کی



تائید اس تیسری قسم کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اور اس طرح نبی کی شناخت میں کوئی دقت نہیں رہتی۔ ہم نے معجزہ کی ان تینوں قسموں کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ اپنے ایک دو سکر سارہ میں بیان کیا ہے۔ یہاں صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو حضرت مصطفیٰ علام نے عقائد توحیدی میں تحریر فرما دیا ہے۔ نبوت کی شناخت حقیقت کے لئے طالب حق کو یہی بس ہے۔

فائدہ (۶)

## معراج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان میں

متعلقہ صفحہ

عقائد النسخی میں ہے۔ والمعرّاجُ لرسول اللہ علیہ السلام فی الیقظة بشخصہ الی السماء شُرعاً لی ما شاء اللہ تعالیٰ من العلیٰ حق ترجمہ اور معراج واسطے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیداری میں جب مطہر کے ساتھ طرف آسمان کے۔ پھر وہاں سے جہاں خدا نے چاہا، بندی کی طرف حق ہے۔ یعنی خبر مشہور سے ثابت ہے حتیٰ کہ اس کا منکر مبتدع عند العلماء ہے۔ اور یاد رہے کہ جو شخص معراج رسول کا مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک منکر ہوا وہ کافر ہے کیونکہ یہ نص قرآن سے ثابت ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے سُبْحَنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدٍ لِّیْلَۃٍ مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِیْ بَارَكْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیْہِ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ هُوَ الشَّامِعُ الْبَصِیْرُ خدا معجز کے عیب سے پاک ہے۔ جو اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے بیت المقدس کی مسجد تک لے گیا۔ جس کے گرد اگر وہم نے برکتیں نہ رکھی ہیں تاکہ ہم انہیں اپنی قدرت کے چند نمونے دکھائیں۔ بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا۔ وَاذْقُلْنَا لَکَ اِنْ رِبٰکَ اِحٰطَ بِالْاِنْسِ وَ مَا جَعَلْنَا لَکَ رُءُوسَیْ اَرِیْتَکَ اِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةُ الْمَلْعُوْنَةُ فِی الْقُرْآنِ وَ خَوْفُہُمْ فَمَا یَزِیْدُہُمْ اِلَّا طُغْیَانًا کَبِیْرًا یعنی جب ہم نے تم سے کہا کہ تمہارے رب نے لوگوں کو ہر طرف سے روک رکھا ہے اور خواب جو ہم نے تم کو دکھایا۔ تو بس لوگوں کی جانچ کا ذریعہ ٹھہرایا۔ اور اسی طرح تھور کے درخت کو جس پر قرآن

میں لعنت کی گئی ہے۔ اور ہم انہیں ڈرتے ہیں۔ لیکن ہمارا ڈرانا ان کی سرکشی کو اور بڑھاتا ہے۔  
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے یعنی ابن عباس نے  
کہا کہ مراد روایا سے یہاں آنکھ کا دیکھنا ہے۔ جو رسول کو اس اتن میں کھایا گیا ہے جس میں خدا  
آپ کو بیت المقدس تک لیگیا۔ اور انہیں کا قول ہے کہ مراد شجرہ ملعونہ سے تصور کا ورجت  
ہے۔ (رواہ البخاری)۔ اور آسمانوں کی معراج کا منکر نزدیک اللہ دین کے بدعتی ہے اس لئے  
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عروج آسمانوں پر اخبار احاد سے ثابت ہے۔ اور اخبار  
احاد کا منکر بدعتی اور گمراہ ہوتا ہے۔ کافر نہیں ہوتا۔ اور اس امر کا اعتراف کرنے والا کہ آنحضرت  
کو مکہ سے بیت المقدس دروہاں سے آسمانوں اور قافچہ سین او اونٹے تک معراج ہوئی۔  
آپ نے وہاں خدا کو دیکھا۔ اور نیز جنت و دوزخ کی سیر کی مومن محقق ہے۔ اور اس کا ایمان  
کامل ہے۔

علامہ عمر نسفیؒ کے منقولہ بالا قول سے عقائد حقہ اہل سنت الجماعت کا پورا اظہار  
ہوتا ہے۔ چنانچہ قول فی الیقظۃ سے ان لوگوں کے قول کا رد ہے۔ جو گمان کرتے ہیں کہ  
آنحضرت کو خواب میں معراج ہوئی۔ جیسے معاویہؓ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ مراد  
معراج سے روایا صالحہ ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ما فقد جسد محمد  
علیکم السلام لیکن المعراج یعنی معراج کی رات محمدؐ نے اپنے جسم مبارک کو  
گم نہیں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مراد روایا سے آنکھ کا دیکھنا ہے۔ اور حضرت عائشہؓ  
کے قول کے یہ معنی ہیں۔ ما فقد جسد عن الروح بل کان مع روحہ وکان  
المعراج لاسروح والجسد جمیعاً۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم مطہر  
روح سے جدا نہیں ہوا۔ بلکہ روح کے ہمراہ تھا۔ تو ثابت ہوا کہ آنحضرت کی معراج روح اور  
جسد دونوں کے ساتھ تھی۔ چنانچہ قولہ بشخصہ سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے اور ان لوگوں کی تردید  
ہوتی ہے۔ جو معراج روحی کے قائل ہیں۔ اور عاقل پر پوشیدہ نہیں کہ معراج منامی یا  
معراج روحی ایسی چیز نہیں۔ جس سے اس شدت کے ساتھ انکار کیا جائے حالانکہ کفار  
نے معراج کے باب میں پورا انکار کیا۔ بلکہ مسلمانوں کا ایک گروہ کثیر اسی سبب سے مرتد  
ہو گیا۔ اور قولہ الی السحائر سے رو ہے ان اصحاب کا جو صرف بیت المقدس تک کی معراج



قائل ہیں۔ اور قولہ شعا الی ماشاء اللہ اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ اس باب میں سلف کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض مثبت تک کے قائل ہیں۔ بعض عرش تک کے اور بعض با فوق العرش تک اور بعض اطراف عالم کے۔

اور روایت کے باب میں بقول علامہ سعد الدین تفتازانی کے صحیح قول یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے نواد یعنی چشم فلکی کے خدا کو دیکھا۔ نہ عین سرے۔

شیخ برہان الدین سکین نے ارشاد اسلمین میں لکھا ہے کہ اس بات کی کہ آنحضرتؐ کو اسری یعنی معراج جسد و روح دونوں کے ساتھ ہوئی۔ خود قرآن میں موجود ہے کہ اَسْرٰی لِعَبْدٍ ۝ فرمایا۔ کیونکہ اسم عبد موصوع ہے۔ اُس شخص کے لئے جو جسد و روح دونوں رکھتا ہو۔ اگر یہ واقعہ معراج کا خواب میں ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ اَسْرٰی سے روح عبد ۝ فرماتا دوسری دلیل یہ کہ اگر معراج خواب میں ہوتی۔ تو اُس میں آپؐ کی کوئی بڑی فضیلت نہ ہوتی اور واقعہ معراج کو معجزات میں شامل نہ کیا جاتا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی یہودی یا عیسائی بہشت کو خواب میں دیکھے۔ پھر جو چیز کفار کے لئے رول ہے۔ اُس میں پیغمبروں کو کون سی فضیلت ہو سکتی ہے۔ تیسری دلیل یہ کہ ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو دوسرے انبیاء پر فضیلت ہے۔ وہ دو خاص باتوں کے سبب ہے۔ اُن میں ایک معراج ہے دنیا میں۔ اور دوسری شفاعت ہے عقیقی میں۔ ورنہ جو کچھ آپؐ کو حاصل تھا۔ وہ دوسرے پیغمبروں کو بھی حاصل تھا۔ اگر آپؐ نبوت رکھتے تھے۔ تو دوسرے بھی نبوت سے سرفراز تھے۔ اور اگر آپؐ صاحب کتب شریعت تھے تو دوسرے انبیاء بھی صاحب کتاب شریعت تھے۔ پس آپؐ کا تفضل بسبب معراج و شفاعت کے ہے۔

علامہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ دونوں شرف بدولت تو اضع کے حاصل ہوئے کہ آپؐ نے جب حق تعالیٰ کے ساتھ تواضع کی۔ تو دولت معراج پائی اور جب خلق کے ساتھ تواضع کی تو دولت شفاعت پائی۔

پانچویں دلیل یہ کہ لیلۃ الاسریٰ کی صبح کو جب کفار نے بیت المقدس کے نشانات دریافت کئے تو آپؐ نے اُن کی ایک ایک بات کا جواب جیسا کہ آپؐ نے معائنہ فرمایا تھا فر فرمایا۔ اگر خواب میں یہ واقعہ ہوتا۔ تو نہ کفار اس کا انکار کرتے اور نہ آپؐ بیت المقدس کے نشان طلب کرتے۔ رہی یہ بات کہ حضرت عائشہ صدیقہ



اور حضرت معاویہ اور خواجہ حسن بصری سے معراجِ روحی مروی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ واقعہ معراج کے وقت جو مکہ میں ابتدائی حالت تبلیغ اسلام میں واقع ہوئی، خور و سالہ تھیں۔ اسی سبب آپ کو اصل حقیقت سے اطلاع نہ ہوئی۔ اور حضرت معاویہ اُس وقت تک مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے۔

غرض مذہب اکثر سلف و خلف کا یہ ہے کہ واقعہ معراج بیداری میں جسد و روح کے ساتھ ہوا۔ مکہ سے بیت المقدس تک اور وہاں سے آسمانوں اور مقام قبابِ تو سین ادا دل تک۔ پھر اس میں بھی علما کا اختلاف ہے کہ آنحضرتؐ نے پروردگارِ عالم کو دیکھا یا نہیں؟

مذہب عائشہؓ یہ ہے کہ آپؐ نے نہیں دیکھا۔ اسی کے موافق صحابہ کی ایک جماعت کا قول ہے۔ سرورِ حقؐ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا۔ کہ شب معراج آنحضرتؐ نے اپنے پروردگار کو دیکھا یا نہیں۔ ہلے ہلے امی محمدؓ ربہ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا۔ قد فف شعری مما قلت تحقیق تیری اس بات سے میرے بدن کے ہونگے کھڑے ہو گئے۔ سنو تین چیزیں ہیں اگر کوئی تمہیں بیان کرے تو اُن کو جھوٹ سمجھنا۔ پہلی بات یہ کہ اگر کوئی کہے محمدؐ نے معراج کی شب خدا کو دیکھا تو سمجھنا دروغ کہتا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی لَا تَدْرِكُهُ الْبَصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَلْبَصَارَ۔

حضرت ابو ذر غفاریؓ کا قول ہے کہ آنحضرتؐ نے قلب سے دیکھا۔ آنکھ سے اور علماء کی ایک جماعت مثل ابن عباسؓ اور حسن بصریؓ اور ابو الحسن اشعریؓ کے اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرتؐ نے خدا کو دیکھا۔ پھر ایک گروہ کا قول ہے کہ آنحضرتؐ نے دوبار دیکھا۔ ایک با چشمِ دل سے اور ایک با چشمِ سر۔ انہیں اختلافات کے سبب بعض ائمہ دین فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ رویت میں توقف بہتر ہے۔ اور کسی ایک شق پر غلو ٹھیک نہیں۔ کیونکہ دونوں قسم کے اقوال صحابہؓ سے مروی ہیں۔ اور دونوں میں تاویل کی گنجائش ہے۔ اور یہ مسئلہ بابِ عملیات سے نہیں ہے کہ دلیل ظنی پر اکتفا کیا جائے لیکن علمائے امت نے بعد تفحص احادیث اور تعمق نظر و تلاش دلائل و اخبار کے اس امر پر جزم کیا ہے کہ دل کے دیکھنے سے یہ مراد نہیں کہ آنحضرتؐ کو علم الہی حاصل ہو گیا۔ کیونکہ یہ بات آپؐ

ہر وقت حاصل تھی۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے دل میں خالق رویت فرمائی تھی۔ یا کل اسی طرح کی رویت جو چشم سر کو حاصل ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ آنحضرتؐ کی معاہدت سے اور دل چشم کی معاہدت سے مشرف بدولت دیدار ہوا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آگاہ و سلم کے پاس شب معراج میں براق لایا گیا۔ منہ پر لگام لگی ہوئی پشت پر زین ڈالا ہوا۔ براق نے حضرت سے سرکشی کی تو جبریلؑ نے اُس سے کہا۔ کیا تو محمدؐ سے سرکشی کرتا ہے تجھ پر کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہوا۔ جو خدا کے نزدیک حضرت سے زیادہ بزرگ ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ براق نے یہ سن کر سینہ ڈال دیا۔ رواہ الترمذی۔

تماہہ انس بن مالکؓ سے اور وہ مالک بن صعصعہ سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کے احوال سے صحابہ کو اطلاع دی کہ جس حالت میں میں حطیم اور کبھی اپنے یوں فرمایا کہ میں حجرہ میں لیٹا ہوا تھا کہ دفعہ ایک آنے والے (جبریلؑ) نے اگر میرا سینہ چاک کیا۔ تماہہ کہتے ہیں کہ میں نے انسؓ کو کہتے سنا کہ اُس نے یہاں سے یہاں تک چیر ڈالا۔ پھر میں نے جارو وے سے کہا جو میرے پہلو ہی میں بیٹھے تھے کہ انسؓ کی اس سے کیا مراد ہے۔ کہا گئے کے پیچھے سے زیر ناف تک اور میں نے انسؓ کو کہتے سنا کہ سینہ کے اوپر سے زیر ناف تک پھر اُس نے میرا دل نکالا۔ زان بعد ایک سونے کا طشت ایمان سے پھرا ہوا میرے سامنے لایا گیا۔ پھر میرا دل دھویا گیا۔ اور اُس میں ایمان بھر کر جہاں کا تماں نکھ دیا گیا۔ پھر میرے سامنے ایک سفید جانور لایا گیا۔ جو نچر سے نیچا او گدھے سے اونچا تھا۔ جارو وے نے انسؓ سے کہا اے حمزہؓ کیا وہ براق کہا۔ انسؓ نے کہا ہاں وہ براق اپنے مد نظر پر مستدم ڈالتا تھا۔ سو اُس پر میں سوار کیا گیا۔ اور مجھے حضرت جبریلؑ نے چلے یہاں تک کہ پہلے آسمان کے پاس پہنچے تو جبریلؑ نے آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہا۔ چونکہ کیدار نے کہا یہ کون ہے کہ میں جبریلؑ ہوں کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں جبریلؑ نے کہا محمدؐ کہا گیا اور کیا وہ بلائے گئے ہیں کہا ہاں۔ کہا گیا۔ خوب ہی آئے اور بہت اچھا آئے چنانچہ دروازہ کھولا گیا۔ جب میں غسل ہوا تو اچانک پھٹتا ہوں کہ وہاں حضرت آدمؑ ہیں۔ جبریلؑ نے کہا کہ یہ تمہارے باپ آدمؑ ہیں۔ انہیں سلام کیجئے میں نے سلام کیا۔ اور انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ زان بعد کما نیک بخت فرزند اہل



نبی کو مرحبا ۛ

پھر جبرئیلؑ اوپر چڑھے۔ یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر آکر دروازہ کھلوانا چاہا۔  
چوکیں اربولا۔ کون ہے کہا میں جبرئیل ہوں۔ کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں۔ میں نے کہا  
محمدؐ۔ کہا گیا۔ کیا وہ بلائے گئے ہیں کہا ہاں۔ کہا گیا اے مرحبا خوب آنا آئے۔ چنانچہ  
دروازہ کھولا گیا۔ جب دوسرے آسمان پر پہنچا تو میں نے اچانک یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیکھا۔ جو  
خالد زاد بھائی تھے۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ یحییٰؑ اور عیسیٰؑ ہیں۔ انہیں سلام کرو۔ میں نے سلام کیا  
انہوں نے جواب سلام دیا۔ راز بعد کما نیک بخت بھائی اور صالح نبی کو مرحبا ۛ

پھر جبرئیلؑ مجھے لے کر تیسرے آسمان پر چڑھے۔ اور دروازہ کھلوانا چاہا۔ چوکیں  
نے کہا۔ کون ہے کہا میں جبرئیل ہوں کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں کہا محمدؐ۔ کہا گیا  
اور کیا وہ بلائے گئے ہیں۔ کہا ہاں۔ کہا گیا۔ مرحبا اچھا آنا آئے۔ چنانچہ دروازہ کھولا گیا  
جب میں ہاں پہنچا۔ دیکھتا ہوں کہ یوسفؑ کھڑے ہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ یوسفؑ ہیں۔ ان کو  
سلام کرو۔ میں نے سلام کیا۔ اور انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کما نیک بخت بھائی  
اور صالح نبی کو مرحبا ۛ

پھر جبرئیلؑ مجھے لے کر چوتھے آسمان پر چڑھے۔ اور دروازہ کھلوانا چاہا۔ چوکیں  
بولی۔ کون ہے۔ کہا میں جبرئیل ہوں کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں۔ کہا محمدؐ۔ کہا گیا کیا وہ  
بلائے گئے ہیں۔ کہا ہاں۔ کہا گیا۔ مرحبا خوب آنا آئے۔ چنانچہ دروازہ کھولا گیا۔ جب  
میں اور یحییٰؑ کے پاس پہنچا۔ تو جبرئیلؑ بولے یہ ادریسؑ ہیں ان کو سلام کرو۔ میں نے سلام  
کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر کما نیک بخت بھائی اور صالح نبی کو مرحبا ۛ

پھر جبرئیلؑ مجھے لے کر چوتھے۔ یہاں تک کہ پانچویں آسمان کے پاس پہنچ کر دروازہ  
دروازہ کھلوانا چاہا۔ چوکیں بولا۔ کون ہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا میں جبرئیل ہوں۔ کہا گیا۔  
اور تمہارے ساتھ کون ہیں۔ کہا محمدؐ۔ کہا گیا کیا وہ بلائے گئے ہیں۔ کہا ہاں کہا گیا اچھا آنا  
آئے۔ جب میں ہاں پہنچا تو ہارونؑ کو دیکھا۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ ہارونؑ ہیں ان کو سلام  
کرو۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب سلام دیتے ہوئے کما نیک بخت بھائی اور  
صالح نبی کو مرحبا ۛ

پھر جبرئیلؑ مجھے لے کر چوتھے یہاں تک کہ چھٹے آسمان کے پاس پہنچ کر دروازہ کھلوانا



چاہا۔ چوکیدار بولا کون ہے۔ جبرئیلؑ نے کہا۔ میں ہوں جبرئیلؑ۔ کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں۔ کہا محمدؐ۔ کہا گیا اور کیا بلائے گئے ہیں۔ کہا ہاں کہا گیا اچھا آنا آئے مرحبا۔ جب میں چھٹے آسمان پر پہنچا۔ تو میں نے موسیٰؑ کو دیکھا۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ موسیٰؑ ہیں۔ ان کو سلام کرو۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ اور کہا نیک بخت بھائی اور صالح نبی کو مرحبا ۞

جب میں وہاں سے ہٹا تو موسیٰؑ کو پڑے کسی نے کہا۔ موسیٰؑ تمہارے رونے کا کیا سبب ہے۔ کہا میں اس لئے روتا ہوں کہ ایک لڑکا میرے بعد نبی ہوا جس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ جنت میں جائیں گے ۞

پھر جبرئیلؑ مجھے ساتویں آسمان کی طرف لے چڑھے۔ اور دروازہ کھلوانا چاہا۔ چوکیدار بولا کون ہے۔ جبرئیلؑ بولے میں ہوں جبرئیلؑ۔ کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں۔ کہا محمدؐ۔ کہا گیا یہ بڑے گئے ہیں۔ کہا ہاں۔ کہا گیا۔ مرحبا کیا خوب آنا آئے جیسے میں ہاں پہنچا۔ تو میں نے وہاں حضرت ابراہیمؑ کو دیکھا۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ تمہارے باپ ہیں۔ انہیں سلام کرو۔ میں نے سلام کیا۔ اور انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر تیار کیا نیک بخت بیٹے اور صالح نبی کو مرحبا ۞

پھر میں سداۃ المنتہی کی طرف پہنچا یا گیا۔ اُس کے زیر ایسے تھے۔ جیسے پھر کے شکے۔ اور اس کے پتے جیسے ہاتھیوں کے کان۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ سداۃ المنتہی ہے۔ اور وہاں پیار نہوں، پڑی بیتی تھیں۔ دو چھپی۔ دو کھلی۔ میں نے کہا۔ اے جبرئیلؑ کیا ہیں۔ کہا چھپی ہوئی دونوں بہشت کی نہریں ہیں۔ اور کھلی ہوئی نہریں نیل و فرات ہیں۔ پھر مجھے بیت المعمور نمودار ہوا۔ اراں بعد میرے پاس ایک برتن شراب کا اور ایک برتن دودھ کا اور ایک برتن شہد کا بھرا ہوا لایا گیا۔ میں نے دودھ کا برتن لے لیا۔ تو جبرئیلؑ نے کہا یہ دودھ پیدا الٰہی دین کی صورت پر ہے جس پر آپؐ اور آپؐ کی امت ہے۔ پھر مجھ پر برتن میں سچا سقوت کی نازیں فرض ہوئیں۔ جب میں اراں سے اُٹھا۔ تو میرا گذر موسیٰؑ پر ہوا۔ انہوں نے کہا۔ تمہیں کس چیز کا حکم ہوا۔ میں نے کہا ہر روز سچا سقوت

طے عیش کے الفاظ یہ ہیں فلما جاؤ ذلت قبل لہ ما یبکیک قال ابکی لان غلاماً بعث بعدی یدخل الجنة من ائمتہ اکثر من یدخلها من امتی ۱۱ (معالم التنزیل)

نمازوں کا حکم ہوا ہے۔ موسیٰؑ بولے کہ تمہاری امت سے ہر روز پانچ وقت کی نماز ادا نہ ہو سکے گی۔ قسم خدا کی میں تم سے پیشتر لوگوں کو آزما چکا ہوں۔ اور یہی اسرائیلؑ کی بڑی تدبیروں سے علاج کر چکا ہوں۔ اپنے رب کے پاس پٹ جاؤ۔ اور اپنی امت کے لئے آسانی مانگو۔ چنانچہ میں اس گیا۔ تو خدا نے مجھے دس وقت کی نمازیں معاف کر دیں۔ پھر موسیٰؑ کی طرف پلٹا۔ موسیٰؑ نے پھر وہی کہا۔ پھر میں اس گیا۔ تو دس وقت کی اور کم ہوئیں میں پھر موسیٰؑ کی طرف پلٹ کر آیا۔ اور انہوں نے وہی بات کہی۔ پھر خدا کے پاس گیا۔ اور ہر روز دس نمازوں کا حکم ہوا۔ پھر میں موسیٰؑ کی طرف پلٹا۔ تو انہوں نے وہی کہا۔ پھر میں پلٹ گیا۔ اور ہر روز پانچ نمازوں کا حکم ہوا۔ جب میں پٹ کر موسیٰؑ کے پاس آیا تو کہا تمہیں کیا حکم ہوا۔ میں نے کہا ہر روز پانچ نمازوں کا حکم ہوا ہے۔ کہا تمہاری امت سے ہر روز پانچ نمازیں بھی ادا نہ ہو سکیں گی۔ میں نے تم سے پہلے لوگوں کو آزما لیا ہے۔ اور یہی اسرائیلؑ کا علاج بڑی بڑی تدبیروں سے کیا ہے۔ اپنے رب کے پاس پھر جاؤ۔ اور اپنی امت کے لئے آسانی مانگو۔ حضرت نے کہا میں اپنے رب سے سوال کرتا گیا۔ حتیٰ کہ شرمایا۔ لیکن میں امنی ہوتا اور تسلیم کرتا ہوں۔ جب میں دماں سے آگے بڑھا تو ایک منادی نے پکار دیا کہ میں نے اپنا فرض جاری کیا۔ اور اپنے بندوں سے بوجھ ہلکا کر دیا۔ رواہ البخاری فی صحیحہ رواہ مسلم مع اختصار وغیرہ فی بعض الالفاظ فی صحیحہ۔

ابو سلمہ ابن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر ابن عبد اللہ سے سنا کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب قریش نے مجھ کو (معراج کے مقدمہ میں) جھٹلایا۔ تو میں حجر میں کھڑا ہو گیا۔ خدا تعالیٰ نے بیت المقدس مجھ پر ظاہر کیا۔ تو میں اس کے اتنے پتوں کی خبر دینے۔ اور میں اس کی طرف دیکھتا جاتا تھا۔ رواہ البخاری فی صحیحہ باب الاسرار۔

محمدؐ سید کونین صاحب تاریخ لولا کا۔ کہ جس کے قدم پہنچا چٹ زریا خلعت اسرار کا کہ جس کے چوہ بادوں میں نہیں تیسے ہے موسیٰؑ کا ظہور وہاں سایہ ہے جس شہ کے سراپا کا تصویر کے بڑوں ہے سردی کا اور تدلی کا یہاں، مرتبوں میں قیاسین ایک تدلی کا



## دیگر

دیکھا وہ جو عقل میں نہ آوے      نہ فہم نہ درک میں نہ آوے  
 اللہ سے سنا کلام قدسی      پہنچایا یہاں پیام قدسی  
 بے پردہ و بے نقاب دیکھا      اللہ کو بے حجاب دیکھا  
 نظارہ کیا اسی نظر سے      دیکھا اُسے اپنے چشم سر سے  
 جو راز و نیاز وہاں ہوئے تھے      یوں تاز و نیاز وہاں ہوئے تھے

ہے اُس کا بیاں، بیاں سے باہر

ہے اُس کا نشان، نشان سے باہر

فائدہ ۷

## مزامیر و معارف کی بحث

متعلقہ صفحہ

ہمارے زمانہ کے علما و صوفیاء میں خدا اُن پر جسم کرے۔ ایک یہ بھی خرابی ہے کہ  
 اُن میں سے ہر ایک معزز و موقر فرقہ باستثناء معدودے چند تعصب و نفسانیت کی دلدل  
 میں پھنسا ہوا ہے۔ اور یہ وہ تعصب و نفسانیت ہے جو خدا اعتدال سے کوسوں دُور جا  
 پڑی۔ اور جس پر اطلاع ہونے کے بعد کوئی شخص اُن کے باخدا اور مومن کامل ہونے پر  
 یقین نہیں کر سکتا۔ جس فرقہ نے بمخالف فرقہ مقابل جس مسئلہ کے جس پہلو کو پکڑا ہے۔  
 اُسی پہلو کی تائید و تقویت میں آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ کر زور دیتا رہا ہے۔  
 حالانکہ فرقہ مقابل کے مسلمہ مسئلہ میں بھی ایسی باتیں موجود ہیں جس کو دیکھ کر کوئی شخص اس  
 طرح کی سختی کو روا نہیں کر سکتا۔ غرض سچ پوچھنے تو اسلام کے ان دونوں معزز گروہ  
 میں اکثر لوگ ایسے ہیں جو عراط مستقیم انصاف اور اخفاق حق کو چھوڑ کر افراط و تفریط  
 میں گرفتار ہیں۔ مثلاً یہی مسئلہ سماع کا ہے کہ ایک طرف تو علمائے اعلام اُس کو حرام  
 مطلق فرماتے ہیں۔ اور طرح طرح کے حدیث و آثار و اقوال فقہائے اُس کے ثبوت میں  
 استدلال کرتے ہیں۔ اور اُس کے مرتکب کی تکفیر کرتے ہیں۔ دوسری جانب صوفیائے کرام



اس کو فعل نبی اور فعل عابد و تابعین عنوان شد تعلیٰ علیہم اجمعین بتاتے ہیں۔ اور اقسام اقسام کے موضوع اور ضعیف احادیث و حکایات سے سند پکڑتے ہیں۔ اور محرمین سماع کی تکفیر میں کوشش کرتے ہیں۔ یہ فراط و تفریط ہے۔ جو ہمارے بزرگ علما اور مؤقر صوفیہ کی رگ ٹپے میں سرایت کر گیا ہے۔

## مسئلہ سماع

حقیقت یہ ہے کہ اصل مسئلہ اس کے بین بین ہے۔ اور دونوں گروہ حد اعتدال سے بڑھ گئے ہیں۔ ہمارا ارادہ ہے کہ دونوں حضرات کے اقوال و استدلال کو بنظر انصاف ملاحظہ فرما کر ایک قول فیصل قائم کریں کہ یہ حضرات مسلمانوں کی تکفیر سے بچیں کہ کسی مسلمان کو کافر کہنا دراصل خود کفر کی خندق میں گرنا ہے۔ تعجب ہے کہاں تو اہل سنت و الجماعت کا اس پر اتفاق کہ کسی شخص میں تنازعہ احتمال کفر کے اور ایک احتمال ایمان کا پایا جاوے تو ایمان کا احتمال قابل تسلیم ہوگا۔ کہاں باستنبات پر مسلمان کو کافر و مرتد کہنا ہم نے اس بارہ میں بزرگان دین کی اکثر کتابیں ملاحظہ کی ہیں۔ اور مسئلہ سماع میں بڑی بڑی بحثیں دیکھی ہیں۔ مگر کیا حجاب کے بزرگ ذرا بھی اعتدال سے بڑھے ہوں۔ جو بات انہوں نے بیان کی ہے۔ نہایت انصاف اور حق شناسی سے پانی کا پانی اور دودھ کا دودھ الگ کر دکھایا ہے۔ صحیح و سقیم میں بین فرق بتا دیا ہے۔ اور جہاں ان کے اباحت میں کسی ایک پہلو کی رعایت کی گئی ہے۔ وہ صرف ہماری نظروں اور ہماری تحقیق کا تصور ہے کہ ہم ابتدا سے انتہا تک بنظر غائر ان کی تقریر ملاحظہ نہیں کرتے۔ اور اگر فی الحقیقت ان کی تقریر میں ضعیف و موضوع احادیث سے استدلال پایا جاتا ہے۔ تو یاد رہے کہ وہ کوئی معصوم اور غلطی سے محفوظ نہیں تھے۔ شاید انہیں اسی طرح پہنچا ہوگا۔ وہ اس میں معذور ہیں۔

عقائد کی کتب میں ہے۔ المجتہد قد یخطئ ویصیب پھر حدیث میں آیا ہے کہ مجتہد کو صواب پر دواجر اور خطا پر ایک اجر ملتا ہے۔ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے انصاف اور نیک نیتی سے لکھا ہے۔ اور انما الاعمال بالنیات کے لحاظ سے وہ خطا پر لے اعتماد کر لے والا کبھی خطا کرتا ہے۔ اور کبھی ٹھیک کرتا ہے۔

بھی باجور ہیں۔ ہمیں لازم ہے کہ ان بزرگوں کی نسبت اسات نلن سے باز رہیں۔ اور تحقیق کر کے اُس غلطی پر جو سووا اُن سے ہو گئی ہے۔ حتی الامکان روشنی ڈالیں۔ یہ نہیں کہ جانب حق کو چھوڑ کر تعصب اختیار کریں۔ اور اپنی بات پالنے کے لئے یہودہ اور لاطائل دلائل معرض بحث میں لائیں۔ اور تصنیع اوقات کے سوا خدا کے سامنے بھی نام اور شہسار نہیں۔

ہمارے پاس ایسے ہی تعصب و نفاسیت کے بھسکے ہوئے دو مین رسائل آئے ہیں۔ ہم نے ان رسائل کو جو باخثانہ پیرائے ہیں لکھے گئے ہیں۔ ملاحظہ کیا۔ حق یہ ہے کہ دونوں حضرات نے انہیں اپنے اپنے دعوے پر بلا لحاظ امر حق دلائل قائم کئے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے۔ اور اپنے ماتہ بھی وہ نہیں رہا کہ اسلام کے دو معزز رکن اس قسم کی بیہودہ بحثوں میں اپنی عمر کا بہتر حصہ صرف کریں۔ جس سے کوئی عمدہ نتیجہ نہ پیدا ہو۔ اس مقام پر ہم محرمین و مجوزین کے تمام دلائل بالتفصیل بیان نہیں کریں گے کہ یہ مختصر مضمون اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ صرف چند اقوال نقل کریں گے۔ اور پھر قول فیصل کی طرف رجوع کریں گے ہم جو کچھ لکھیں گے وہ بلا لحاظ کسی جانب اسی اور تائید کے ہو گا۔ اس لحاظ سے امید ہے کہ ناظرین بھی بمصدق الحق یصلو ولا یصلی اُس کے قبول کرنے اور اُس پر عمل درآمد کرنے میں پس نہ پیش نہ کریں گے۔ عربی عبارت کے تراجم لکھے گئے ہیں تاکہ طوائف نہ ہو۔

## غنا اور الحدیث ہے

محرمین فرماتے ہیں کہ اولہ اربعہ سے غنا و مزائیر کی حرمت مطلقہ ثابت ہے۔ سوائے وف کے کہ اعلان نکاح کے واسطے اُس کا بجانا جائز ہے۔ اور سوائے طبل غازی و نقارہ سحر اور نوبت کے اگر برائے تنبیہ ہو نہ برائے تفاخر اُس کا بجانا بھی مباح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ مِنَ النَّاسِ هُنَّ أَكْثَرُ لَمْ يَرْزُقْهُمُ اللَّهُ الْخَيْرَ يَتَّبِعُوا مَحْرَمِينَ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اشتراکی لہو پر وعید ہے۔ اور وعید حرام پر ہی ہو کر تھی ہے۔

اسی سچی بات غالب ہوتی ہے۔ مغلوب نہیں ہوتی۔ اسلئے اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کھیل کی باتوں کو خریدتے ہیں ۱۲۔



حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وَاللّٰهُ لَهَوُ الْحَرِیْثِ غِنًا ہِیَ ہِیَ  
بہیقی اور حاکم نے اس کا اخراج کیا ہے۔ اور اس کی تصحیح کی ہے اس کی تخریج ابن ابی شیبہ  
اور بہیقی نے ابن عباسؓ سے بھی کی ہے۔ بلفظ ھُوَ الْغِنَا وَاشْبَاهُہٗ ۛ

مجازین جواب دیتے ہیں کہ یہ عید اس شخص کے حق میں ہے۔ جو خدا کی راہ سے  
گمراہ کرنے کے واسطے یہ کام کرے۔ چنانچہ اسی آیت کا شان نزول اس بات کا شاہد  
ہے۔ محرمین کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ہولعوب کہا ہے اَنْدُمَا الْحَيٰوۃُ الدُّنْیَا  
لِعِبۡ وَّلَهۡوٍ۔ پس اگر حرام ہو گا۔ تو جو کچھ بھی نیا میں ہے۔ حرام ہے۔ اور اسی باب کے  
وہ حدیث جس میں مغنیات کی بیع و شرا و کسب و اکل اٹھان سے منع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ  
ترمذی و ابن ماجہ وغیرہما نے ابی امامہؓ سے اور ابو طیب طبری نے حدیث عائشہؓ سے  
اور طبرانی نے حدیث عمرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا  
ثَمَنُ الْقَنِیۃِ سَحَتٌ وَعِنَاقُهَا حَرَامٌ اور سوائے اس کے اور بھی اکثر احادیث  
ہیں۔ لیکن وہ احادیث کہ مزامیر و معازف کی حرمت میں وارد ہوئی ہیں۔ نہایت کثیر  
ہیں۔ حتیٰ کہ ایک جماعت علماء مثل ابن جرم و ابن ابی الدنیا و ابن حمدان الاربلی اور وہابی  
وغیرہم نے اُن کو جمع بھی کیا ہے ۛ

ہم یہاں چند احادیث فتاویٰ مولانا عبدالحی سے نقل کرتے ہیں صحیح بخاری میں  
بطور تعلیق کے مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ایسے لوگ  
ہونے والے ہیں۔ جو حریر اور شراب اور معازف کو حلال جانیں گے۔ اور سنن ابن ماجہ  
میں مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت کے  
بعض لوگ شراب کو اُس کا نام بدل کر پیئیں گے۔ اور اُن کے سروں پر معازف آویں۔  
مغنیات سے بجا یا گویا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو زمین میں ہنسا دیگا۔ اور اُن کو رند  
اور سُور بنا دیگا ۛ

جامع ترمذی میں مروی ہے کہ حضور الوریؐ نے فرمایا ہے کہ میری امت میں  
خسف و سخ ہو گا۔ جس وقت گم نے وایاں اور معازف ظاہر ہوں گے۔ اور مسند احمد میں  
ست کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے! اللہ تعالیٰ نے شراب قمار بازی  
ۛ بیشک دنیا کی زندگی دل پہلاؤ اور کھیل ہے ۛ ۛ



اور کو بتہ کو حرام کر دیا ہے۔ احمد سند ابن ابی الدنیا میں مروی ہے کہ حضرت رسول کریم علیہ  
التحیہ والتسلیم نے فرمایا ہے کہ اس امت سے ایک قوم آخر زمانہ میں مسخ ہو جائے گی بصورت  
بندر و خنزیر کے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وہ لوگ (عَالِمِ الْاَلَاءِ وَاللَّهِ مُحَمَّدٌ  
رَسُولُ اللَّهِ) کے قائل نہیں ہونگے۔ آپ نے فرمایا ہاں ہونگے اور روزہ حج و نماز سب  
ادا کریں گے۔ کہا گیا پھر کیا سبب۔ فرمایا کہ وہ معارف اور قنیسات سے مشغلہ رہیں گے  
انتہی۔ سوائے ان کے اور بھی احادیث ان کی حرمت میں وارد ہوئی ہیں۔ بلکہ مطلق سماع  
کی حرمت میں بھی اکثر احادیث ہیں۔

## گانا بجانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے القناء  
یذنب النفاق فی القلب کما یذنب الماء البقل رواہ البیہقی فی  
السنن یعنی گانا دل میں نفاق کو جس طرح بھاتا ہے۔ جس طرح پانی گھاس کو جھاتا ہے۔  
نیز آپ نے فرمایا دو آوازیں دنیا و آخرت میں ملعون ہیں۔ مزار وقت نغمہ اور گریہ زاری  
وقت مصیبت۔ نیز آپ نے فرمایا اللہ خلقاں کی آواز کو مبعوض رکھتا ہے جس طرح غنا کو  
مبعوض رکھتا ہے۔ ان ہی دلائل سے اکثر حنفیہ مطلق غنا کو بھی حرام کہتے ہیں۔ اور نیز  
دف کی کراہت کے قائل ہیں۔ لیکن بعض حنفیہ اعلان نکاح کے واسطے ایسے دف کے  
بجائے کی اجازت دیتے ہیں۔ جس میں جھانجھ نہ ہو۔

مولانا عبدالحی فرماتے ہیں کہ حق تو یہ ہے کہ نفس غنا عموماً ممنوع نہیں۔ بلکہ  
اُس میں حرمت یا کراہت بوجہ عوارض خارجہ کے عارض ہوتی ہے۔ اور مزامیر  
سب ممنوع ہیں بجز دف کے کہ اُس کی اجازت نکاح وغیرہ میں وارد ہو گئی ہے۔  
محرمین سماع کا یہ استدلال بالحدیث ہے۔ جو انہوں نے سماع غنا اور مزامیر و معاز  
کے حرام مطلق ہونے میں بیان کیا ہے +

مجازین سماع اس کے باب میں فرماتے ہیں کہ رضوی نے امتناع میں کہا  
ہے کہ ایک جماعت ظاہریہ و مالکیہ حنا بلہ و شافعیہ نے اس باب میں حنفی احادیث  
وارد ہوئی ہیں۔ سب کی تصنیف کی ہے۔ اور کہتے ہیں۔ ائمہ اربعہ نے اور داؤد کو

ابو سنیان نے جو مجتہدین کے سردار اور اصحابِ ہدایت ہیں۔ ان سے استدلال نہیں کیا  
اسی طرح دوسرے مجتہدین کہتے ہیں کہ باب تحریم غنا اور آلاتِ موسیقی میں کوئی شے صحیح  
نہیں۔ محرمین اُن کی صحت و تصحیح پر زور دیتے ہیں۔ اور مجتہدین کو قائل و معقول کرنے  
کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر مجتہدین اپنے دعوے جواز و اباحت سماع و مزامیر و معازف  
کو احادیث سے ثابت کرتے ہیں۔ اور قصہ غزوی ربع بنت معوذ اور قصہ غنا جاریہ تین  
فی یوم الفطر یا عید الضحیٰ اور قصہ وفائے نظر جاریہ وقت رجوع غزوہ کو پیش کرتے  
ہیں \*

محرمین طرح سے اس کا جواب دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان آیات میں جہاں  
غنا مذکور ہے۔ اُس سے مراد غنا لغوی ہے۔ یعنی کسی شعر کو ذرا آواز بنا کر پڑھ دینا  
اور اُس میں گفتگو نہیں لیکن ہماری مراد باب تحریم میں اُس غنا سے ہے۔ جو خاص  
تحریک صوت و نغمات کے ساتھ برعایت قواعد موسیقی ہو۔ اور یہ بالاتفاق حرام  
ہے \*

دوسرے ان آیات میں ف بجانے کا ذکر آیا ہے۔ اور یہ محل نزاع نہیں  
کیونکہ ہم اس کو آلاتِ غنا سے مستغنی جانتے ہیں۔ بدلیل حدیث اعلنوا النکاح  
ولو بالدف و سواہ الترمذی وغیرہ بالفاظ متعارفہ سوائے اس کے تمام  
آلاتِ غنا طبل و طنبور وغیرہ بہ نصوص صریحہ صحیحہ ممنوع ہیں \*

مجتہدین یہ تخصیص دینا دریافت کرتے ہیں۔ محرمین کہتے ہیں کہ وجہ تخصیص  
حدیث مذکورہ ہے۔ جس میں علانِ نکاح کے واسطے ضربِ دف کی اجازت دی ہے  
اور دوسرے آلاتِ منافیہ سے منع فرمایا ہے۔ مجتہدین کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن جعفر  
نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں غنا عود کے ساتھ سنا ہے۔ اور  
کتب معتبرہ میں آپ کی نسبت تحریر ہے۔ لایس ی بالغناء باسکایہ زمانہ صحابہ  
کا تھا۔ اور آپ بھی صحابی تھے کسی نے آپ کو اس فعل سے منع نہیں کیا۔ اور یہ  
اجماع سکوت کی دلیل ہے۔ جس سے غنا، بالعود کی اباحت ہوتی ہے \*

محرمین جواب دیتے ہیں کہ اول تو عبد اللہ بن جعفر کا فعل اس باب میں  
سند نہیں ہو سکتا۔ دوسرے ممکن ہے کہ عبد اللہ بن جعفر کو علم حرمت و لیس کا نہ ہو



تیسرے آپ کا غنا بقاعدہ موسیقی نہ تھا۔ کیونکہ موسیقی کے قواعد آپ کے بعد منضبط ہوئے ہیں۔ بعض مجوزین نے یہاں تک ثبوت سماع میں ور ویلہ ہے کہ اس کو فعل نئی کہہ دیا۔ اسی قسم کی کئی احادیث بھی بتا ڈالیں جس میں آپ کا غنا سننا اور اُسی سے وجد آنا۔ اور اس حالت میں چادر کا دوش مبارک سے سرک جانا۔ صحابہ کا اُس کو آپس میں تقسیم کر لینا بیان کیا گیا ہے۔ کَبُرَتْ کِمَّةٌ تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ۔ ایک روایت میں آیا ہے کسی شخص نے آپ کے سامنے یہ شعار گائے۔

لَقَدْ لَسَعَتْ حِجَّةَ الْهُوَى كَبْدَى      فَلَا طَبِيبَ لَهَا وَلَا رَاقِ  
الْهَلْجِيبِ الَّذِي شَغَفَتْ بِهِ      فَعِنْدَا دَقِيقَتِي وَشِرَاقِي  
راوی کہتا ہے کہ ان اشعار کے سننے سے ایسا وجد ہوا کہ آپ کے دوش مبارک سے چادر گر گئی +

محررین کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کا جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے خود حدیث سے اُس کا موضوع ہونا ثابت ہے۔ ابو بکر عمار ابن اسحاق نے اس سے نفی دیا ہے۔ اور وہی اس کا واضح ہے۔ اور اس کی مثل دوسری حدیثیں بھی موضوع اور جھوٹی ہیں۔ جو اصنعیں نے لوگوں کو جھٹلانے کے لئے بنا ڈالی ہیں۔ اور مضائقہ اس حدیث کے لئے ہیں۔ مَنْ كَذَبَ عَلَى مُتَعَمِّدٍ فَلْيَتَّبِعْهُ مَقْعِدًا مِنَ النَّارِ یعنی جس شخص نے بیان بوجھ کر جھوٹ بانڈھا۔ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں ہوند لے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی قسم کا سماع بیعت کذابہ نہیں کیا اُن کا سماع یہ تھا کہ جب ایک مقام پر جمع ہوتے۔ تو کسی شخص سے قرأت قرآن کی درخواست کرتے۔ اور اُسی سے انہیں تواجب دودھوشی ہوتی۔ اور یہ وہ سماع ہے جس کے سننے والوں کی تعریف اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ إِذَا تَشَلَّى عَلَيْكُمْ آيَاتُ الرَّحْمَنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا۔ یعنی جب ان کے روبرو آیات الہی

۱۱۔ بڑی باتیں ہیں۔ جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہیں ۱۲۔ لے دینی خواہش کے سانچے میرے جگر کو ڈس لیا ہے نہ تو اس کا کئی چہرہ گریہ۔ اور نہ منتزی (پھونک کے فدیہ زہر کو اتارنے والا) مگر وہ دوست جس کو میں چاہتا ہوں۔ اُس کے پاس میرا منتز ہے۔ اور میرا تریاق ہے ۱۲ +



پڑھی جاتی ہیں۔ تو سجدہ کرتے ہوئے اور بیٹھے ہوئے گر پڑتے ہیں۔ پھر محرمین اس پر فقہ کے دلائل قائم کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ فقہ حنفی میں بالاتفاق سماع مزامیر و معارف کی حرمت ثابت ہے۔ اور بعض دیگر مذاہب بھی اس کی تحریم کی جانب رجوع ہوئے ہیں۔ اور بزرگان دین نے بھی اس کی حرمت کی جانب زیادہ زور دیا ہے۔ تا تا رفاہ میں ہے۔ اگر سماع غنا ہو تو حرام ہے۔ کیونکہ تغنی و استماع غنا حرام ہے۔

اور مبسوط میں ہے۔ استماع المذمومہ والتغنی کلھا حرام اور محیط میں ہے۔ التغنی والتحقق بها واستماعها کلھا حرام یعنی گانا اور اس پر تالیاں بجانا۔ اور اس کا سننا یہ سب حرام ہے۔ اور ہدایہ میں ہے۔ مسئلہ ولالت کرتا ہے کہ ملا ہی تمام حرام ہیں۔ حتیٰ کہ غنا کرنا ساتھ ضرب تقبیل کے۔ مالا بد مذہب میں ہے۔ ملا ہی و مزامیر و طبور و دہل و نقارہ و دف وغیرہ بالاتفاق حرام است۔ مگر طبل غازی یعنی نقارہ ہنگام جنگ یا دف پرانے اعلان نکاح انتہی۔ اسی کے قریب قریب تمام کتب فقہ حنفی و شافعی میں منسطور ہے۔

مجوہرین کہتے ہیں کہ جہاں کہیں کتب فقہ اور اقوال بزرگان دین میں معارف مزامیر و سماع و غنا کی حرمت آئی ہے۔ وہ حرمت مقید پہو ہے۔ حرمت مطلقہ نہیں ہے۔ اور اس بات کو ہم بھی مانتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے سماع غنا مع آلات یا بلا آلات بطور لہو کے کرایا وہ بالاتفاق حرام اور باعث وعید آخرت ہے لیکن جن سماع سے عو فیہ صافید رغبت رکھتے ہیں۔ وہ مباح ہے۔ اور اس کی سندیں تمام فقہاء کے اقوال صاف صریح موجود ہیں۔ اور بزرگان دین کو تو ہمیشہ اس کے سننے سے انس رہا ہے۔ یہ سماع باعث تقرب الی اللہ اور زیادہ محبت الہی و یاد حق ہے۔ چونکہ غرض صحیح محبت الہی ہے۔ لہذا حرام نہیں ہو سکتا۔ مسئلہ سماع میں ان دونوں فریق کے یہ اقوال و دلائل ہیں۔ جن کو ہم نے خوف طوالت بہت اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس عبارت کو غور کے ساتھ پڑھنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بعض بعض جگہ دونوں فریق نے ٹھوکر کھائی ہے۔ محرمین کا یہ فرمانا

کہ نفس غنا بھی حرام ہے۔ اور اگر معہ آلات ہو۔ تو بالاتفاق حرام مطلق ہے کسی قدر تحقیق سے گرا ہوا ہے۔ اور یہ کہ عبداللہ بن جعفر نے بقاعدہ موسیقی نہیں سنا۔ نیز انصاف کے خلاف ہے۔ کیونکہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ ہجری میں محسن دوحی و فارسی عرب میں آیا تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن جعفر کی وفات بقول اصح سلسلہ ہجری میں واقع ہوئی ہے۔ پس ممکن ہے کہ ہم نے بقاعدہ موسیقی سنا ہو۔ تاہم مجوزین کا اس فعل کو سند میں لانا۔ اور اجمال سکوتی فرمانا بہتر نہیں۔

مجوزین کی بڑی غلطی جو ناقابل معافی ہے۔ یہ ہے کہ سماع کو فعل نہیں بیان کرتے ہیں۔ اور تمام معارف و مزامیر محرمہ کے ساتھ اس میں شریک ہونا مباح سمجھتے ہیں۔ ہم اس وقت محرمین کے قول سے قطع نظر کر کے کہتے ہیں کہ بقول مجوزین سماع مباح ہے۔ مگر اس شخص کے واسطے جو اس کی اہلیت رکھتا ہے۔ اور اگر اسی مجلس میں کوئی نااہل بھی شریک ہوا۔ اور اہل نے اس کو شرکت سے منع نہیں کیا۔ تو ضرور اس کا وبال اہل پر پڑے گا۔ کیونکہ یہ اس کی گمراہی کا باعث ہوا ہے۔ اگر یہ چاہتا۔ اور اس کو شرکت سے باز رکھتا۔ تو کیوں وہ گمراہی میں پڑتا۔

اب ہمارے زمانہ کے مجالس سماع کو ملاحظہ فرمائیے کہ بزرگوں کی قبروں پر اور سراہ اور مکیہ و مدینہ ایسی مجالس کراتے ہیں۔ جہاں عوام و خواص جھلا متام شریک ہوتے ہیں۔ بلکہ اکثر صوفیہ نفس کے بٹھے امیروں کو اپنی مجالس میں بلاتے ہیں اور ان کے ساتھ بخاطر مدارات پیش آتے ہیں۔ پس ایسی صورت میں ہم یقیناً کہتے ہیں کہ ایسا سماع اولاً اربعہ سے حرام اور قطعی حرام ہے۔ کیونکہ اس میں لہو شریک ہو گیا۔ آدھ جب تک یہ لہو ہمارے صوفیہ سے جدا نہیں ہوگا۔ سماع کی حرمت بھی جدا نہیں ہوگی۔ اب ہم مختصراً سماع غنا کے اہل کی پہچان۔ اور مجالس سماع کے شرائط بیان کرتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۵

گویم سماع لے را در کہ صفت      مگر مستمع را بدنام کہ کیست  
گراں نوح معنی بود طیرا و      فرشتہ فرو ماند از سیرا و  
وگرہ لہو است بازی دلغ      قومی ترشود لہوش اند دماغ



ان اشعار میں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے سماع کے اہل و نا اہل کی تصریح فرمائی ہے۔ یعنی ایسے شخص میں سماع کی حقیقت تیرے رُوبرو بیان کروں کہ کیا ہے۔ مگر پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ مستمع کون ہے۔ سُنو وہ شخص سماع کی اہلیت رکھتا ہے کہ اگر مرغ روح اُس کا بُرج حقیقت میں جاگزیں ہے۔ تو وقتِ استماع سماع کے ایسی پرواز کرے کہ فرشتہ بھی اُس کی سیر سے عاجز و حیران رہ جائے۔ اور نا اہل وہ ہے جو سماع کو براہ لھو و ظرافت و بازی سُنتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ سماع سے اُس کے لھو اور اُسکی شہوت کو اور ترقی و قوت ہوتی ہے۔ دل کی حالت کو علام الغیوب ہی خوب جانتا ہے۔ مگر صوفیہ زمانہ حال کے قرائن سے لباس سے طریقوں سے اُن کے مصنوعی و تجدد حال سے عام مجالس میں سماع کرانے سے آلاتِ محرمہ کے ساتھ غنا سُننے سے بازاری قوالوں۔ امردوں اور گانے والی عورتوں کی مجلس سے دلچسپی ظاہر کرنے سے اُن کو مواقعِ عرس و قاتحہ بزرگان میں بلانے اور اُن کو شیرینی اور مٹھائی کی ٹوکریاں تقسیم کرنے سے اُن کو دعائیں دینا اور مائی کے خطاب سے یاد کرنے سے اُن کے گانے پرواہ واد کرنے ناچنے اور بازاری قوالوں۔ ہجڑوں کے پاؤں پر گرنے سے آپس میں مل جل کر رونے اور صدر مجلس کے پاؤں ہاتھ چومنے وغیرہ ناشائستہ حرکات کے کرنے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مطلق سماع کے اہل نہیں۔ اور انہیں ہرگز سماعِ مباح نہیں ہے۔ بلکہ حرام مطلق۔ اور خیر بہ کفر ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جو شافعی مذہب ہیں۔ اور جنہوں نے احیاءِ اُلوام اور کیمیائے سعادت وغیرہ کتب معتبرہ میں سماع کی اباحت پر سیکڑوں دلائل قائم کئے ہیں۔ وہ بھی ان کتابوں میں کئی مقامات پر ایسے سماع کو حرام فرمایا ہے۔ اور کون عقلمند ہوگا۔ جو ایسے مواقع میں سماع کا سُننا مباح کہیں گے جہاں نامحرم عورتوں، نا اہل مردوں۔ اور امردوں کے حسنِ صورت کے باعث فتنے اُٹھنے۔ اور نفسانی خواہشات کے بڑھنے۔ اور کثرتِ استماعِ سماع کے سبب اوراد و وظائف کے ترک ہو جانے کا اندیشہ و خوف ہو۔ اب سماع کے شرائطِ ملاحظہ فرمائیے۔ جو بزرگانِ دین نے بیان کئے ہیں۔ اور فرمایا ہے کہ ان میں



اگر ایک شرط بھی کم ہو۔ تو سماع حرام ہے۔  
 فوائد القواد میں ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ فرمودند کہ چند  
 شرائط موجود شود۔ سماع آنگاہ شنود و آن چیز مسموع است و مسموع و مستمع و آلہ  
 سماع است۔ و فرمودند مسموع گویندہ است باید کہ مرد تمام باشد کوک و عورت  
 نہ باشد۔ اما مسموع آنچہ می گویند۔ باید کہ فحش نہ ل باشد۔ اما مستمع آنکہ می شنود  
 باید کہ سخی شنود و مملو باشد از یاد حق۔ اما آلہ سماع و آن مزامیر است چوں چنگ۔ و  
 رباب و مثل آن باید کہ در میان نباشد این چندین سماع حلال باشد انتہی۔

سوائے ان کے زمان مکان و اخوان کا ہونا بھی ضروری ہے۔ زمان یعنی  
 ایسا وقت جس میں کوئی طبعی یا شرعی حاجت نہ ہو۔ مکان یعنی ایسا مقام جہاں  
 عام آمد و رفت نہ ہو۔ اور نہ کوئی ہنگامہ قلب مشغول کر لیتے والا ہو۔ اخوان یعنی  
 شرکاء مجلس میں سے کوئی ناچشم نہ ہو۔ و تیار دار نہ ہو۔ ریاکار نہ ہو۔ بلکہ سب کے  
 سب طریقت سے واقف مجاہدہ میں کامل۔ علم ظاہری و باطنی سے ماہر و مہلک  
 صوفیہ سے باخبر۔ ظاہر و باطن کو مطابق کرنے پر قادر ہوں۔

ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں تَلَاٰتٌ فِی الْاَعْيَادِ الْمَحْمُودَةِ  
 الْقَارِضِيَّةِ فِي قَصِيدَةِ الْخَمْرِيَّةِ وَ كَذَا فِي الْاَشْعَارِ الْحَافِظِيَّةِ وَ  
 الْقَاسِمِيَّةِ وَ امثالہم کلمات کفریہ لَمَنْ حَمَلَهَا عَلٰی الْمَعَانِي  
 الظاهرية کاہل الحاد و الا باحیۃ یعنی میں کتا ہوں۔ ابن فارض کے  
 قصیدہ مہمبہ خمریہ میں۔ اور اسی طرح اشعار حافظیہ و قاسمیہ میں اس شخص کے لئے  
 کلمات کفریہ ہیں۔ جو ان اشعار کو مثل یحییٰ بن اہل اباحت کے ظاہری معنی پر  
 محمول کرے ہمیں معلوم ہے کہ اکثر صوفیہ زمانہ اصطلاحات صوفیہ اور تاویل کلام  
 اور رموز غائبین سے محض تامل نہیں۔ فلہذا حملہا علی المعانی  
 الظاهرية۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں مزامیر و معازف کے  
 ملانے کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ اور یہ اس کی ترویج کے لئے مخلوق ہوئے  
 ہیں فلہذا عذاب الیسر بما کانوا یخلفون۔ غرض شرائط جواز سماع  
 بہت بڑی شرط یہ ہے کہ مستمع اصحاب طریقت اور اہل علم ظاہر و باطن سے ہو۔

روح سماع حرام ہے

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مؤثر رسالہ ابطال دعوی الاجماع علی  
 تحریم مطلق السماع میں فرماتے ہیں کہ اختلاف اقوال و دلائل کے بیان کرنے کے بقیم  
 کہتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ سماع امور مشتبہ سے ہے اور مومن شبہات میں  
 توقف کیا کرتے ہیں۔ جیسا حدیث صحیح میں آیا ہے۔ جس نے شبہات کو ترک کیا۔  
 اُس نے اپنی آبرو اور دین کو بری رکھا۔ اور جو شخص شہر کے اور دگر دگھوما۔ وہ اُس  
 میں داخل ہو گیا۔ بالخصوص وہ سماع جس میں قد و قارت خط و خال، ناز و کرشمہ  
 ہجر و وصال، بوس و کنار، تنہا کشف اور شراب نوشی، بے حیائی۔ بے وقوفی  
 کا ذکر ہو۔ کیونکہ مجالس سماع میں اذن و اہیات کا سُنانے والا بلا و محنت سے ہرگز  
 نجات نہیں پاسکتا۔ اگرچہ وہ محنت اٹھا کر ذات الٰہی میں ایسی حذک پہنچ جاوے  
 جو وصف سے قاصر ہو۔ اور اکثر اس سیلہ سے عشق و محبت و تحیر میں گرفتار ہیں  
 اور خصوصاً جب کہ منفی حسن صوت و حسن صورت رکھتا ہو۔ جیسا کہ حسین عورت باغلام  
 جمیل۔ اور عرب میں اس طرح کا غنا نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ وہاں کا غنا اس قسم کا ہے  
 کہ اشعار کے ساتھ ذکر عرب اور وصف نیزہ زنی۔ اور وصف شجاعت و کرم اور  
 تشبیب اور ذکر دیار اور طرح طرح کے فنوں کا وصف ہوتا ہے۔ پس وہ شخص جو اپنے  
 دین کا متحفظ اور سلام میں اغرب ہو۔ اُس کو چاہئے کہ پرہیز کرے۔ کیونکہ شیطان  
 کے پاس بہت سے جال ہیں۔ پس جو شخص جس کے لائق ہوتا ہے۔ ویسا ہی حال  
 اُس کے واسطے لگتا ہے۔ اور جس وصف کا غنا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ وہ نہایت  
 خبیث قریب سے خاص اُس شخص کے واسطے جو پڑے زمانہ میں ہو۔ کیونکہ اس کا نفس  
 لذات ذبیوی کی طرف بالطبع زیادہ مائل ہوتا ہے۔ الی آخر وہ انتہی پس میں کہتا  
 ہوں کہ فی زمانہ ہذا سماع و غنا بالاتفاق حرام ہے۔ بہت وجہ

ہو فیوں کا طریقہ مذکور

اول یہ کہ ہمارے زمانہ کے صدیقیہ ایسے مقامات میں بھی مجالس سماع کرانے  
 اور گانا سُنانے سے نہیں چوکتے۔ جہاں عام لوگ شریک ہوتے ہیں۔ اور اُس میں  
 آوارہ قوال فحش و ہزلیات گاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ سماع بکثرت سُنتے اور اس کو  
 قرائن و اوراد و وظائف پر ترجیح دیتے ہیں۔ تیسرے میلوں اور عرسوں کے قطع نظر  
 اپنے دولت خانہ فیمن کا شانہ پر بھی اجانب عورتوں کو مدعو کرتے۔ اور سماع سُنتے



ہیں ڈھولک اور دف کے سوائے دیگر معازف و مزامیر محرمہ بھی ہمراہ رہتے ہیں۔ جن کی حرمت منصوص ہے۔ چونکہ اکثر صوفیہ جہالت فہی علمی کے باعث عارفانہ کلام اور صوفیانہ اشعار کی تاویلات و رموزات کے فہم و افہام سے بالکل عاری ہوتے ہیں۔ اور اسی سبب گمراہی کے انتہا درجہ کے عمیق گڑھے میں گر پڑتے ہیں۔

حضرت مخدوم العلماء حاجی امداد اللہ فرماتے ہیں کہ سماع اختلافی مسئلہ ہے۔ سماع محض میں بھی اختلاف ہے جس میں محققین کا یہ قول ہے کہ اگر شرائط جو مجتہد اور عوارض مانع مرتفع ہوں تو جائز ہے۔ ورنہ ناجائز۔

حضرت بحر العلوم شرح مشنوی مولوی روم میں فرماتے ہیں۔ ”لیکن ربودن سماع موجب فتاویٰ اللہ و بقا باللہ کلام است“ چنانچہ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ تصریح فرمودند کہ سماع مفید رفع درجہ نہیں تو اندشہ۔ اگرچہ مباح است و شوق می انگیزد۔ انتہی۔ جب رفع درجہ کے لئے جو غرض غایت ہے مفید نہ ہو۔ تو اُس کی اباحت اور جواز کے لئے دلائل ڈھونڈنا۔ اور واقعات پیش کرنا بیکار ہے۔ ایک بات یہ بھی قابل بیان ہے کہ اکثر اوقات صوفیہ زیادہ تر رنڈیوں اور آوارہ قوالوں سے سورۃ قرآن کو تال سر پر لانے اور لغت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشعار پڑھنے کو فراموش کرتے ہیں۔ سو اُس کی نسبت ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ وَفِي الْخُلَاصَةِ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ عَلَى صَرْبِ الدَّاءِ وَالْقَضِيبِ مَعَ ذِكْرِ اللَّهِ تَعَالَى وَبَغَتْ الْمِصْطَفَى وَكَذَلِكَ التَّصْفِيقُ عَلَى الذِّكْرِ انْتَهَى۔ یعنی خلاصہ میں ہے کہ جس شخص نے قرآن شریف کو صرب و قضیب پر پڑھا۔ اُس نے کفر کیا۔ میں کہتا ہوں اور کفر کے قریب کرتا ہے! اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ! اور جھنور پُر نور کی لغت کے ساتھ دف و قضیب کا بجانا۔ اور اسی طرح ذکر پر تالیاں بجانا۔ ہذا ذکر العلماء الاعلام والصوفیۃ الکرام وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَعَلِمُ رَاتِمٌ وَاحْكُمُ۔





# مرزائی اعتقادات کی تردید

متعلقہ صفحہ

مرزائی۔ قادیانی۔ اور احمدی۔ ان تینوں ناموں یا ان میں سے کسی ایک نام کے ساتھ وہ فرقہ پکارا جاتا ہے۔ جو مرزا غلام احمد ساکن قصبہ قادیان ضلع گورداسپور علاقہ پنجاب کے عقائد باطلہ کا پیرو ہے۔ اس فرقہ کا گرو یعنی مرزا غلام احمد مذکور ابھی کچھ سال ہوئے۔ وفات پا چکا ہے۔ اُس کا دعویٰ ہے کہ میں مسیح موعود مہدی آخر الزماں ہوں۔ اس نے اپنے زمانہ حیات میں قسم قسم کے دعاوی فاسدہ شائع کئے جو باہم تضاد اور جمع بین التناقض کی طرح محال اور سراپا لغو تھے۔ پہلے اُس نے مُکسّم مہینِ اُمّی ہوئے کا دعویٰ کیا۔ پھر کہا کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ اور میں نبوت کے خلعت سے سرفراز کیا گیا ہوں۔ پھر اُس سے آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ میں ہی وہ موعود و مبشر ہوں جس کی آمد کی عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے۔ اور قرآن پاک میں وہ بشارت بدیں الفاظ موجود ہے۔ وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ۔ یعنی اور جب عیسیٰ مریم کے بیٹے نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف خدا کا رسول ہوں۔ تو ریت کی تصدیق کرتا اور ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں۔ جو میرے بعد آئیگا۔ اور اُس کا نام احمد ہے۔

مرزائیوں کا پیشوا کہتا ہے کہ وہ احمد مبشر میں ہی ہوں۔ پھر اُس نے کہا مجھ پر آیت نازل ہوئی۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ فِي قَادِيَانٍ۔ یعنی خدا نے اپنا رسول قادیان میں بھیجا۔ اور یہ آیت اَنَا أَنزَلْنَاهُ بِالْقَادِيَانِ وبالْحَقِّ نَزَّلَ یعنی ہم نے قادیان میں ایک رسول اتارا۔ اور حق پر اتارا۔ پھر کہا۔ قرآن کریم کی یہ آیت میری ہی شان میں نازل ہوئی ہے۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ عَلَى الدِّينِ كُلِّمٍ عَنِ خَدَائِعِ النَّاسِ لِيُكْذَّبَ۔ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ اُس کو

تمام ادیان پر غالب کرے۔ پھر اُس نے نبوت کا دعویٰ کر کے اور سچ موعود بن کر اکثر انبیاء پر اپنی فضیلت ظاہر کی۔ اور کہا میں ہی کلمۃ اللہ روح اللہ اور عیسیٰ ہوں بلکہ اُس سے بھی بڑھ کر۔ چنانچہ اُس کا خود قول ہے ۵

ابن مریمؑ کے ذکر کو چھوڑو

اُس سے بہتر سلام احمد ہے

اور جب اُس سے کہا گیا کہ تو مثل عیسیٰ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ حالانکہ تجھ میں وہ آیات باہرہ اور معجزات ظاہرہ موجود نہیں۔ جو قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت مذکور ہیں کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے۔ اور مٹی کا پرندہ بھساکر اُس میں روح پھونکتے۔ اور وہ زندہ ہو کر اڑ جاتا۔ اور وہ بیماروں۔ کوڑیوں اور جزامیوں کو چنگا کرتے ؟

اُس نے جواب میں کہا کہ عیسیٰ یہ تمام کام مسمریزم کے ذریعہ کرتے تھے اور میں ایسی باتوں کو مکر وہ جانتا ہوں۔ ورنہ میں بھی کر دکھاتا۔ اُس نے بہت سی پیشین گوئیاں کہیں۔ اور جب وہ انہیں جھوٹا ثابت ہوا تو کہنے لگا۔ مجھ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کی پیشین گوئیاں جھوٹی ثابت ہو چکی ہیں حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئیوں کو اُس نے جھوٹا کہا۔ اور سب سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُس پیشین گوئی کو جو واقعہ غدیریہ کے متعلق تھی۔ اُس نے جھوٹی پیشین گوئیوں میں گنا دیا

۱۔ دیکھو ازالہ الاولیام صفحہ ۳۲ جہاں لکھا ہے۔ غرض یا اعتقاد غلط اور فاسد اور شر کا نہ خیال ہے پھر لکھا۔ بہر حال یہ معجزہ صرف ایک کھیل کی قسم میں سے تھا۔ اور دُومٹی و حقیقت ایک مٹی پر مبنی تھی اور ازالہ الاولیام صفحہ ۳۹ میں لکھتے ہیں بہر حال سحر کی یہ ترقی کاروائیاں (مسمریزم) زمانہ کے مناسب بلور خام مصلحت کے تھیں۔ مگر یاد رکھنا کہ یہ عمل ایسا قدر کے لائق نہیں جیسا کہ عوام الناس اُس کو جہاں کہے ہیں۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکر وہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا۔ تو خدا کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان عجوبہ نما شیعوں میں حضرت ابن مریمؑ سے کم نہ رہتا۔ الخ سبحان خدا تم قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جن معجزوں کو بطور فخر بیان فرماتا ہے۔ اور وہ درحقیقت معجزات ہیں۔ مرزا غلام احمد ان کو کھیل اور قابل نفرت اور مکر وہ کہتا ہے۔ ۲۔ دیکھو ازالہ الاولیام صفحہ ۳۲ دیکھو صفحہ ۳۳



لعن اللہ من اذی رسول اللہ علیہ السلام و سلم۔ اس نے حضرت عیسیٰ کی نبوت میں عیب نکالا۔ اور کہا کہ اُن کا نبی ہونا کسی نص قطعی سے ثابت نہیں ہوتا صرف قرآن سے ثابت ہوتا ہے۔ پھر کہا۔ قرآن سے بھی یہ تکلف اور مشکل ثابت ہوتا ہے۔ اُس نے حضرت مریم علیہا السلام میں عیب نکالا۔ اور کہا بے شوہر کے اُس نے کس طرح عیسیٰ کو جنم دیا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے یہ بھی کہا کہ میرا مرتبہ اکثر انبیاء سے افضل ہے۔ اور میرے تابعین کا مرتبہ اکثر صحابہؓ سے فاضل ہے۔ اُس نے اپنے اپنے ملائین کے قتل کو حضرت امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کی شہادت سے زیادہ قابل قدر اور افسوس ناک واقعہ بتایا۔ اور حضرت امام حسینؑ کے صبر و استقلال سے اُس نے اپنے مقتولین کے صبر و استقلال کو زیادہ مرتبہ دیا۔

پھر اس نے لامحدی الا عیسیٰ ابن مریم کی حدیث کے غلط معنی کر کے یہ

حدیث اپنی افتہ کی بابت معالم التنزیل اور کتب احادیث میں صرف اتنا لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام الحیدریہ میں ایک خواب دیکھا۔ کہ میں اور میرے اصحاب مکہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ پس ایک خواب کی بنا پر آپؐ مکہ کی طرف وقت مقررہ کے پہلے جانے میں جلدی کی۔ مشرکوں نے آپؐ کو روک دیا اور آپؐ مکہ کی طرف نہ جاسکے۔ اور مدینہ کی طرف پلٹ آئے۔ صرف اتنی بات ضعیف لایمان لوگوں کے لئے تمکین اور آزمائش ہو گئی۔ اور وہ آپؐ کے رویائے صادقہ کی تکذیب کرنے لگے۔ جیسا کہ مرزا غلام احمد نے منافقین کی تقلید کرتے ہوئے اس پیشین گوئی کو جھوٹا کہا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی روایا اور کوئی پیشین گوئی جھوٹی ثابت نہیں ہوئی۔ اور نہ پیشین گوئی جھوٹی تھی چنانچہ حسب آئندہ سال حضور علیہ السلام مکہ کی طرف گئے۔ تو چونکہ رویا کے ظہور کا وقت آگیا تھا۔ لہذا آپؐ قاصدہ مکہ میں داخل ہوئے۔ اور خدا نے اپنے پیغمبر کی رویا کے سچے ہونے کو اس آیت میں بیان فرمایا لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّسُلَ بِالْبَقِیِّ اَلْمِیْنِ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس نے آنحضرتؐ کی اس پیشین گوئی کو اور نیز کسی دوسری پیشین گوئی کو جھوٹا کہا۔ بتحقیق اُس نے خدا اور رسولؐ کی تکذیب کی۔ پھر خدا اور رسولؐ کا مذہب بیشک کافر ہے ۱۲ منہ ۱۳ اس حدیث کے اصلی معنی کتاب عقابہ قریشی صفحہ ۱۲۴ میں مذکور چکے ہیں۔ مٹھی کال علی الاطلاق حضرت عیسیٰ ہیں۔ اور ان کا مرتبہ بسبب نبی مرسل ہونے کے امام مہدی سے بدرجہا زیادہ ہے۔ یہ آپؐ نے اس واسطے فرمایا تاکہ کوئی حضرت عیسیٰ کی بابت ایسی بات نہ سمجھے جس سے اُن کے مراتب عالیہ کی تقیص امام مہدی کی ان پر ترجیح و تفصیل ہو۔ کیونکہ جب آخر زمانہ میں امام مہدیؑ کا ظہور اور حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا۔ تو جماعت مسلمین کی امامت کے باب میں یہ دونوں بزرگوار تدافع کریں گے۔ مہدی کہیں گے کہ عیسیٰ امامت کریں اور عیسیٰ مہدی کو امامت کی ذمہ داری دیں گے۔ آخر امام مہدیؑ امام ہونگے۔ (بغیر حاشیاء صفحہ ۴۰۵)

۱۳۰ دیکھو مائتہ ص ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱۴۰۲۔ ۱۴۰۳۔ ۱۴۰۴۔ ۱۴۰۵۔ ۱۴۰۶۔ ۱۴۰۷۔ ۱۴۰۸۔ ۱۴۰۹۔ ۱۴۱۰۔ ۱۴۱۱۔ ۱۴۱۲۔ ۱۴۱۳۔ ۱۴۱۴۔ ۱۴۱۵۔ ۱۴۱۶۔ ۱۴۱۷۔ ۱۴۱۸۔ ۱۴۱۹۔ ۱۴۲۰۔ ۱۴۲۱۔ ۱۴۲۲۔ ۱۴۲۳۔ ۱۴۲۴۔ ۱۴۲۵۔ ۱۴۲۶۔ ۱۴۲۷۔ ۱۴۲۸۔ ۱۴۲۹۔ ۱۴۳۰۔ ۱۴۳۱۔ ۱۴۳۲۔ ۱۴۳۳۔ ۱۴۳۴۔ ۱۴۳۵۔ ۱۴۳۶۔ ۱۴۳۷۔ ۱۴۳۸۔ ۱۴۳۹۔ ۱۴۴۰۔ ۱۴۴۱۔ ۱۴۴۲۔ ۱۴۴۳۔ ۱۴۴۴۔ ۱۴۴۵۔ ۱۴۴۶۔ ۱۴۴۷۔ ۱۴۴۸۔ ۱۴۴۹۔ ۱۴۵۰۔ ۱۴۵۱۔ ۱۴۵۲۔ ۱۴۵۳۔ ۱۴۵۴۔ ۱۴۵۵۔ ۱۴۵۶۔ ۱۴۵۷۔ ۱۴۵۸۔ ۱۴۵۹۔ ۱۴۶۰۔ ۱۴۶۱۔ ۱۴۶۲۔ ۱۴۶۳۔ ۱۴۶۴۔ ۱۴۶۵۔ ۱۴۶۶۔ ۱۴۶۷۔ ۱۴۶۸۔ ۱۴۶۹۔ ۱۴۷۰۔ ۱۴۷۱۔ ۱۴۷۲۔ ۱۴۷۳۔ ۱۴۷۴۔ ۱۴۷۵۔ ۱۴۷۶۔ ۱۴۷۷۔ ۱۴۷۸۔ ۱۴۷۹۔ ۱۴۸۰۔ ۱۴۸۱۔ ۱۴۸۲۔ ۱۴۸۳۔ ۱۴۸۴۔ ۱۴۸۵۔ ۱۴۸۶۔ ۱۴۸۷۔ ۱۴۸۸۔ ۱۴۸۹۔ ۱۴۹۰۔ ۱۴۹۱۔ ۱۴۹۲۔ ۱۴۹۳۔ ۱۴۹۴۔ ۱۴۹۵۔ ۱۴۹۶۔ ۱۴۹۷۔ ۱۴۹۸۔ ۱۴۹۹۔ ۱۵۰۰۔ ۱۵۰۱۔ ۱۵۰۲۔ ۱۵۰۳۔ ۱۵۰۴۔ ۱۵۰۵۔ ۱۵۰۶۔ ۱۵۰۷۔ ۱۵۰۸۔ ۱۵۰۹۔ ۱۵۱۰۔ ۱۵۱۱۔ ۱۵۱۲۔ ۱۵۱۳۔ ۱۵۱۴۔ ۱۵۱۵۔ ۱۵۱۶۔ ۱۵۱۷۔ ۱۵۱۸۔ ۱۵۱۹۔ ۱۵۲۰۔ ۱۵۲۱۔ ۱۵۲۲۔ ۱۵۲۳۔ ۱۵۲۴۔ ۱۵۲۵۔ ۱۵۲۶۔ ۱۵۲۷۔ ۱۵۲۸۔ ۱۵۲۹۔ ۱۵۳۰۔ ۱۵۳۱۔ ۱۵۳۲۔ ۱۵۳۳۔ ۱۵۳۴۔ ۱۵۳۵۔ ۱۵۳۶۔ ۱۵۳۷۔ ۱۵۳۸۔ ۱۵۳۹۔ ۱۵۴۰۔ ۱۵۴۱۔ ۱۵۴۲۔ ۱۵۴۳۔ ۱۵۴۴۔ ۱۵۴۵۔ ۱۵۴۶۔ ۱۵۴۷۔ ۱۵۴۸۔ ۱۵۴۹۔ ۱۵۵۰۔ ۱۵۵۱۔ ۱۵۵۲۔ ۱۵۵۳۔ ۱۵۵۴۔ ۱۵۵۵۔ ۱۵۵۶۔ ۱۵۵۷۔ ۱۵۵۸۔ ۱۵۵۹۔ ۱۵۶۰۔ ۱۵۶۱۔ ۱۵۶۲۔ ۱۵۶۳۔ ۱۵۶۴۔ ۱۵۶۵۔ ۱۵۶۶۔ ۱۵۶۷۔ ۱۵۶۸۔ ۱۵۶۹۔ ۱۵۷۰۔ ۱۵۷۱۔ ۱۵۷۲۔ ۱۵۷۳۔ ۱۵۷۴۔ ۱۵۷۵۔ ۱۵۷۶۔ ۱۵۷۷۔ ۱۵۷۸۔ ۱۵۷۹۔ ۱۵۸۰۔ ۱۵۸۱۔ ۱۵۸۲۔ ۱۵۸۳۔ ۱۵۸۴۔ ۱۵۸۵۔ ۱۵



بڑا ماری کہ مہدی اور عیسیٰ دونوں حقیقت میں ایک ہی شخص ہے۔ جو مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے۔ اور کہا کہ میں ہی مہدی اور عیسیٰ ہوں۔ پھر خود ہی کرشن و راج ہونے کا بھی دعوے کیا۔ اور خلوت حسیناں کے مزے اڑاتا رہا۔ جب چاروں طرف سے لعن طعن ہونے لگی۔ تو اُس کی پرواہ نہ کرتا ہوا اُس نے کہا کہ مجھے لوگوں کی تکذیب کی پرواہ نہیں۔ ہمیشہ سے انبیاء کی تکذیب ہوتی آئی ہے۔ اُس نے مجدد امام اور مبشر ہونے کا بھی دعوے کیا ہے۔ غرض کہاں تک اُس فرخرفات کو نقل کر کے قارئین کے دماغ کو پریشان کیا جائے۔ اُس کے دعوای میں ایسا تناقض ہے کہ ابابک کلم علم

(بقایا حاشیہ صفحہ ۲۰۴) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن کی اقتدا کریں گے۔ اُس سے عوام کے خیال میں حضرت عیسیٰ کا حضرت مہدی سے مفضل ہونا ثابت تھا۔ لہذا نبی کریمؐ نے فرمایا کہ مہدی فضیلت میں عیسیٰ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے! اور وہ نبی مرسل ہیں! اور حقیقت میں مہدی رہایت کر نیوالے) کمال علی الاطلاق عیسیٰ ہی ہیں۔ یہ اُس صورت میں ہے جب حدیث صحیح اور درست ہو۔ مگر اکثر محدثین کے نزدیک یہ حدیث معلول اور ضعیف ہے۔ پس مرزا صاحب کا اس حدیث سے محدثی اور مسیح کے ایک ہونیکو ثابت کرنا غلط ہے۔ دوسری حدیث جب مرزا غلام احمد مہدی اور مسیح کے ایک ہونے کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسی کو بخاری کا مذہب بتاتے ہیں۔ وہ حدیث یہ ہے۔ ان اباءہ پرۃ رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیف انزل فیکم ابن مریم اذا انزل ماکم مذکور یعنی اُس وقت تم کیسے خوش ہو گے۔ جب ابن مریم تم میں نازل ہونگے۔ اور حال یہ کہ تمہارے امام تمہیں میں سے ہونگے (یعنی حضرت مہدی) یہ حدیث کتب احادیث میں انہیں الفاظ سے مرئی ہے۔ مگر مرزا صاحب نے اس حدیث میں لفظی ترکیب کی ہے۔ اور لکھا ہے بل هو اما مذکور مذکور اس تحریف فاحش سے ان کی اہل غرض یہ ہے کہ اس کا یہ مطلب ثابت ہو جائے کہ ابن مریم اور مہدی حقیقت میں ایک ہی شخص ہے۔ جس کا خود مرزا دعویٰ کرتے ہیں۔ تعجب ہے کہ ان کے پیروں نے جن میں بعض ذی علم بھی ہیں۔ اس تحریف کو نہ دیکھا۔ اور مرزا کی کوراء تقلید کرنے لگے۔ سو اس کے کتب احادیث میں یہ صراحت موجود کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی مرسل ہیں۔ جو قریب قیامت کے آسمان سے نزول کریں گے۔ اور مہدی علیہ السبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اولاد حسن رضی اللہ عنہ سے فاطمی نسل سے ہیں۔ جن کا نام آنحضرتؐ کے نام کی طرح اور جن کے باپ کا نام آنحضرتؐ کے باپ کے نام کی طرح ہو گا۔ پھر مسیح و مہدی ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس حدیث کا مطلب صرف یہی ہے کہ آخر وقت میں حضرت عیسیٰ بطور تابع شریعت اسلامیہ کے نزول کریں گے۔ اور اُس وقت حضرت مہدی ہی امامت کریں گے۔ اور حضرت عیسیٰ اُن کی اقتدا فرمائیں گے۔ کذا اصھر فی کتب الحدیث وغیرہ ۱۲

بچہ بھی اُس کے کذب بطلان اور محال و ناممکن ہونے کی گواہی دے سکتا ہے۔ مگر باوجود اس کے اکثر پڑھے لکھے لوگ فریب میں آ گئے۔ اور اُس کی طرح دینی و دنیوی خسران کا سامان جمع کیا۔ سچ ہے وَمَنْ يَضِلْ لَدُنَّا فَلَمْ يَحْضَرْ اُس نے اُن مسلمانوں کو جو اُس کی جھوٹی نبوت کے منکر ہوئے کافر کہا۔ اور اُن کی مسجدوں میں نماز پڑھنے۔ اور اُن کی اقتدار کرنے سے اپنے پیروں کو منع کیا۔ وہ بہ ظاہر یہ بھی کہتا رہا کہ میں مسلمان ہوں اور عام مسلمانوں کی طرح آنحضرتؐ کو اپنا امام و پیشوا مانتا ہوں۔ لیکن حقیقت میں وہ مسلمانوں کو سب باغ و کھا کر گمراہ اور بے دین بناتا تھا۔ چنانچہ جب کوئی سیدھا سادھا مسلمان اُس کے فرقہ میں داخل ہوتا۔ اور وہ سمجھ لیتا کہ اب یہ پوسے طور پر میرا مطیع ہو گیا ہے۔ تو وہ اُس کے سامنے اپنے عقائد باطلہ کی کتاب پیش کرتا۔ جس کی رو سے اُسے مرزا مذکور کو نبی اور مسیح موعود وغیرہ وغیرہ مانتا پڑتا۔ وہ اپنے پیروں سے یہ بھی منٹوا لیا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر نہیں اٹھائے گئے ہیں۔ بلکہ قتل و مصلوب ہوئے ہیں۔ اور عام مسلمانوں کی طرح دفن کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اُس کی تردید علیحدہ کی ہے دیکھو صفحہ کتاب ہذا۔

اُس کے مرنے کے بعد نور الدین بابی ایک شخص اُس کا جانشین ہوا جس کو وہ اپنی زندگی میں بھی بڑا عزیز اور موثر رکھتا تھا۔ اور جس سے اُس کو اپنے مشن کے کامیاب بنانے میں بڑی مدد ملی تھی۔ اُس نے مرزائیوں کے مشن کو اپنی زندگی میں خوب نبھایا۔ مگر اُس میں مرزائیوں کا سادہ منہ نہ تھا۔ اور نہ وہ مرزا کی طرح رٹا کو اور بد زبان تھا۔ کہ خواہ مخواہ مقابلے کرتا۔ اور جب عاجز آ جاتا۔ تو مہذب شہدوں کی سچی لیاں بولنے لگتا۔ اُس نے نہ مرزا کی مانند کسی کو بد عادی۔ اور نہ کوس کوس کر اپنے دل کا سنجار نکالا۔ وہ گریہ مسکین کی طرح خاموشی سے اپنا شکار آنکھیں بند کئے ہوئے تاڑتا رہتا۔ اور جب کوئی قسمت کا مارا اُس کی زد میں آ جاتا تو جھٹ چھلاتا کہ اُس کو دبوچ لیتا۔ مگر اُس کی گرفت سست تھی۔ اکثر دبوچے ہوئے

۱۔ دیکھو صفحہ ۱۳۸ اربعین نمبر ۳ میں لکھا ہے۔ یاد رکھو۔ جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ کسی کفری اور مکذب اور متردد کے پیچھے نماز پڑھو۔



شکار اُس کے پنجے نکل جاتے۔ اور وہ پنجے چھاڑتا رہ جاتا۔ غرض حُصّت یسّت  
کسی طرح بھی اُس نے اس کے مشن کو چلایا۔ اور چند سال کے بعد اپنے پیش رو کے  
پاس چلتا بنا ۞

نور الدین مذکور کی وفات کے بعد مرزائیوں کے دو فرقے ہو گئے۔ ایک  
فرقہ اس بات کا قائل ہوا کہ مرزا غلام احمد میں حقیقی یا بروری یا ظلی کوئی نبوت نہ تھی  
اور وہ مثیل مسیح تھا۔ ہاں وہ ایک مبشر اور مجدد کی شان میں ظاہر ہوا تھا۔ اور اسی تجدید  
کی جانب لوگوں کو دعوت دیتا تھا۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہمارا یہ قول مرزا کی نصیحت  
سے ثابت ہے۔ اور خود مرزا اس حدیث کو لا یبقی من النبوة الا المبشرات  
پیش کر کے کہا کرتا تھا۔ کہ نبوت کسی قسم کی بھی ہو۔ آنحضرتؐ کے آنے سے ختم ہو گئی  
ہاں مبشرات باقی ہیں۔ پس وہ مبشر ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ اور مائتہ حاضرہ کا  
مجدد ہونے کا بھی۔ یہ فرقہ عام مسلمانوں کی تکفیر نہیں کرتا۔ اور اُس کے سبھی  
لوگ ہر ایک مسلمان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتے ہیں ۞

دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ مرزا مذکور حقیقی نبی تھا۔ اور وہی مسیح موعود اور  
مہدی منتظر اور کرشن مہاراج تھا۔ وہ اپنے منکروں کو کافر سمجھتا تھا۔ اور  
کسی غیر مرزائی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔ اور نہ پڑھنے دیتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ  
خاتم النبیین میں الف لام استغرائی نہیں ہے وہ آنحضرتؐ کے بعد انبیا کے آنے کا  
قائل تھا۔ اور خود کو دیا ہی نبی سمجھتا تھا۔ جیسا کہ آنحضرتؐ کے پہلے دوسرے  
انبیا ہو گئے ہیں ۞

یہ فرقہ کہتا ہے کہ مرزا مذکور نے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ تو عام  
مسلمانوں نے اُس کی تکفیر کیوں کی۔ اور ہاتھ دھو کر اُس کے پیچھے کیوں پڑ گئے  
پس مرزائی تھا۔ اور اُس کی کتابوں سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے ۞

یہ ہیں مرزا مذکور کے حالات اور اُس کے مذہب کے نشو و نما کے  
واقعات۔ ہم نے اُن کو اور اس گروہ کی تفریق و تقسیم کو مختصر الفاظ میں ناظرین  
کی آغوش طبع کی خاطر درج کر دیا ہے۔ اور اُس کی تردید کی جانب التفات نہیں کی۔  
مذہب سے ایک یہ کہ خود اُس کی دعاوی اور عقائد سے اُس کا لغو اور بیہودہ



ہونا ظاہر ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ علمائے عرب عجم اور فضلاء ہند اس کے خیالات و اہمیت اور دعویٰ باطلہ کی تردید میں سینکڑوں رسائل و کتب تصنیف و تالیف فرما چکے ہیں۔ اور اس کو اور اس کے فرقے کو بے طرح لاجواب عاجز کر چکے ہیں۔ اب ہمیں ضرورت کیا ہے کہ اس کی طرف توجہ کریں۔ لیکن اتنا بتا دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ مرزا کے تمام تر دعویٰ بیہودہ اور ناقابل قبول ہیں۔ مہدی وہ اس لئے نہیں ہو سکتے کہ حدیث میں حضرت مہدی کا حضرت امام حسنؑ کی اولاد سے ہونا وارد ہے۔ اور مرزا صاحب قوم کے مغل ہیں۔ سید نہیں۔ دوسرے مہدی کی علامتوں سے ایک یہ ہے کہ حدیث میں وارد ہے یَوَاحِی اِسْمُہِ اسْمی یعنی مہدی کا نام میرے نام پر ہوگا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جو میرا نام ہے۔ وہی مہدی کا نام ہوگا۔ اور جو میرے باپ کا نام ہے یعنی عبد اللہ وہی مہدی کے باپ کا نام ہوگا۔ اور ایک حدیث ہے۔ دنیا کی مدت تمام نہ ہوگی جب تک میرے اہلبیت سے ایک شخص ظاہر ہو کر تمام دنیا کو عدل و انصاف سے نہ بھرے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ مرزا صاحب کا نام تو غلام احمد ہے۔ اور ان کے باپ کا نام غلام مصطفیٰ تو وہ کس طرح مہدی ہو سکتے ہیں۔ پھر مہدی کی تعریف ہے یَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا تمام زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا مرزا نے کون سے عدل و انصاف سے زمین کو بھرا۔ پھر اسی حدیث کا باقی ٹکڑا ہے۔ کَمَا مَلَأَتْ ظُلْمًا وَجُورًا یعنی جس طرح وہ پہلے اس کے ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ تو مرزا صاحب کے زمانہ میں کون سے ظلم و جور سے زمین بھری ہے اس کی تشریح ضرور ہے۔ غرض مہدویت کا دعویٰ کسی طرح مرزا پر صادق نہیں آتا۔

رہا عیسیٰ یا عیسیٰ ہونے کا دعویٰ۔ تو وہ اس سے بھی زیادہ ناممکن ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی مرسل صاحب کتاب و شریعت ہیں۔ مرزا ایک معمولی شخص جس کی علمیت بھی چنداں قابل توجہ نہیں۔ وہ صرف تشبیہ و استعارہ کے رنگ میں باتیں بنانا اور جھلا سے ان کو منوانا جانتا تھا۔ دوسرے حضرت عیسیٰ مقتول و مصلوب نہیں ہوئے۔ بلکہ وہ مجیدہ الشریف آسمان پر اٹھائے

گئے ہیں۔ چنانچہ یہ بات باتفاق مفسرین و علما سے حدیث کا اُل طور پر ثابت ہے۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شبِ معراج میں حضرت عیسیٰ سے ملاقات کی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ عنقریب عیسیٰ تم میں نازل ہونے والا ہیں۔ پس اُن کو اس علامت سے پہچان لینا کہ وہ ایک شخصِ مریض و مریض الیٰ الحجۃ والبیان ہے یعنی درمیانِ قد و الا ہے۔ سرخ و سبز رنگ کی طرف مائل مرزا صاحب کے قد و قامت اور رنگ و روپ میں یہ سو حیثیت خلقت نہیں تھی۔ ہم نے دیکھنے والوں سے یہ تحقیق یہ بات سنی ہے۔ اور ان کی تعویذ و برید و رعبہ نوٹ لی گئی تھی۔ اور جس کو مرزا کے عین حیات میں یہی ہم نے دیکھا تھا یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ وہ دراز قد سیاہ قام سا آری تھا۔ اور اس دعوے کا باطل اور سدا پائیدار اور قابلِ مضحکہ ہونا ایک سببِ یارت ہے بھی ظاہر ہے کہ حضرت مہدی ایک علیحدہ شخص ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ ایک دوسرے شخص۔ چنانچہ یہ امر اس حدیث سے صاف واضح ہے۔ فیہ نزول عیسیٰ عندنا صلوة الفجر فبقول لہ امیر الناس تقدم یا روح اللہ فصل بنا فبقول انکم معشر هذه الامم امراء بعضکم علی بعض تقدم انت فصل بنا فیتقدم فیصلی لہم الخ و من اشہد بہما یہ حدیث انہیں الفاظ سے مروی ہے۔ اور دوسری کتب حدیث میں دوسرے الفاظ سے مکر مطلب واحد ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز صبح کے وقت (آسمان سے) نازل ہونگے۔ تو لوگوں کا امیر (مہدی) اُن سے کہیگا کہ اے روح اللہ آگے بڑھو اور ہمیں نماز پڑھاؤ۔ تو حضرت عیسیٰ کہیں گے کہ تم گردہ اس امت کے بعض بعض پر امیر ہو (اے امیر) تو اسی آگے بڑھ کر ہمیں نماز پڑھاؤ چنانچہ وہ (امام مہدی) نماز پڑھائیں گے۔ اس سے اور اس قسم کی بہت سی حدیثوں سے صاف طور پر عیاں ہے کہ مہدی اور عیسیٰ الگ الگ دو شخص ہیں اور مرزا صاحب خود ہی مہدی اور خود ہی مسیح ہونے کا دعوے کرتے ہیں۔ پس اُن کا دعویٰ غلط اور سترنا پاغلط ہے۔



مرزا صاحب کرشن مہاراج ہونے کا بھی ادعا کرتے ہیں۔ تو ہمیں اُن کے اس دعوے سے کوئی بحث نہیں۔ ہندو اصحاب چاہیں۔ اُن کے اس دعوے کو تسلیم کریں۔ اور چاہے اپنے طور پر اس کی تردید کریں۔ اس کے متعلق ہم تو صرف اتنا ہی کہتے ہیں۔ کہ کرشن مہاراج ہونے کا دعویٰ کرنے سے پہلے مرزا صاحب کو مسلمانوں کی اُن کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے تھا۔ جو ہندوؤں کے کرشن جی کے حالات و صفات و عادات کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ پھر اگر وہ اپنی ذات میں ان عادات و صفات کو پاتے۔ تو انہیں اس دعوے کا حق تھا۔ پھر بھی یہ مسئلہ حل طلب ہے۔ جاتا ہے۔ کہ ایک ہندو نے مسلمان کے گھر کیونکر جنم لیا۔ اور آیا مسلمانوں کے مذہب میں تنازع کوئی چیز بھی ہے۔ سچ یہ ہے کہ مرزا صاحب نے اس بے حاصل دعویٰ سے بجائے اس کے کہ اُن کی کچھ وقعت ہوتی۔ عقلمندوں کے نزدیک رہی سہی پت بھی کھودی جھڑ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

خیالات نادان خلوت نشین  
بہم برکت عاقبت کفر و دیں

## حضرت عیسیٰ کا آسمان نازل ہونا

اور

## مرزائی عقیدہ کی تردید

گذشتہ حصہ میں ایک بیدار بھائی کی طرف سے جامع مسجد بڑگان پور کے ستون پر اس مضمون کا ایک تنقید چسپاں کیا گیا تھا۔ کہ ایک شخص حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ السلام کے متعلق کہتا ہے کہ وہ آسمان پر نہیں اُٹھائے گئے۔ بلکہ اپنی موت سے مرے ہیں۔ اور لکھا تھا کہ وہ اپنے اس قول کی تائید میں آیات قرآنی اور حدیث بخاری سے استدلال کرتے ہیں۔ اس کے بعد



علمائے کرام سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ اس کے متعلق اپنی تحقیق سے اہل اسلام کو مستفید کریں۔ اگرچہ ہمارے معزز علما کو اس مسئلہ کی طرف توجہ کرنا چنداں ضروری نہ تھا۔ کیونکہ سوائے چند نادانوں کے تمام اہل اسلام حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے اور پھر قیامت کے وقت آسمان سے اُن کے نازل ہونے کے قائل اور معتقد ہیں۔ اور یہ عقیدہ اُن کے ایمانیات میں اخل ہے لیکن امورات ذیل اس امر کے داعی ہوئے :

(۱) علامہ مسلمان کے دلوں میں اس سنتِ خدا کے دیکھنے سے شک و شبہات پیدا نہ ہوں :

(۲) قائل یہ خیال نہ کرے کہ اُس کے مزخرفات کا جواب دینے والا

اس شہر میں نہیں ہے :

(۳) امر منکر کی تردید و تغیر از حق سے حدیث صحیح علما پر واجب ہے :

(۴) حضرت عیسیٰ کا آسمان پر اٹھایا جانا۔ اور وقت موعودہ پر نازل

ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اور اُس سے انکار حقیقت میں قرآن و حدیث سے انکار ہے پس اس شبہ اُردہ کا دفع کرنا اُن حضرات پر جن کو خدا نے اپنے پاک علوم سے ممتاز کیا ہے۔ واجبات سے ہے :

## فَاَقُولُ مَا تَوْفِيقِي بِاللّٰهِ

واضح ہو کہ یہ اعتقاد قادیانی فرقہ کا ہے۔ جو ابھی چند سال سے حادث ہوا ہے۔ اس کا بانی مرزا غلام احمد آنجنابی ہے۔ جو قادیان ضلع گورداسپور کا رہنے والا تھا۔ یہ فرقہ مرزا غلام احمد کو مسیح موعود۔ مہدی مسعود۔ اور کرشن ہماراج مانتا ہے جس کا خود مرزا مذکور نے اپنی ذات کے لئے جھوٹا دعویٰ کیا اُس نے اپنا اُتو سیدھا کرنے اور لوگوں کو گمراہ کن ٹھٹھاں بننے کے لئے قرآن شریف اور احادیث نبوی کی اللہ علیہ آلم وسلم میں معنوی تحریف کی۔ اُس نے قرآن حکیم کے سیاق و سباق اور ربط لاحق و سابق کی رعایت نہ کر کے اور سلف صالحین کے معنوں سے آنکھوں پر پٹی باندھ کر قرآن و حدیث کی ایسی ناروا تفسیر

و تاویل کی جو اس کے دعوے کے ثبوت ہو سکے۔ مگر علما اعلام سے یہ باتیں کہیں  
چھپکتی ہیں۔ انہوں نے جب دیکھا کہ یہ تو سن سرکش بغیر تازیانہ علم کے سیدھا  
ہوئے والا نہیں۔ پس پھر کیا تھا۔ ہزاروں کتابیں اس کی تردید و تکفیر بلکہ تحقیق  
ثابت و تفتیش بالستہ تصنیف کر کے اطراف و اکناف عالم میں پھیلا دیں تاکہ  
اہل اسلام پر ظاہر ہو جائے کہ اس کے تمام دعوای جمودے ہیں۔

بت کریں آرزو خدائی کی

شان ہے تیری کبریائی کی

مگر وہ اسے بہالت باوجود اس کے بھی کچھ لوگ اس کے ہتے چرٹھ گئے۔ انہیں اس  
کے کچھ جو شبیلے نوجوان جا بجا مختلف لباسوں میں مختلف طریقوں میں اپنے مشن  
کو کامیاب بنانے کے لئے پھرتے ہیں۔ اور انہیں اگرچہ کچھ نہ آتا ہو۔ مگر خود مرزا  
کے تصنیف کئے ہوئے اردو رسالے طوطے کی طرح رٹ لیتے ہیں۔ اور وہی بولیاں  
بر لیتے پھرتے ہیں۔ اس لئے کہ کوئی عقل کا اندھا ملے۔ اور ان کی دیریں چہ شک پر  
فریفتہ ہو کر ایک منہ پیچے کی طرح ان کا معتقد ہو جائے۔ آدم پر سر خطاب۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک اوالعزم پیغامبر اور خدا تعالیٰ کے برگزیدہ  
رسولوں سے ہیں۔ ان کی پیدائش ایک معجزہ اور قدرت خداوندی کا ایک بہترین  
نمونہ ہے۔ وہ حضرت مریم علیہا السلام کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ وہ اس وقت  
پیدا ہوئے۔ جب مریم کنواری تھیں۔ اور انہیں کسی بشر نے نہیں جنموا تھا۔  
جبریل علیہ السلام کی بشارت پر وہ خود حیران تھیں کہ ایسی حالت میں انہیں  
کس طرح بچہ ہوگا۔ لیکن ان کی حیرانی کو یہ کہہ کر دور کر دیا گیا۔ کہ کائنات الہی  
اللہ ینصل ما یشاء ما غرض حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ ان کی خاطر کچھ  
کے خشاک ٹھنڈے کو ہرا اور بارور کیا گیا۔ اس نے تازہ تازہ کھجوریں گرائیں  
جو مریم نے کھا لیں۔ اور اپنے بچے کو بھی چٹائی۔ اس مولود مسعود نے اس  
وقت جب کہ وہ پھولنا گوارہ میں پڑا تھا۔ لوگوں سے اپنی رسالت کے  
متعلق بزبان فصیح باتیں کیں۔ وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ کے خطاب سے سرفراز  
ہوا۔ وہ تیرہ برس کی عمر کو پہنچا تھا کہ اس کو باقاعدہ پیغمبری کا خلعت بخشا



گیا۔ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوا۔ وہ چھ ماہ کو ٹیڑیوں کو چنگا کرتا اور اللہ کے حکم سے مردوں کو جلاتا۔ وہ مٹی سے پرند کی صورت بنا کر اُس میں پھونکاتا۔ تو وہ پرندہ حکمِ الہی زندہ ہو کر اڑ جاتا۔ اُس نے بنی اسرائیل کی بھٹکی ہوئی بھیڑوں کو راہ پر لانے اُن کی بدعتوں کو میٹھنے اور اُن میں توحیدِ الہی کی اشاعت کرنے کے متعلق فرین بڑی مستعدی اور دل سوڑی سے ادا کیا۔ وہ ہر ایک حملہ میں پہنچا۔ اور ہر ایک خطرہ میں جا گھسا۔ اس کو تبلیغِ رسالت میں کوئی خطرہ مانع نہیں ہوا جس نے اُس کے الہی احکام پر تسلیمِ ختم کیا۔ ناجی ہوا۔ اور آسمانی یادِ شہادت کا مالک بنا۔ اور جس نے نہ مانا۔ وہ ابدی ذلیل و ناری ہوا۔

اُس نے دُنکے کی چوٹ کہہ دیا کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ تو ریت کی تصدیق کرتا۔ اور اپنے بعد ایک بہت بڑے رسول کریم علیہ التحیۃ و التسلیم کے آنے کی بشارت دیتا ہوں۔ جس کا نام پاک احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوگا۔ جب وہ آئے۔ تو تم سب اُس کی اشاعت پر حجاب جانا۔ وہ شہرِ اقصیٰ کا کامل کرنے والا۔ اور ایک ہی کامل شریعت کا مالک ہے۔ وہ تمام انبیاء و مرسلین کا سردار ہے۔ اور کسی فرد بشر کو اُس کی اطاعت سے چارہ نہیں۔ وہ تیریا تنیس برس کا تھا۔ کہ جب بنی اسرائیل نے اُس پر ایک بہت بڑا دواؤ چاڑھا۔ اور بد بختوں نے اُس کے قتل کی ٹھان لی۔ ظالموں نے ایسا کیا کہ عین اشاعتِ حق کے وقت اُس کو چالیا۔ اور پکڑ کر ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے گھر سے عیسیٰ علیہ السلام کو بچا لیا۔ اور اُن سے بشری عوالت کو مساوی کر کے بغیر موت کے اُن کو آسمان پر اٹھا لیا۔ اور عالمِ قدس میں محلِ کرامت اور قرار گاہ ملائکہ میں جگہ عطا فرمائی۔ یہاں وہ وقت مقررہ تک زندہ و سلامت رہیں گے۔

اور جب بنی اسرائیل کا سردار یہودا نام کو ٹھٹھری کے اندر گیا۔ تاکہ اُنہیں نبوی چڑھا دے۔ تو عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا۔ گھبراتا ہوا باہر آیا اور کہا کہ عیسیٰ تو مکان میں نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا۔ تو ہی تو عیسیٰ ہے کیا ہمیں



وہو کا دیتا ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے عیسیٰ کی شبیہ بنا دیا تھا) ہر چند وہ کتنا رہا۔ کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں۔ پر لوگوں نے نہ مانا۔ اور شہولی پر لٹکا دیا۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا۔ کہ جب اسے شہولی پر لٹکا چکے۔ اور اپنے سردار کو نہ پایا۔ تو فرط حیرت سے کہنے لگے اِن كَانَ هَذَا عِيسَىٰ فَاَيْنَ صَاحِبِنَا یعنی اگر یہ عیسیٰ ہے تو ہمارا صاحب کہاں ہے۔ غرض اس طرح اُن کا مکر اُن پر مارا گیا۔ اور وہ جس حربہ سے عیسیٰ کو ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ اُسی حربہ سے اُن کے سردار کو ہلاک کر دیا گیا یہی معنی ہیں اس آیت کے وَمَكْرُؤًا وَّمَكْرًا اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔

قصہ کوتاہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر اٹھائے گئے۔ اور وہ قرب قیامت تک وہیں رہیں گے جس وقت دجال اعدی علیہ اللعن خروج کرے گا۔ تو حضرت عیسیٰؑ بحکم الہی آسمان سے نازل ہونگے۔ اور وہاں پر بیعت حضرت محمدیؐ علیہ السلام چڑھائی کریں گے۔ وہ انہیں دیکھتے ہی ایسا پگھل جائیگا۔ جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ پھر روئے زمین پر صرف ایک دین اسلام ہی رہ جائے گا۔ باقی سب فنا ہو جائیں گے۔ اس طرح حضرت عیسیٰؑ چالیس برس زمین پر قیام کریں گے۔ پھر فوت ہونگے۔ اور مسلمان اُن کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ یاد رکھو کہ عیسیٰؑ علیہ السلام کوئی جدید شریعت لے کر نہیں آئیں گے۔ اسی شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع اور اسی شریعت کے قرار دینے والے اور مجدد ہونگے۔ کیونکہ یہ شریعت کامل اور آخرت راثع ہے۔ اور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر رسل ہیں۔ تو وہ ایک حکم اور تقسطی شان میں نازل کریں گے۔ اُس دن نہ وہ مسلمانوں کے سلطان ہونگے۔ نہ امام نہ قاضی اور نہ مفتی وغیرہ۔ وہ اُس وقت نازل ہونگے جب علم دنیا سے اٹھ جائیگا۔ اور لوگ علم سے خالی ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کو شریعت محمدیؐ کا علم قبل نزول کے آسمان پر عطا کریگا۔ پس اُسی علم کے ذریعے وہ لوگوں میں حکم کریں گے۔ اور خود اُس کا عمل اُسی علم پر ہوگا۔ تمام مومنین اُس کی طاعت۔ جمع لائیں گے۔ کیونکہ اُس وقت صرف وہ

ایک ہی مصلح ہوگا۔ حضرت عیسیٰؑ کا تابع شریعت محمدیؐ ہونا اس حدیث سے ثابت ہے۔ لو کان موسیٰ حیّاً ما وسعہ الاّ اتباعیٰ توجب علیہ سلام زندہ ہیں تو ان کو شریعت محمدیؐ کے سوا انگیزش نہیں۔ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کی نسبت سطور بالا میں جو کچھ تحریر کیا گیا ہے۔ وہ آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ کا ترجمہ اور نہایت مستند کتب تفاسیر و عقائد کا لب لباب ہے جس کو ہم بوقت ضرورت اصل عبارت کے ساتھ مع نشان صفحات وغیرہ پیش کر سکتے ہیں۔ اختصار کے لحاظ سے اس وقت ہم نے اصل عبارت کو محفوظ رکھا ہے۔ خدا کرے بیک بصیرتیں اس سے روشنی حاصل کریں۔ اور مرزا بیوں کے اغواء و افتراء سے مجتنب رہیں۔ جو کرم شب تاب کی طرح رات کی اندھیری میں ٹانک ٹوبیاں مارتے پھرتے ہیں۔ اور ان کو یہ نہیں معلوم کہ آفتاب عاتاب کی تجلی بیزشعا میں ہر وقت رات کی تاریکی کو بھانسنے اور جگنو کی دہی روشنی کا پول کھولنے کو موجود ہیں۔ مرزا بی سمجھے ہیں کہ ان کی تحقیقات ہی سب کچھ ہے۔ بقول شخصہ ۵

ہر آں کرے کہ در سنگے نہاں است  
زمین و آسمان او ہماں است

## ہذا والحق ان شرع فی المقصود

شرع مقصود کے پہلے یہ بیان کر دینا ضرور ہے کہ چونکہ قرآن شریف کے لطائف معانی بوجہ احسن و اکمل سمجھنے سے عام فہم میں اور سطحی اور اکات قاصر ہیں۔ اس لئے علماء کرام کا یہ نہایت مضبوط قائم کردہ کلیہ ہے کہ ان کے حقائق و معارف کو خود آیات سے اور اگر ان میں نہ ملیں تو احادیث نبویؐ سے تحقیق کرو۔ اس کے بعد کشف مستندات اور ایضاح مہکات کے لئے صحابہ کرامؓ ائمہ مجتہدین اور علمائے سلف صالحین کے معتبر اقوال کی طرف رجوع لایا۔ اور یہ اس لئے کہ خیر القرون کا زمانہ میں تحقیق کے اعتبار سے مابعد کے زمانہ سے زیادہ راجح بصواب ہے۔ کیونکہ مابعد کا زمانہ حسب اخبار مخبر صادق علیہ التحیۃ و الثناء اوشا کذب زور کا زمانہ ہے۔ پھر اگر العیاذ باللہ کوئی عقل سے خالی دماغ یہ کہے کہ موجود



زمانہ تحقیق کا ہے۔ اور خیر القرون تاریخی کا زمانہ تھا۔ تو جان لو کہ وہ جھک مارتا۔ اور جھوٹ بکتا ہے۔ اس مقدمہ کے بعد ہم مستفتی کے جواب کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ گو ہمیں یہ نہ معلوم ہو سکا کہ قائل کس آیت اور کس حدیث بخاری کو اپنا مطلب ثابت کرنے کے لئے پیش کرتا۔ تاہم غالب گمان یہ ہے کہ قائل کو لفظ متوفیٰ اور لفظ توفیتی سے حضرت عیسیٰ کی موت کا وہم ہوا ہے۔ یہی حدیث تو اگرچہ قائل نے اس کو پیش نہیں کیا ہے لیکن ہم تشریح فہم قائل کہہ سکتے ہیں کہ کسی اس قسم کی مبہم حدیث سے قائل کو یہ گمان ہوا ہوگا۔ لہذا ہم لفظ متوفیٰ اور اس کے مشتقات کے جو قرآن حکیم میں قریباً ۲۷ جگہ آئے ہیں۔ ضروری اقتباسات نقل کر کے بتاتے ہیں کہ لغت عرب میں اس لفظ کے متعدد معنی آئے ہیں۔ جو سیاق و سباق کے لحاظ سے سمجھے جاسکتے ہیں۔ متوفیٰ اسم فاعل ہے۔ باب تفضل سے اور اس کا مادہ یعنی توفیٰ لفیف مفروق ہے۔ توفیٰ کے معنی۔ اٹھانا۔ سُلانا۔ قبض کرنا۔ جان نکالنا۔ پھیر لینا۔ اور پورا دینا۔ وغیرہ وغیرہ ہیں۔ ہر ایک کی مثال میں دیکھو آیات ذیل :-

اٹھانے کی مثال۔ قولہ تعالیٰ :- حتیٰ يتوفى الموت یراں تک کہ اٹھائے اُن کو موت ۛ

سُلانے کی مثال۔ قولہ تعالیٰ :- هو الذی يتوفىکم باللیل اور وہی ہے جو قبض کرتا ہے تم کو رات میں (یعنی سُلانا ہے) ۛ

قبض کرنا۔ عرب کہتا ہے۔ توفیت مالی۔ میں نے اپنے مال پر قبضہ کیا ۛ جان نکالنا۔ قولہ تعالیٰ :- توفتہ رسلنا۔ جان نکالتے ہیں ان کی رسول ۛ (یعنی ملک الموت اور اس کے ہمراہی) ۛ

پھیر لینا۔ قولہ تعالیٰ :- فلما توفیتنی۔ اور جب تو نے مجھے پھیر لیا۔ یعنی اٹھا لیا ۛ

پورا دینا۔ قولہ تعالیٰ۔ ووفیت کل نفس ما کسبت اور پورا دیا جائیگا ہر جی جو کچھ کمایا ہے ۛ

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اپنی تائید مزید میں معتبر تفاسیر کی عبارت



نقل کر دیں۔ اور قولہ تعالیٰ :- وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا مَعْشَرَ انِّیْ مَتَوَفِّیْكَ وَرَافَعُكَ  
 اِلَیَّ اِنِّیْ مَعْنٰی بِیَانِ کر دیں۔ جو متفق علیہ علمائے اعلام ہیں۔ تفسیر بیضاوی صفحہ  
 ۱۱۷ مصری میں ہے۔ یا عیسیٰ انِّیْ مَتَوَفِّیْكَ اِیْ مَتَوَفِّیْ اِجْلَکَ وَتَوَخَّرَکَ  
 اِلَیْ اِجْلَکَ الْمَسْحٰی عَاصِمًا اِیَّاكَ مِنْ قَتْلِهِمْ اَوْ قَابِضًا مِنْ الْاَرْضِ  
 مِنْ تَوْفِیْتِ مَالِیْ اَوْ مَمِیَّتِکَ مِنْ الشَّهَوَاتِ الْعَائِقَةِ عَنْ الْحَرَجِ اِلَیْ  
 عَالَمِ الْمَلٰٓئِکَ وَرَافَعُکَ اِلَیْ اِلْحٰلِ کِرَامَتِیْ وَمَقَرِّ مَلَآئِکَتِیْ  
 اور تفسیر جلالین کے صفحہ مذکور میں ہے مَتَوَفِّیْكَ اِیْ قَابِضًا وَرَافَعُکَ اِلَیْ  
 مِنْ غَیْرِ مَوْتٍ۔ یہی معنی تفسیر مدارک میں ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے  
 بھی یہی معنی کئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ توفی کے معنے موت کے اس آیت کی  
 تفسیر میں کسی نے نہیں کئے۔ اور سب اس امر پر متفق ہیں کہ یہاں مَتَوَفِّیْكَ کے  
 معنی پھیر لینے والے اور نگاہ رکھنے والے اور تاخیر اجل مسمیٰ وغیرہ کے ہیں۔ کیونکہ  
 اس کے بعد کے لفظ رَافَعُکَ اِلَیَّ نے اس کو صاف کر دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے  
 حضرت عیسیٰ کو قتل اور صلیب سے محفوظ رکھ کر اپنی طرف بغیر موت کے زندہ  
 ہی حَسَمَ اُٹھالیا۔ اور فلما توفیتنی کے معنی بھی اسی طرح کئے ہیں۔ چنانچہ  
 بیضاوی صفحہ ۲۱۲ میں ہے۔ فلما توفیتنی قبضتنی بِالرَّفْعِ اِلَی السَّمَاءِ  
 یہاں توفیتنی کا ترجمہ بھی صاف ہو گیا۔ اس جگہ ہم نے عربی عبارت کا ترجمہ  
 قصداً چھوڑ دیا ہے۔ تاکہ وہ لوگ جو من اور عن میں فرق تک نہیں کر سکتے۔ اور  
 باوجود اس کے مرزائی عقیدہ کے پیرو بن کر دعوے ہمہ دانی کا کرتے ہیں۔ آپ  
 ہی معنی سمجھ لیں۔ ورنہ عند الضرورت ہم تعلیم دینے کے لئے موجود ہیں۔ بِتَوَفِّیْ  
 اللہ تعالیٰ ۛ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اُٹھایا جانا ایک اور دلیل سے بھی  
 ثابت ہے۔ جو اس سے بھی زیادہ روشن ہے۔ اور وہ بھی قرآنی بیان سے اخذ  
 ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت وَإِنْ قَدْ أَهْلَ  
 الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتٍ یعنی تمام اہل کتاب عیسیٰ کی موت  
 کے پہلے ان پر ایمان لائیں گے۔ چنانچہ بیضاوی اور جدین میں یہ اور

موتہم کی ضمیریں حضرت عیسیٰ کی طرف پھیری ہیں +

بیٹا وہی نہیں ہے۔ وان من اهل الكتاب الا لیومن بہ قبل

موتہم والمعنی انہ اذا نزل من السماء امن بہ اهل الملل جميعاً +

اور جلاہین میں ہے۔ قبل موت عیسیٰ مای نزل قریب الساعة

کنار دی فی الحدیث وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والذی لفتی بیدہ

لیوشاک ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب

ویقتل الخنزیر ویفیض المال حتی لا یقیلہ احد تکون

السجدۃ الواحدۃ خیر من الدنیا وما فیہا ثم یترک

ابو ہریرۃ فاقروا ان شئتم وان من اهل کتاب الا لیومن

بہ قبل موتہ الا یتہ رواۃ خمسۃ الا النساء سوا اس کے اور

بہت سی حدیثیں حضرت کے رفع الی السماء اور نزول من السماء کی تائید میں

موجود ہیں۔ مگر فی الحال اختصار کو مناسب جانا۔ اگر خدا نخواستہ مخالفین کی

ریٹکنا چاہے۔ تو ان کے لئے ہر وقت موجود و مستعد ہیں۔ ہذا اما علمتی

ربی واللہ یهدی من یشاء الی صراط المستقیم و آخر دعوانا

ان الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوۃ والسلام علی سید

المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین +

## امامت کی بحث

حاشیہ متعلقہ صفحہ ۴۱۷

مباحث امامت اگرچہ موضوع علم کلام سے نہیں ہے۔ جیسا کہ اس

کتاب کے مقدمہ سے ظاہر ہو گیا ہے۔ لیکن چونکہ اہل بدعت و عناد است اپنے

عقائد فاسدہ اور معتقدات باطلہ کی اشاعت کر کے عقائد حقہ دین اسلام میں

خرابی ڈالنے لگے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بلا فصل اور خلفائے



ثالثہ رضی اللہ عنہم خصوص جناب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو غاصب اور معاذ اللہ  
ظالم تک کہنے لگے۔ تو عمل کے اسلام نے اس جانب توجہ فرمائی اور علم  
کلام کی کتابوں میں مباحث امامت کو ورج فرمایا تاکہ اہل اسلام فرقہ ہائے  
شیعہ کے عقائد پر سے محفوظ رہیں۔ اور اپنے عقائد حقہ کو سلامت اور مومن  
رہیں اس طرح مباحث امامت منہات بلکہ موضوع علم کلام سے ہو گئے۔  
چنانچہ بعض علمائے علم کلام کی تعریف میں امامت کی بحث کو بھی داخل کر دیا ہے  
اور فرمایا ہے۔ **هو البحث عن الاحوال الصانع تعالى والنبوة و**  
**الامامة والمعاد وما يتصل بهذا**۔ یعنی علم کلام وہ ہے جس  
میں احوال صانع تعالیٰ اور نبوت اور امامت اور معاد وغیرہ کے متعلق  
بحث ہوتی ہے۔ ایک جہاد خال بحث امامت کی یہ بھی ہے کہ ایک طرح سے  
مسائل امامت اعتقادی ہیں۔ نہ کہ عملی۔ چنانچہ اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ خلیفہ  
برحق بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابوبکرؓ ہیں۔ پھر عمرؓ پھر عثمانؓ  
پھر علیؓ رضی اللہ عنہم اور یہ کہ ان خلفائے راشدین کی فضیلت بھی اسی ترتیب سے  
ہے۔ امامت کے معنی اہل اسلام پر استحقاق تصرف عام کے ہیں۔ چنانچہ المسائل  
میں ہے **ھي استحقاق تصرف عام علی المسلمین**۔

اور شرح مواقف میں ہے۔ **الامامة خلافة الرسول في**  
**اتمامه الدين وحفظ حوزة الملة بحديث يجب اتباعه**۔  
اکافتہ الہ متبعی امامت کے معنی جناب رسول خدا کی خلافت کے ہیں۔  
دین کے قائم کرنے اور ملت اسلام کی محافظت کرنے میں اس طرح کہ اس کی  
اتباع تمام امت پر واجب ہوتی ہے۔

اور اسی طرح مقاصد میں ہے کہ امامت دینی و دنیوی ریاست علامہ کو  
کہتے ہیں۔ جو حقیقت میں آنحضرتؐ کی نیابت ہے پس امام اس کو کہا جائیگا۔  
جس کو مذکورہ نیابت و ریاست و تصرف عام حاصل ہو۔

اور واضح ہو کہ اہل سنت امامت کا اطلاق چند معنوں پر کرتے ہیں  
ایک معنی تو وہی ہے۔ جو اوپر بیان ہوا۔ یعنی خلافت رسول اللہ صلی اللہ



علیہ السلام میں ملک میں تصرف ہونا باوصف استحقاق اور غلبہ شوکت کے  
 اور جاری ہونا سکیم کا ضروری ہے۔ اور یہ امامت محدود و منحصر ہے۔ خلفاء اربعہ  
 اور حضرت امام حسن و امام محمد علی میں کہ سوا ان کے کوئی امام مستحق ان صفات کا  
 نہیں ہو سکتا۔ دوسرے بمعنی پیشوائے دین کے۔ چنانچہ امام عظیم و امام شافعی کہ  
 امام فقہ کے تھے۔ اور امام غزالی و امام رازمی کہ امام عقائد و کلام کے ہوئے ہیں۔  
 اور نافع و امام شافعی کہ قرأت کے امام تھے۔ غرض جس علم میں کسی شخص کو کامل دستگاہ  
 ہوتی ہے۔ وہ اس علم کا امام کہلاتا ہے۔ حتیٰ کہ نماز کے امام کو بھی امام کہتے ہیں  
 اور اسی طرح امیر الحج کو کہ یہ سب امور دین میں سے کسی امر کے امام ہیں۔ اور آئمہ  
 اطہار اس دوسرے معنی کے لحاظ سے تمام باتوں میں امام و پیشوا ہوئے ہیں۔  
 تیسرے امام کے معنی مطلق رئیس و بادشاہ کے لیتے ہیں کہ وہ ہر چند خوش سیر  
 نہ ہو لیکن بعض امور دین میں جیسے جہاد اور غنیمت کا بانٹنا۔ اور جمعہ و عیدین کا  
 قائم کرنا یہ بھی پیشوائی کی بات ہے۔ حاصل کلام یہ کہ امامت بمعنی خلافت کے  
 یہ تو سوا پانچ شخصوں مذکورہ اور مہدی موعود کے کسی کی ذات میں ممکن نہیں۔  
 مگر امامت دوسرے معنی کے لحاظ سے عام ہے۔ ہر قابل و کامل کے لئے یہ سب  
 معنی قرآن شریف سے ماخوذ ہیں۔ امام کے لئے تصرف کا ہونا ضروری نہیں ہے  
 چنانچہ وہ لوگ جو بظاہر تصرف نہیں رکھتے تھے۔ قرآن حکیم میں ان کو لفظ آئمہ  
 سے یاد فرمایا ہے وَجَعَلْنَا هُمْ اٰمَةً يَهْتَدُوْنَ يٰۤاٰمَنَّا بِعِزِّهِمْ اور کیا ہم  
 نے ان کو امام کہ راہ بتاتے ہیں ہمارے حکم کی بلکہ ہر کسی کو یہ دعا تلقین فرمائی۔  
 وَجَعَلْنَا الْمُتَّقِينَ اِمَامًا۔ یعنی اور اگر ہم کو متقیوں کے لئے امام اور خلافت  
 میں ہر گز ارض کی قید بڑھائی ہے لَيْسَتْ بِاَرْضٍ يَلْفَتْهُ فِى الْاَرْضِ اور  
 فَبِعِزَّتِكَ خَلَقَ الْاَرْضَ اِلٰى عِزِّ ذَالِكَ

عقائد کی کتابوں میں جہاں کہیں امامت کے وجوب کا ذکر آیا ہے۔

اس سے مراد پہلے معنی ہیں یعنی مسلمانوں پر تصرف عامہ کا استحقاق جس  
 کے دوسرے معنی حاکم یا بادشاہ کے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اہل سنت  
 کے نزدیک مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ واسطے محافظت امور دین

دنیل کے اپنے اتفاق سے ایک امام یعنی حاکم نصب و معین کریں۔ تاکہ کلی و جزئی اور دینی و دنیوی انصرام و تصفیہ اُس کے حکم سے ہو۔ اور انتظام مسلمین میں حرج و مرج واقع نہ ہو۔ امام کے مقرر و قائم کرنے کے وجوب پر اکثر احادیث وال ہیں۔ جیسا کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے متن میں بیان کیا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتة فی الجاہلیۃ یعنی اگر کسی شخص کے زمانہ میں کوئی امام یعنی بڑا حاکم مسلمانوں کا ہو اور اُس میں امامت کی شرطیں پائی جائیں۔ اور وہ اُس امام یعنی موجودہ حاکم یا بادشاہ کی معرفت یا اطاعت نہ کرے۔ تو اُس کی موت ایسی ہوگی۔ جیسے جاہلیت کی موت کہ کسی طرح اُس کی نجات نہیں ہو سکتی۔ اور درحقیقت امام زمانہ کی اطاعت نہ کرنے سے انسان شرعاً باغی کہلاتا ہے۔ پھر جو باغی کا حکم ہے۔ وہی اُس کا ہاں اگر حاکم میں فسق و فجور ہو۔ اور شرائط امامت موجود نہ ہوں۔ تو اُس کی اطاعت واجب نہیں۔ بلکہ اُس کے ساتھ قتال و جدال لازم ہے۔ یا ایسا ملک ہو۔ جہاں مسلمان نصب امام سے عاجز و مجبور ہوں۔ جیسے ہندوستان وغیرہ۔ تو اُس عورت میں یعنی جب مسلمانوں میں امام بشرائط ضروریہ موجود نہیں ہے۔ تو اُس کی معرفت و اطاعت کی تکلیف بھی نہیں ہونے کی حالت میں نہ سچا نئے پر احادیث میں وعید دار ہے۔ اور مسلم کی حدیث میں بروایت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما مات بغیر امام مات میتة جاہلیۃ مطلب و اُن کا ایک ہے۔

## نصب امام سے غرض

اب ہم بتاتے ہیں کہ امام کا قائم و مقرر کرنا جو کتاب سنت اور اجماع امت سے واجب ہے۔ تو اُس سے کیا اغراض متعلق ہیں۔ اور امام یعنی مذکورہ کن صفات کا ہونا چاہئے۔ عقائد نسفی میں ہے۔ المسلمون لا یدلیم من امام یدلیمون لتنفیذ احکامہم و اقامۃ حد و دہم و سد ثغورہم و تجمیع جیوشہم و اخذ صدقاتہم و قصر



المتغلبۃ والمتلصقة وقطاع الطريق واقامة الجمع والاعیاد  
 وقطع المنازعات الواقعة باین العیاد وقبول الشهادة القائمة  
 على الحقوق وتنظیم الصفاة للذین لا اولیاء لهم وقسمۃ  
 الغنائم یعنی مسلمانوں کو ایک امام یعنی حاکم قائم کرنا ضرور ہے۔ تاکہ وہ  
 امام قیام کرے واسطے جاری کرے قبول اور قائم کرنے حدود اور بند کرنے  
 فتنوں اور آمادہ و طیار کرنے لشکروں اور بیٹے صدقات الہیہ کے۔  
 اور نیز قیام کرے مثلثیوں چوروں اور لٹیروں پر سزائیں۔ اور قہر کرنے پر  
 اور قائم کرے جمعوں اور عیدوں کی نماز کو۔ اور دُور کرے جھگڑوں اور  
 خصومتوں کو جو درمیانِ یگانگت کے واقع ہوں۔ اور قبول کرے اُن شہادتوں  
 کو جو حقوق شرعی پر دی جاویں۔ اور نکاح کرے اُن صغار کما حقہ کو ولی نہیں  
 ہے۔ اور قسمت کرے غنیمتوں کو جو کفار سے حاصل ہوں۔ ان تمام اغراض  
 مذکورہ کے لئے ایک حاکم کی ضرورت ہے کہ پُرون وجود حاکم کے یہ اغراض  
 پُورے نہیں ہو سکتے۔ اور چاہئے کہ حاکم مذکور۔ مرد۔ مسلمان۔ عاقل۔ بالغ  
 متوابع۔ عادل اور شجاع ہو۔ اسی واسطے شرح مواقف میں ہے۔ نصب  
 الامام عندنا واجب عیناً۔ یعنی امام کا مقرر کرنا ہم پر شرعاً  
 واجب ہے۔ اور حذر بالاحتیاط کا کسی اتحاد میں نہیں ہے۔ اور نہ یہ کسی حدیث  
 صحیح سے ثابت ہے۔

عقائد نفسی ہیں تاکہ ہے۔ یکون الامام من قریش ولا  
 یجوز من غیرہم یعنی امام قریشی ہونا چاہئے۔ غیر قریشی کی امامت  
 جائز نہیں۔ تو اُس کی بنا ایک حدیث صحیح پر ہے۔ جو بالفاظ مختلفہ  
 حضرت ابو بکر صدیقؓ۔ و علی مرتضیٰؓ۔ و ابو ہریرہؓ۔ و ابن عمرؓ۔ و سعد بن  
 ابی وقاصؓ۔ و جابرؓ۔ و ابن مسعودؓ۔ و انسؓ۔ و ابو موسیٰؓ۔ و ام ہانیؓ۔  
 و ابو بردہؓ۔ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ لہذا اہل سنت  
 نے قریشی ہونے کو شرط امامت قرار دیا ہے۔ مگر اس شرط کی وضاحت  
 اُسی حدیث کے مختلف طریقوں کے جمع کرنے سے بخوبی ہوتی ہے چنانچہ

امام قریشی کی امامت جائز ہے۔  
 اگر قریشی کی امامت قریشی میں نہ ہوں۔ تو



حدیث ابو ہریرہؓ میں کی تخریج ابو داؤد و طیالسی اور احمد بن حنبل اور ابو العلی نے اپنی  
 مسانید میں اور طبرانی نے اپنی معجم میں کی ہے۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں۔ **الْاِمْرَةُ**  
**مِنْ قَرِيبٍ مَا حَكَمُوا غَدًا نَوَادُوهُ وَعَدُوا اَخْوَفُوهُ وَرَحِمُوا دَاوَسْتَوْهُ**  
 علاوہ اس کے اور حدیثیں بھی مختلف طریق سے مسانید و صحاح میں مروی ہیں۔  
 جن میں مفاد یہ ہے کہ قریش جب تک عدل کریں گے۔ اور وعدہ پورا کریں گے۔  
 اور رحم کریں گے۔ اور بین کو قائم کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔  
 اُس وقت تک امامت و سلطنت تمہیں میں رہے گی۔ ورنہ اُن میں امامت و سلطنت  
 کا ہونا ضروری نہیں۔ اور قریشی بادشاہ نہ ہوں گے۔ عقائد میں اگر غیر قریشی  
 کھڑا ہوگا۔ تو ذلیل و خوار ہوگا۔ اور اگر ان کو امام کا قریشی نہ ہوگا۔ تو قریشیت  
 شرط امامت نہ ہے گی۔ چنانچہ سلام میں ثبت ہے امام ایسے ہوتے ہیں۔ جو قریشی  
 نہیں تھے۔ اور ان کی امامت کو تمام علماء نے تسلیم کیا ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو۔ کہ  
 امام کے مقرر کرنے کے لئے چالیس مردوں کی مجلس اور اجماع الیہ کا اتفاق  
 ضروری ہے۔ اس سے کم کے اتفاق سے امامت قائم نہیں ہو سکتی۔ اور شرط  
 امامت سے ہے۔ امام کا ظاہر ہونا۔ تاکہ جو صرف میں امام کے قائم کرنے کی داعی  
 ہوئی ہیں۔ وہ پوری ہوں۔ اور امام کا خطائے معصوم ہونا ضروری نہیں ہے۔  
 اور یہ امر قرآن شریف سے ثابت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اِنَّ اللّٰهَ**  
**تَاٰبِعَتْ لَكُمْ طَاوُفَاتٍ مَّالِكًا**۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے طاووت کو  
 بادشاہ بنا کر بیعت کیا۔ پس طاووت موافق نصیحت الہی کے امام تھا۔ اور اُس  
 کی اطاعت فرض تھی۔ اور حالانکہ بالاجماع وہ معصوم نہ تھا۔ اور امام کو لازم  
 نہیں ہے کہ خدا کی طرف سے اُس کے واسطے نصیب ہو۔ یہ تو مکلفین پر  
 واجب ہے کہ وہ اپنی حاجت اور ضرورت کے لئے اسباب و سبب سے اپنے میں  
 سے ایک شخص کو اپنا امام اور حاکم مقرر کریں۔ تاکہ اپنی مذہبی امور ان کا  
 انصرام اُس کی ذات سے متعلق ہو۔ اور امام کو لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے  
 زمانہ کے تمام لوگوں سے خدا کے نزدیک افضل ہو۔ اس واسطے کہ طاووت کو  
 خدا نے حاکم مقرر کیا۔ حالانکہ اُس کے وقت حضرت شعیبؓ اور حضرت داؤد موجود

تھے۔ اور وہ طالوت سے افضل تھے۔

## خلافتِ راشدہ کی مدت

جاننا چاہئے کہ امام بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلا فاصلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ۔ پھر حضرت عثمان ذی النورینؓ اور پھر حضرت علی مرتضیٰؓ ان کے بعد حضرت امام حسن رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ یہ پانچ بزرگوار ہیں۔ جنہوں نے موافق حدیث الخلفاءۃ من بعدی ثلاثون سنۃ کے خلافتِ کاملہ کے تیس سال پورے کئے۔ اس طرح کہ حضرت ابوبکرؓ نے دو سال چار ماہ خلافت کی۔ اور حضرت عمرؓ نے دس سال چھ ماہ۔ اور حضرت عثمانؓ نے بارہ سال چھ روز کم۔ اور حضرت علیؓ نے چار سال نو ماہ۔ اور حضرت حسن المجتبیٰؓ نے پانچ ماہ۔ اس حساب سے خلافتِ خلفائے اربعہ کی انتیس برس اور سات مہینہ ہیں تمام ہوتی ہے۔ اور پانچ مہینہ جو باقی رہے۔ ان میں حضرت امام حسنؓ خلیفہ ہے۔ پس یہ بھی خلفائے اربعہ میں سے ہوتے۔ اس کے بعد امام حسنؓ نے امیر معاویہ سے صلح کر لی۔ اور امیر معاویہ فقط بادشاہ و حاکم ہے نہ خلیفہ۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ خلافت بعد میرے تیس سال ہے۔ پھر ملک اسی اور امیر ہوتا نہ خلافت۔

یہاں ایک شبہ وارد ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اکثر علما نے خلفائے عباسیہ اور بعض خلفائے مروانیہ مثل عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ مانا ہے۔ جواب یہ ہے کہ مراد خلافتِ منحصرہ درسی سال سے خلافتِ کاملہ ہے کہ اُس میں مخالف کو بالکل دخل نہیں۔ اور وہ سب سبیل متابعت جاری رہی لیکن بعد تیس برس کے یہ طریق لازم نہیں رہا۔ تو اس سے ظاہر ہوا کہ بارہ اماموں میں سے صرف اول کے دو امام یعنی علی مرتضیٰؓ اور حسن مجتبیٰؓ اہل سنت کے نزدیک دخل تعریفِ امام مصطلح ہیں۔ اور باقی نو کو اہل سنت مذہبی پیشوا مانتے ہیں۔ اور اسی معنی سے اُن کو امام کہتے ہیں۔ چونکہ وہ بادشاہ وقت نہیں تھے۔ اور مسلمانوں کے انتظامی امور میں اُنہوں نے کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ اس واسطے اہل سنت اُن کو امام مصطلح

اہل سنت کا مسلک بارہ اماموں کے باب میں



نہیں کہتے۔ اور نہ کوئی عاقل ایسے شخص کو جس نے ایک منٹ بھی حکومت نہ کی ہو  
بادشاہ یا امام کہہ سکتا ہے۔ اور نہ کسی صحیح حدیث میں اُن کی امامت و سلطنت کی  
خبر دی گئی ہے۔ یہ اعتقاد صرف شیعہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ امام مہدی مبشریہ  
کے امام ہونے کے اہل سنت ضرور قائل ہیں۔ لیکن جن کو شیعہ نے امام فرض  
کیا ہے۔ اور وہ حسن عسکری کے بیٹے تسلط جاتے ہیں۔ جن کی ولادت دہود کے  
نہ اکثر اہل سنت معتقد ہیں۔ اور نہ اُن کو امام مہدی مبشریہ جانتے ہیں۔ اہل سنت  
کے امام مہدی قرب قیامت میں پیدا ہونگے۔ اور چالیس برس کی عمر میں اُن کا  
ظور ہوگا۔ چونکہ قیامت کا حال معلوم نہیں کہ کب آئے گی۔ اس واسطے یہ نہیں  
کہہ سکتے کہ امام مہدی کب پیدا ہونگے۔

## دو خلیفوں کا نصب زمانہ واحد میں جائز نہیں

یاد رہے کہ عصر واحد میں دو اماموں کا نصب کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ  
اس سے منازعات اور جھگڑوں کے پیدا ہونے کا خوف ہے۔ اور نیز امور دین  
دو دنیا میں اختلاف پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ بعض علماء جو نصبِ امامین کو زمانہ  
واحد میں جائز رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ فاصلہ بعید ہونے کی حالت میں درست  
ہے۔ تو اُن کی تردید اس حدیث مسلم سے ہوتی ہے۔ اذ ابیرع الخلیفتین  
فاقتلوا لا خ منہا یعنی جب دو خلیفوں سے بیعت کی جائے۔ تو اُس خلیفہ  
کو قتل کر ڈالو جس کی بیعت آخر میں ہوئی ہے۔ رواد ابی سعید الخدری۔ اور  
چلہ ہے کہ امام ظاہر ہو نہ مخفی خوف اعدا سے تاکہ ہمتِ امورِ مسلمانان کی فضا  
رجوع ہوں۔

## شیعوں کے اماموں کے نام

شیعہ کہتے ہیں کہ امام کا خوف اعدا سے چھپنا درست ہے۔ چنانچہ  
اُن کے نزدیک ترتیب خلافت اس طرح ہے۔ جو سراسر غلط ہے کہ امام سجن بعد  
رسول اللہ کے علیؑ ہیں۔ پھر اُن کے بیٹے حسنؑ۔ پھر اُن کے بیٹے حسینؑ پھر اُن



کے بیٹے زین العابدین۔ پھر اُن کے بیٹے محمد باقر۔ پھر اُن کے بیٹے جعفر صادق۔  
پھر اُن کے بیٹے موسیٰ کاظم۔ پھر اُن کے بیٹے رضا۔ پھر اُن کے بیٹے محمد تقی۔ پھر  
اُن کے بیٹے علی نقی۔ پھر اُن کے بیٹے حسن عسکری۔ پھر اُن کے بیٹے محمد القائم  
مدی منتظر۔

اور واضح ہو کہ یہ عقیدہ فرقہ امامیہ کا ہے۔ اُن کے دوسرے فرقے امامت کی  
ترتیب اس طرح نہیں مانتے۔ خصوصاً اسماعیلیہ کے امام دوسرے ہیں۔ اور اسی طرح  
دوسرے فرقوں کے دوسرے۔ غرض اُن کے اختلاف کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔  
شیعہ لوگوں نے دین حق میں اور مسئلہ امامت میں عجیب طرح کے فسادات مخرابیاں  
پیدا کی ہیں۔ جو ہمارے موضوع سے خارج اور ستارپاواہی ہیں۔

## اولیاء اللہ کی کرامات کے بیان میں

جاننا چاہئے کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک اولیاء اللہ کی کرامت  
خو ہے۔ اور اصطلاح میں اُس شخص کو کہتے ہیں۔ جو ذات و صفات خدا کا عکاس  
شرعیۃ نبوی کا بوجہ کمال تابع۔ طاعات و عبادت پر مواظب اور معاصی و کبائر سے  
محبتنب ہو۔ اگر ایسے شخص سے کوئی امر خارق عادت صادر ہو۔ تو وہ کرامت ہے۔  
بشرطیکہ نبوت کا دعویٰ اُس میں شامل نہ ہو۔ بلکہ وہ امر مقارن بایمان و عمل صالح  
ہو۔ اور اگر کسی ایسے شخص سے کوئی امر خارق عادت صادر ہو۔ جو عمل صالح اور ایمان  
بخدا و روز آخرت و انبیاء علیہم السلام سے عاری ہے۔ تو اُس کے فعل کو استدراج  
کہتے ہیں۔ چنانچہ فرعون بے عون کہ اگر وہ پانی کو پھاڑ پر چڑھانا چاہتا۔ تو چڑھ جاتا  
اور دریائے نیل اُس کے تابع تھا۔ اُس کے کہنے کے موافق گھٹتا بڑھتا تھا۔ اور  
اُس کے ساتھ رعداں ہوتا تھا۔ پس فرعون کا یہ فعل استدراج اور کفرانِ شریعہ ہے۔ کہ  
غرض خداوندی اس سے سوائے اس کے کچھ نہیں کہ مومنین صادقین کی ہر بات  
کرے۔ اور کفار کو اُن کے کفر میں زیادہ سخت اور دلیہ کرے۔  
علمائے اعلام رحمہم اللہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص پانی پر مصلیٰ کچھ

دیر پا کرے یا ہوا پر اڑے۔ لیکن اس کے عمال و اخلاق خلاف شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہوں۔ تو اس کو دلی نہ کہو۔ اور نہ اس کے فعل کو۔ اگرچہ خارق عادت ہو۔ کرامت کہو۔ کیونکہ امر قاطع عادت جو مخالف طریقہ محمدی کے ہے۔ اس کو کرامت نہیں۔ بلکہ استدراج کہتے ہیں۔

کرامت کا ظہور ولی تابع شریعت حقہ سے تھی صورت سے ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ مسافت بعیدہ کو مدت قلیل میں قطع کر لیتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آصف بن برخیا و زید حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرامت سے تعبیر دی ہے۔ کہ وہ تخت بلقیس کو اتنی جلدی ایک مہینہ کی مسافت سے لے آئے۔ کہ سلیمان علیہ السلام ہلک نہ مار سکے۔ اور نیز اصحاب کف کا حال خدا نے بیان فرمایا ہے کہ وہ کر ڈیں لیتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ یہ سب کرامتیں ہیں۔ کیونکہ مقارن عجلہ بنوت نہیں۔ اور نیک لوگوں سے ہرزو ہوئی ہیں۔

## تین مردان خدا کی ایک دلچسپ حکایت

ارشاد سلیمین میں بحوالہ حدیث صحیح لکھا ہے کہ ایک روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہم ماضیہ کے عجائبات سے ہمیں مطلع فرمائیے۔ تاکہ اس کے سننے سے ہمارے دل کو اطمینان اور ذوق سلیم حاصل ہو۔ آپ نے فرمایا تم سے قبل تین آدمی کسی جگہ جا رہے تھے۔ جب بات ہوئی۔ تو ایک غار میں آرام لینے کو گھس گئے۔ اتفاقاً غار کا پنجرہ پڑا۔ اور اس سے غار کا منہ ڈھک گیا۔ پتھر پڑا وزنی تھا۔ وہ اُن سے سرک نہ سکا۔ ناچار ہو کر اُنہوں نے باہم کہا۔ کہ اب کوئی چارہ کار نہیں بچہ اس کے کہ ہم باری تعالیٰ سے اپنے اُن اعمال کا اعادہ کریں۔ جو بے ریاہم سے ظہور میں آئے ہیں۔ اور انہیں اعمال صالحہ کو ہم خدا کی جناب میں اس ملک سے رٹائی پانے کے لئے شفیع لاویں۔ اُن میں سے ایک شخص نے خدا کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ یا خدا یا تجھے معلوم ہے کہ میری ایک ماں اور ایک باپ تھا۔ اور دیہوی مال سے میرے پاس کچھ نہ تھا۔ سوائے ایک بکری کے



کہ میں اُس کے دُودھ سے اُن کی اور اپنی اوقات بسر کرتا تھا۔ میں ہر روز دُودھ لے کر بازار جاتا۔ اور اُس کو فروخت کر کے صبح و شام کا کھانا مہیا کرتا۔ ایک شیکا ذکر ہے کہ میں دُودھ کو بیچ کر اور اُس سے کھانا حاصل کر کے مکان کو آیا۔ اور رات کا کھانا والدین کی خدمت میں لے گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ سو رہے ہیں۔ میں اس انتظار میں کہ اب جاؤں گے۔ تمام رات لئے کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ جب وہ خواب سے بیدار ہوئے۔ اور مجھے اس حالت میں دیکھا۔ تو خوش ہوئے۔ میں بھی بھوکا تھا۔ اُن کے پاس کھانا لے گیا۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہو گئے۔ تو اُن کے بعد میں نے کھانا کھایا۔

اے خدا اگر میں اس قول میں سچا ہوں۔ تو پھیل اُس راست گوئی کے میرے لئے کشادگی بھیج۔ اور اس ملک سے نجات دے۔ اُس کی اس گفتگو سے پتھر اس قدر سرک گیا کہ کچھ شگاف غار نظر آنے لگے۔

دوسرے نے کہا۔ بارالہا مجھے معلوم ہے کہ میں ایک پری جمال نہایت حسین لڑکی پر فریفتہ تھا۔ ہر چند میں چاہتا تھا۔ مگر وہ کسی طرح قبضہ میں نہیں آتی تھی۔ مجبوراً ایک سو دینار دے کر میں نے صرف اُس کو اس بات پر راضی کیا۔ کہ ایک شب میرے ساتھ خلوت کرے۔ جب وہ میرے پاس آئی۔ تو میرے دل میں ترس اور خوف خداوندی غالب ہو گیا۔ اور میں نے اُس کو بدوں خلوت کو رخصت کر دیا۔

خداوند! اگر یہ میرا واقعہ درست ہے۔ تو ہمارے اس طرح کشائش بھیج۔ اور سامان ہماری رہائی کا پیدا کر۔ فی الحال پتھر اتنا اور سرک گیا کہ غار کا منہ کھل گیا۔ مگر ابھی اتنا نہیں ہٹا تھا کہ باہر آ سکیں۔

تیسرے نے کہا الہی تو جانتا ہے۔ کہ میرے یہاں مزدور کام کیا کرتے تھے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ تمام مزدور اپنی اپنی مزدوری لے کر چلے گئے۔ مگر ایک شخص یونہی بغیر مزدوری لئے چلا گیا۔ میں نے اُس کی اجرت سے ایک بکری خرید لی۔ اور وہ چالیس برس تک نہیں آیا۔ اس بکری سے بہت بچے پیدا ہوئے، اور اُس کی نسل خوب بڑھ گئی۔ ایک روز وہ مزدور آیا۔ اور مجھ سے کہنے لگا۔ اے



عزیز تجھے یاد ہو گا۔ میں نے ایک ن تیرے یہاں مزدوری کی تھی۔ اور بغیر اجرت لئے چلا گیا تھا۔ اب مجھے اپنی اجرت کی ضرورت ہے۔ اگر اس وقت مل جائے تو نہایت خوب ہے۔ میں نے کہا۔ فلاں جگہ جا۔ اور وہاں قہنی بکریاں کھڑی ہیں سب لے جا کہ وہ تیری ملک ہیں۔ اُس نے کہا لے عزیز میرے ساتھ تسخیر کرتا ہے۔ میں نے کہا۔ نہیں۔ میں راست کتا ہوں۔ اور تمام قصہ بیان کیا۔ چنانچہ وہ شخص بکریاں لے گیا۔

اے اللہ اگر میں اپنے کلام میں راست گو ہوں۔ تو اپنی جناب سے وسعت و فرح عنایت کرنی الحال پتھر مذکور اس قدر ہٹ گیا کہ وہ تینوں شخص باطینان اُس سے باہر نکل آئے۔ ظاہر ہے کہ یہ کرامت ہے۔ معجزہ نہیں۔ اور کرامت حق ہے۔

## حرج راہب کی حکایت

ایک دوسرا قصہ حرج راہب کا ہے۔ اور وہ بھی بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے۔ کہ بنی اسرائیل میں ایک راہب تھا حرج نام نہایت متراعت و مجاہد کہ عبادت و ریاضت میں اپنا زمانے سے گئے سبقت لے گیا تھا۔ اُس کی ایک ماں تھی مستورہ و عقیقہ کہ صالحات روزگار سے شمار ہوتی تھی۔ ایک روز وہ اپنے فرزند حرج کے دیکھنے کو معبد میں آئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ حرج اندر سے صنوبر کا دروازہ بند کئے ہوئے عبادت الہی میں مشغول ہے۔ ناچار وہ عقیقہ محروم لوٹ گئی۔ دوسری اور تیسری مرتبہ بھی دیدار فرزند سے محروم پھر گئی۔ اب تو اُس سے نہ رہا گیا۔ اور دل مشتاق دیدار پسر سے مجبور ہو کر خدا کی جناب میں دعا کی۔ انہی صریح نے مجھ کو اپنی ملاقات سے محروم رکھا۔ اور میں تین مرتبہ آئی اور پٹ گئی۔ خداوند اُس کو پکڑا اور رسوا کیا۔ ان صنوبر کا تیر دعا ہت اجابت پر پہنچا۔ اور ایسا ہوا کہ اُس وقت ایک عورت تھی بدکار و فاسقہ اُس نے عزم یا یحزم کیا کہ میں صریح کو بے راہ گردانگی۔ اس ارادہ سے اُس کے پاس آئی

مگر حریج نے اس کی جانب التفات نہیں کی۔ فاحشہ وہاں سے روانہ ہو کر رستہ میں ایک مردِ آوارہ بدعاش سے ملاقی ہوئی۔ اتفاقاً اس سے محل رہ گیا۔ جب پیدا ہوا۔ تو مشہور کیا کہ یہ فرزندِ حریج راہبِ کل ہے۔ لوگوں نے حریج کو پکڑا۔ اور سلطان وقت کے پاس لے گئے۔ حریج نے عورتِ مذکورہ کی خلوت وغیرہ سے انکار کیا۔ لوگوں کو یقین نہیں آیا۔ حریج نے کہا۔ اگر تم کہیا اور نہیں۔ تو بچہ سے دریافت کرو۔ سب نے کہا۔ بچہ کیونکر بول سکتا ہے۔ آخر حریج بچہ کی جانب مخاطب ہو کر بولا۔ اے کو دک بختِ خدائے عز و جل سچ کہو کہ تیرا باپ کون ہے۔ اس نے کہا۔ میرا باپ فلاں شخص ہے۔ میری ماں جھوٹ کہتی ہے۔ اور بچہ پر ناحق تہمت لگاتی ہے۔

ہماری عرضِ مان حکایات کے بیان کرنے سے اثباتِ کراماتِ اولیاء ہے تاکہ منکرانِ دین کرامتِ اولیاء اللہ سے انکار نہ کریں کہ کرامت کا انکار حقیقت میں معجزہ نبی کا انکار ہے۔ آج کل عوام لوگ اور خصوصاً جدید تعلیم یافتہ اصحاب کرامت اور معجزہ کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس کو خلافتِ عقل بتاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ پیغمبرِ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے قائل ہیں۔ اور آپ کی تمام باتوں کو سچا اور منجانب اللہ سمجھتے اور قرآنِ کریم پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ ہرگز کرامت کا انکار نہیں کر سکتے۔ پھر ان کے سوا اگر کوئی بے دین شخص اپنے الحاد کے سبب معجزات و کرامات کا منکر ہو۔ تو یہاں ہم کو ان سے بحث نہیں۔ معجزہ اور کرامت امورِ واقعہ قطعیہ سے ہیں۔ لہذا کوئی ذی عقل آدمی اس سے ہرگز ہرگز انکار نہیں کر سکتا۔ قرآنی آیات سے آصف بن برخیا حضرت مریم اور اصحاب کہف وغیرہم کی کرامت ظاہر ہے۔

## واقعات صحابہؓ سے اثباتِ کرامت

### کرامت کی دوسری قسم

اب ہم واقعاتِ صحابہ اور تابعین سے مسئلہ کرامت پر روشنی ڈالتے



ہیں۔ جو مہرِ قسم کرامت کی یہ ہے کہ ولی تابع شریعت ہوا پر اڑ جاتا۔ اور پانی پر چلتا ہے۔ چنانچہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت زید علم پروار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب جنگ موتہ میں آپ کو علم برداری کی خدمت سپرد ہوئی۔ تو آپ اس قدر مشغول یہ جنگ ہوئے کہ آپ کے دونوں ہاتھ کٹ کر گر پڑے۔ اس کے بعد آپ اپنے بازوؤں سے اپنے لٹے لٹے شہید ہو گئے جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس واقعہ پر اطلاع پائی۔ فرمایا کہ جعفر طیار شہید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دارِ بہشت میں جگہ کرامت فرمائی۔ اُن کے دونوں ہاتھوں کے عوض اللہ تعالیٰ نے اُن کو باقوت سرخ کے دو بازو عنایت فرمائے۔ تا وہ جہاں چاہیں۔ ریاض و روضات جہاں میں پرواز کرتے پھریں۔

## کرامت کی تیسری قسم

تیسری قسم کرامت کی یہ ہے کہ جمادات و حیوانات ولی تابع شریعت سے کلام کرتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت فاطمہؓ سے منقول ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب پہلی شب کو قباب علی کرم اللہ وجہہ میرے بستر پر آئے۔ تو میں نے زمین کو آپ کے ساتھ کلام کرتے سنا۔ میں ڈری۔ اور صبح رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس واقعہ کو ذکر کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ فاطمہؓ کو نہیں۔ زمین تمہارے شوہر سے راز کہتی ہے۔

## چوتھی اور پانچویں قسم

چوتھی قسم یہ ہے کہ ولی آتی ہوئی بلا و مصیبت دفع کر دیتا ہے۔ پانچویں قسم یہ ہے کہ وہ دشمنانِ دین سے اپنے ادنیٰ اشارے کے ساتھ بے آگاہی۔ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ مروی ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے روز جب کہ آپ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ اپنے لشکر کو ہانوا میں دیکھا۔ جو قریباً ایک مہینہ کی مسافت ہے۔ اور اس وقت آپ نے



حضرت ساریہؓ کو جو شکر مذکور کے امیر تھے۔ فرمایا یا ساریہؓ الجبل الجبل آپ نے خطبہ کے درمیان تین دفعہ ایسا ہی کہا۔ یعنی اے ساریہؓ پہاڑ کی جانب سے آگاہ ہو۔ یہ کہہ کر پھر خطبہ میں مشغول ہو گئے۔ لوگ کہنے لگے کہ شاید عمرؓ پر جنوں طاری ہو گیا ہے۔ جب حضرت ساریہؓ نے اُس لشکر سے مدینہ کی جانب مراجعت کی۔ تو اٹھائے سخن میں کہنے لگے جمعہ کے روز صبح سے ہم جدال و قتال میں مصروف تھے۔ کہ ناگاہ وقت نماز جمعہ میں نے ایک آواز سنی کہ منادی ندا کرتا ہے۔ یا ساریہؓ الجبل الجبل۔ یہ سن کر ہم نے دشمن کا پتہ لگا لیا۔ جو گھات لگائے۔ پہاڑ کی آڑ میں بیٹھے تھے۔ پھر تو ہم نے اتنا قتل و غارت کیا کہ دشمن کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ ساریہؓ کی زبانی اس واقعہ کے سننے سے جن لوگوں کو حضرت عمرؓ پر جنوں کا گمان ہوا تھا۔ وہ یک زبان بول اُٹھے کہ حقیقت میں حضرت عمرؓ ایسے ہی کامل کے لئے منتخب ہوئے ہیں۔ جو ہماری فہم سے بالاتر ہیں۔ دوستو اُن کے حال سے تعرض نہ کرو۔

نیز حضرت عمرؓ کی جملہ کرامات سے ایک یہ ہے کہ شواہد النبوت میں مذکور ہے کہ جب ملک مصر کو اہل اسلام نے فتح کر لیا۔ تو اُس وقت امیر المومنین حضرت عمرؓ کی جانب سے حضرت عمر بن العاصؓ وہاں کے حاکم تھے۔ ایک شخص اہالیان مصر سے عمر العاصؓ کے پاس آکر کہنے لگا کہ رود نیل جب خشک ہو جاتا ہے۔ اور بارہ روز اسی طرح گزر جاتے ہیں۔ تو یہاں کا قاعدہ ہے کہ ایک سین خوب صورت ریل کی کو تلاش کرتے ہیں۔ پھر اُس کے ماں باپ کو بڑت سا مال و متاع دے کر لڑکی کو حاصل کرتے ہیں۔ اور زرد جو اہر پہنا کر اُس کو دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔ اس طرح کرنے سے دریائے نیل اپنی معمولی رفتار کے موافق بہنے لگتا ہے۔ اب وقت آگیا ہے۔ اور ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔

عمر و العاصؓ نے جب یہ بات سنی تو فرمایا آمین سلامی میں یہ مریسی نفع جائز نہیں۔ اور نہ ہم لوگ ان توہمات کے قائل ہیں۔ پھر دین امیر المومنین سے دریافت کرتا ہوں۔ وہاں سے جو حکم ہو گا۔ کیا جائیگا۔ الغرض جب عمر و العاصؓ کی کتابت امیر المومنین کی خدمت میں پہنچی۔ تو آپؐ نے ایک پرچہ کا قار پر دریائے

نیل کو یہ عبارت مکی من عبد اللہ امیر المؤمنین الی سرود النیل آیتا  
بعثنا نالاکا نشقن بر سؤوم الجاہلیۃ وکن سکر یا ذن اللہ  
یعنی خدا کے بندے امیر المؤمنین کی جانب سے روڈ نیل کو معلوم ہو کہ ہم جاہلیت  
کی رسموں کو بالکل نہیں مانتے۔ تجھے چاہئے کہ سب معمول خدا کے حکم سے جاری  
رہے۔ اور عمرو العاص کو لکھ دیا کہ اس مکتوب کا غذ کو دریا نیل میں ڈال دو۔  
چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور اس سے آج تک روڈ نیل سب معمول بتاتا ہے ۞

## حضرت خالد کی کرامت

ایک واقعہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بھی اس بات میں قابل ذکر ہے۔  
کہ جب آپ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی زبان خلافت میں خیبر کی  
جانب بھیجا۔ تو اہل خیبر نے ایک شخص عبد المسیح نامی کو تھوڑا زہر دے کر حضرت خالد  
کے پاس روانہ کیا۔ حضرت خالد نے دریافت کیا۔ یہ کیا ہے؟ وہ گھبرا کر بول اٹھا  
یہ زہر سامع ہے۔ اہل خیبر نے ہدیہ کے طور پر آپ کے پاس بھیجا ہے۔ یہ وہ زہر  
ہے جس کے کھلنے سے ایک ساعت میں انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ آپ نے  
اُس سے زہر لے لیا۔ اور یہ کہہ کر پی گئے۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَ بِاللّٰهِ دُبَّ الْاَرْضِ  
وَالسَّمَاءِ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اَسْمِہِ شَیْءٌ وَاَدَّاءُ عَبْدِ الْمَسِیحِ  
یہ دیکھ کر اپنی قوم کی طرف پلٹ گیا۔ اور کہنے لگا۔ ان لوگوں سے صلح کرلو۔ یہ  
ایسے مقبول ہیں کہ سم الساعۃ نے بھی اُن پر کچھ اثر نہیں کیا ۞

اسی طرح تابعین تبع تابعین اور اکثر اولیاء اُمت سے بتواتر لاتعداد  
کرامتیں منقول ہیں۔ جن سب کا بیان موجب تطویل کلام ہے۔ غرض کرامت کا مسئلہ  
ایک مسئلہ ہے۔ اس سے سوائے لمحہ اور بے دین لوگوں کے کسی کو انکار نہیں ہو  
سکتا۔ ہم اتنا بھی بیان نہیں کرتے۔ کیونکہ شیخ شہاب الدین اپنی کتاب میں اس مسئلہ کو بخوبی  
لکھ چکے ہیں۔ لیکن خیال اس امر کے کہ اُن کا بیان وحیر و محقر ہے۔ ہم نے اس

لے اللہ جل جلالہ کے نام پاک سے (اس ہر کو پیتا ہوں) اللہ کریم کے مبارک نام سے جو زمین اور آسمان کا  
پروردگار ہے۔ وہ ذات پاک جس کی برکت سے کوئی شے اور کوئی بیماری ہر نہیں کرتی ۞



مسئلہ پر پوری روشنی ڈالنا مناسب جانا ہے

## معجزہ کرامت اور سحر میں فرق ایک نہایت دلکش پیرایہ میں

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر معجزہ کرامت اور سحر کے درمیان فرق بھی بتا دیں۔ اور اس باب میں صرف مولانا بصر العلوم رحمۃ اللہ علیہ کے اسی بیان پر اکتفا کریں۔ جو انہوں نے مثنوی شریف حضرت مولوی رومی قدس سرہ کی شرح شریف میں فتوحات مکیہ سے تحریر فرمایا ہے۔ دیکھو شرح مثنوی مولانا روم صفحہ ۵۰۹ و ۵۱۰ و فقرہ سوم یہ بیان نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اکثر دلیر اور گستاخ لوگ جو حقائق الہیہ سے واقف نہیں ہوتے۔ اس موقع پر کمدیا کرتے ہیں کہ نہی کی رسالت اور ولی کی ولایت کی دلیل میں ان کے معجزات اور کرامات پیش کرتے ہو۔ مگر ہم وہی عجائبات سحر ساحر میں بھی پاتے ہیں۔ پھر نبی و ولی کو ساحر سے کس طرح تمیز کیا جاسکے۔ اور معجزہ کرامت اور سحر میں کیونکر فرق ہو سکے۔

جاننا چاہئے کہ حضرت مولوی رومی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں لکھا ہے کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لئے تمام تالک محروسہ جادوگر جمع کئے تو انہیں میں دو مشہور نوجوان جادوگروں کو پیغام طلب بھیجا وہ دونوں اپنی ماں کے پاس آئے۔ اور کہا ہمیں بابا کی قبر بتا دے۔ تاکہ ہم اس سے ضروری باتیں استفسار کریں۔ ماں ان کو ان کے باپ کی قبر پر لے گئی۔ دونوں نوجوان بچوں نے اپنے باپ کے دریاخت کیا۔ اے بابا ہماری طلبی میں فرعون کا پیغام آیا ہے کہ وہاں جا کر دو دیشوں یعنی مصر و ارضوں علیہما السلام سے مقابلہ کریں۔ ان کے پاس سوا عصا کے کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ پس اے بابا ہم کو اس سے آگاہ کر کہ وہ درویش کیسے ہیں۔ اور ہمارا جانا سود بخش ہوگا۔ یا نہیں؟ یا اپنے جواب دیا۔ میں اس کام کی اصل حقیقت سے پورا آگاہ ہوں۔ مگر ظاہر طور پر کہنے کی اجازت نہیں۔ اے سعادت مند فرزندو! میں تم کو ایک بات کتا ہوں۔ اسی سے اصل حقیقت کا پتہ لگا لینا۔ وہ یہ کہ تم دونوں جاؤ۔ اور درویشان مذکور کی خواب گاہ تلاش کرو۔ جب مونسے کو سوتا پاؤ تو اس کی عصا چرانے کا ارادہ کرتا پس اگر



نم عصا کے چرانے میں کامیاب ہو گئے۔ تو سمجھ لینا کہ وہ یعنی موسیٰ اور ہارون دونوں  
 ساحر ہیں۔ تو تم کو سحر کا رد کرنا پڑے گا۔ طور پر آتا ہے۔ تم اس میں ہر طرح کا مل ہو۔  
 اگر تم ان کا عصا چرانہ سکے تو یہ یقین جائے کہ وہ ساحر نہیں۔ بلکہ وہ امتدی اور امثر  
 تعالیٰ کے فرستادہ ہیں۔ دونوں بیٹے باب یہ حکم سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی  
 تلاش میں گئے معلوم ہوا کہ آپ ایک رخت کے تلے سو رہے ہیں۔ اور عصا قریب  
 ہی رکھا ہے۔ دونوں نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ اور عصا چرانے کے لئے آگے  
 بڑھے چاہتے تھے کہ عصا کو اٹھائیں۔ اتنے میں عصا نے حرکت کی۔ اور ایسا لرزتے  
 میں آیا کہ دونوں ساحر بچے اس کو دیکھ کر خوف کے مارے خشک ہونے لگے۔ اس  
 کے بعد عصا نے اژدہائے خونخوار بن کر ساحر بچوں پر حملہ کیا۔ دیکھ کر دونوں  
 بھاگ گئے الخ

حضرت مولانا سحیح العلوم لکھتے ہیں کہ مولانا نے ان آیات میں سحر و معجزہ  
 کے درمیان فرق بتایا ہے اس طرح کہ سحر ساحر کی غفلت کی حالت میں باقی نہیں رہتا  
 بخلاف معجزہ کے کہ وہ غفلت رسول کی حالت میں بھی باقی رہتا ہے۔ اس کا سبب  
 یہ ہے کہ معجزہ ایک ایسا امر ہے جس کو اللہ تعالیٰ رسول کے ہاتھ پر پیدا کرتا ہے  
 تاکہ اس سے رسول کے دعوے کی صداقت ہو۔ اور خدا کی پیدا کی ہوئی چیز منتفی  
 نہیں ہوتی۔ جب تک کہ ارادہ الہی اس کو قائم و باقی رکھنا چاہے۔ وہ قائم و  
 باقی رہتی ہے۔ پس رسول کی غفلت اور عدم غفلت کو بقائے امر معجزہ اور عدم بقائے  
 معجزہ میں خل نہیں ہے۔ اور سحر ایک ایسا امر ہے جو بصریہ دیگر قوی پر واقع ہوتا  
 ہے۔ اور حقیقت اس میں کوئی واقعیت نہیں ہوتی۔ مسعود اس کو خلاف  
 مَا هُوَ عَلَيْهِ اَوْرَاک کرتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے قَاذِ احْبَا لِهْمُ  
 وَعَصِيْدِهْمُ لِحَبِيْلٍ اَلَيْکَ مِنْ سِحْرِ هِمَّ اَنْتَ تَسْعٰی لِسِ سَا حِرْوَا  
 کی رسایاں اور لاکھیاں دیکھنے والے کے خیال میں دوڑتی دکھائی دیتی ہیں۔  
 یہ سحر قوت بشریہ کے تحت میں خل ہے۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم  
 وہ ہے جو خالص اسما برعینی منتر وغیرہ پڑھنے سے متعلق ہے۔ جب حریزوں  
 کا تلفظ کرتا ہے۔ تو اس کے ذریعہ بصریہ دوسری قوتوں پر ایسی چیزیں ظاہر

ہو جاتی ہیں۔ جو نفس الامر میں محسوسات میں موجود نہیں ہیں۔ دیکھنے والا صرف منتر کے زور سے غیر واقعی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اگر وہ مبصرات سے ہیں یا ان کی آواز سنتا ہے۔ اگر وہ مسموعات سے ہیں۔ یہ ساحروں کا فعل ہے اس قسم میں ساحر خود جانتا ہے کہ حقیقت میں وہ مرئی اور وہ مسموع نہیں ہے۔ مگر ابصار یا اسماع میں ❖

دوسری قسم توجہ اور صرف قوتِ نفسیہ سے متعلق ہے یعنی صرف ساحر کی توجہ اور قوتِ نفسیہ کے صرف کرنے سے بصیر یا دیگر قوی پر صورت وغیرہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس قسم میں کبھی تو ساحر کو خود معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت ان کا وجود نہیں۔ اور کبھی وہ اپنے جمل مرکب سے سمجھتا ہے کہ یہ چیزیں سچ مچ کوئی وجود رکھتی ہیں۔ غرض ان دونوں قسم سحر میں یہ ضرور ہے کہ ساحر سحر کی جانب سے غفلت نہ کرے۔ ورنہ سحر کا اثر جاتا رہیگا۔ اور خود سحر بھی باقی نہیں رہیگا۔ لیکن معجزہ امر خارقِ عادت کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدعی رسالت کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ تاکہ وہ اُس کے صدق کے لئے آیہ قطعیہ ہو اس میں رسول کے صرف ہمت اور صرف قوتِ نفسیہ وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ یعنی یہ نہیں ہے کہ جب رسول امر خارقِ عادت کے ظہور کے لئے ہمت یا توجہ کو صرف کرے۔ اُس وقت وہ امر خارقِ عادت ظاہر ہو۔ وہ تو فعلِ الہی ہے۔ رسول کی صرف ہمت اور عدم صرف ہمت کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ اس سے ثابت ہوگا کہ معجزہ کار جو عیسائے امور کی جانب ہے۔ جو خدا کی جانب راجع ہیں۔ حتیٰ کہ رسول کو بھی اس کا علم نہیں ہوتا۔ یہ معجزہ خارقِ عادت ہے کہ طاقتِ بشریہ اُس سے عاجز ہے۔ اگر ہمت سے ہوتا۔ تو طاقتِ بشری اُس سے عاجز نہ ہوتی۔ اور یہ خارقِ عادت واقع میں جملہ اشیائے واقعیہ کی مانند موجود ہے۔ رسول کو کبھی تو اُس کا علم ہوتا ہے۔ اور کبھی نہیں ہوتا۔ تمہیں معلوم نہیں کہ جب خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا۔ اے موسیٰ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا میرے ہاتھ میں عصا ہے کہ میں اُس سے کار چوپائے وغیرہ میں نفع اور مدد لیتا ہوں۔ فرمایا۔ ہاتھ سے ڈال دو۔ جب ڈال دیا۔ تو عصا سانپ بن گیا موسیٰ



عادت بشری کے موافق سانپ سے ڈرے۔ خدانے فرمایا۔ خوف نہ کرو۔ ہم اُس کو پہلی حالت پر لے آتے ہیں۔ چنانچہ وہ پھر عصا ہو گیا۔ پھر خدانے فرمایا۔ موٹی یہ عصا اور ید بیضا دونوں ہماری آیات ہیں۔ تم انہیں بیکر فرعون کو پاس جاؤ۔ وغیرہ وغیرہ \*۔

پس معلوم ہوا کہ اگر عصا کا سانپ ہونا مٹوئے علیہ السلام کی صرف ہمت سے ہوتا۔ تو اُس سے ڈرتے ہی کہیں اور اکثر قرآنی قصص اس امر کی شاہد ہیں۔ کہ معجزات انبیاء کی قدرت سے بالاتر ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ خود اپنی قدرت سے معجزات پیدا کرتا ہے۔ اس لئے کہ ان سے رسول کی صداقت اور اُس کی نبوت و رسالت کی سچائی ظاہر ہو۔ معجزات کو رسول کی صرف ہمت سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ اور جو کچھ صرف ہمت سے واقع ہوتا ہے۔ پس وہ ولی کی کرامت ہے۔ اور اس کو معجزہ صرف اس لئے کہتے ہیں کہ یہ جو ہمت ولی سے ہوا۔ تو صرف اس سبب سے وہ اُس سے شرف ہو گا۔ کہ اُس میں رسول کی اتباع بوجہ کسب پائی جاتی تھی۔ تو یہ کرامت تابع کی ذیل ہے۔ رسالت متبوع کی اور ولی جو کچھ اپنی ہمت سے کرتا ہے۔ اگرچہ وہ امر واقعی اور خارج صس ہوتا ہے۔ لیکن طاقت بشریہ کی تحت سے خارج نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ہمت سے ظاہر کرتا ہے۔ اور معجزہ کا صدور وجود طاقت بشری سے خارج ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ فُلْ اِذَا مَا اَنۡلَاۡیَاۡتِ عِنۡدَ اللّٰہِ کَمۡدَوۡلِے مُحَمَّدٌ عَلَیۡہِ اَلسَّلَامُ وَاٰیٰتِہِیۡنِیۡ مَعۡجَزَاتِہِیۡ کَمۡ زَیۡدِکَ یَہٰی۔ ہم کو اُن کے پیدا کرنے اور ظاہر کرنے پر قدرت نہیں ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ جو چیز ہمت سے مخلوق اور ظاہر ہوتی ہے۔ اُس کے لئے یہ شرط ہے کہ صاحب ہمت اُس چیز کی طرف سے غافل نہ ہو۔ وہ چیز نیست و معدوم ہو جائے گی۔ اور معجزہ کے باقی رہنے میں صاحب معجزہ کی عدم غفلت شرط نہیں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ معجزہ صرف ہمت سے نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس کا ایجاد و ایجاد عالم کی طرح قدرت الہیہ کے ماتحت ہے۔ پس فرق درمیان معجزہ کرامت اور سحر کے یہ ہے کہ معجزہ بدول صرف ہمت رسول کے محض قدرت حق سے ہوتا ہے۔ اور معجزہ نفس الامری میں موجود ہوتا ہے۔ اور کرامت ولی کے تصرف



سے ہوتی ہے۔ اور اُس کی ہمت سے متعلق ہے۔ اور یہ امر جو تصرفِ دلی اور اُس کی ہمت سے واقع ہوا۔ یہ بھی نفسِ الامری میں موجود ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی کرامت صرف ہمتِ دلی سے واقع ہو۔ تو اُس میں بھی دلی کا عالم ہوتا اس امر سے ضرور ہے۔ بخلاف معجزہ کے کہ نہ اُس میں نہی کی صرف ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نہ پہلے سے اُس کا علم ہوتا ہے۔ وہ قدرتِ الہیہ میں غل ہے۔ اللہ تعالیٰ جب اور جس وقت چاہتا ہے۔ رسول کے ہاتھ پر سحر کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اور سحر ساحر کا تصرف ہوتا ہے۔ خواہ وہ تصرف اُس کی قوتِ نفسانیہ سے متعلق ہو۔ خواہ منتر وغیرہ کے پڑھنے سے۔ یہ تصرف دیکھنے والوں کے حواس میں ہوتا ہے۔ اور نفسِ الامری میں موجود نہیں ہوتا۔

## ایک اور طریق سے معجزہ اور سحر میں فرق

اسرارِ شریعۃ الطاہرہ صفحہ ۶۶ میں ہے۔ ومعرفة المعجزات تعتبر بالامان بين الاول صلاح الرسول في نفسه وفصله وعلى غيره وعصمة من الكذب والمعاصي والثاني التحدى بالمعجزة وادعاء ان الخلق على كسرتهم ومعارفهم وعلومهم التي اشمعوا عليها لن ياتوا بمثل ما هو ياتي به وليوقف الخلق العجز الضروري عن اتيان بمثل معجزة الرسول فلذلك وجب اتباعهم وحرمت محصية اور معجزہ کی معرفت دو باتوں پر موقوف و معتبر ہے۔ اول نبی کا فی نفسہ صلاح اور اپنے غیر پر مثال ہونا۔ اور اُس کا معصوم ہونا جھوٹ اور گناہوں سے۔ دوسرے معجزہ کے ساتھ مخالفین کو چیلنج دینا۔ اور یہ دعویٰ کرنا کہ مخلوق باوجود کثرت و سوت معلوم کے نبی کے معجزہ کے مثل لانے سے عاجز ہے۔ اور کبھی عجز ضروری مخلوق کو نبی کے معجزہ کی مثل لانے سے روک دیتی ہے۔ اسی واسطے نبی کی متابعت واجب ہوتی۔ اور اُس کی نافرمانی حرام۔

اس کے بت معجزہ اور سحر میں فرق بتاتے ہیں۔ اور اُس کو دو طرح سے

ثابت کرتے ہیں۔ اول یہ کہ جادو ہمیشہ بدکار نکمے آدمی کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے دوسرے یہ کہ سیکھنے اور مشق پیدا کرنے سے جادو پر قدرت حاصل ہوتی ہے اور وہ حق کے ظہور کے وقت باطل ہو جاتا ہے۔ اور بالکل باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ وہ نظر بندی اور تخیل ہے۔ اور خیال حقیقت کے ظاہر ہونے پر تاپید ہو جاتا ہے اور کرامت اور حکم مابین دو طرح فرق ہے۔ اول یہ کہ کرامت دلی خدا کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے۔ دشمن خدا کے ہاتھ پر کبھی ظاہر نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ دلی اس بات کا مقرر اور معترف ہوتا ہے کہ اس کی کرامت اُس نبی کی پیروی اور سچی متابعت کی برکت سے ہے جس کا وہ تابع ہے۔ اور جس پر وہ ایمان لایا ہے۔ اور جس کی سنت کی وہ پوری اطاعت کرتا ہے۔ اور اگر وہ باستقلال یعنی بلا واسطہ کسی نبی متبوع کے کرامت کا دعویٰ کرے۔ تو اُس کی اور اُس کی کرامت کی تکذیب ہوگی۔ اور اگر اپنے لئے نبوت کا دعوئے کرے۔ تو دلی ہونا کجا۔ وہ تو فاسق اور مرتد سمجھا جائے گا۔

## عورتوں سے متعہ کرنے کی حرمت کے بیان میں

علمائے اہل سنت و الجماعت کے نزدیک بالاتفاق متعہ النساء یعنی عورتوں سے مدت معین تک ایک مقررہ معاوضہ کے ساتھ فائدہ اٹھانا حرام ہے۔ متعہ کی تفصیل حدیثِ عایت ترمذی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ متعہ ابتداءً اسلام میں تھا جب کوئی شخص کسی ایسے شہر میں قیام کرتا تھا۔ جہاں اُس کا کوئی جان پہچان نہ ہوتا تھا۔ تو وہ عورت اُس کی محافظت کرتی۔ اور اُس کے لئے اُس کی چیز طیار کرتی تھی۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اَلَا عَسَىٰ اَنْزَوْا حِصْرًا وَّمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنْ نِّسَاءٍ لِّمَنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ دَارٌ مِّنْ قَبْلِهَا فَتَزَوَّجُوْهُنَّ مَا فَتَرَ لَكُمْ فِيْ الدِّیْنِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ اس سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود متعہ کو حرام فرمایا۔ بعد اُس کے جو عین دن کی اجازت دی تھی۔ اور اس تحریم کو مؤید کیا۔ بالی یَوْمَ الْقِيَمَةِ یعنی آپ نے



فرمایا۔ متعہ قیامت تک حرام ہے۔ اور یہ اجازت تین دن کی اور طاس کی لڑائی میں بھی۔ اس کے بعد سے متعہ قیامت تک حرام کیا گیا۔ اور تحریم متعہ کی حدیث بروایت حضرت امیر علیہ السلام ابن قدر شہرت و تواثر کو پہنچ گئی ہے کہ حضرت امام حسنؑ کی اولاد اور محمد بن حنفیہ کی اولاد نے روایتیں کی ہیں۔ اور موطا و بخاری و مسلم و غیرہ میں متعدد طریق سے یہ روایات ثابت ہیں۔ وَقَدْ رَوَى ابُو نَصِيرٍ فِي الصَّحِيحِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ الصَّدَاقِ أَنَّهُ سَمِعَ عَنْ الْمُتَعَةِ هِيَ مِنَ الْأَرْبَعِ قَالَ لَا وَكَأَنَّ مِنَ السَّبْعِينَ اور تحقیق روایت کی ابو نصیر نے اپنی صحیح میں۔ حضرت عبداللہ صادقؑ سے کہ پوچھا اُن سے متعہ کے معاملے میں۔ کیا وہ چار میں داخل ہے۔ فرمایا نہیں۔ اور نہ ستر میں داخل ہے۔ یہ روایت صحیح دلالت کرتی ہے کہ عورت متعہ کی زوجہ نہیں ہے۔ ورنہ وہ چار میں محسوب ہوتی۔ اور یہی سبب ہے کہ جو احکام زوجہ کے ہیں۔ اُس میں سب منتفی ہیں۔ جیسے عدت اور طلاق اور ایلا اور ظہار اور احصان حاصل ہونا کسی کی مباشرت سے اور امکان لعان اور اراث خود شیعہ کے نزدیک بھی ۛ

اور خود جناب امیرؑ سے مروی ہے۔ اِنَّهٗ قَالَ اَمِنْ فِی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ اَنْ اَنَادِیْ بِتَحْرِیْمِ الْمُتَعَةِ یعنی جناب علیؑ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ میں متعہ کو حرام کرنے کی منادی کر دوں ۛ

غرض متعہ کے حرام ٹھہرنے کی حدیثیں اہل سنت کی کتابوں میں بڑا ایت صاف ہے۔ نیز حضرت امیرؑ اس درجہ تواثر و شہرت کو پہنچی ہیں کہ اُن میں شبہ کی مطلق گنجائش نہیں۔ اور نیز شیعہ کی روایت سے بھی متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے جیسا اوپر کی حدیث سے معلوم ہوا۔ اسی واسطے شیعیان علیؑ میں بعض فرقہ ایسے بھی ہیں۔ جو متعہ کو حرام جانتے ہیں۔ اور اُس کو زنا سمجھتے ہیں۔ مثلاً فرقہ اسماعیلیہ وغیرہ کہ فقیر مسترحم کو خود اُن کے ملاؤں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ متعہ اُن کے نزدیک حرام ہے۔ ہمارے یہاں صرف اثنا عشریہ کا فرقہ بظاہر ایسا ہے کہ وہ عورتوں سے متعہ کو جائز بلکہ موجب ثواب جانتا ہے۔ اور عوام اہل سنت کو



نہیں دینے کے لئے کہتا ہے کہ متعہ کی عورت کے حقوق و شروط بالکل منکوحہ عورت کے سے ہیں۔ صرف اس میں مدت معین کرنے کی قید ہے۔ اور نکاح میں قید نہیں۔ ان کا یہ بیان سراسر غلط ہے۔ متعہ النساء قرآن شریف کی آیات اور احادیث نبوی سے حرام ثابت ہو چکا ہے۔ متعہ کی عورت کے حقوق وغیرہ بھی منکوحہ عورت کے سے خود شیعہ کے نزدیک بھی ہرگز نہیں ہیں۔ چنانچہ بیان ہوا۔ اور خود شیعہ بھی اس کو سبب احسان نہیں جانتے۔ اور حد سنگساری کی متمتع غیر منکوحہ پر جاری نہیں کرتے۔ اور نہ اس کو اور اس کی اولاد کو ارث پہنچاتا ہے۔ متعہ سے ضرر آپ منی کا بہانا۔ اور برتن منی کا خالی کرنا غرض ہوتی ہے۔

اب سنئے کہ باوجود اس قدر دلائل ظاہرہ کے! اور باوجود خود ان کے بعض فرقوں کے متعہ کو حرام جاننے کے فرقہ امامیہ کیوں متعہ کو جائز بلکہ موجب ثواب جانتا ہے اس کا سبب فقط جناب فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عنادر کھنا ہے کہ ان کے خیال باطل میں یہ بات سمجھا گئی ہے کہ متعہ کو جناب عمرؓ نے حرام فرمایا ہے۔ ورنہ متعہ شریعت نبوی میں جائز تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ متعہ کی حرمت خود جناب امیرؓ کی روایت سے ثابت ہے۔ اور نیز جناب امیرؓ کی روایت سے ثابت ہے کہ آپؐ نے متعہ کے باب میں حضرت ابن عباسؓ پر رد کیا۔ اور ان کو الزام دیتے ہوئے فرمایا۔ تو دیوانہ آدمی ہے اور خود جناب ابن عباسؓ اس علم کے بعد متعہ کو خوک مردار اور خوان کے کھانے کے برابر سمجھتے تھے کہ یہ چیزیں درحقیقت حرام ہیں۔ مگر غائر اضطراب کی حالت میں ان کا کھانا بھجوری روا ہے۔ یہی حال متعہ کا ہے۔

بات یہ ہے کہ متعہ کو خود جنگ طاؤس کے بعد سے جناب سول خدا نے حرام فرما دیا تھا۔ اور حکم ہو گیا تھا کہ متعہ قیامت تک حرام ہے (بعض شیعہوں کا یہ کہنا کہ جنگ خیبر میں متعہ پھر حلال ہو گیا۔ بالکل غلط ہے) مگر بعض لوگوں کو اس کی حرمت معلوم تھی۔ اور بعض کو معلوم نہ تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت تک یہی حال رہا۔ کہ ناواقف لوگ متعہ کرتے رہے۔ آپؐ نے بالکل اس کے انسداد کے واسطے فرمایا کہ متعہ حرام ہے قیامت تک۔ اس کے بعد

جو شخص متعہ کر لیا۔ اُس پر حد جاری کی جائیگی۔ ہمیں متعہ کی بحث کو طول دینا منظور نہیں۔ اور نہ یہاں ہماری یہ غرض ہے۔ ہماری غرض یہ ہے کہ شیعہ لوگ اہل سنت کو دھوکا دینے کے لئے بہت کچھ باتیں بڑھاتے دیتے ہیں۔ چنانچہ متعہ کی بابت بھی کہتے ہیں کہ متعہ حلال تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کو حرام کر دیا ہے۔

ہم اسے اس مختصر بیان میں اُن کی غلطی معلوم ہو جائے گی۔ اور اہل سنت سمجھ لیں گے کہ متعہ حرام ہے۔ اور اُس کی حرمت ائمہ اہل بیت سے بھی ثابت ہے۔ شیعہ صرف حضرت عمرؓ کی مخالفت کے سبب اس مجھے فعل کے مرتکب ہو رہے ہیں اور یہ اُن کا عام رویہ ہے کہ باوجود اس کے کہ کثر امور اُن کے یہاں بھی بالاتفاق ممنوع ہیں۔ مگر اہل سنت کی مخالفت اُن کے ارتکاب پر انہیں مجبور کرتی ہے۔ اسی طرح متعہ آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ سے حرام ہے۔ لیکن صرف حضرت عمرؓ کی مخالفت کے سبب وہ اُس کو حلال اور باعثِ ثواب جانتے ہیں۔ اور مثل اور آیات کے متعہ کی حرمت کی آیات میں بھی ایسی تحریف کرتے ہیں کہ معاذ اللہ! چنانچہ اسی متعہ کے باب میں نمونہ کے طور پر میں ایک قرآنی آیت پیش کرتا ہوں جس میں اُنہوں نے غضب کی تحریف کی ہے۔ وہ یہ ہے۔ فَمَا اسْتَمَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ ذَاتُوهُنَّ اِجْعَلْنَ لَهُنَّ فِرَاجًا مُّشْتَرِکًا یعنی جو کچھ کام میں لادو۔ اُن عورتوں کے خود اُن کو اجرت اُن کی مقرری۔ اول تو شیعہ اس آیت سے متعہ کی حلت ثابت کرتے ہیں۔ مگر بیٹا میں کامیاب نہیں ہوتے۔ اور جب جواب میں کہا جاتا ہے کہ مراد استماع سے فائدہ پانا ہے۔ یعنی صحبت اور دخول بدلیل کلمہ فاکہ واسطے تعقیب کے ہے۔ تو وہ اس آیت کو اس طرح تحریف کرتے ہیں۔ فَمَا اسْتَمَعْتُمْ مِنْهُنَّ اِلَىٰ اَجَلٍ مُّسَحًّیٍّ ترجمہ، پس یہ کہ فائدہ پکڑو تم اُن عورتوں سے مدت مقررہ تک اور کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباسؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ نے دپردہ الی آیت کو اسی طرح پڑھا ہے شیعہ کا یہ مزج بتان اور اقترا ہے کسی قرآن میں یہ آیت اس طرح نہیں۔ پس یہ اُن کی فریب ہی اور دھوکا بازی ہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْهَا۔

~~~~~


تقیہ کی بحث

تقیہ کے باب میں مصنف علامہ نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ اگرچہ طالب تحقیق کے لئے وہ کافی و کافی ہے۔ اور منکر کے لئے مسکت، تاہم ہم نے مناسب جانا۔ کہ اس موقع پر فریق مخالف کی روایات متبرہ نقل کر کے یہ ثابت کر دیں کہ تقیہ حقیقت اُن کے نزدیک بھی نہایت مذموم اور منافقانہ فعل ہے۔ اور اس سے حضرات ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم تمام و کمال بیزار و متنفر تھے۔ اہل شیعہ جو اُن بزرگوں کی نسبت و اذنان تقیہ اختیار کرنے اور اُس کو اپنے اور اپنے تابعین کے حق میں مفید سمجھنے کی طرف کرتے ہیں حقیقت میں یہ اُن بزرگواروں کے ساتھ انتہا درجہ کی گستاخی اور اظہار کینگی ہے۔ یہ تو مخالفین کو معلوم ہی ہے کہ اہل لہذا تقیہ سے بیزار اور اُس کی مذمت کرتے ولے ہیں۔ اور اگر کسی شیعہ نے اُس کی نسبت کسی سنی عالم کی طرف کی ہے۔ تو اُس نے خود اپنا منہ کھکھکایا ہے۔ اس لئے کوئی عقلمند یہ خیال بھی نہیں کر سکتا کہ جو شخص تقیہ کو برا سمجھنے والوں سے ہو۔ وہ خود اپنی تصنیف میں تقیہ کی مدح کرے۔ اور اُس کو کسی سنی کے حق میں جائز سمجھے۔ لہذا ہم اقوال اہل تسنن سے جو اس بات میں ارد ہیں۔ قطع نظر کرتے ہیں۔ اور اس طول فضول سے بچ کر صرف علمائے شیعہ کی کتابوں سے بالاختصار تقیہ کا مذموم ہونا ثابت کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ شاید الہی گمراہ کا ہاتھ پکڑ کے صراطِ مستقیم اہل حق و یقین پر لا ڈالے۔ وہو المامول۔

نہج البلاغہ سے نقیہ کی تردید

کتاب نہج البلاغہ میں حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی نص صریح تقیہ کی مذمت میں موجود ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آپؑ نے فرمایا عذرمتہ الا یمان ایثارک الصدق حیث یضرب علی الکذاب حد یث یثفعک ایمان کی علامت یہ ہے کہ تو سچ بولنے کو مقدم کرے ایسے مقام پر جہاں تیرا ضرر متصور ہو۔ جھوٹ بولنے پر ایسے مقام میں جہاں تجھ کو فائدہ پہنچنے

کی اُمید ہو۔ یہ نفس صاف ظاہر کرتی ہے کہ تقیہ کرنے والے کا ایمان نہیں سونہ
مومن کی شان یہ ہے کہ وہ نقصان پہنچنے کے مقام پر بھی تقیہ نہ کرے۔ اور
سچی بولے۔

نیز رنجی نج البلاغت میں حضرت امیرؓ سے ایک روایت لایا ہے۔ جو تقیہ
کو بالکل باطل کرتی ہے۔ وهو هذا، قال امیر المومنین اِنِ وَاللّٰه
بِوَقِیْتِهِمْ وَاحِدٍ وَهُمْ طَلَعُوا الْاَرْضَ كُلَّهَا مَا بِالِیْتِ وَلَا
اَسْكُو حَشْتٍ وَاِنِ مِنْ ضَلٰوٍ لِّتَجْعَلُ اِلٰی هُوَ فِیْهَا وَاحِدٌ
وَالَّذِیْ اَنَا عَلَیْكَ لَعَلِّیْ بِصِحِّیْنِۃٍ مِنْ نَفْسِیْ وَیَقِیْنِ مِنْ سِرِّیْ
اِنِ اِلٰی لِقَاءِ اللّٰهِ وَحَسَنَ ثَوَابٍ لِّمَنْتَظَرٍ رَاۤیَ امیر المومنینؓ نے
فرمایا۔ خدا کی قسم اگر میں آپ کا مقابل ہوں۔ اور وہ روئے زمین بھر کر ہوں تو میں
ہرگز پرواہ اور خوف نہ کر دوں گا۔ اور میں بے شک اُن کی گمراہی پر جس پر وہ ہیں۔
اور اپنی ہدایت پر جس پر میں ہوں۔ پورا خبردار ہوں۔ اپنی نفس سے اور یقین سے
اپنے پروردگار کے اوپر۔ اور میں بے شک اللہ کی ملاقات اور اُس کے حسن
ثواب کا منتظر اور اُمیدوار ہوں۔

پس جو شخص تمام روئے زمین کے دشمنوں سے تنہا جنگ کر سکتا ہو
اور بالکل نہ ڈرے وہ کیونکر تقیہ کر سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جناب امیرؓ بھی
تقیہ کو باطل سمجھتے تھے۔ اور آپؓ نے کبھی اور کسی وقت تقیہ نہیں کیا۔ نہ زمانہ خلافت
خلفائے ثلاثہ میں۔ اور نہ اُس کے بعد اور نہ کبھی آپؓ کی اولادِ اِحیاء علیہم السلام
نے تقیہ کیا کسی طرح اور نہ ہی روایتیں بطلانِ تقیہ میں جناب امیرؓ سے وارد
ہیں۔ جو شیعہ کی معتبر کتابوں مثل نج البلاغت اور کافی وغیرہ میں منقول ہیں
اُن میں سے کچھ روایات بطور نمونہ کتب لمئے اہل لہنت مثل صواعقِ محرقة اور
تحفہ اثنا عشریہ اور آیاتِ بینات وغیرہم میں اتمامِ حجت کے طریق پر درج
ہیں۔ غلبہ طلبِ ثمرہ، اور سنئے جناب امیرؓ کے تقیہ کے باب میں بھی اہل تشیع
میں باہم اختلاف ہے۔ جمہور شیعہ کہتے ہیں کہ قبلِ حاکم ہونے کے تقیہ جناب امیرؓ

لے بعض کہتے ہیں تقیہ حاکم سے ہو گیا ہے۔ محکوم اور ملتہ الناس کہیں ۱۲

پر واجب تھا۔ اُس کے بعد نہیں۔ اور سید مرتضیٰ کہ جملہ امامیہ سے ہیں۔ وہ قائل ہیں کہ بعد حاکم ہونے کے بھی جناب امیر پر تقیہ واجب ہے۔ ہم تو ان کی دونوں باتوں کو گورِ شتر سمجھتے ہیں۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ جناب علیؑ نے کبھی تقیہ نہیں کیا۔ اور آپ تقیہ کو نہایت مذموم سمجھتے تھے۔ اُن کی ذات اس سے ارفع تھی کہ دین کے مقدمہ میں ضمیر کے خلاف ظاہر کرتے۔ آپؑ نے بخوشی تمام اصحابِ ثلاثہ کی خلافت کو تسلیم کیا۔ ہر امر میں اُن کے شریک معاون اور مددگار رہے۔ اگر اُن کی کوئی بات آپ کے خیال و رائے میں خلاف معلوم ہوئی۔ تو آپؑ نے فوراً اُس سے مخالفت کی اور اپنا خلاف ظاہر کر دیا۔ پھر جب ظاہر ہوا کہ آپؑ خلاف حقیقت میں آپؑ کی رائے کی غلطی سے تھا۔ تو اُسی وقت علیؑ اس الاشہاد۔ آپؑ نے اُس سے رجوع کیا۔ پھر اگر تقیہ جائز ہوتا۔ تو سب سے زیادہ موقع حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کو تقیہ کرنے کا حاصل تھا۔ کہ آپؑ کے ہمراہ سفر میں صرف ستر بہتر آدمی تھے۔ اور ناموس اہل و عیال کا بھی خیال تھا۔ ادھر یزید پلید کا لشکر تیس ہزار کی تعداد میں تھا۔ جو آپؑ سے لڑنے کو بھیجا گیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اتنی افواج کثیرہ کے مقابلہ میں صرف ستر یا بہتر آدمیوں کی کیا گنتی تھی۔ مگر آپؑ نے ایسا نہیں کیا۔ اور جب آپؑ کو معلوم ہو گیا کہ یزید فاسق فاجر مخالف شریعت ہے۔ تو آپؑ بلا دھڑک آمادہ جنگ ہوئے۔ حتیٰ کہ درجہ شہادت پایا۔ اور آپؑ کے ہمراہی بھی شہید ہو گئے۔

یزید صرف آپؑ سے یہی چاہتا تھا کہ آپؑ اُس کی بیعت قبول کر لیں۔ فقط اتنی بات کے ماننے سے آپؑ کی جان و مال کی حفاظت ہوتی تھی۔ چونکہ آپ تقیہ کے جائز ہونے کے معتقد نہ تھے۔ لہذا آپؑ نے سر اور جہر ایزید کی مخالفت کی۔ اور اپنے خویش و اقارب اور جان و مال سب کو راہِ حق میں نثار کر دیا۔ فرضی اللہ عنہم و عن احبابہم

تقیہ کے متعلق ایک واقعہ

مرفقہ اسبیل کے ایک شیعی ملّا سے میری ملاقات تھی۔ اور کبھی کبھی وہ میرے

پاس آتا جاتا تھا۔ ایک دفعہ اثنائے گفتگو میں علمی مذہبی بحث ہو پڑی۔ اس بحث کے شروع ہوتے ہی پہلا جملہ جو اُس کی زبان سے نکلا یہ تھا۔ التَّقِیَّةُ دینی و دین ایاتی یعنی تقیہ کرنا میرا اور میرے بزرگوں کا دین ہے۔ میں نے کہا جب آپ اس بحث میں تقیہ کو استعمال فرمائیں گے یعنی حقیقت الامر کو چھپا کر اپنے ضمیر کے خلاف باتیں کریں گے۔ تو اوّل نو بحث کا خاتمہ مشکل ہے۔ دوسرے فیصلہ میرے حق میں ہو گا۔ اور آپ تقیہ کے طور پر ہی زبان میں لیں گے۔ دیکھئے تقیہ کیسی بُری چیز ہے۔ کہ انسان کو اظہار حق سے سکت و صامت کرتا۔ اور شیروں کو بزدل اور ڈرپوک بناتا۔ اور ہر ایک معرکہ میں ہرا دیتا ہے۔ افسوس کہ آپ ایسے مذموم فعل کو واجب سمجھتے ہیں۔ اور اُس کی نسبت ائمہ کرام خصوص جناب امیرِ مومنین اور جعفر صادقؑ کی طرف کرتے ہیں۔

شیعی ملا نے جواباً کہا۔ تقیہ تو ہمارے ہاں واجب ہے، خواہ وہ ہر اے یا جتا دے۔ ہم اُس کا ثبوت صرف جناب امیرِ مومنین کی نصوص سے نہیں کرتے ہیں کیونکہ آپ لوگ انہیں کی کتابوں سے اُس کی تردید کرتے ہیں۔ بلکہ ہم قرآن کی آیت سے تقیہ ثابت کرتے ہیں۔ دیکھو خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰى كُمْ ہمارے شیعی علماء نے اس آیت کے یہی کئے ہیں کہ مومنین میں خدا کے نزدیک اُسی کی کرامت اور بزرگی زیادہ ہے۔ جو زیادہ تقیہ کرتا ہے۔ میں نے کہا اگر اس کے یہی معنی ہوں۔ تو لازم آتا ہے کہ حضرت زکریاؑ یا حضرت یحییٰؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ علیہم السلام جنہوں نے بالاجماع تقیہ نہیں کیا۔ ہرگز خدا کے نزدیک بزرگ اور مکرم نہ ہوں۔ اور جمیع منافقین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ میں تھے۔ خدا کے نزدیک ان سے زیادہ بزرگ و مکرم ہوں۔ یہ سن کر شیعی ملا ایسا خاموش ہوا کہ پھر اُسے گفتگو کا یا ر نہ رہا۔

غرض تقیہ کے بطلان اور مذہب میں ہزاروں بدیہی دلیلیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تقیہ بالکل داسیات اور تباہی خیز فعل ہے۔ انبیاء اور بزرگانِ خدا نے کبھی تقیہ نہیں کیا۔ اور نہ اُس کو جائز جانا۔ یہ شیعوں کی من گھڑت باتیں ہیں۔

ایمان کی حقیقت اور اس کے مفہام کی بیان

تفسیر عزیزی میں تحت آیہ کریمہ **لَوْ مُنُونٌ بِالْغَيْبِ** کے مرقوم ہے کہ ایمان عرف شرع میں تصدیق کو کہتے ہیں۔ یعنی اُن تمام باتوں کو سچا جاننا جو یقینی طور پر ہم کو دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہونے کا علم ہے۔ اس واسطے کہ قرآن کریم میں جا بجا آیا ہے کہ ایمان دل کا فعل ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ **وَقُلُوبُهُمْ مُّطْمَئِنُّنٌ بِالْإِيمَانِ** اور **كُتِبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانُ** اور **لَمَّا يَدْخُلُ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ** اور ظاہر ہے کہ دل کا کام سوائے تصدیق کے کچھ نہیں۔ پھر قرآن میں کہیں تو ایمان کو عمل صالح سے مقرون کیا ہے جیسے اس آیت میں۔ **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** اور کہیں ان اعمال سے جو ماضی سے متعلق ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں **وَأَنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا** اور **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَتَّخِذُوا** تو اس سے معلوم ہوا کہ نفس ایمان میں کسی قسم کے عمل کو خواہ وہ نیک ہو یا بد کوئی دخل نہیں۔ اور اگر قرار ہو تصدیق اُس کے ہمراہ نہ ہو۔ تو قرآن شریف میں ایسے اقرار کی مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ **وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ** اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم خدا پر اور روزِ آخرت پر ایمان لائے ہیں۔ اور حقیقت وہ مومن نہیں ہیں۔ (یعنی زبانی اقرار کرتے ہیں۔ ولی تصدیق اُس کے ہمراہ نہیں ہے) تو ثابت ہوا کہ اقرار محض ایک حکایت ہے۔ اس ایمان سے اُس کو تعلق نہیں ہاں اگر اقرار زبانی محلی عنہ یعنی تصدیق کے ہمراہ ہو۔ تو قابلِ پذیرائی ہے۔ ورنہ کفر و حذق اور زور و فریب ہے۔

ایمان کے وجود میں قسَم ہیں

وَجُودِ عِینِی

اور یاد رکھو کہ جس طرح ہر چیز کے لئے تین قسم کے وجود ہوتے ہیں

عینی۔ ذہنی۔ اور لفظی۔ اسی طرح ایمان کے لئے بھی تین وجود ہیں۔ پھر جس طرح ہر چیز کا وجود عینی اُس کی اصل ہوتا ہے۔ باقی وجودات اُس کی فرع اور تابع اُسی طرح ایمان شرعی کا بھی وجود عینی اصل ہے۔ باقی ہر دو وجود فروعات و توابعات۔ پس ایمان کا وجود عینی وہ نور ہے۔ جو دل میں پیدا ہوتا ہے بسبب رفع ہونے اُن حجابات کے جو ایمان و حلق کے مابین حائل ہوتے ہیں۔ یہی نور ہے۔ جس کا ذکر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک لطیف پیرایہ میں کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا
مَثَلُ نُورٍ كَمِشْكُورٍ فِيهَا مَصْبَاخٌ ثُمَّ اس آیت اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اِخْرَجُوْهُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ میں اس کا سبب بیان فرمادیا ہے

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لینے کے قابل ہے کہ نور ایمان بھی دوسرے تمام انوار محسوسہ کی مانند۔ قوت و ضعف۔ اشتداد و انتفاص قبول کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِذَا تَلٰیثٌ عَلٰی حُرٰ اٰیٰتُہٗ زَادَتْ شَہَدَ اٰیْمَانًا یعنی جب اُن پر خدا کی آیات پڑھی جاتی ہیں۔ تو اُن کے ایمان میں زیادت ہو جاتی ہے یعنی اُن کا ایمان قوی ہو جاتا ہے۔ اور دل نور میں ترقی ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ اصل ایمان یعنی تصدیق قلبی میں زیادتی و نقص متصور نہیں۔ کما سیاقی (حتیٰ کہ نور ایمان اوج کمال پر پہنچ جاتا ہے۔ اور منبسط و فراغ ہو کر تمام قوی اور اعضا کو احاطہ کر لیتا ہے۔ یہاں پہنچ کر اُس کو انشراح صدر ہوتا اور حقائق اشیا پر پوری آگاہی ہو جاتی ہے۔ اور اُس کے قوتِ مدرکہ پر غیوب الغیوب کی تجلی ہونے لگتی ہے۔ اُس وقت وہ ہر چیز کو اپنے موضع و مقام پر ملاحظہ کرنے لگتا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام اور اُن کے خیار کی تصدیق اُس کے لئے وجدانی ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے تمام کام عین مطابق امر الہی کے ہوتے ہیں۔ اور وہ ہر مخطوط شرعی سے ذورہاگتا ہے۔ اس حالت میں احسانِ فاضلہ اور ملکاتِ حمیدہ اور اعمالِ صالحہ متبرکہ کے انوار نور معرفت سے آمیزش پا کر اور ایک جگہ جمع ہو کر اُس کے شبستانِ ظلمت پر میوۂ شہوت میں طرفہ چراغاں روشن کرتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں اسی جانب اشارہ ہے،

نور ایمان سے حقائق اشیا پر آگاہی

نُورُهُمْ دِيْنُ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ اُنْ كَا نُوْرَانِ كَ اَنْگے
اور سید سے باز و دور تا پھرتا ہے۔ اور ایک جگہ فرمایا۔ نُوْرٌ عَلٰی لُحُوْرٍ یَّهْدٰی
اِلَیْهِ لِنُوْرِہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَنْتَرِبُ اِلَیْہِ اَمْثَالُ رُوْشْنٰی اُوپر روشنی کے
ہدایت کرتا ہے اللہ اپنے نور کی جس کو چاہتا ہے۔ اور بیان کرتا ہے۔ مثالوں
کو۔

وجود ذہنی اور اُس کے دو مرتبہ

اور ایمان کا وجود ذہنی دو مرتبے رکھتا ہے۔ اول یہ کہ معارف متجلیہ
اور غیوب منکشفہ کا کلی طور پر ملاحظہ اجمالی ہوتا۔ چنانچہ مفاد کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ
اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا یہی ہے۔ اس ملاحظہ کا نام تصدیق اجمالی
ہے۔ دوسرے یہ کہ افراد غیوب متجلیہ اور معارف و حقائق منکشفہ کے ہر فرد
کا تفصیلی ملاحظہ حاصل ہو۔ مع اُس کے تمام روابط متعلقہ کے اس کا نام تصدیق
تفصیلی ہے۔

وجود لفظی

ربا وجود لفظی ایمان کا تو اُس کو اصطلاح شارع میں شہادتین کہتے
ہیں۔ اور یہ امر پوچھنا شیعہ نہیں کہ کسی چیز کا وجود لفظی بدوں تحقیق اُس کی حقیقت
کے کچھ فائدہ بخش نہیں ہوتا۔ ورنہ پانی کا نام لینا پیاسے کو سیراب اور روٹی کا
نام لینا بھوکے کو شکم سیر کر دیتا ہے۔ لیکن ایمان میں وجود لفظی یعنی شہادتین کا
اس سبب سے رتبہ عظیم اور مدخل جیم ہے کہ اظہار مافی الضمیر یعنی تصدیق قلبی کے
ظاہر کرنے کی بدون اُس کے کوئی صورت عالم بشریت میں امکان نہیں رکھتی۔
یہی باعث ہے کہ تلفظ بہ کلمہ شہادت سے بظاہر آدمی کے ایمان پر حکم لگایا
جاتا ہے۔ چنانچہ حضور نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے اُمِّتُ اَنْ
اَقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا اِلَہِ اللّٰہُ فَاِذَا قَالُوْہَا عَمِیْمُوْا
مَنْی دِمَآءُہُمْ وَاَمْوَالُہُمْ اِلَّا بِحَقِّہَا وَیَسَابِہُہُمْ عَلٰی اللّٰہِ

مجھے حکم ہوا ہے کہ لوگوں میں قتال برپا رکھوں۔ یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں۔ پس جب یہ کلمہ مذکورہ پڑھ لیں۔ تو بچالیں مجھ سے جانوں اور مالوں کو ساتھ حق اُس کے اور حساب اُن کا اور پر اللہ کے ہے۔ جل جلالہ ۛ

ایمان میں یادت اور نقصان

اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ ایمان کے زیادت و نقصان کے کیا معنی ہیں۔ اور یہ کہ قوت و ضعف ایمانی کس کو کہتے ہیں۔ اور نیز واضح ہو گیا۔ کہ حدیث میں جو وارد ہے۔ لایزنی الزانی حین یزنی و هو مؤمن۔ اور الحیاء من الایمان اور ولا یومن احدکم حتی یامن جاسرہ یوثق۔ یہ اور اس قسم کی تمام حدیثیں کمال ایمان پر محمول ہیں۔ اپنے وجود عینی میں۔ جو لوگ زیادت و نقصان کی نفی کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک مراد ایمان سے وجود عینی ایمان کا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ فہم ہے۔ اور اُس میں ضعف و قوت اور کمال و نقصان متصور و متحقق ہے۔ بلکہ مراد اُن کی وجود ذہنی کا مرتبہ نخستین یعنی لفظ اجمالی غیبی و تجلیہ اور معارف منکشفہ کا۔ اور ظاہر ہے کہ اس تصدیق اجمالی میں زیادت و نقصان نہیں۔ کیونکہ نفس تصدیق میں زیادت و نقصان غیر ممکن ہے۔ اس صورت میں کوئی نزاع اور خلاف مابین فریقین کے نہیں رہتا ۛ

ایمان کے قسم متغیر

اور ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ تقلیدی، اور تحقیقی، پھر تحقیقی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ استدلالی و کشفی۔ پھر ان میں سے ہر ایک قسم منقسم بہ دو قسم ہے۔ ایک وہ جو انجام رکھتا یعنی اپنی حد سے تجاوز نہیں کر سکتا ہے۔ دوسرے وہ جو انجام

لے مثلاً کوئی شخص کسی کو مار ڈالے یا زنا کرے حکم شرع اُس پر قصاص اور حد وارد ہوگی۔ یا اگر کسی کا مال لے لیا۔ دیوایا یا بیگا۔ اور حساب ان کا اللہ پر یعنی ہم حکم ظاہر سلام پر کریں گے اگر دل میں کفر وغیرہ رکھتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں سب سے لیگا ۛ مظاہر حق صفحہ ۳۰

نہیں رکھتا۔ اول کو علم یقین کہتے ہیں۔ اور دوسرا دو قسم ہے۔ ایک وہ جو شاہدہ سے متعلق ہے۔ اُس کو عین یقین کہتے ہیں۔ دوسرا جو شہود ذاتی سے متعلق رکھتا ہے۔ اُس کو حق یقین کہتے ہیں۔ لیکن دو قسم اخیر یعنی عینی اور حقی ایمان بالغیب میں داخل نہیں ہیں۔

ایمان بالغیب

اور جاننا چاہئے کہ ایمان بالغیب ہی مقبول پسندیدہ و کارآمد ہوتا ہے۔ اور جمہور ذی عقل اسی ایمان کے ساتھ مکلف ہیں۔ اور خدا نے متقین کی پہلی صفت ہی ایمان قرار دی ہے کہ یومنون بالغیب یعنی متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لائے ہیں۔ اور غیب اُس چیز کو کہتے ہیں جس کی دریافت اور ادراک حقیقت سے حواس ظاہرہ و باطنہ دونوں عاجز ہوں۔ جیسے ذات و صفات پروردگار عالم اور حقیقت فرشتگان و روزِ آخرت اور نیز وہ چیزیں جو قیامت اور اُس کے بعد ہونے والی ہیں۔ مثل حشر اجماع۔ وژن اعمال۔ مرد و سراط، جنت و دوزخ وغیرہ اور قدسائے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایمان بالغیب کو دوسرے معنوں پر حمل فرمایا ہے۔

ایمان بالغیب کی فضیلت پر ایک قصہ صحیحہ

حضرت عبداللہ ابن مسعود سے بروایت احمد اور بروایت حاکم اور دیگر محدثین کے ثابیت ہے کہ حارث ابن قیس نے ایک وژن کو کہا کہ ہمیں بعض ان باتوں کا جو ہم سے فوت ہوئیں۔ اور تم کو حاصل ہوئیں۔ بہت افسوس اور حسرت ہے۔ اے یاران محمد تم آنحضرت کے دیدار و رحمت آثار سے مشرف ہوئے۔ اور ہمیں یہ شرف نصیب نہیں ہوا۔ عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا۔ ہم بھی اُس چیز پر حسرت و افسوس کرتے ہیں۔ جو ہم سے فوت ہوئیں۔ اور تم کو حاصل ہو گئیں۔ وہ یہ کہ تم ناویدہ آنحضرت پر ایمان لائے۔ بخدا کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس شخص کے نزدیک نہیں ہے آپ کو دیکھ لیا۔ آفتاب سے تیار تر ہے۔ ایمان

حقیقت میں تمہارا ایمان ہے۔ پھر انہوں نے سورہ بقرہ کو مفلحان تک تلاوت فرمایا۔ اور یہ مضمون یہ تلاوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس طرح ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ مجھ سے بیان کرو کہ کن لوگوں کا ایمان افضل ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ فرشتوں کا ایمان۔ آپؐ نے فرمایا فرشتوں کے ایمان کو کون چیز مانع ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کا مرتبہ پورے طور پر جانتے ہیں اور تم فرشتوں کے مرتبہ کو جانتے ہو کہ خدا کے نزدیک ان کا کیا مرتبہ ہے۔ پھر عرض کیا۔ اسے حضور پیغمبروں کا ایمان افضل ہے۔ فرمایا کہ پیغمبروں کے ایمان میں کیا عجب ہے۔ خدا نے تو ان کو تو اپنی رسالت و نبوت سے ممتاز بھی کیا ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ ان بزرگوں کا ایمان افضل ہے۔ جو انبیاء کی خدمت میں حاضر رہ کر اپنی جان کو دین پر نثار کرتے رہے۔ حتیٰ کہ فائز بہ مرتبہ شہادت ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس میں بھی کوئی عجب نہیں۔ وہ انبیاء کی محبت سے مشرف تھے۔ اور اس طرح انہوں نے انبیاء کے اوصاف و اطوار کو دیکھ کر پورا یقین حاصل کر لیا۔ پھر صحابہؓ عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپؐ ہی فرماتے کہ کن لوگوں کا ایمان زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ان لوگوں کا ایمان جو ابھی باپوں کی صلابت میں ہیں۔ اور پیرے بعد پیدا ہونگے۔ اور مجھ پر ایمان لائیں گے۔ حالانکہ انہوں نے مجھ کو نہیں دیکھا ہے۔ صرف چند سیاہ کردہ اوراق ان کو نظر پڑ گئے۔ پس یہ سبب توت ایمان کے انہوں نے اس نوشتہ پر عمل کیا۔ اس گروہ کا ایمان افضل ہے دوسروں سے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے

پانی نکلتا

اسی قصہ کو طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس طرح روایت کیا ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں صبح کو

اٹھے۔ اور فرمایا۔ پانی ہے۔ تاکہ وضو کروں۔ لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جگہ پانی نہیں ہے۔ فرمایا۔ کسی کے پاس پینے کا پانی بھی ہے۔ لوگوں نے ایک آنچورہ پانی سے بھرا ہوا لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اُس آنچورہ میں انگلیاں ڈالیں۔ اور حضرت بلالؓ کو فرمایا کہ شکر میں تدا کر دو کہ لوگ آکر وضو کریں۔ لوگ آتے تھے۔ اور حضورؐ کی انگلیوں کے درمیان سے وضو کرتے تھے۔ پانی آپؐ کی انگلیوں سے قوارہ کی مانند جوش مارتا تھا۔ ابن مسعودؓ اُن لوگوں میں اُس پانی کے پینے میں مشغول تھے۔ اور بار بار پیتے تھے۔

جب تمام شکر وضو سے فارغ ہو گیا۔ آنحضرتؐ اٹھے۔ اور صبح کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اے لوگو! بندگانِ خدا میں کون سا ایسا فرقہ ہے جس کا ایمان فصیلت و عجوگی رکھتا ہے۔ عرض کیا۔ فرشتوں کا ایمان، فرمایا۔ وہ تو امر و نہی خدا کا پہنچاتے ہیں۔ وہ خود کیوں نہیں ایمان لائیں گے پس اُن کے ایمان میں کیا عجب ہے۔ عرض کیا پیغمبروں کا ایمان۔ فرمایا۔ کہ پیغمبروں پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے۔ وہ کیونکر ایمان نہ لائیں گے۔ عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپؐ کے یاروں۔ یعنی صحابہؓ کا ایمان۔ فرمایا۔ میرے یار کیوں نہیں ایمان لائیں گے۔ میں تو خود اُن کے ہمراہ موجو ہوں۔ اور وہ ہر لحظہ و ہر لمحہ مجھ سے جو کچھ دیکھتے ہیں۔ دیکھتے ہیں۔ پھر فرمایا۔ اُن لوگوں کا ایمان عجوگی و فصیلت رکھتا ہے کہ جو میرے بعد آئیں گے۔ اور نادیدہ مجھ پر ایمان لائیں گے۔ اور میری تصدیق کریں گے۔ وہی لوگ میرے بھائی ہیں اور تم میرے یار ہو۔

داؤد طرابلسی نافع سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس آیا۔ اور کہا۔ یا ابا عبد الرحمن تم نے اپنی آنکھوں سے حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار مبارک دیکھا ہے۔ جواب دیا۔ ہاں اُس نے کہا۔ تم اپنی اس زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم کلام بھی ہوئے ہو۔ جواب دیا۔ ہاں۔ پھر کہا۔ تم نے اپنے ہاتھوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے بیعت بھی کی ہے۔ جواب دیا۔ ہاں۔ یہ سن کر اُس شخص پر وجد کا عالم ہو گیا۔ اور کہا۔ آپ بڑے خوش نصیب ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میں تم سے ایک بات کہتا ہوں۔ وہ یہ کہ میں سنا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے۔ وہ شخص خوش حال ہے جو مجھے دیکھ کر ایمان لایا۔ اور خوش حال ہے پھر خوش حال ہے۔ پھر خوش حال ہے وہ شخص کہ نا دیدہ مجھ پر ایمان لایا۔ اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ایک جماعت میری اُمت میرے بعد پیدا ہوگی۔ کہ میری محبت میں اس قدر فریقہ ہوگی کہ اگر ممکن ہو تو میرے بیدار کو مال و ممال اور اہل گھر خرید لیں۔ غرض ایمان بالغیب کا خواہ کسی قسم کا ہو۔ بڑا مرتبہ و فضیلت ہے۔ اور علمائے اُمت کا قول ہے کہ ایمان ہی مقبول ہے۔ جو بن دیکھے۔ اور بندہ کے اختیار اور قصد سے ہو۔ اور اس لئے ہو کہ اس کے بعد بندہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مستقیم رہیگا۔ اور طاعات الہی پورے طور پر سجاوئے گا۔

ایمان باس مقبول نہیں

عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے۔ وَ اِيْمَانُ الْبَاسِ غَيْرَ مَقْبُولٍ یعنی اُس وقت کا ایمان لانا غیر مقبول ہوگا جب سکرانِ موت میں مبتلا۔ اور احوالِ آخرت کا معائنہ کرتا ہو۔ کیونکہ لغت میں باس کے معنی شدت و مذاکے ہیں۔ اور احادیث سے ثابت ہے کہ بندہ موت کے وقت اپنا مقام دیکھ لیتا ہے کہ اُس کی جگہ بہشت ہے یا دوزخ۔ اس حالت میں ایمان لانا غیر معتبر ہے کہ یہ ایمان بغیب اور باختیار نہیں ہے۔ بلکہ ایمان اضطراری ہے۔ چنانچہ قیامت میں تمام کفار پکار اٹھیں گے۔ رَبَّنَا ابصرنا وسمعنا فارجعنا فعمل صالحا انا موقنون الی ہمارے آنکھیں بنیا اور کان شنوا ہو گئے اب ہم نے یہ یقین جان لیا کہ تیرے محترم پیغمبروں نے تیری طرف سے جو خبر دی تھی۔ اور تیری کتاب میں جو کچھ لکھا تھا۔ وہ حق ہے۔ پس ہمیں دُنيا

میں پھر بھیج دے کہ ہم اعمال صالحہ کریں۔ بے شک ہم یقین لانے والے ہیں۔

اُس وقت کفار کا یہ استدرا و اعتراف مفید نہ ہو گا۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ ان الله يقبل توبته العبد ما لم يغفر عن بے شک اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ کو قبول کرتا ہے۔ جب تک اُس پر صحت موت اور شدت سکرات طاری نہ ہو،

اور قرآن حکیم میں ہے فَلَمَّا يَلِكْ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاُوْا بَاسَنَا نَبِيْنَ فَاُتُوْا بِكَ اَنْ كُوْنُكَ اِيْمَانٌ جَبْثٌ لِّبَا اُنْهَوْنَ فَمَا رَاُوْا عَذَابَ كُوْنِ اِسْ اَيْتِمْ مِرَادُ رُوِيْتِ بَاسٍ سَمْعًا مَاتِ قِيَامَتِ كَا مَلَا حِظْ كَرْنَا هُيْ۔ جِسْ طَلُوْعِ شَمْسٍ اَزْ جَانِبِ مَغْرِبِ اَوْ رِيَانِ اُسْ كَا بِ تَفْصِيْلِ عَقَائِدِ تَوْحِيْدِيَّتِي مِيْنِ كَذَرَا هُيْ۔ دِكْهُوْ صَفْ۔

لیکن ذیل کی آیت صریح اس امر پر وال ہے کہ اختصار یعنی حضور موت کے وقت ایمان غیر مقبول ہے۔ لَيْسَتْ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ حَتّٰى اِنْ تَدِيْتُ اَنْ لَّا نَبِيْنَ هُيْ تُوْبَةُ اُنْ لُّوْكَوْنَ كُيْ جُوْكَنَاہُ كَرْتِيْ هُيْ۔ حَتّٰى كُيْ اُنْ مِيْنِ سَمِيْ اِيْكَ كُيْ پَاسِ مَوْتِ اَكْهَرِيْ هُوْنِيْ۔ تُوْ دَكْهَرَا كُيْ لُكَ بَ شَكْ مِيْنِ اَبِ تُوْبَةُ كَرْتَا هُوْنَ۔ غَرْضِ حَالَتِ بَاسِ مِيْنِ اِيْمَانِ دَانَا۔ اَوْ رَكْنَا هُوْنَ سَمْعِ تُوْبَةُ كَرْنَا غَيْرِ مَقْبُوْلِ هُيْ۔ اَوْ رَاسِيْ طَرَحِ حَالَتِ غَرْزِ هُوْنَ۔ بِيْ هُيْ نَذَرِ بَ تَمَامِ فُقْهَا اَوْ رَا شَا عَرِہ اَوْ رَا تَرِيْدِيْہ كَا۔ بَعْضِ كَمْتِيْ هُوْنَ كُيْ اِيْمَانِ بَاسِ مَقْبُوْلِ هُيْ۔ لِيْكَنِ اُلْكَ قَوْلِ مَعْتَبَرِ نَبِيْنَ۔

ایمان فرعون غیر مقبول ہے

اسی بنا پر تمام علمائے اُمت کا اتفاق ہے کہ ایمان فرعون کا غیر مقبول ہے۔ کیونکہ حیات سے نا اُمید ہونے اور وقت اور اک غرق۔ اور رویت عذاب و بَاس کے اضطراراً وقوع میں آیا۔ لہذا جا بجا قرآن حکیم میں فرعون کی مذمت

کی گئی ہے۔ اور یہ کہ اُس کے واسطے دنیا و آخرت میں سخت عذابِ خواری ہے۔

ایک جگہ فرمایا: **وَاتَّبَعْنَا هُمُ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ** یعنی ہم نے اس دنیا میں فرعون اور اُس کے شکر پر لعنت کی۔ اور قیامت کے دن وہ مذمت کے ہوؤں میں سے ہے۔

اور فرمایا: **تَاخَذَهُ اللَّهُ تَكَالًا خَرَّةً وَ الْأُولَى** یعنی اُس کو دنیا و آخرت میں خوار کیا۔

پس ان آیات اور ان کے سوا دوسری متعدد آیات سے ثابت ہے کہ فرعون بے ایمان مرا۔ اور حضورِ موت کے وقت اُس کا ایمان لانا کوئی مفید نہیں ہوا۔ اور اگر جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ ایمان فرعون مقبول ہوتا اور وہ دنیا سے ظاہر و مظهر جاتا۔ تو قرآن شریف میں متعدد جگہ اُس کی مذمت کیوں کی جاتی۔ غرض ایمان باس اور ایمان فرعون کا غیر مقبول ہونا اور فرعون اور اُس کے اعوان و جنود کا حالتِ کفر میں مرنا آیات و احادیث اور اجماع صحابہ و تابعین و مجتہدین سے ثابت ہے۔

اس باب میں کسی مخالف کا قول خواہ وہ کسی پایہ کا ہو۔ قابلِ اعتبار نہیں۔ وہ خلاف جوابِ ایمان فرعون کے باب میں شیخ محی الدین ابن عربی سے قصصِ محکم میں منقول ہے۔ تو اُس کی تردید علما سے ثابت اور ایمان فرعون کے باب میں اُن کا قول غیر مقبول ہے۔ اُن کی یہ خطائے اجتہادی ہے جس سے سوائے انبیاء کے کوئی معصوم نہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھو تکمیل الایمان از صفحہ ۷۲ تا صفحہ ۳۳۰۔

مولانا سید العلام نے شرح مفتوی مولانا روم میں باتباع قدوہ محققان شیخ ابن عربی ایمان فرعون پر بڑی بے رومست بحث کی ہے۔ اور مخالفین کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مولانا عبدالحق فرماتے ہیں کہ فرعون کا کفر پر مرنا اجماع سے ثابت ہے۔ لیکن اثباتِ اجماع غلط ہے۔ شواہد است۔

اُن مسائل کے بیان میں جن سے فرقہ اہل سنت والجماعت کی فرقائے باطلہ سے تمیز ہوتی ہے

اس فائدہ کے تحت میں ہم عمدۃ الفسفی سے وہ مسائل نقل کرتے ہیں جن سے اہل سنت والجماعت کی دوسرے فرقوں سے تمیز ہوتی ہے ان میں بعض مسائل اصول علم کلام یعنی مباحث ذات و صفات و افعال و معاد و نبوت و امامت سے متعلق نہیں ہیں تاہم بہ تتبع و تغلیب علامہ عمر الشافعی اور نیز برائے تمیز و تفریق و شناخت فرقہ حقہ اہل سنت والجماعت کے اُن کا بیان کرنا ضرور ہے۔ امید ہے کہ نیک دل اصحاب اس بیان سے مستفید ہونگے۔ اُن میں سے جن مسائل کو صاحب کتاب عقائد تورشتی نے تحریر فرما دیا ہے۔ اُن کو ہم باختصار لکھ دیں گے۔ اور مزید تحقیق کے لئے کتاب کا حوالہ دے دیں گے۔ لیکن جو مسائل نقل و بیان سے رہ گئے ہیں۔ اُن پر تفصیلی بحث کریں گے۔ تاکہ فائدہ تام ہو۔ مگر اطمینان ہے کہ یہ تفصیل بقدر ضرورت ہوگی اور موضوع کتاب سے خارج نہ ہوگی۔ وَ بِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ۔

فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے

وَتَجُوزُ الصَّلَاةُ خَلْفَ کُلِّ بَرٍّ وَّ فَاحِشٍ اور روا ہے نماز پڑھنا پیچھے ہر نیک کار اور بدکار کے اگرچہ بدکار و فاسق اور اہل بدعت کی اقتدا شرعاً مکروہ ہے۔ اور اسی سبب سے علمائے سلف نے اُن کی اقتدا سے ممانعت کی ہے۔ لیکن اصل مسئلہ نزدیک اہل سنت والجماعت کے یہ ہے کہ فاسق و مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر اُس کی بدعت اور بدکاری منجر بکفر نہ ہو۔ فرقہ معتزلہ اگرچہ فاسق کو غیر مومن کہتا ہے۔ لیکن فسق کی اقتدا اُن کے نزدیک بھی جائز ہے۔ اور روافض فاسق کی امامت ناجائز سمجھتے ہیں۔ وہ اس امامت بغیر ہی کے لئے بھی منہل امامت کبریا

کے عصمت کی قید لگاتے ہیں۔ اُن کا یہ قول فاسد اور جہالت پر مبنی ہے۔
چنانچہ ہم عصمت کی تعریف میں کچھ بدلائل بیان کر چکے ہیں۔ دیکھو عقائد تورشتی
صفحہ

متقی کے پیچھے نماز پڑھنے کی فضیلت

اور یہ حدیث شریف میں ہے۔ سَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَا حِرْمَانِ
پڑھو پیچھے ہر نیک کار اور بدکار کے۔ متقی کی اقتدا کرنے کی۔۔۔۔۔
فضیلت بہت بڑی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی پرہیزگار
کے پیچھے نماز پڑھتا ہے۔ اُس کو کسی پیغمبر کے پیچھے نماز پڑھنے کا ثواب
مِلتا ہے۔ اور جو شخص کسی فقیہ متقی کے پیچھے نماز پڑھتا ہے۔ اُس کو اتنا ثواب
مِلتا ہے۔ گویا اُس نے آنحضرت علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

کن لوگوں کی اقتدا نا جائز ہے۔

اور بعض کتب میں ہے کہ دس قسم کے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا
روا نہیں ہے۔ مرد کا عورت اور کودک یعنی نابالغ لڑکے کے پیچھے نماز کا
پڑھنا۔ اور جائزہ دار کا بے جامہ۔۔۔۔۔ کے پیچھے۔ اور غیر معتذر کا معتذر
کے پیچھے۔ اور عالم کا اُمی کے پیچھے۔ اور راکع و ساجد کا اشارہ سے نماز
پڑھنے والے کے پیچھے۔ اور گویا کا گونگے کے پیچھے۔ اور ایسے شخص کی اقتدا
بھی روا نہیں ہے۔ جو ادائے حروف پر قادر نہ ہو۔ یا قادر تو ہو۔ مگر غیر صحیح
پڑھتا ہو۔ اور عقیدہ استغناء میں ہے کہ پندرہ شخصوں کی امامت مکروہ ہے
مبذہ۔ مدبر۔ مکاتب۔ اعرابی۔ فاسق۔ حرام زادہ۔ دیوانہ۔ مغنی۔ تابینا۔
دامنی بے خرد۔ ماسک یعنی جو پیشاب یا نجانہ کی حاجت کو باوجود غلبہ کے
روک کر نماز پڑھتا ہے۔ شرابی۔ شطرنج باز۔ چوسر باز۔ اور امرد۔

امام میں دس صفتوں کا ہونا ضروری ہے

فقیر ابو انیسیت تبنیہ میں لکھتے ہیں کہ امام میں دس صفتوں کا ہونا ضروری ہے تاکہ اُس کی اور اُس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز درست اور کامل ہو۔ اول قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھے آواز بنا کر نہ پڑھے۔ دوسرے تکبیرات کو پورے آواز سے ادا کرے۔ تاکہ مقتدی صاف طور پر سن لیں تیسرے رکوع و سجدہ کو اطمینان سے ادا کرے۔ چوتھے اپنے کو حرام شے سے نگاہ رکھے پانچویں اپنے بدن اور جامہ کو نجاست خفیفہ اور غلیظہ سے نگاہ رکھے چھٹے قرأت و رات نہ پڑھے۔ مگر اُس وقت کہ قوم کی خواہش ہو اور وہ راضی ہو۔ ساتویں عجب و تکبر نہ کرے۔ آٹھویں نماز سے باہر نہ ہو جب تک مومنین کے لئے طلب آمرزش نہ کرے۔ نویں نماز کے بعد کی دُعا میں اپنی ذات کو مخصوص نہ کرے بلکہ سب کے واسطے دُعا مانگے۔ دسویں جب کوئی مسافر یا مسکین اُس کی مسجد میں پہنچے تو اُس سے کوئی چیز طلب نہ کرے۔ اس کے سوا امام کے لئے اہدیت سے خصائص مطولات میں منقول ہیں۔ وہاں تلاش کرنا چاہئے۔

وَتَجُوزُ الصَّلَاةُ عَلَى كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ اور وہاں ہے نماز پڑھنا اوپر ہر نیک کار و بدکار کے۔ جب اُس کی موت ایمان پر ہوئی ہو۔ اسی پر اجماع ہے۔ اور اسی کا مؤید قول آنحضرت کا ہے لَا تَدْعُوا الصَّلَاةَ عَلَى مَنْ مَاتَ مِنْ أَهْلِ الْقَبِيلَةِ یعنی اہل قبیلہ سے جو کوئی ہو، مرے اُس کی نماز جنازہ پڑھو۔ اور ترک نہ کرو۔ وَتَكُنُّ عَنْ ذِكْرِ الصَّحَابَةِ الْإِسْنَاءِ اور ہم تر وہ اہل سنت و الجماعت تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر نیکی کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس واسطے کہ نصوص قرآنی بالعموم صحابہ کرام کی ثنا و صفات میں نازل ہوئی ہیں۔ اور نیز احادیث صحیحہ اُن کی صفت میں اور اُن کی بدگوئی سے باز رہنے کے وجوب میں بہ کثرت وارد ہیں۔ ایک حدیث میں ہے خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ بتر زمانہ میرے صحابہ کا ہے پھر تابعین کا۔ پھر تبع تابعین کا۔ اور فرمایا لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَتَفَقَّ مِثْلَ

اَحَدٍ وَهَبًا مَا يَكُم مَدَّ لَهُمْ وَلَا تَصِيفُنَّهٗ بِدُكُوْنٍ كَرِهَ مِثْرُ مِثْرٍ
پس اگر تم خدا کی راہ میں اُحد پاتھ کے برابر بھی سونا خرچ کر لو۔ جب بھی میرے
کسی ایک صحابی کے ایک دینا نصف کے برابر بھی نہ پہنچو گے۔ اور فرمایا۔ اَلْاَسْمَا
اَحْمٰی اِنِّیْ فَاِنَّهُمْ خِیَارٌ کَحْمِیْرِ بَعْدَ صَحَابَہِ کَا اِکْرَامٍ کُرُو۔ کیونکہ وہ تمہارے خیار
ہیں۔ اور فرمایا۔ اَللّٰہُ اَللّٰہُ فِیْ اَحْمٰی لَا تَخْشٰی وَہُوَ عَزَّ مَلَامٌ بَعْدِی
مَنْ اَحَبَّہُمْ خَیْرٌ اَحَبَّہُمْ وَ مَنْ یُبْغِضُہُمْ فَبُغْضِیْ اَبْغَضُہُمْ
وَمَنْ اِذَا ہُمْ فَقَدْ اِذَا نِیْ وَمَنْ اِذَا نِیْ فَقَدْ اِذَا نِیْ لَکَ وَمَنْ اِذَا نِیْ
اَللّٰہُ تَعَالٰی فِیْہِ شَکٌّ اَنَّا یَا خُدَّہُمْ یَعْنِیْ میرے صحابہ کے باب میں
خدا سے ڈرو۔ میرے بعد اُن کو اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے غرض نہ بناؤ
پس جو شخص اُن کو محبت کرتا ہے۔ وہ میری محبت سے اُن کو دوست رکھتا ہے
اور جو شخص اُن سے بغض رکھتا ہے۔ تو میری دشمنی سے اُن کو دشمن رکھتا ہے۔
یعنی اُن کی محبت میری محبت ہے۔ اور اُن سے بغض رکھنا مجھ سے بغض رکھنا
ہے۔ اور جو شخص صحابہ کو اذیت دیتا ہے وہ مجھے اذیت دیتا ہے۔ اور جو
مجھے اذیت دیتا ہے وہ خدا کو اذیت دیتا ہے۔ اور جو خداوند تعالیٰ کو اذیت دیتا
ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کو عنقریب پکڑ لے گا۔

تمام صحابہؓ عدول ہیں

اسی بنا پر تمام علما کا مذہب ہے کہ جمہ صحابہ کرام قبل فتنہ علی و عثمان
کے اور نیز اُس کے بعد عدول ہیں۔ اُن میں سے کسی کی بدگوئی نہ کرنی چاہئے۔
اِس کا موبہ قول آنحضرتؐ ہے۔ اَحْمٰی کَا لِحُجُوْمٍ یَا یَسِیْرٌ اَقْتَدَیْتُمْ
اَقْتَدَیْتُمْ میرے صحابہ تناروں کی مثل ہیں۔ جس کے پیچھے چلو گے۔ رستہ پر
پہنچ جاؤ گے۔ رواہ الدامی اور ابن دقیق العید اپنے عقیدہ میں کہتے ہیں۔ کہ
صحابہ کرام میں باہم جو تنازعات واقع ہوئے ہیں۔ اور اُن میں بکثرت اختلاف
بیانات و روایات پایا جاتا ہے۔ تو یاد رکھو۔ کہ اُس بیان میں باطل و کذب بہت
ہے۔ پس اُن کی جانب التفات نہ کرو۔ اور ان منازعات میں درایت کی ذریعہ

جدا صحت و ثبوت کو پہنچا ہو اُس کی بھی ایسی برسیے تادیلی کرو۔ چونیک اور اُن بزرگوں کے مراتب عالیہ کے موافق ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی تفریق متنازع سے پہلے ہی طرح فرمائی ہے۔ تو اُس کے بعد کا کلام اکثر و افضل کا تراشا ہوا ہے۔ وہ مشکوک و مہوم اور محتمل تاویلات کا ہے۔ لہذا مشکوک و مہوم حق اور راست کو نہیں جھٹلا سکتا۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں هَذَا إِذِمَاءٌ طَهَّرَ اللَّهُ أَيُّدِنَا عَنْهَا فَلَا نُثَوِّثُ الْكُفْرَ بِهَا يَعْنِي خَرَانِے ان خوں یر یوں سے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے۔ گو ہم اُن کی (صحابہ کی) بدگوئی سے اپنی زبانوں کو ملوث و آلودہ نہ کریں گے۔ حضرت امام احمد سے کسی نے جناب علیؑ و عایشہؓ کی مشاجرات کی بابت استفسار کیا۔ تو آپ نے فرمایا تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَا كَسَيْتُمْ ذَلِكُمْ سُلْوَنٌ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ یعنی وہ ایک گروہ تھا کہ اُن کا کسب اُن کے ساتھ کیا۔ اور تمہارا کسب تمہارے لئے ہے۔ ہم اُن کے کسب سے سوال نہیں کئے جاؤ گے۔ حضرت امام عظیمؒ فرماتے ہیں۔ كَوْلًا عَلَى لَحْدِيْخَرَتِ التَّيْسِيْرَةِ فِي الْخَوَارِجِ یعنی اگر جناب علیؑ نہ ہوتے تو فرقہ خوارج کی تفسیر سے آگاہی نہ ہوتی۔ دو فرقہ ہیں۔ جو صحابہ کی بدگوئی سے اپنے لئے عذاب آخرت جمع کرتے ہیں۔ ایک و افضل جو اصحابِ ثلاثہ اور مخالفین علیؑ کو برا کہتے ہیں۔ دوسرے خوارج جو جناب علیؑ کی اور اُن کے دوستوں کی بدگوئی کرتے ہیں۔ عقلاً و نقلاً مدوخی ہی ایک نہایت خبیث فعل کے مرتکب ہیں۔ لیکن فرقہ اہل سنت و الجماعت کا مسلک یہ ہے کہ وہ تمام صحابہؓ کو بلا استثنا عدول یقین کرتے ہیں۔ اور اُن میں سے بعض صحابہؓ کے باہم جو تنازعات مروی ہیں۔ اُن کو اُن کی اجتہادی غلطی پر محمول کرتے ہیں۔ فساد و اصرار کی وجہ سے گمان نہیں کرتے۔ غرض سب کے ساتھ حسن ظن کرتے ہیں۔ موافق نصوص قرآنیہ و احادیث صحیحہ کے۔ اس صورت میں خود ظاہر ہے کہ صحابہؓ کو برا کہنا اور اُن پر طعن کرنا اگر مخالف دلائل قطعیہ کے ہو تو کفر ہے۔ جیسا قذف عائشہ رضی اللہ عنہا۔ ورنہ اُس کے بدعت اور فسق ہونے میں تو کلام ہی نہیں۔ حائل کلام یہ ہے کہ سلف مجتہدین اور علمائے صالحین سے معاویہؓ اور اُن کے احزاب پر لعن کرنا غیر منقول ہے۔

یزید اور اہل قبلہ پر لعنت کی تحقیق

اور یزید پر لعنت کرنے میں علما کا اختلاف ہے خلاصہ میں ہے کہ یزید اور حجاج پر لعنت کرنا ہمیں نہ بیا نہیں۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے نمازیوں اور اہل قبلہ پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ امام غزالی اعیان العلوم میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یزید پر لعنت کرنے کے جواز کے باب میں سوال کرے کہ اُس پر لعنت جائز ہے یا نہیں۔ کیونکہ وہ قتال حسین علیہ السلام ہے۔ یا کم از کم اُس نے حسینؑ کے قتل کا حکم کیا ہے۔ تو اُس کے جواب میں ہم کہتے ہیں۔ یہ مطلق ثابت نہیں کہ اُس نے حسین علیہ السلام کو قتل کیا۔ یا اُن کے قتل کا حکم دیا۔ اور اس طرح کہنا بھی جائز نہیں۔ پھر لعنت کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے بذات تحقیق کے تو مسلمان کو کبیرہ گناہ کی طرف منسوب کرنا بھی درست نہیں ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابن مجہم نے علیؑ کو قتل کیا یا ابولولوؑ نے عمرؓ کو قتل کیا۔ کیونکہ یہ واقعات بتواتر اخبارات ثابت ہیں۔

القصة لوگوں پر لعنت کرنے میں خطرہ ہے اور سکوت میں کوئی خطرہ نہیں۔ اگر وہ سکوت لعن البیس سے کیوں نہ ہو۔ اگر کہا جائے کہ بعض اہل قبلہ پر لعنت کرنا خود آنحضرتؐ سے منقول ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ آنحضرتؐ احوال خلق سے پُرسے واقف تھے۔ کوئی دوسرا آپؐ جیسا واقف نہیں ہو سکتا۔ سعد الدین تفتازانی شرح عقائد میں لکھتے ہیں کہ یزید پر لعنت کرنے میں علما کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض تو لعنت کو جائز نہیں کہتے۔ اور بعض اس خیال سے جائز کہتے ہیں کہ اُن کے نزدیک یزید نے حسینؑ کے قتل کا حکم کیا۔ اور وہ آپؐ کے قتل سے راضی و مستیر ہوا۔ لیکن قتال یا امر اور مجبّر قتل حسین پر لعنت کرنے سے کسی کو انکار نہیں۔ پھر لکھا ہے۔ اگر جیسا کہ ہمیں روایات متواتر بالمعنی سے ثابت ہوا۔ یزید نے قتل حسینؑ کا حکم کیا ہے۔ یا اُس پر راضی ہوا یا اجازت دی ہے تو ہم اس صورت میں کبھی سکوت نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہمیں اُس کے مومن ہونے سے بھی انکار ہے۔ خدا اُس پر اور اُس کے انصار و اعوان پر لعنت کرے۔

عشرہ مبشرہ

وَنَشْهَدُ بِالْجَنَّةِ الْعَشْرَةَ الَّذِينَ بَشَّرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَوْفَرَهُمُ الْوَهْمُ هِيَ دِيْتَةُ هِي اُنْ دَسْ اَوْمِيُوں كے جنتی ہونے كی جن كی بابت آنحضرتؐ نے جنتی ہونے كی بشارت دی۔ چنانچہ فرمایا۔ ابوبکرؓ فی الجنة و عمرؓ فی الجنة و عثمانؓ فی الجنة و طلحةؓ فی الجنة و زبیرؓ فی الجنة و عبد الرحمنؓ فی الجنة و سعدؓ ابن ابی وقاصؓ فی الجنة و سعیدؓ ابن زیدؓ فی الجنة و ابوعبیدہؓ بن الجراحؓ فی الجنة اور اسی طرح حضرت فاطمہؓ اور حسینؓ و حسنؓ کے جنتی ہونے كی گواہی دیتے ہیں۔ کیونکہ حدیث صحیحہ میں وارد ہے ان فاطمہ سیدۃ النساء اهل الجنة و الحسن و الحسين سیدا شباب اهل الجنة یعنی بیشک فاطمہ حبیبہ کی عورتوں كی سردار ہیں۔ اور حسن و حسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔ اور ہم تمام صحابہ كا ذكر خیر سے کرتے ہیں۔ اور ان میں سے کسی ایک كو معین كے جنتی یا دوزخی نہیں كہہ سكتے۔ ہاں خدا سے اُمید ہے كہ صحابہ كرام کے مراتب غیر صحابہؓ سے ضرور برتر اور بالاتر ہونگے۔ بلکہ اس بات كی علی العموم گواہی دیتے ہیں كہ مومنین جنتی ہیں۔ اور كفار دوزخی کسی شاعر نے عشرہ مبشرہ كے اسمائے گرامی كو نظم كیا ہے جو بغرض یادداشت یہاں نقل كئے جاتے ہیں۔

آئنا كہ بشارت از بهشت آمدشاں یو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ
پس سعدؓ و سعیدؓ پس از ان طلحةؓ و زبیرؓ آنكاه ابوعبیدہؓ و عبد الرحمنؓ

موزوں پر مسح کرنا

ونرى المسح على الخفين في السفر والحضر اور ہمارا اعتقاد ہے كہ دونوں موزوں پر مسح كرنا سفر و حضر میں درست و روا ہے۔ اگرچہ یہ امر كتاب الہی پر زیادہ ہے۔ لیكن خبر مشہور سے ہے۔ اسی واسطے امام كرمی فرماتے ہیں كہ جو شخص موزوں پر مسح كرنے كو روا نہیں كھتا۔ اس پر كفر كا خوف ہے یعنی قریب یہ كفر ہو جاتا ہے۔ مسح علی الخفین كے باب میں کسی نے جناب علیؓ سے سوال كیا

تو آپ فرمایا کہ آنحضرتؐ نے تین رات دن تک مسافر کو موزوں پر مسح کرنے کا حکم فرمایا۔ اور ایک شب باندہ روز تک مقیم کو بشرطیکہ موزوں کو طہارت کامل پر پہنا ہو۔ اسی طرح حضرت ابو بکرؓ سے مروی ہے کہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔ میں نے ستر صحابہ کو پایا۔ جو موزوں پر مسح کرنے کو جائز کہتے ہیں۔ بعض علما نے راویان احادیث مسح علی الخفین کے اسمائے گرامی کو جمع بھی کیا ہے۔ چنانچہ شرح العقائد پر حضرت مولانا بحال العلوم کی کتاب ارکان اربع سے ایک بسیط حاشیہ صفحہ ۱۱۸ پر لکھا ہے جس میں ان صحابہ کرام کے نام بالتفصیل درج ہیں جن سے موزوں پر مسح کرنے کی حدیث منقول ہے۔ غرض اس باب میں ایسے آثار آئے ہیں جو حیرت و اتر میں داخل ہیں۔ کسی نے حضرت انس بن مالکؓ سے سوال کیا کہ اہل السنۃ و الجماعت کی علامت کیا ہے۔ آپ فرمایا تحب الشیخین ولا تطعن فی الختین و تحسم علی الخفین یعنی حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کو دوست رکھنا۔ اور حضرت علیؓ و حضرت عثمانؓ کے باب میں طعن نہ کرنا۔ اور موزوں پر مسح کرنا۔ یہ تین علامتیں اہل السنۃ و الجماعت کی ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ مسح علی الخفین کا منکر اہل السنۃ سے خارج ہے۔ ولا تحسم نبین القرآن و ہم حرام نہیں جانتے ہیں۔ شیرہ خرماکو۔ تا وقتیکہ وہ حد سکونہ پہنچا ہو۔ اور اگر حد سکونہ پہنچ گیا ہو۔ تو اس کے حرام ہونے میں کسی کو تامل نہیں۔

ولی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچتا

درجہ بیغ ولی درجۃ الانبیاء اور ولی انبیاء کے درجہ کو نہیں پہنچتا ہے۔ اس لئے کہ انبیاء معصوم ہیں اور خوف خاتمہ سے ایمن وحی الہی اور مشاہدہ ملائک سے مشرف اور تبلیغ احکام الہی پر مامور اور یہ خصوصیات کسی نبی کو کسی حالت میں میسر نہیں ہو سکتے پس ولی کیونکر انبیاء کا درجہ پاسکتا ہے۔ بعض کرامہ کا یہ کہنا کہ نبی ولی کے درجہ کو پہنچ سکتا ہے کفر ہے۔

اس میں علما کا اختلاف ہے کہ مرتبہ ولایت افضل ہے یا مرتبہ نبوت۔ پھر بعد تحقیق دلائل فریقین کے تمام علما اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ نبی کو مرتبہ کو ولی ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ اور مرتبہ نبوت حقیقت میں ولایت سے افضل ہے۔

ولا یصل العبد الی حدیث یسقط عنہ الا سئل فی ما دام عکایتہ
بالغا۔ اور انسان جب تک عاقل بالغ ہے۔ اُس سے خدا کے امر و نواہی ساقط نہیں
ہوتے۔ جب تک وہ عاقل اور بالغ ہے۔ کیونکہ تکالیف شرعی میں بلا استغناء کسی
ایک کے سب کی جانب بالعموم خطاب ہے۔ اور اسی پر مجتہدین کا اجماع ہے کہ عین اہل
الاجت کا قول ہے کہ بندہ جب غایت درجہ عبادت و مجاہدہ کر کے عقل کے تمام
حاصل کر لیتا ہے۔ تو عبادات ظاہری اُس سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ اُس وقت اُس کی
عبادت صرف تفکر و مراقبہ تک محدود ہوتی ہے۔ یہ قول محض کفر و ضلال ہے اس
واسطے کہ دنیا کے پردہ میں نبی نوع انسان میں کامل تر آنحضرت علیہ السلام کی ذات
پاک تھی۔ باوجود اس کے آپ کے تکالیف ساقط نہیں ہوئیں۔ لیکن یہ جو حدیث میں
وارد ہے۔ اذا احب الله عبدا لا یضرب ذنب جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو
دوست رکھتا ہے تو اُس کو کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ
خدا اُس بندہ کو گناہ سے نگاہ محفوظ رکھتا ہے۔ اُس کو گناہ کرنے ہی نہیں دیتا۔
جس سے اُس کو نقصان پہنچے۔ والنصوص تنحل علی ظواہرہا اور نصوص سبھی
آیات و احادیث معمول ہیں اپنے ظاہر پر جب تک ظاہر سے اُن کی تاویل پر کوئی دلیل
قطعی نہ ہو۔ والعدول عنہا الی معانید غیرہا اہل الباطن الحاد اور پھر نا
ظاہر آیات و احادیث سے اُن معنوں کی طرف کہ دعویٰ کرتے ہیں ان معنوں کا
اہل باطن الحاد اور متصل یہ کفر ہے باطنیہ۔ ایک فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ آیات و احادیث
معمول پر ظاہر نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کے باطنی معنی ہیں۔ جن کو خدا۔ رسول اور ولی ہی
سمجھ سکتا ہے۔ ایسی باتیں کرنے سے اُن کا یہ قصد ہے کہ شریعت نبوی علی کی کلی
نقصی کر دیں۔ اور کوئی شخص عبادت شرعی کا پابن نہ رہے۔ ورد النصوص کفر
اور رد و انکار کرنا اُن احکام کا جن کے متعلق صریح آیات و احادیث وارد ہیں
اور قطعی دلائل سے ثابت ہیں۔ کفر ہے۔ جیسے انکار حشر اجداد اور وزن اعمال
اور صراط وغیرہ کا کیونکہ اس سے تکذیب خدا و رسول کی ثابت ہوتی ہے۔ اسی
طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی قسمت لگانا کفر ہے۔ کیونکہ آپ
کی عصمت صریح آیات و احادیث اور دلائل قطعی سے ثابت ہے و استحلال

روایتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے آپ کو خدا کا دوست سمجھے وہ کافر ہے۔

المعصیۃ صغیرۃ کانت او کبیرۃ کفر اور حلال جاننا گناہ کو خواہ وہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ کفر ہے۔ بشرطیکہ اُس کا گناہ ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو یا ہو والا ستہانۃ بہا کفر ہے گناہ کو ہلکا جاننا کفر ہے۔ والا ستہزاء علی اللہ یعنی کفر اور شریعت پر ہنسنا کفر ہے۔ اور نیز حلال اتفاتی کو حرام جاننا اور حرام اتفاتی کو حلال جاننا کفر ہے۔ امام سرخسی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی حائضہ عورت سے وطی کرنے کو حلال جانے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور امام محمدؒ کواذر میں لکھتے ہیں کہ کافر نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی اپنی عورت سے لواطت کرنے کو حلال جانے تو بعض کے نزدیک کافر ہوتا ہے۔ اسی طرح اسمائے الہی اور اوامر خداوندی کے ساتھ ہزل کرنا کفر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کلمہ کفر کہے۔ اور دوسرا بر سبیل رضا خندہ کرے۔ تو دونوں کافر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص عظیم کی طرح منبر پر چڑھے۔ اور ایک جماعت اُس کے گرد اگر دبٹھ کر مزاح کے طور پر اُس سے مختلف مسائل پوچھے۔ اور اُس کی ہنسی اڑا دے۔ تو سب کافر ہو جاتے ہیں۔

تحفة المسائل میں ہے کہ اگر کوئی شخص امانت کے طور پر عالم کی کفش کو کفشک کہے تو کافر ہو جاتا ہے اسی طرح اگر کسی عالم کی طرف تیز نظر سے دیکھے۔ تو کافر ہو جاتا ہے۔ فتاویٰ سراجی میں ہے کہ اگر خطیب خطبہ پڑھنے کے وقت کسی ایسے بادشاہ کو جو ظالم ہو۔ عادل کہے۔ تو کافر ہو جاتا ہے۔ امام منصور ماتریدی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز کے بعد بادشاہوں کو عادل کہے تو کافر ہو جاتا ہے۔ فتاویٰ امام زاہد میں ہے کہ حیلہ شرعی کا منکر کافر ہے۔ اگر کوئی کسی کو کفر کا حکم کرے یا اُس کا عازم ہو۔ یا کسی عورت کو فتویٰ دے کہ کافر ہونا شوہر سے جدا ہونے یا شراب پینے اور بیابح کھانے کے وقت بسم اللہ کہے۔ تو کافر ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی قصداً غیر قبیلہ کی طرف یا بے طہارت نماز پڑھے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کلمہ کفر کو خقیفہ جانتا کفر ہے۔ اگرچہ اُس پر اعتقاد نہ ہو۔ الیٰ غیری ذالک من الفروع

ایک عاجز و ہر قسم کے کفر سے پاک کرتی ہے

چونکہ کلمات کفر کا احصاء ممکن نہیں۔ اور اگرچہ بعض علما مثل ملا علی قاری اور مولانا فتح محمد برہان پوری اور مولانا قطب الدین رحمہم اللہ نے اپنی معتبر کتب میں بقدر امکان اُن کا احصاء کیا ہے۔ تاہم یہ کلمات کفر کا شمار و احصاء نہیں کر سکے۔ اس واسطے ہم تمام تمام کفر سے پاک ہونے کے لئے یہاں ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی۔ حضور نے فرمایا کہ ہر روز صبح کے وقت اور شام کے وقت ایک ایک مرتبہ ان کلمات کو پڑھ لیا کرو۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَّ اَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ مِمَّا لَا اَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلَمُ الْغُیُوْبِ یعنی اے اللہ میرے میں یہ تحقیق تیرے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اس امر سے کہ میں تیرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کروں۔ اور میں اُس کو جاننا ہوں۔ اور میں تجھ سے اے اللہ مغفرت چاہتا ہوں اُس چیز سے کہ میں اُس کو نہیں جانتا۔ یہ شک کو بہت جاننے والا غیب کی باتوں کا ہے۔ جب کوئی مسلمان ان کلمات کو پڑھ لے گا (نو اگرچہ اُس سے کلمہ کفر سرزد ہوا ہوتا ہم) وہ از سر نو مسلمان ہو جائیگا۔ اور چاہے کہ بندہ جتنی مرتبہ کلمہ شہادت پڑھے تو یہ نیت کرے کہ اگر مجھ سے دانستہ کوئی کفر ظہور میں آیا ہو۔ تو میں کلمہ پڑھتا ہوں تاکہ از سر نو مسلمان ہو جاؤں۔ والیاس من اللہ تعالیٰ کفر اور نا امید ہونا حق سبحانہ تعالیٰ سے کفر ہے۔ کہ قرآن میں وارد ہے لَا یَا یٰیْسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقُدُوْمُ الْکَافِرُوْنَ نا امید نہیں ہوتے رحمت الہی سے مگر کافروں کی قوم والا من اللہ تعالیٰ کفر اور اہل ایمان ہونا اللہ تعالیٰ سے کفر ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ لَا یَا مِّنْ مِّنْ مَّکْرٍ اَللّٰهِ اِلَّا الْقُدُوْمُ الْخَاسِرُ مِّنْ اٰیْمِنِ نِّہِیْنِ ہوتے اللہ کے عذاب سے مگر خسارہ پانے والے یعنی کافروں کو کہ اُن کو عاقبت میں سوائے خسارہ کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

عدم تکفیر اہل قبلہ کے معنی

اگر کہا جائے کہ تم یا اس اور امن وغیرہما کو کفر کہتے ہو۔ حالانکہ اہل قبلہ کو کافر نہ چاہئے کہ ان کی تکفیر خود کفر ہے۔ جواب یہ ہے کہ کفر سے ہماری مراد یہاں کفر حقیقی نہیں ہے۔ بلکہ مجازاً ان لوگوں پر کفر کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ ان سے وہ چیز صادر ہوتی ہے۔ جو کفر پر دلالت کرتی ہے۔ اور کفر حقیقی کہتے ہیں۔ انکار نقاب کو۔ جو تصدیق کے مقابل ہے۔ اور عدم تکفیر اہل قبلہ کے یہ معنی ہیں کہ جب تک کسی اہل قبلہ سے ایسی بات سرزد نہ ہو۔ جو کفر حقیقی پر دلالت کرتی ہے یا جو موجب کفر ہے۔ مثلاً انکار شہادہات و غیرہ تب تک اس کی تکفیر نہیں کرنی چاہئے غرض جو شخص ضروریات دین کا منکر ہو۔ اگرچہ وہ اہل قبلہ سے ہو۔ اس کی تکفیر اہل سنت والجماعت کے نزدیک واجب ہے۔ ورنہ نہیں۔ اور مراد اہل قبلہ سے وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین مثل حدود عالم شہادہات اور احکامات اللہ کے عالم کلمات و جزئیات ہونے پر متفق ہیں۔ پھر اگر کوئی شخص تمام عمر مشغول بہ طاعات الہی رہے۔ مگر قدیم عالم اور عدم شہادہات وغیرہ کا قائل ہو۔ تو وہ ہرگز اہل قبلہ سے نہیں ہو سکتا اس کلیہ کے موافق ہر ایک فرقہ اور شخص کی حالت کو دیکھ لینا چاہئے۔ اس کے بعد اس کی تکفیر پر حکم لگانا چاہئے +

کاہن کو سچا جاننا کفر ہے

والتصديق الكاهن بما يجنب عن الغيب كفر اور کاہن کو سچا جانا غیب کی خبر دینے میں کفر ہے۔ اس واسطے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من اتى كاهنا فصدقه بما يقول فقد كفر بما انزل الله علی محمد یعنی جو شخص کاہن کے پاس آیا اور اس نے اس کے کہنے کو سچا جانا تو تحقیق اس نے کفر کیا۔ ان احکام کا جو خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کئے ہیں۔ اور کاہن اس شخص کو کہتے ہیں۔ جو آئندہ زمانے کے حالات کے علم کا دعوے کرتے۔ اور معرفت اسرار اور مطالعہ علم غیب کا مدعی ہو۔ عرب میں مختلف قسم

کے کاہن تھے۔ بعض تو یہ دعویٰ کرتے کہ جن اُن کو غیب کی خبریں آگیتے ہیں اور بعض کہتے تھے کہ ہم اپنی خداداد فہم سے امورِ آئندہ کی معرفت کر لیتے ہیں اور علمِ نجوم جلنے والا جب دعویٰ کرے امورِ آئندہ کی معرفت کا تو وہ مثل کاہن کے ہے۔ اور یہی حال ہے ہر ایسے شخص کا جو علمِ غیب کا مدعی ہو یا بت یہ ہے کہ علمِ غیب ایک ایسا امر ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے۔ کسی بشر کو اُس پر اطلاع نہیں ہو سکتی اور انبیاء جو امورِ غیبیہ سے واقف تھے۔ وہ اس طرح تھا کہ خدا تعالیٰ وحی اور الہام کے ذریعہ اُن امورِ پر اُن کو مطلع فرما دیتا۔ اور پھر وہ بشرطِ اجازتِ مخلوق پر اُن امورِ کو ظاہر کرتے۔ اسی طرح اولیاء اور خاصانِ خدا بعض غیبی باتوں پر باعلامِ خدا کے عز و جل اطلاع رکھتے

ہیں۔

مردہ کو ثواب پہنچتا ہے

والمعدوم لم یسبغ اور اہل سنت و الجماعت کے نزدیک معدوم کوئی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ شے کو وجود و ثبوت کے معنی میں اطلاق کرتے ہیں اور معدوم کے معنی منفی و غیر موجود کرتے ہیں۔ اور نفی و اثبات میں تضاد ہے۔ وَفِي دَعَاءِ الْأَحْيَاءِ لِلْمَيِّتِ وَصَدَقَاتُهُمْ عَنْهُمْ نَفْعٌ لَهُمْ اور زندوں کے دعا کرنے میں میّت اور مردوں کے لئے اور اُن کے صدقہ دینے میں میّت کی طرف سے نفع ہے۔ واسطے میّت کے یعنی اگر زندہ میّت کے لئے دعا کرے یا اُس کی طرف سے کوئی صدقہ کرے تو اُس دعا و صدقہ سے نزدیک اہل لہذت و الجماعت کے میّت کو نفع پہنچتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ نماز جنازہ میں میّت کے واسطے دعا واقع ہوئی ہے۔ اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس میّت پر سو اور ایک حدیث میں آیا ہے۔ چالیس مسلمان نماز باجماعت ادا کرتے اور اُس کے لئے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ اُس کی دعا و شفا کو میّت کے حق میں قبول فرماتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ دعا بلا کو رفع کرتی ہے۔ اور صدقہ خدا کے غضب کو بٹھاتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ

الْعَالِمُ وَالْمُتَعَلِّمُ إِذَا مَلَاحَ عَلَى قَسْرِيَةٍ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَنْفَعُ

العذاب عن مقبرة تلك القرية اربعين يوماً یعنی عالم اور تعلم جب کسی گاؤں پر گزرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے قبرستان سے عذاب اٹھا لیتا ہے چالیس دن تک اور اس باب میں آیات و احادیث بہت ہیں۔ یہاں اُن رب کا نقل کرنا ضروری نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ یحب الدعوات ویقضي الحاجات اور اللہ تعالیٰ دعاؤں کو قبول کرتا۔ اور حاجتوں کو بر لاتا ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا اَدْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَّكُمْ مَّجْمُوعًا بَيْنَ يَدَيَّ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بندہ کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ جب تک کہ کسی گناہ یا قطع رحم کے لئے دعا نہ کرے۔ اور چاہئے کہ دعائیں جلدی نہ کرے کہ یہ بات اجابت سے محرومی کا باعث ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اے مومنو! تمہارا پروردگار باحیا اور باکرم ہے۔ اُس کو اپنے کرم سے شرم آتی ہے کہ بندہ اُس سے دعا کرے۔ اور خدا اُس کو بدوں قبول کے پٹلا دے۔ اور دعائیں اصل بات نبیت حضور قلب ہے۔ اس واسطے کہ بے حضور دل کی دعا مقرون باجابت نہیں ہوتی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کفار کی دعا بھی مقبول ہوتی ہے۔ بدلیل اس آیت کے رَبِّ انْظُرْنِيْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ اس آیت سے ثابت ہے کہ خدا نے ابلیس کی دعا کو قبول فرمایا۔ اور اُسے قیامت تک مدت عطا فرمائی لیکن جمہور اس کے خلاف ہیں۔ بدلیل اس آیت کے وَمَا دَعَا الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ اور حدیث میں جمایا ہے دَعَا الْمَظْلُوْمِ مُسْتَجَابٌ وَاِنْ كَانَ كَافِرًا یعنی مظلوم کی دعا مقبول ہے۔ اگرچہ وہ کافر ہو۔ تو مراد کافر سے یہاں کفرانِ نعمت کرنے والا ہے نہ وہ کافر جو ضد مومن کی ہے۔

وَمَا اخْبَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مِنْ اَشْهُدِ السَّاعَةِ مِنْ خُرُوجِ الدَّجَالِ وَدَابَّةِ الْاَرْضِ وَیَا جُوجَ وَمَاجُوجَ وَنَزُولِ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنَ السَّمَاءِ وَطُلُوعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا فَهُوَ حَقٌّ اور آنحضرتؐ نے قیامت کی علامتوں کے ظہور کی بابت جو خبر دی ہے

جیسے دجال کا خروج کرنا اور دابۃ الارض کا اور یاجوج ماجوج کا نکلنا۔
 اور عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا۔ اور مغرب سے سورج کا نکلنا
 یہ سب حق ہے تفصیل کے لئے دیکھو عقائد ثوریشتی صف
 والمجتہد قد یخطئ وقد یمصیب اور مجتہد کی رائے
 مسائل فرعیۃ شریعہ میں کبھی خطا کرتی ہے۔ اور کبھی صواب اور مجتہد کو
 خطا پر بھی اجر ہے ۛ

اس مسئلہ میں علمائے امت یعنی بعض ائمہ اور معتزلہ کا اختلاف
 ہے۔ مگر ہم بخیاں اختصار اُس کے ذکر کو قلم انداز کرتے ہیں۔ اور مجتہد کے
 اجتہاد کے مخطی اور مصیب ہونے کے باب میں جو احادیث و آثار وارد ہیں
 صرف انہیں کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ان اصبحت
 فذلک عشر حسنات۔ ان اخطات فذلک حسنة واحدة یعنی اگر
 تو نے اپنے اجتہاد میں پوری کامیابی موافق کتاب و سنت و اجماع امت کے
 حاصل کی۔ تو تیرے لئے دس نیکیاں ہیں۔ اور اگر تو نے سو اُپتہ تقاضائے
 بشریت خطا کی تو تیرے لئے ایک نیکی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے جعل
 للمصیب اجرین وللخطی اجرا واحداً اجتہاد میں مصیب کے لئے دو اجر
 ہیں۔ اور خطا کرنے والوں کے لئے ایک اجر ہے۔ اور ابن مسعودؓ سے ہے کہ
 ان اصبحت فمن الله وإلا فمنی ومن الشیطان یعنی اجتہاد میں میرا
 مصیب ہونا خدا کی جانب سے ہے اور میرا مخطی ہونا خود میرے سوا اور
 شیطان و سوسہ سے ہے ۛ

ان احادیث منقولہ سے ظاہر ہے کہ مجتہد اجتہاد میں کبھی صواب
 پر ہوتا ہے۔ اور کبھی غلطی پر۔ لیکن چونکہ اُس سے عمداً اور دانستہ غلطی
 سرزد نہیں ہوتی۔ اور اُس کی تمام ہمت و فہم صواب کی تلاش میں مصروف
 و منہمک ہوتی ہے۔ اس لئے اُس کو غلطی پر بھی اجر ملتا ہے۔ ہذا
 ما امردنا ان نختصر فی المطالب وان شئت تفصیلاً فعلیک
 بالمطوالت ۛ

ورسل المبشّر افضل من رسل الملّٰہ بیکتہ و
 رسل الملّٰہ بیکتہ افضل من عامۃ البشر و عامۃ البشر
 افضل من عامۃ الملّٰہ بیکتہ یعنی بشر کے رسول ملائکہ کے
 رسولوں سے افضل ہیں۔ اور ملائکہ کے رسول عام انسانوں سے افضل
 ہیں۔ اور عام انسان عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ یہ بیان اجماعی
 ہے۔ اور دلائل اس کے کتاب عقائد توحیدی میں مرقوم ہیں۔
 ملاحظہ فرمادیں۔

تمہد الخیر



إطلاع عمّا

خاکسار مصنف کتاب ہدایہ نے اس کتاب کے تمام حق حقوق بموجب
 ایکٹ نمبر ۱۷۷۷ء کے رُو سے بغیر عن طبع ملک چین الدین
 خلف الرشید ملک فضل الدین سکے زئی۔ تاہر کتب قزوینی
 ملک اللہ والے کی قزوینی، دکان، بازار کشمیری کلاہسوی،
 کو ہمیشہ کے لئے دے دی ہے۔ لہذا کوئی صاحب بنیر اجازت
 ملک صاحب موصوفت قصد طبع نہ فرمادیں۔ اس لئے یہ چند
 سطور بطور اطلاع عام لکھ دیں ہیں۔ فقط۔

المشہد

اختر محمد خاں ام پوری

رکن الدین

یہ رسالہ مسائل فقہ میں بھی نہایت جامع بڑے دلچسپ پیرایہ میں بطور سوال جواب تصنیف ہوا ہے۔ یہ رسالہ اس قدر مقبول خلافت ہوا ہے کہ اس کی تعریف و فضول سب سے بڑھ کر اشتہار کے ہی اس کی اس قدر بکری ہے کہ دکان میں کتاب آتے ہی فروخت ہو جاتی ہے۔ خدا نے عجیب فیولیت عطا فرمائی ہے مصنف حضرت مولانا مولوی حاجی شاکر محمد رکن الدین صاحب نقشبندی مجددی الوری۔ آج تک اردو زبان میں مسائل فقہ کا ایسا جامع اور دلچسپ رسالہ تصنیف نہیں ہوا ہے قابل دید اعلیٰ اور خوشخط کتاب ہے۔ قیمت صرف ۱۲ روپے

اردو ترجمہ کتاب البعین فی اصول الدین

از تصنیف لطیف ابو حامد حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کتاب جو بلحاظ اعلیٰ مضامین کے نہایت نامور اور ہمیشہ عربی سے اردو زبان میں با محاورہ ترجمہ کر کر طبع کی گئی ہے اس میں امام صاحب نے انسان کو حصول اللہ کے طریق بتائے ہیں۔ اور دنیا چھوڑنے کی مفصل تشریح کر دی ہے۔ نیز آپ نے بالفاظ صریح اعلان کیا ہے کہ دنیا دار اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ صرف ذات الہی کا طالب فائدہ اٹھا سکے گا۔ نہایت خوشخط چھپ کر تیار ہو گئی ہے۔ قیمت ۱۲ روپے

اردو ترجمہ کتاب جواهر القرآن

یہ کتاب اربعین کا دوسرا حصہ ہے تصنیف حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس میں کتاب میں امام صاحب نے قرآن کریم سے جو آیات چُن چُن کر لکھی ہیں ان کی نسبت فرمایا ہے کہ جو ہر بے باہر مسلمان اس کے مطالعہ اور ورد سے مستفیض ہو سکتے ہیں۔ اور جو شخص اربعین فی اصول الدین کا مطالعہ کرے اس کے لئے اس کا پڑھنا نہایت ضروری ہے۔ درحقیقت امام صاحب نے جس خوش اسلوبی سے انتخاب جواہرات کیا ہے۔ وہ نہایت بے مثل طریقہ ہے۔ اہل ذوق و شوق دونوں کو خرید کر حزر جاں بنائیں۔ نہایت خوش قلم اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر چھپ کر تیار ہے۔ قیمت صرف ۸ روپے

عربی سے اردو ترجمہ کتاب

الشفاعہ جعفر المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ ایک بہت بڑی مشہور کتاب عربی میں حضرت قاضی ابن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب و محاسن میں تصنیف فرمائی ہے۔ اس کتاب کی خوبی اور مقبولیت احاطہ تحریر میں نہیں آسکتی کیونکہ ذات باری جس محبوب کی صفت و ثنا قرآن کریم میں اپنی زبان مبارک سے فرمائے اور جملہ فرشتگان کو اس پیارے نام پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے لئے حکم دے تو دوسرا کون بشر یا جن و ملک ہے کہ وہ اس ثنا کو پوسے طور پر ادا کر سکے حضرت مصطفیٰ نے اس مبارک کتاب کو جس خوبی اور حسن اعتقاد سے لکھ کر اپنے ایمان و محبت مصطفوی کا ثبوت دیا ہے یہ اسی مبارک ہستی کا کام تھا۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس کتاب سے بڑھ کر کوئی کتاب جناب رسول مقبول کی شان میں نہ اب تک لکھی گئی ہے اور نہ آئندہ کوئی لکھیگا۔ یہاں تک حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ جس گھر میں یہ کتاب الشفا ہوگی۔ وہاں تبصدق رسول پاکؐ بھی کوئی بیماری نہ ہوگی۔ اس میں حضرت نے وہ باریک مسائل بیان فرمائے ہیں جو آج تک بعض علما کرام کی زبان سے کم سننے میں آئے ہیں۔ ہر ایک سچے مسلمان کا ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اور وہ برکات الہی سے بہرہ یاب ہو کر جناب رسول مقبولؐ کے فیضان سے فیضیاب ہوتا ہے۔ غرض کتاب قابل دیدنی قیمت ہے۔

اولیٰ قومی کا نام ملک حسن بن فضل الدین گئے

تاجر کتب قومی منزل نقشبندیہ بازار کشمیری لاہور